إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت ويطهركم تطهيرا

يا أيها الناس إني تركت فيكم ما أخذتم به لن تضلوا: كتاب الله وعترتي أهل بيتي (ترمذی)

مجموعہ کتب

# احتساب ناصبیت

۱۱

المکتبۃ السراجیۃ لنشر الکتب الاسلامیۃ
حضوری باغ روڈ، ملتان فون: 061-4783486

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ
أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا (الاحزاب)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا إِنْ أَخَذْتُمْ بِهِ
لَنْ تَضِلُّوا: كِتَابَ اللهِ وَعِتْرَتِي أَهْلَ بَيْتِي (الترمذی)

# مجموعۂ کتب

# احتسابِ ناصبیت

## ۱۱

۵۰ خلافت علی رضی اللہ عنہ

احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

۵۱ دفاع حضرت حسین رضی اللہ عنہ

مکتبہ رحیمیہ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب : مجموعہ کتب احتساب ناصبیت (جلد یازدہم)

مصنفین : حضرت مولانا مفتی محمد زاہد مدظلہم

حضرت مولانا عبدالجبار سلفی مدظلہم

صفحات : ۴۹۶

مطبع : طیب شمشاد پرنٹنگ پریس لاہور

طبع اوّل : مئی ۲۰۲۶ء

ناشر : مکتبہ سراجیہ لنشر الکتب الاسلامیہ

حضوری باغ روڈ ملتان

0301-7500173 ..... 0303-7396203

0301-7904257 ..... 0344-7121967

## اجمالی فہرست.....مجموعہ کتب احتساب ناصبیت جلد ۱۱


| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱ | خلافت علیؓ احادیث نبویہ ﷺ کی روشنی میں | حضرت مولانا مفتی محمد زاہد مدظلہم | ۳ |
| ۲ | دفاع حضرت حسین رضی اللہ عنہ | حضرت مولانا عبدالجبار سلفی مدظلہم | ۲۳۷ |

# خلافت علی رضی اللہ عنہ

## احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

حضرت مولانا مفتی محمد زاہد مدظلہم

# خلافتِ علی رضی اللہ عنہ

## احادیث نبویہ ﷺ کی روشنی میں

تالیف: مولانا محمد زاہد

تخریج وتدوین: سید متین احمد شاہ

ملنے کا پتا

مکتبۃ العارفی

جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد

+92 41 8715856

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# فہرست


| عنوانات | صفحہ نمبر |
|---|---|
| خلافت علیؓ احادیث نبویہ ﷺ کی روشنی میں | ۱۱ |
| پیش لفظ | ۱۲ |
| تعارفِ موضوع اور اس پر گفتگو کی ضرورت | ۱۵ |
| معاصر فضا میں خلافتِ علیؓ پر شکوک کا پس منظر | ۱۶ |
| مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کا دردِ دل | ۱۷ |
| ایک اہلِ حدیث عالم کی کتاب پر تقریظ کے ضمن میں مولانا قاضی مظہر حسینؒ کا مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کو خط | ۱۸ |
| حضرت علیؓ پر اہلِ سنت کی کتابیں اور مزید کام کی ضرورت | ۲۳ |
| فریق یہاں دو نہیں تین ہیں | ۲۳ |
| موضوع کے متنوع پہلو | ۲۵ |
| زیرِ نظر گفتگو کا رخ: خلافتِ علی اور احادیثِ مبارکہ | ۲۶ |
| تحقیقِ موضوع | ۲۷ |
| انتخابِ احادیث کا منہج | ۲۷ |
| کچھ تمہیدی باتیں | ۲۹ |
| ۱- رسول اللہ ﷺ کو آنے والے واقعاتِ فتن کا تفصیلی علم دیا گیا تھا | ۲۹ |
| ۲- کیا اس موضوع پر احادیث پیش کرنا غلط ہے؟ | ۳۱ |

| | |
|---|---|
| ۳- کیا پیش گوئیوں سے خلافت منصوص ہوگئی ہے | ۳۵ |
| ۴- کیا ان احادیث کا مطالبات شریعت سے تعلق ہے؟ | ۳۶ |
| ۵- پیشین گوئیوں کے باوجود خلفائے راشدین کا عمومی دلیلوں سے استدلال | ۳۸ |
| حالات کی خرابی (فتن) کب اور کیسے شروع ہوئی؟ | ۴۲ |
| حدیث حذیفہؓ: حضرت عمر کے ساتھ مکالمہ | ۴۲ |
| خطبات عمرؓ اور حالات کی نبض شناسی | ۴۳ |
| جملہ معترضہ: زیر بحث موضوعات میں احادیث و تاریخ کا درجہ | ۴۳ |
| تدوین تاریخ اور سازشی عنصر | ۴۴ |
| آمدم برسر مطلب: حدیث حذیفہؓ: حضرت عمرؓ کے ساتھ مکالمہ | ۴۵ |
| خطبہ عمرؓ اور فتنوں کی پیش قیاسی | ۴۷ |
| حضرت عمرؓ کا اپنے خواب کا بیان اور اس کی تعبیر | ۴۸ |
| حضرت عمرؓ کا اپنے بعد امر خلافت کو چھے افراد کی شوریٰ کی طرف منتقل کرنا | ۴۸ |
| حضرت سعید بن زیدؓ کو قرابت کے باعث امر خلافت سے دور رکھنا | ۴۸ |
| حضرت عمرؓ کے داخلی فتنوں کی طرف اشارات | ۴۹ |
| دو غلط فہمیاں: عہد علی منبع فتن ہے/ یہ فتن عجمی سازش ہے | ۵۱ |
| فتوحات معیار خلافت نہیں | ۵۲ |
| فتنوں کا منبع عہد علیؓ نہیں | ۵۵ |
| حوادث فتن اصلاً عجمی سازش نہیں | ۵۶ |
| حضرت علیؓ کی خلافت شروع کیسے ہوتی ہے؟ | ۵۸ |

| | |
|---|---|
| حضرت علیؓ کی خلافت صحابہؓ میں غیر مختلف فیہ تھی | ۵۹ |
| خلافت علی رضی اللہ عنہ کی صحت پر عہد سلف کے اساطین کی شہادتیں | ۶۱ |
| ۱۔امام احمد بن حنبلؒ کی شہادت | ۶۱ |
| ۲۔حضرت عائشہؓ کی شہادت | ۶۱ |
| ۳۔طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم کی شہادت | ۶۳ |
| حضرت علیؓ کی سیاسی پوزیشن اور احادیث | ۶۷ |
| ۱.....حضرت حذیفہ کی شہادت اور ان سے منقول احادیث | ۶۷ |
| حضرت حذیفہؓ کی معیتِ علی اور ان کی مدد ونصرت کی ترغیب | ۶۸ |
| حضرت حذیفہؓ کی احادیث کی کچھ تفصیل | ۶۹ |
| حدیثِ سیار ابوالحکم | ۶۹ |
| حضرت عمارؓ کی اسلام میں حیثیت اور مقام | ۷۱ |
| علیؓ کا گروہ ہدایت پر | ۷۲ |
| حدیثِ ابوالیقظان علی الفطرۃ | ۷۳ |
| حدیثِ خالد العرنی | ۷۴ |
| حدیث ابن مسعودؓ | ۷۵ |
| ۲.....حضرت عمارؓ کے بارے میں رسول ﷺ کی بعض احادیث | ۷۹ |
| ۳.....حضرت علیؓ کے ہادی ہونے کے حوالے سے بعض احادیث | ۸۱ |
| ۱۔علیؓ کو ہدایت یافتہ ہدایت دینے والا پاؤ گے | ۸۳ |
| ۲۔حق اس کے ساتھ ہے، حق اس کے ساتھ ہے | ۸۷ |

| | |
|---|---|
| ۳-علیؓ حق پر ہے | ۸۸ |
| ۴-علیؓ قرآن کے ساتھ ہے | ۸۸ |
| ۵-حدیثِ سعدؓ: علی حق کے ساتھ ہے | ۹۰ |
| جملۂ معترضہ | ۹۰ |
| ۶-علی کو چھوڑنے والا مجھے چھوڑنے والا ہے | ۹۴ |
| ۷-اے اللہ حق اس کے ساتھ گھما دے | ۹۷ |
| ۸-علیؓ ہادی ہے | ۹۷ |
| ۹-حدیث غدیر سے حدیث ام سلمہ وغیرہ کی تائید | ۹۹ |
| حدیثِ غدیر کا انکار درست نہیں | ۱۰۱ |
| حدیثِ غدیر سے شیعہ کا نظریۂ امامت ثابت نہیں ہوتا | ۱۰۱ |
| حدیثِ غدیر کے حوالے سے ایک اشکال اور اس کا ازالہ | ۱۰۲ |
| حدیثِ غدیر سے مستفاد دو امور | ۱۰۴ |
| ۴.....خلافتِ علی سے متعلق احادیث | ۱۱۰ |
| ۱-حضرت ابو فضالہ کی حدیث | ۱۱۰ |
| ۲-ابو سنان دؤلی کی حدیث | ۱۱۲ |
| ۳- عراق جاؤ گے تو تلوار کا شکار بنو گے | ۱۱۳ |
| ۴-حضرت جابر بن سمرہؓ کی حدیث | ۱۱۴ |
| ۵-لوگ تعلق نہیں نبھائیں گے | ۱۱۵ |

| | |
|---|---|
| ۶- کینے ظاہر ہوں گے | ۱۱۷ |
| ۷- تمہیں مشکلات کا سامنا ہوگا | ۱۲۰ |
| مشاجرات صحابہؓ میں نزاکت کی وجہ | ۱۲۰ |
| ۵..... بعد کے سیاسی حالات کے بارے میں عمومی پیشین گوئیاں | ۱۲۱ |
| ۱- خلافت علی منہاج النبوۃ اور اس کے بعد بادشاہت | ۱۲۱ |
| ۲- خیر وشر کے مختلف مراحل کی پیش گوئی | ۱۲۲ |
| ۳- خلافت تیس سال ہوگی | ۱۲۷ |
| شاہ عبدالعزیزؒ اور صلح حسنؓ کی حکمت | ۱۲۹ |
| خاندانِ نبوت کی اطاعت وقیام دونوں میں اسوہ اور امام احمدؒ کا ایک ارشاد | ۱۳۰ |
| عہد علوی کے داخلی قتال | ۱۳۱ |
| قتالِ علیؓ کے بارے میں عمومی حدیثیں | ۱۳۷ |
| ۱- لیکن وہ جو تا گانٹھنے والا ہے | ۱۳۸ |
| ۲- ناکثین، قاسطین اور مارقین سے قتال کا حکم | ۱۴۱ |
| شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی خاص رائے | ۱۴۹ |
| واقعۂ جمل اور حدیث نبوی ﷺ | ۱۵۲ |
| حضرت عائشہ، طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم کا رجوع | ۱۵۲ |
| ام المؤمنین حضرت عائشہؓ | ۱۵۴ |
| ۱- حدیثِ حوأب | ۱۵۴ |

| | |
|---|---|
| ۲-مرسل طاؤس | ۱۵۵ |
| ۳-حدیث ابن عباسؓ | ۱۵۵ |
| ۴-حدیث ابورافع | ۱۵۷ |
| ۵-حدیث ام سلمہؓ | ۱۵۹ |
| ۶-حضرت حذیفہ | ۱۵۹ |
| متعدد حضرات کو جمل کا پہلے سے اندازہ تھا | 160 |
| حضرت زبیرؓ کا معاملہ وحضرت طلحہؓ کا معاملہ | ۱۶۱ |
| جنگِ صفین اور احادیثِ رسول ﷺ | ۱۶۶ |
| قتلِ عمارؓ کے بارے میں ارشادِ نبوی | ۱۶۶ |
| ابن عمرؓ کا باغیوں سے قتال نہ کرنے پر افسوس | ۱۷۴ |
| خوارج کے ساتھ قتالِ علیؓ اور احادیثِ رسول ﷺ | ۱۷۸ |
| حضرت علیؓ کا قتلِ خوارج سے اپنی حقانیت پر استدلال | ۱۸۶ |
| قتلِ خوارج سے حضرت کی حقانیت پر حضرت عائشہؓ کا استدلال | ۱۸۶ |
| حضرت علیؓ کا خطبۂ بصرہ اور ایک اشکال | ۱۸۹ |
| مشاجراتِ صحابہؓ اور مقامِ صحابہؓ کا مسئلہ | ۱۹۸ |
| غدر کے فہم کے لیے اہم اصول | ۲۱۲ |
| حضرت علیؓ سے محاربہ کرنے والوں کا مقام | ۲۱۵ |
| محض بغاوت کی وجہ سے کفر، فسق یا لعنت کا اطلاق درست نہیں | ۲۲۰ |
| متکلمین کا نقطۂ نظر | ۲۲۴ |

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# خلافت علیؓ احادیث نبویہ ﷺ کی روشنی میں

ہمارے ملک عزیز کے بعض بدنصیب ناصبی سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے منعقد ہونے کے قائل نہیں۔ وہ صرف خلفاء ثلاثہؓ کو خلیفہ راشد مانتے ہیں۔ شیر خدا، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خلفائے راشدین موعودہ فی القرآن میں سے تسلیم نہیں کرتے۔

ہمارے گرامی قدر مولانا مفتی محمد زاہد مدظلہم نے خالصتاً احادیث نبویہ ﷺ کی روشنی میں انتہائی متانت و محنت کے ساتھ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے انعقاد کو واضح دلائل کی روشنی میں ثابت کیا ہے۔

ہم اس علمی کاوش کو اس ''مجموعہ کتب احتساب ناصبیت'' میں پچاس (۵۰) نمبر پر شائع کرنے میں خوشی محسوس کر رہے ہیں۔

(ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# پیش لفظ

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین، ومن تبعھم بإحسان إلی یوم الدین، وبعد:

یہ چند صفحات ایک ایسے موضوع پر پیش کیے جا رہے ہیں جس پر کچھ کہنا یا لکھنا مزاجاً کبھی مرغوب نہیں رہا، لیکن گذشتہ کچھ بیس پچیس برسوں میں مسلسل ایسے تجربات ہوئے اور وہ کچھ پڑھنے اور سننے کو ملا جس سے اندازہ، بلکہ یقین ہوا کہ ہماری تاریخ کے اس انتہائی تاب ناک باب اور خلافتِ راشدہ کے ایک حصے کو، جو امیر المؤمنین اور مولی المؤمنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے دور سے متعلق ہے، بری طرح مسخ کر کے پیش کیا جا رہا ہے اور اس میٹھے زہر سے خصوصاً نئی نسل متاثر ہو رہی ہے۔ ٹھیٹھ دین دار نوجوانوں کو بھی اہل السنت والجماعت کے مسلمات سے اجنبیت محسوس ہونے لگی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ صورتِ حال کے اس ادراک میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔

جس کو دیکھو اس مظلوم ذات پر ایک سے ایک بڑھ کر عجیب وغریب اعتراض لے کر پھر رہا ہوتا ہے۔ یہ بھی تجربہ ہوا کہ کسی کے سوال پر مختصر جواب مزید الجھن کا باعث بن سکتا ہے اور ہر جگہ مفصل جواب ممکن نہیں ہوتا۔ اس لیے اس طرح کے موضوعات سے طبعی مناسبت نہ ہونے کے باوجود کچھ عرصے سے اس ضرورت کا احساس ہو رہا تھا کہ اسلامی تاریخ کے اس حصے کا اس انداز سے جائزہ لیا جانا ضروری ہے، جس سے حضرت علیؓ کی ذات اور خلافت پر اٹھنے والے اعتراضات کا ازالہ ہو جائے۔ یہ بھی احساس تھا کہ اس دور کی تاریخ کو سمجھنے کے معاملے میں ایک مسلمان کے لیے اہم کلید رسول اللہ ﷺ کے وہ ارشادات ہیں جن میں آپ نے اپنے بعد پیش آنے والے واقعات کے بارے میں پیشگی بہت کچھ بتایا ہے۔

تاریخ بھی خبر دینے والوں کی خبر سے وجود میں آتی ہے اور یہ تو سب سے سچی زبان سے صادر ہونے والی خبر ہے، بس یہ فرق ہے کہ یہ خبر واقعات سے پہلے دے دی گئی

ہے۔ چناں چہ اسی احساس کے ساتھ جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد میں ''حضرت علیؓ کی خلافت: احادیثِ نبویہ کی روشنی میں'' کے عنوان سے ایک محاضرے کا انعقاد کیا گیا، جس میں آخری درجات کے طلبہ اور علما نے شرکت کی۔ یہ محاضرہ تقریباً چار گھنٹے پر محیط رہا اور اسے ریکارڈ کر کے یوٹیوب اور فیس بک پر بھی نشر کیا گیا۔ براہِ راست سامعین اور ملک و بیرون ملک سوشل میڈیا پر سننے والوں سے معلوم ہوا کہ انہیں اس سے کافی فائدہ محسوس ہوا اور کئی الجھنوں کے ازالے میں مدد ملی۔

ہمارے فاضل دوست مولانا سید متین احمد شاہ صاحب (مدیر ''فکر و نظر'' اسلام آباد و فاضل جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد) نے یوٹیوب سے سن کر بہت سلیقے سے اسے قلم بند بھی کر دیا اور حاشیے میں حوالہ جات اور اصل عربی عبارات کا بھی اندراج کر دیا۔ ہم تو اپنے طور پر اپنا کام کر کے فارغ ہو چکے تھے، مختلف احباب کی فرمائش کے باوجود اس محاضرے کی مزید کسی انداز کی اشاعت کا ارادہ نہیں تھا، بس خیال تھا اس تمہیدی محاضرے کے بعد کبھی موقع ملا تو خلافتِ راشدہ کے اس حصے پر اٹھائے جانے والے اشکالات پر کچھ مزید محاضرات ریکارڈ کرا دیے جائیں گے، تاکہ محاضرات کے اس سلسلے کے ذریعے موضوع کی تکمیل ہو جائے، لیکن شاہ صاحب نے جس سلیقے اور خوب صورتی سے اس محاضرے کی تدوین کی اس سے ہماری بھی بھوک جاگ اٹھی کہ اسے تحریری شکل میں بھی شائع ہونا چاہیے، جو شاید کسی تحقیقی مجلے کے مفصل مقالے کے انداز میں ہو سکتا تھا، لیکن جب راقم الحروف نے نظرِ ثانی کے دوران اس میں اضافات کیے تو ضخامت دوگنی سے بھی کہیں زیادہ ہو کر اتنی بڑھ گئی کہ الگ کتابی شکل میں شائع کیے بغیر کوئی چارا نہیں رہا۔

اگرچہ اصلاً یہ ایک سلسلۂ محاضرات کی پہلی تمہیدی کڑی تھی، لیکن ایک لحاظ سے موضوع کے ایک گوشے پر مکمل بحث بھی ہے، اس لیے مزید کام کے انتظار میں اس کی اشاعت کو موقوف رکھنا مناسب معلوم نہیں ہوا؛ چناں چہ اب کتابی شکل میں یہ مواد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

کام پر نظرِ ثانی کے دوران میں مراجعتِ کتب کا دوبارہ موقع ملا تو یہ احساس پہلے

سے زیادہ ہوا کہ علیؓ اور اولادِ فاطمہؓ (اہلِ کساء) کی سیاسی فکر، جو ان کے اقوال اور طرزِ عمل دونوں سے سمجھ میں آتی ہے، اس میں جو نپا تلا پن، توازن، اعتدال اور خوب صورتی نظر آتی ہے، اس میں جس طرح سے تنوع اور مختلف حالات کے اعتبار سے مختلف رنگ نظر آتے ہیں، وہ ہماری تاریخ کا بہت درخشاں باب اور مختلف حالات میں امت کی راہ نمائی کا بڑا ذخیرہ ہے۔ یہ برگزیدہ ہستیاں بھی کسی مسلک کا نہیں پوری امت کا اثاثہ ہیں۔ اللہ کرے اہل السنت میں اس عظیم باب پر مزید علمی کام کی توفیق وافر ہو۔

یہ اصلاً نہ تو حضرت علیؓ کے مناقب کی کتاب ہے کہ وہ اس سے کہیں زیادہ وسیع موضوع ہے، اور اس پر اردو سمیت دیگر زبانوں میں مواد دست یاب ہے، نہ مشاجراتِ صحابہؓ ہی براہِ راست اس خطاب کا موضوع تھا اور نہ براہِ راست عقیدہ وکلام اس کا موضوع ہے، بلکہ اس کی حیثیت اس خاص دور کی تاریخ کو ایک مسلمان کے زاویۂ نگاہ سے سمجھنے کے لیے ایک مقدمہ، مدخل اور تمہید کی تھی۔ اگر اللہ کے ہاں مقدر ہوا تو اصل موضوع کے مختلف گوشوں، جن کی نشان دہی خود اس خطاب کے شروع میں کی گئی ہے، پر بات ہوسکتی ہے؛ یعنی حضرت علیؓ کی شخصیت اور تاریخ کے اس حصے کی اس طرح سے تصویر کشی کہ صحیح حقائق سامنے آکر بے جا اعتراضات کا خاتمہ ہوجائے، تاہم اس ساری بحث سے مشاجرات کے مسئلے کی طرف ذہن منتقل ہونا فطری امر ہے:

اس لیے آخر میں بطور ضمیمہ اس موضوع پر اہل السنت کے عمومی نقطۂ نظر کی تفہیم کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ایک اور ضمیمے کی ضرورت محسوس ہورہی تھی، جس میں اہل السنت والجماعت کی نمایاں شخصیات کی وہ عبارات بھی پیش کردی جائیں جن سے معلوم ہو کہ واقعی اہل السنت کا عمومی رخ وہی ہے جو ان احادیث سے سمجھ میں آرہا ہے۔ اس ناکارہ کے پاس ایسی عبارات کا کافی ذخیرہ موجود ہے، لیکن اس کے اندراج سے ضخامت کافی بڑھ جاتی، اس لیے فی الحال اس سے گریز کیا گیا ہے، البتہ درمیان میں خود متن یا حواشی میں بعض عبارات شامل کردی گئی ہیں، بالخصوص ایسی شخصیات کی جو رد تشیع کے حوالے سے کافی معروف ہیں۔

جیسا کہ خود کتاب میں بھی عرض کردیا گیا ہے کہ اس کے مخاطب وہ حضرات نہیں

ہیں جو اس موضوع پر ہم سے مختلف نقطۂ نظر رکھتے ہیں، بلکہ مخاطب صرف وہ حضرات ہیں جن کا یہ خیال ہوسکتا ہے کہ اس موضوع کو سمجھنے میں انہیں ہماری کسی کاوش سے بھی مدد مل سکتی ہے۔ اس کاوش کا مقصد کسی کلامی یا مناظراتی بحث کا آغاز کرنا یا اس میں الجھنا بھی نہیں ہے، حتی کہ آج کے دور میں جسے ''مثبت مکالمہ'' کہا جاتا ہے وہ بھی اس کا مقصد نہیں ہے؛ اس لیے جن احباب کو اس سے کوئی فائدہ محسوس ہو وہ اس ناکارہ کے لیے دعاے خیر فرمادیں وگرنہ جس خیال پر وہ کار بند ہیں وہ انہیں مبارک ہو، اس لیے اس تحریر کے جواب میں سامنے آنے والے کسی بحث مباحثے کے جواب کا انتظار نہ رکھا جائے، یہ ناکارہ کسی مناظرے یا ''مثبت مکالمے'' کے لیے دست یاب نہیں ہوگا۔ یہ امید ضرور ہے کہ کوئی بھی مثبت یا منفی راے قائم کرنے سے پہلے پوری کتاب کو ملاحظہ ضرور فرمالیا جائے گا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی اس حقیر کاوش کو قبول فرما کر اپنی، اپنے حبیب ﷺ اور ان کی آل واصحاب کی محبت کا ذریعہ بنائے۔ آمین!

محمد زاہد

جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد پاکستان

۲۱ جمادی الاولی ۱۴۴۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## تعارفِ موضوع اور اس پر گفتگو کی ضرورت

زیرِ نظر موضوع ''حضرت علیؓ کی خلافت احادیثِ نبویہ ﷺ کی روشنی میں'' کے بارے میں سب سے پہلا سوال تو یہ ہے کہ اس موضوع پر گفت گو کی ضرورت کیا ہے؟ کیوں کہ بادی النظر میں یہ لگتا ہے کہ اہل السنت والجماعت کے ہاں یہ بات طے شدہ اور ان کے مسلمات میں سے ہے کہ خلفاے راشدین چار ہیں، جن میں چوتھے حضرت علیؓ ہیں۔ اس معاملے میں اہل السنت والجماعت کے درمیان کوئی بھی اختلاف موجود نہیں ہے، یہ اجماعی مسئلہ ہے، تو پھر اس پر بات کرنے کی ضرورت کیوں ہے؟ بنیادی طور پر جو ہمارا ذوق ہے، وہ یہ ہے کہ زیادہ گفت گو ان مسائل پر کی جائے، جو ہماری آج کی زندگی سے

متعلق اور آج کے ایشوز ہیں۔ مثلاً آج کی ایک اہم بحث مسئلۂ خلافت ہی کو لیں تو ایک اہم سوال اٹھتا ہے کہ آج اگر ہم نے خلافت قائم کرنی ہو تو شریعت ہم سے اس طرح کا کوئی تقاضا کرتی ہے یا نہیں؟ کرتی ہے تو وہ کس طرح سے کرتی ہے؟ آج کی ہماری زندگی سے متعلق اور بھی بہت سارے مسائل ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ہماری توجہ کا اصل محور وہی مسائل ہونے چاہییں، جو آج امت کو درپیش ہیں۔

جو چیزیں طے ہو چکیں، وہ طے ہو چکیں، ان پر زیادہ بات کرنے کی ضرورت نہیں ہے؛ اس لیے نہیں کہ وہ چیزیں درست نہیں ہیں، بلکہ اس لیے کہ وہ طے شدہ ہیں اور ان پر مغز کھپائی کرنا تحصیلِ حاصل ہے، اس لیے اس موضوع یا اس سے ملتے جلتے موضوعات پر گفت گو کرتے ہوئے مجھے ہمیشہ جھجک رہتی ہے کہ امت کے سامنے اتنے بڑے بڑے مسائل موجود ہیں، اور ہم اسی ماضی میں الجھے رہیں، وہ چیزیں جو تقریباً طے ہو چکی ہیں، ان پہ وقت لگائیں، اس کی کیا ضرورت ہے؟

## معاصر فضا میں خلافتِ علیؓ پر شکوک کا پس منظر

لیکن معاملہ دوسری طرف یہ ہے کہ امیر المومنین حضرت علیؓ کی خلافت کے بارے میں یہ تو اہل السنت والجماعت کا اجماع ہے کہ وہ خلافتِ راشدہؓ کا حصہ ہے اور وہ ایک منعقد اور طے شدہ خلافت ہے، لیکن پچھلے کچھ عرصے میں پچاس، ساٹھ، ستر سال کے اندر یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ لیں کہ پچھلی ایک صدی کے اندر ردِ تشیع میں یا انکارِ حدیث میں؛ یہ دو رجحانات ہیں جنھوں نے ہماری تاریخ کے حوالے سے ایک نئے بیانیے کو رواج دیا۔ اس بیانیے کے بہت سارے اجزا ہیں اور بادی النظر میں لگتا ہے کہ بعض باتیں بہت خوب صورت ہیں اور ان باتوں میں لگتا ہے کہ دفاعِ صحابہؓ کیا جا رہا ہے، یا ان باتوں میں لگتا ہے کہ اہلِ تشیع کی تردید ہو رہی ہے، لیکن اس بیانیے کے ذریعے کبھی کھل کر اور کبھی مخفی انداز سے حضرت علیؓ کی خلافت کے بارے میں بہت سارے شکوک وشبہات پیدا کیے جاتے ہیں۔ جب بات کی جاتی ہے تو آگے سے جواب یہ ملتا ہے کہ یہ تو ساری تاریخ کی باتیں ہیں، تاریخ کا تو اعتبار ہی کوئی نہیں ہے، لیکن پھر جب خود اپنی بات کرنے پہ آئیں گے تو زیادہ تر بلکہ تقریباً تمام تر اسی تاریخ کے ادھورے حوالے دیں گے۔

اس بہانے کے اثرات اہل حدیث اور دیوبندی مکتب فکر کے کئی لوگوں میں (اور شاید کسی قدر بریلوی مکتب فکر میں بھی) آہستہ آہستہ سرایت بھی کر گئے ہیں۔ ہمارے علما میں کچھ شخصیات ایسی بھی تھیں، جن کو بہت شروع میں اندازہ ہو گیا کہ یہ بات کدھر کو جائے گی اور کیا رخ اختیار کرے گی، لیکن کچھ حضرات ایسے بھی تھے، جن کو ذرا آہستہ آہستہ اندازہ ہوا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے اور اس کا جو ظاہری پہلو ہے، اپنے انجام کے لحاظ سے وہ نہیں جو نظر آ رہا ہے، بلکہ اس کا رخ کسی اور طرف کو جاتا ہے۔ یہ احساس، کم یا زیادہ شکل میں، مختلف بزرگوں کو ہوا۔

## مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کا دردِ دل

مثال کے طور پر ہمارے بزرگوں میں ایک نام مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کا ہے۔ آپ حضرت شیخ الہند کے براہ راست شاگرد ہیں، علمائے دیوبند کے ہمیشہ معتمد علیہ رہے ہیں۔ علمی اعتبار سے جہاں بہت وسیع مطالعے اور بے مثال حافظے کے مالک ہیں، وہیں استنباط کی بھی عجیب وغریب صلاحیت کے حامل بزرگ ہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ دردِ دل اور جذبِ دروں رکھنے والے بزرگ ہیں۔ باطنی مقام بھی بہت بلند ہے[1]۔ وہ ایک جگہ جدید لکھنے والوں کی طرف سے حضرت علیؓ کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

کہتے ہیں کہ جو مقابلہ غیروں سے ہو رہا تھا، علیؓ نے غیروں سے ہٹا کر اس مقابلہ اور مقاتلہ کو خود باہم مسلمانوں کے اندر قائم کر دیا۔ سمجھا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تلوار نکالنے کی سنت سب سے پہلے حضرت ہی نے قائم کی۔ اس سلسلے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ جن احسان فراموشیوں کا ارتکاب کرنے والے کر رہے ہیں، اور جن الفاظ میں اللہ کے اس برگزیدہ بندے کو یاد کرنے والے یاد کر رہے ہیں، الی

---

[1] اپنے والد صاحبؒ سے دورانِ درس میں ان کی کرامت سنی تھی کہ اپنے انتقال سے کچھ عرصہ پہلے یہ کہنا شروع کر دیا کہ بوڑھا جنت نہیں جائے گا۔ کسی کو بات سمجھ میں نہیں آئی۔ انتقال کے بعد بال مبارک جو سفید تھے، وہ سیاہ ہونا شروع ہو گئے، اب سمجھ میں آئی کہ جوان ہو کر جنت میں جا رہے ہیں۔

اللہ العشری کے سوا اسکے جواب میں اور کیا کیا کہا جاتا ہے۔ ان کے دور حکومت کے نقشے کو دکھلا دکھلا کر پوچھا جاتا ہے، اسلامی دائرۂ اقتدار میں بتایا جائے کہ زمین کا کتنا حصہ انہوں نے داخل کیا؟ اسی کو دکھا کر اعلان کر دیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے حکم رانوں میں علی سے زیادہ ناکام حکم ران اسلامی تاریخ میں کوئی نہیں گزرا۔

(مناظر احسن گیلانی، حضرت امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی، کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۳ء، ص ۳۴۹)

بلکہ مولانا گیلانیؒ کا یہ اقتباس پڑھ کر شاید قارئین کو بھی کچھ گمان ہو کہ اعتراض تو حضرت علیؓ پر ٹھیک معلوم ہو رہا ہے، لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ اعتراض ٹھیک لگنے کی وجہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سے ناواقفیت اور کچھ غلط اصولوں کا ذہن میں بیٹھ جانا ہے۔

## ایک اہلِ حدیث عالم کی کتاب پر تقریظ کے ضمن میں مولانا قاضی مظہر حسینؒ کا مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کو خط

ایک اور مثال کے طور پر ہمارے بزرگوں میں حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ ہیں۔ ان کا ایک خط حضرت مولانا تقی عثمانی دامت برکاتہم کے نام ہے؛ اس خط کا پس منظر یہ ہے کہ ایک اہلِ حدیث عالم ہیں، انہوں نے بظاہر سیدنا معاویہؓ کے دفاع میں کتاب لکھی ہے۔ مشہور اہلِ حدیث عالم ہیں، (اس طرح کی گفتگو میں کسی کا نام لینا ہمارا معمول نہیں ہے)، لیکن اس کتاب میں حضرت علیؓ کے بارے میں نامناسب انداز اختیار کیا گیا اور ان کے بارے میں تعبیرات غیر مناسب استعمال کی گئی تھیں۔ کتاب کافی ضخیم ہے۔ وہ کتاب جب چھپی تو اس پر حضرت مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کی تقریظ تھی کہ یہ اس موضوع پر سب سے جامع کتاب ہے۔

قاضی مظہر حسین صاحبؒ کی نظر سے گزری تو وہ تو ٹھٹھک گئے اور اچنبھے کی کیفیت میں حضرت مولانا محمد تقی صاحب کو خط لکھ دیا کہ اس طرح کی کتاب پر تقریظ کیسے لکھ دی گئی؟ تو حضرت مولانا تقی عثمانی دامت برکاتہم نے جواب میں لکھا کہ درحقیقت اس کتاب پر البلاغ میں میرا تبصرہ چھپا تھا اور ساتھ جوابی خط میں حضرت نے البلاغ کے اس تبصرے کی کاپی بھی لگائی۔

اس میں جہاں اس پہلو کی تعریف کی گئی تھی کہ یہ جامع کتاب ہے، وہیں اگلے پیراگراف میں اس بات کی نشان دہی بھی کی گئی تھی کہ حضرت علیؓ کے بارے میں جو انداز اختیار کیا گیا ہے، وہ مقابلِ اصلاح ہے، لیکن ناشر نے حضرت مولانا تقی صاحب کے تبصرے کا پہلا حصہ تو چھاپ دیا، لیکن دوسرا حصہ اس میں نہیں چھپ سکا۔ (کوئی وجہ ہوگی کہ ناشر نے دوسرا حصہ چھاپنے کی ضرورت محسوس نہیں کی)۔[1]

---

[1] یہ تبصرہ مولانا صلاح الدین یوسف صاحب کی کتاب خلافت وملوکیت: تاریخی وشرعی حیثیت پر تھا اور البلاغ کے مئی ۱۹۷۱ء کے شمارے (جلد: ۵، شمارہ ۳، ربیع الاول ۱۳۹۱ھ) میں شائع ہوا۔ کتاب کے علمی مباحث، حضرت عائشہؓ وحضرت معاویہؓ کے موقف کے دفاع اور دیگر امور کے حوالے سے مصنف کی کاوش کی تحسین کے بعد تبصرہ نگار (مولانا محمد تقی عثمانی زیدفی مجدہم) لکھتے ہیں: ''البتہ کتاب میں تین باتیں ہمیں خاص طور پر کھٹکتی ہیں۔'' ان تین باتوں میں سے پہلی بات کے سلسلے میں لکھا ہے: ''حضرت عثمانؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہؓ کا دفاع کرتے ہوئے کئی جگہ مؤلف نے اس بات کا اظہار تو کیا ہے کہ وہ جمہور اہلِ سنت کے مسلک کے مطابق حضرت علیؓ کو مخلص اور مجتہد سمجھتے ہیں، نیز علمائے اہلِ سنت کے وہ ارشادات بھی بلاتنقید نقل فرمائے ہیں جن میں حضرت علیؓ کو مجتہدِ مصیب قرار دیا گیا ہے۔ اس سے صاف واضح ہے کہ مصنف کا عقیدہ اس معاملہ میں جمہور اہلِ سنت ہی کے مطابق ہے، لیکن واقعات کو جس انداز سے بیان کیا گیا ہے اور مولانا مودودی کے مختلف اعتراضات کا متعدد مقامات پر جس انداز سے الزامی جواب دیا گیا ہے، اس کو پڑھنے کے بعد حضرت علیؓ کے موقف کے بارے میں کوئی اچھا تاثر قائم نہیں ہوتا، بلکہ قاری کا ذہن یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اہلِ سنت نے حضرت علیؓ کے موقف کو برحق قرار دینے میں حقیقت پسندی سے زیادہ جذباتی عقیدت سے کام لیا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ تاثر غلط ہے اگرچہ مصنف کی طرف سے یہ تاویل کی جا سکتی ہے کہ کتاب کا اصل موضوع چونکہ حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہؓ کے موقف کو واضح کرنا ہے، اسلیے اس میں حضرت علیؓ کے دلائل سامنے نہیں آسکے، لیکن موضوع کی نزاکت کا تقاضا یہ ہے کہ جب اس پر کوئی مفصل گفتگو ہو تو قارئین کو ہر ممکن غلط فہمی سے بچایا جائے۔ اس لیے ہمارا مشورہ ہے کہ فاضل مصنف آئندہ ایڈیشن میں کتاب کے ان حصوں پر نظرِ ثانی کر کے ان میں حضرت علیؓ کا موقف بھی واضح فرمائیں۔ اس کے بعد یہ کتاب اہلِ سنت کے مسلک کی بہترین نمائندہ دستاویز ہوگی۔''

(محمد تقی عثمانی، البلاغ، شمارۂ مذکور، ۶۵، ۶۶)

اس پر قاضی صاحبؒ نے جوابی خط لکھا کہ میرا دل صاف ہو گیا ہے، غلط فہمی جو مجھے تھی، وہ دور ہو گئی ہے، البتہ اب ایک کام کرنے کا ہے۔ وہ کام یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت بھی اہلِ سنت کے نزدیک اصولی طور پر اسی طریقے سے ایک منعقد خلافت ہے جس طرح پہلے تین خلفا کی خلافت ہے۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لیے اس پر مستقلاً لکھنے کی ضرورت ہے۔ قاضی صاحب نے حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب سے شاید اس لیے کہا ہوگا کہ اس موضوع پر آپ زیادہ بہتر لکھ سکتے ہیں، تاہم اس کے علاوہ اس موضوع پر لکھنے کی فرمائش کی ایک اور خاص وجہ بھی ہے۔

خلفاے ثلاثہ پر جو اعتراضات ہیں وہ پرانے لوگوں کے ہیں اور زیادہ تر پرانے انداز کے ہیں، حضرت علیؓ کی خلافت پر جو طعن کیے گئے ہیں، انکا اگر ہم فکری پس منظر دیکھیں تو ہمیں یہ نظر آئے گا کہ اس سارے بیانیے کے پیچھے تجدد پسندانہ ذہنیت ہے۔ خاص طور پر پچھلی صدی کے اندر ایک طبقہ رہا ہے جو اپنے آپ کو اہلِ قرآن کہلاتا رہا ہے یا اسے اہلِ قرآن کہا جاتا تھا۔ ان میں مثلاً تمنا عمادی، حبیب الرحمن کاندھلوی، حکیم نیاز احمد اور دیگر لوگ ہیں۔ ان میں سے اگرچہ ہر ایک کی اپنی اپنی فکر ہے، لیکن بنیادی طور پر یہ تقریباً وہی مکتبِ فکر ہے جو غلام احمد پرویز کا ہے۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ محمود احمد عباسی کا بھی اسی مکتبِ فکر سے ربط و تعلق رہا ہے۔[1]

---

[1] اس حوالے سے یہاں پر حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ (آپ کے مختصر تذکرے کے لیے دیکھیے: مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، نقوشِ رفتگاں (کراچی: مکتبہ معارف القرآن، ۲۰۰۷ء، ص ۳۷۳-۳۸۳) جیسے ثقہ عالم کی ایک شہادت درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جس سے عباسی صاحب کے اس ربط اور مزاج و مذاق کا خاص اندازہ ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ''محمود احمد صاحب عباسی، مصنفِ ''خلافت معاویہ و یزید'' و ''تحقیق مزید'' وغیرہ سے بندہ لیاقت آباد میں رہنے کی وجہ سے ایک عرصہ سے واقف تھا۔ شروع شروع میں روافض دشمنی کی قدرِ مشترک کی وجہ سے عباسی صاحب سے خاصی دوستی تھی۔ کبھی کبھی ان کے کہنے پر بعض عربی عبارتوں کے ترجمہ میں مدد بھی دی۔ اسی طرح بعض کتابوں کے حصول میں معاونت بھی کی۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ روافض کے خلاف عباسی صاحب اچھا کام کر رہے ہیں، بلکہ بعض بزرگوں کی ملاقات عباسی صاحب سے بندہ ہی نے کروائی۔ (حاشیہ جاری ہے!)

حضرت علیؓ اور ان کے خانوادہ پر اعتراضات والی فکر کی اگر ہم تاریخی جڑیں دیکھیں تو وہ اسی تجدد پسندانہ ذہنیت کے ساتھ جا کر ملتی ہیں۔ عام طور پر اس بیانیے سے ہمارے سیدھے سادے نوجوان صرف یہ دیکھ کر متاثر ہو جاتے ہیں کہ یہ شیعوں کی تردید ہو رہی ہے،

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) ایک عاشورائے محرم پر عباسی صاحب کا یہ رنگ بھی دیکھا کہ ان کے مکان پر اچھے خاصے لوگ جمع ہیں اور عباسی صاحب حضرت زینب بنت النبی ﷺ کا اور ان کی اولاد و امجاد کا ذکر کر رہے ہیں اور آنکھوں سے آنسو بہ رہے ہیں۔ اس منظر سے میں خاصا متاثر ہوا، لیکن کچھ دن بعد یہ واضح ہوا کہ موصوف خاصے ناصبی ہیں۔ ایک بار میرے اور کچھ لوگوں کے سامنے حضرت فاطمہ الزہراء پر العیاذ باللہ تنقید شروع کر دی اور ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا کہ وہ ''اتنی سی تھیں''، یعنی ان کا قد چھوٹا تھا۔ میں فوراً کھڑا ہو گیا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت فاطمہ کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ فاطمہ کو جو چیز اذیت دے، وہ مجھے بھی اذیت پہنچاتی ہے۔ آپ کس طرح خاتون جنت کی غیبت کر رہے ہیں؟ میں نے یہ بھی کہا کہ ''بخاری'' کی حدیث ہے۔ اس پر وہ ''بخاری'' اور دیگر کتب حدیث پر تنقید کرنے لگے اور منکرینِ حدیث کے طرز پر ''احادیثِ صحاح'' کو ''عجمی سازش'' کہنے لگے۔ اس سے پہلے میں مشہور منکرِ حدیث، تمنا عمادی کو ان کے یہاں دیکھ چکا تھا، وہ ان کے بڑے مداح تھے اور ان کی خود ساختہ تحقیقات کے خاصے معترف تھے۔ ان واقعات کے بعد بندہ نے عباسی صاحب کے یہاں آنا جانا چھوڑ دیا اور مجھ پر واضح ہو گیا کہ یہ شخص ناصبی اور منکرِ حدیث ہے۔ واللہ اعلم عند اللہ تعالیٰ وہو اعلم! کتبہ: ولی حسن، مفتی دارالافتاء جامع العلوم الاسلامیہ، کراچی۔ ۱۲ر جمادی الاوّل ۱۴۰۰ھ۔ (دیکھیے: ''ضمیمہ'' از مفتی ولی حسن ٹونکی، مشمولہ، قاضی اطہر مبارکپوری، علی و حسین، لاہور: مکتبہ سید احمد شہید، ۲۰۰۳ء، ۳۱۷، ۳۱۸)

اسی کتاب کے اس ''ضمیمہ'' میں حکیم محمود احمد برکاتی کا مضمون ''عباسی صاحب حقیقتاً کیا تھے؟'' (۳۱۹-۳۲۶) بھی قابلِ ملاحظہ ہے جس سے ان کے فکری رخ اور حضرت علیؓ کے حوالے سے جذبات کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہاں پر ایک اور شہادت مولانا عامر عثمانی (فاضلِ دیوبند) کی پیش کی جاتی ہے۔ آپ وہ شخصیت ہیں جو اپنے ماہنامہ ''تجلی'' میں جناب محمود احمد عباسی کی کتاب خلافتِ معاویہ ویزید کی تائید میں لکھتے رہے ہیں، لیکن عباسی صاحب سے کراچی میں ملاقات کے بعد ان کی رائے بالکل بدل کر رہ گئی اور ''تجلی'' کے صفحات پر اس مجدد ناصبیت کے دفاع سے بالکل سکوت اختیار کر لیا۔ اپنی کتاب تجلیاتِ صحابہ میں اس سکوت اور محمود عباسی کے دفاع سے رجوع کو انہوں نے ''ہم رجوع کرتے ہیں'' کے عنوان سے بیان کیا۔ اس عنوان کے تحت وہ لکھتے ہیں: ''تجلی کے دیرینہ قارئین بھولے نہ ہوں گے کہ ہم نے مہینوں تک جناب محمود احمد عباسی کی کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' کی حمایت میں صفحات سیاہ کیے ہیں۔ (حاشیہ جاری ہے)

ورنہ اس کے پیچھے حقیقت میں ایک خاص قسم کی تجدد پسندانہ ذہنی تہوتی ہے اور اس کو بیان کرنے کے لیے شاید حضرت قاضی صاحبؒ نے محسوس فرمایا ہو کہ میرا سیدھا سادا قلم اتنا کام نہ کر سکے، جتنا حضرت مولانا محمد تقی صاحب جیسی شخصیت کر سکتی ہے، لیکن ظاہر ہے حضرت کی اور بہت ساری مصروفیات رہی ہوں گی اور اب اس وقت ان کے بڑھاپے کا بھی دور ہے، بہت سے کام آدمی کرنا چاہ رہا ہوتا ہے لیکن نہیں کر پاتا، اس لیے وہ یہ کام نہیں کر پائے۔

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) ہمارا مقصد یزید کی حمایت نہ تھا، بلکہ ہم حضرت معاویہؓ کا دفاع کرنا چاہتے تھے اور حضرت معاویہؓ کا دفاع بھی مقصود بالذات نہیں تھا، بلکہ نفس صحابیت کی تکریم پیش نظر تھی، لیکن یکلخت ہم نے اس موضوع کا دروازہ بند کر دیا اور اس کے بعد سے آج تک خاموش ہی خاموش ہیں۔ کیوں؟

یہ سوال بڑا نازک ہے، ہم غیبت سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں، لیکن معاملہ حق وصداقت کا ہے، اس لیے تھوڑا سا پردہ رکھتے ہوئے ہم اتنا ضرور بیان کریں گے کہ ''خلافت معاویہ ویزید'' کی بے تکان حمایت کے بعد ہمارا کراچی جانا ہوا تھا، وہاں اس کتاب کے مصنف جناب محمود احمد عباسی نے اپنے دولت کدے پر ہماری دعوت کی اور ہمیں ان سے ملاقات اور تبادلہ خیالات کا موقع ملا، بس وہ دن اور آج کا دن ہم نے کوئی لفظ اس موقف کی حمایت میں نہیں کہا جو ''خلافت معاویہ ویزید'' میں عباسی صاحب نے اختیار کیا ہے۔ سکوت دراصل اس لیے ہم پر مستولی ہوا کہ اس ایک ملاقات میں ہمیں اندازہ ہو گیا کہ محترم عباسی صاحب چاہے یزید اور حضرت معاویہؓ کے فدائی ہوں یا نہ ہوں، مگر حضرت علیؓ اور دیگر اہل بیت کرام کے بارے میں ان کے خیالات وہ نہیں ہیں جو اہل ایمان کے ہونے چاہئیں۔ یہ اندازہ ایک ضرب شدید تھا، جس نے ہمارے دل ودماغ کو لرزا کر رکھ دیا۔ یا الٰہی! کیا حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور اہل بیت اطہار سے عداوت رکھ کر بھی کوئی مسلمان صراط مستقیم کا رہرو کہلا سکتا ہے؟ کیا حضور ﷺ کی آنکھ کے تاروں سے کینہ اور بیر رکھنے کے معنی اس کے سوا بھی کچھ ہیں کہ دل ودماغ سے آقائے کونین ﷺ کی محبت یا سایہ تک غائب ہو جائے؟ اور جب حضور ﷺ ہی کی محبت نہیں تو خدا کی محبت کا سوال پیدا ہوتا ہے؟ ابھی عرض کر ہی چکے کہ عباسی صاحب سے بالمشافہ گفتگو ہونے کے بعد ہمیں کس تاثر سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ اس تاثر کا نتیجہ یہ ہوا کہ کراچی سے لوٹتے ہی ہم نے اپنے دفتر کو یہ ہدایت دی کہ آئندہ عباسی صاحب کی ''خلافت معاویہ ویزید'' ہرگز نہیں چھاپی جائے گی۔ اس کی پلیٹیں کاٹ دی جائیں۔'' (مولانا عامر عثمانی، تجلیات صحابہ، ترتیب، سید علی مظہر نقوی امروہوی (کراچی: مکتبۃ الحجاز، ۲۰۰۳ء)، ۳۱۵ وما بعد! (یہ گفت گو پہلے ''تجلی'' کے خصوصی شمارہ ستمبر ۱۹۷۱ء میں شائع ہوئی تھی)

## حضرت علیؓ پر اہل سنت کی کتابیں اور مزید کام کی ضرورت

بہرحال حضرت پر اہل السنت والجماعت کی بہت ساری کتابیں ہیں۔ خود ہمارے علماے دیوبند کی متعدد کتابیں موجود ہیں؛ مثلاً جن میں سب سے معروف حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کی کتاب المرتضیٰ ہے؛ اور بھی کتابیں ہیں، لیکن ان کو اگر دیکھیں تو حضرت علیؓ اور ان کے خاندان کے سیاسی موقف اور ان کی سیاسی جدوجہد کے بارے میں جو غلط فہمیاں پھیلائی گئی ہیں، جس پر مولانا گیلانیؒ کے دردِ دل کا کچھ حصہ پہلے گزرا، اس کا احاطہ کر کے اس کا جواب دینا اور اہل سنت کے موقف کو منقح کرنے کا کام ان کتابوں میں بھی نہیں ہو پایا۔ وجہ اس کی بظاہر یہی ہے کہ ان حضرات نے سوچا کہ یہ تو ایک طے شدہ معاملہ ہے۔ خلفاے ثلاثہ کی خلافت میں تو اہل تشیع اختلاف کرتے ہیں، طعن کرتے ہیں، اس لیے ہمیں اس پر بحث کرنے کی ضرورت ہے۔

یہ (حضرت علیؓ کی خلافت) تو ایک اجماعی اور اتفاقی چیز ہے، شیعہ بھی مانتے ہیں ان کی خلافت کو، بلکہ وہ تو اس کو اس سے پہلے مانتے ہیں اور اہل السنت والجماعت بھی مانتے ہیں، اس لیے اس پر بحث کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن امر واقعہ کے لحاظ سے بہت ساری غلط فہمیاں اور میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ ہمارے اہل علم میں بھی ہوتی ہیں اور ہمارے نوجوان فضلا یا طلبہ میں تو بہت کثرت سے ہوتی ہیں اور ممکن ہے کہ ان میں سے کئی غلط فہمیوں سے اپنے کسی ابتدائی دور میں ہم خود بھی گزرے ہوں، لیکن جوں جوں مطالعہ بڑھتا گیا وہ غلط فہمیاں دور ہوتی چلی گئیں؛ اس لیے یہ سمجھنا کہ اس موضوع پر بات کی ضرورت نہیں ہے، واقعاتی طور پر درست نہیں ہے۔

## فریق یہاں دو نہیں تین ہیں

دراصل یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ یہاں فریق دو ہیں: ایک طرف سنّیت ہے اور دوسری طرف تشیع یا رافضیت ہے؛ اس لیے سمجھا جاتا ہے کہ صرف اس احتیاط کی ضرورت ہے کہ رافضیت کی طرف میلان نہ ہونے پائے، بس رافضیت سے بچ گئے تو خیر ہی خیر ہے اور سنیت پکی ہے، لیکن حقیقت میں یہاں دو نہیں تین گروہ ہیں: سنّیت اور رافضیت کے

علاوہ ناصبیت بھی ہے؛ اس لیے اعتدال کے لیے جہاں رافضیت کے اثرات سے بچنے کی ضرورت ہے، وہاں ناصبیت سے بھی بچنے کی ضرورت ہے۔ ایک معاملے میں بے احتیاطی رافضیت کی طرف لے جاسکتی ہے تو دوسری طرف کی بے احتیاطی ناصبیت کی طرف بھی لے جاسکتی ہے اور دونوں سے بچنے کی ضرورت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے دنیا سے جاتے ہوئے اپنے اہلِ بیت اور عترت کے بارے میں جو تاکیدات فرمائی ہیں، جن میں چند کا ذکر آگے آئے گا، ان سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ناصبیت سے بچنا کتنا ضروری ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ، ردِّ تشیع میں لکھی گئی اپنی معروف کتاب تحفہ اثنا عشریہ میں جہاں شیعوں کے مختلف طبقات بیان کرتے ہیں، وہاں ایک طبقہ ''تبرائی شیعہ'' کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ اس طبقے کے ظہور کی وجہ اور دو طرفہ افراط وتفریط کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''دوم یہ کہ حضرت علیؓ اور آپ کے بعد جناب حسنینؓ اور آپ کی اولاد مثلاً زید شہیدؒ یا دیگر سادات حسینیہ ہمیشہ شام کے مروانی نواصب اور عراق کے عباسی نواصب کے ساتھ برسرِ نزاع اور برسرِ پیکار رہے اور باہم کینہ پروری فروغ پاتی رہی؛ اس لیے ادھر تو بعض نواصب گمراہی کے انتہائی درجے تک پہنچ کر روسیاہی کی زندگی گزارتے اور حضرات مذکورہ کی شانِ گرامی میں بڑی بے ادبی کا مظاہرہ کرتے۔ شیخین اور حضرت عثمانؓ کو نیکی سے یاد کرتے، بلکہ مروانیوں نے تو خود حضرت عثمانؓ کی طرف داری میں شرارت وگمراہی کا انداز اختیار کر رکھا تھا۔ دوسری طرف تبرائی فرقہ بھی ان نواصب کے مقابلہ میں بغضِ معاویہ کے مظاہرہ میں پیچھے نہ رہا اور مسلمانوں کے اسلاف ہر سہ خلفا کے متعلق ہرزہ سرائی وطیرہ بنالیا۔

(شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ، تحفہ اثنا عشریہ اردو کراچی: دارالاشاعت، ۱۹۸۲ء، ص ۲۸)

شاہ صاحب جنھیں برصغیر میں ردِّ تشیع کی ایک علامت کے طور پر جانا جاتا ہے، وہ رافضیت کی طرح مروانی وعباسی ناصبیت کو بھی راہِ اعتدال سے ہٹنے کی ایک شکل سمجھتے ہیں، مگر بدقسمتی سے ہمارے ہاں مروانی ناصبیت کا خوب صورت عنوانات کے ساتھ احیا ہورہا ہے اور اسے تسنن کی خدمت بھی باور کرایا جارہا ہے۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیعؒ کے لئے اس موضوع پر راہِ اعتدال سے ہٹنے والے دو طبقوں کا ذکر کرتے ہوئے اپنی معروف کتاب مقامِ صحابہ میں لکھتے ہیں:

بعض حضرات نے ایک طرف حضرت معاویہؓ اور ان کے بیٹے یزید کی تائید وحمایت کا نام لے کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کی اولاد بلکہ پورے بنی ہاشم کو ہدف تنقید بنا ڈالا اور اس میں صحابہ کرام کے ادب واحترام تو کیا اسلام کے عادلانہ اور حکیمانہ ضابطۂ تنقید کی بھی ساری حدود وقیود کو توڑ ڈالا۔ اس کے بالمقابل دوسرے بعض حضرات نے قلم اٹھایا تو حضرت معاویہؓ اور حضرت عثمان غنیؓ اور ان کے ساتھیوں پر اسی طرح کی جرح وتنقید سے کام لیا۔

(مفتی محمد شفیع، مقام صحابہ، کراچی: ادارۃ المعارف، ۱۹۷۱ء، ص، ۱۲)

اب دوسری قسم کی بے اعتدالی کی تردید کا کام تو خود حضرت مفتی اعظمؒ کی سرپرستی میں ہو چکا ہے، اس کے علاوہ بھی علماے دیوبند کی تصانیف میں خاصی تعداد اس موضوع پر موجود ہے۔ پہلی قسم کی بے اعتدالی کے خلاف بھی کام ہوا تو ہے، لیکن غالباً یہ کہنا درست ہوگا کہ نہ تو اس کی مقدار اتنی زیادہ ہے اور نہ ہی اس کے لیے تحمس اور جوش وجذبہ اتنا زیادہ نظر آتا ہے؛ اس لیے اس پہلو پر کام کی خاصی ضرورت اب بھی باقی ہے۔

## موضوع کے متنوع پہلو

حضرت علیؓ کی خلافت اور اس میں پیش آنے والے واقعات کا موضوع بڑا لمبا ہے، اس کے کئی پہلو ہو سکتے ہیں؛ مثلاً:

حضرت علیؓ کی خلافت کا انعقاد، شرعی اصولوں اور اس وقت کے مروجہ دستور کی روشنی میں۔ بعض لوگوں نے آپ کی خلافت کے مکمل انعقاد ہی پر سوالات اٹھائے ہیں، ان سوالات کا جائزہ لینا۔

اس خلافت کے فکری سیاسی پہلو؛ عصر حاضر کے بعض لوگوں نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ حضرت علیؓ کو خلیفہ بنایا جانا، بلکہ ان کے بقول خلافتِ راشدہ کا پورا ادارہ جن بنیادوں پر کھڑا تھا، وہ اس وقت کی عملی اور زمینی حقیقتوں سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ اس سلسلے میں ابن خلدون کے نظریۂ عصبیت کا خاص انداز سے سہارا لیا جاتا ہے۔ اسی طرح سے حضرت علیؓ کے دور خلافت کی پالیسیوں اور اقدامات پر عقلی نوعیت کے بھی سوالات اٹھائے گئے ہیں۔ ان سوالات کا جائزہ اور یہ جائزہ کہ کیا واقعی حضرت علی کی

شخصیت عملی اور زمینی حقیقتوں سے اتنی ہی ناواقف، اتنی ہی بھولی بھالی اور سیاسی تدبر وفراست سے اتنی دور تھی جتنا باور کرایا جاتا ہے؟

حضرت علیؓ نے اپنے دورِ خلافت میں جو اقدامات کیے ہیں، ان کا سیاسی اور دوسرے حوالوں سے جائزہ لیا جانا، یہ بھی ایک مستقل موضوع ہے۔ حضرت علیؓ پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں، مثلاً میرا جہاں تک اندازہ ہے، ایک خاصی تعداد ہمارے لوگوں میں ہوتی ہے، جن کو کسی نہ کسی درجے میں یہ احساس ہوتا ہے کہ قصاصِ عثمانؓ میں کچھ نہ کچھ کوتاہی تو حضرت علیؓ سے ہوئی ہے، حالاں کہ اگر حقائق کو جا کر دیکھیں تو سو فی صد بلکہ ہزار فی صد یہ بات غلط ہے، یہ ایک مستقل موضوع ہے۔

چوں کہ حضرت علیؓ کے دور میں داخلی جنگیں زیادہ ہوئیں، نئی فتوحات بہت کم ہوئیں، اس لیے ایک طرح سے آپ ناکام حکم ران تھے۔

واقعات کیسے اور کس ترتیب سے ہوئے؟ یہ بڑا نازک موضوع ہے اور اس سلسلے کا سب سے خطرناک اور بھول بھلیوں والا جنگل ہے۔

اسی میں مثلاً مشاجراتِ صحابہؓ کی بحث آجاتی ہے کہ حضرت علیؓ اگر برحق ہیں تو جو صحابہ آپ کے خلاف کھڑے ہوئے ان کی پوزیشن کیا ہوگی؟ یہ ایک مستقل موضوع ہے۔

ایک سوال، جو اگرچہ براہِ راست اس موضوع کا حصہ تو نہیں، لیکن اس کا کسی قدر تعلق اس موضوع سے ہے، یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے بعد جو دور آیا اس کا معیار کیا تھا؟ عصرِ حاضر میں اس پر بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے اور کئی لوگ افراط وتفریط کے بھی شکار ہوئے ہیں۔

## زیرِ نظر گفتگو کا رخ: خلافتِ علی اور احادیثِ مبارکہ

زیرِ نظر گفت گو صرف ایک پہلو سے متعلق ہے اور وہ ہے اس معاملے میں رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئیاں اور احادیث مبارکہ۔ جو دیگر موضوعات اور پہلو ہیں، جن کی ایک مختصر فہرست ابھی ذکر ہوئی، ان پر ضمناً اگر بات آجائے تو آجائے، ورنہ بذاتِ خود ان کی طرف جانے کا ارادہ نہیں ہے۔ اگر ضرورت پڑی تو پھر کبھی اس پر گفت گو ہو جائے گی، ہمیں اپنی زیادہ توانائیاں آج کے زندہ مسائل پر خرچ کرنی چاہییں؛ لیکن بہرحال جب ایک بحث چل پڑتی ہے تو ذہنوں کو صاف کرنے کے لیے بات کرنا پڑتی ہے۔

## تنقیحِ موضوع

اس گفت گو میں جو بنیادی نکتہ زیرِ بحث رہے گا، وہ یہ ہے کہ اہل السنت والجماعت کے اصولوں کے مطابق خلفاے ثلاثہ کی طرح حضرت علیؓ کی خلافت بھی ایک جائز اور منعقد خلافت ہے، حضرت علیؓ اپنے دور میں امامِ عادل تھے (جیسا کہ صلحِ حسنؓ کے بعد حضرت معاویہؓ کی امارت ایک جائز اور منعقد امارت ہے، وہ شرعی طور پر امیر المؤمنین ہیں۔) اور کسی کے امامِ عادل ہونے پر جو شرعی احکام مرتب ہوتے ہیں، وہ سب کے سب حضرت علیؓ کی امامت وخلافت پر بھی منعقد ہوتے ہیں۔ (ذاتی مقام ومرتبے اور حکومتی پالیسیوں کے معیار کے فرق کے باوجود یہی معاملہ حضرت معاویہؓ کا بھی ہے۔

خانوادۂ نبوت نے بھی اس کا لحاظ رکھا اور جن اصولوں کو وہ اپنے لیے منوانا چاہتے ہیں، ان پر خود سب سے زیادہ عمل کر کے دکھایا۔) اگر اس موضوع پر ایک حدیث بھی نہ ہوتی تب بھی مسلمہ اصولوں کی روشنی میں حضرت علیؓ کی پوزیشن یہی بنتی تھی، اسی نکتے پر اتفاق سے کئی احادیث بھی موجود ہیں، انہیں کو پیش کرنا یہاں اصل مقصود ہے۔ یہ گفت گو بحث ومباحثے کا دروازہ کھولنے کے لیے نہیں، بلکہ اپنے نقطۂ نظر کو واضح کرنے کے لیے ہے۔ اس کے مخاطب ہم سے اختلاف رکھنے والے نہیں ہیں، بلکہ وہ دوست ہیں جو موضوع کو سمجھنے کے لیے ہمیں کسی مدد کا اہل سمجھتے اور ہم سے مدد لینا چاہتے ہیں۔

## انتخابِ احادیث کا منہج

الحمد للہ ایسا نہیں ہے کہ جو حدیث، موضوع سے متعلق سامنے آئی اسے اٹھا کر یہاں درج کر دیا، بلکہ ایک خاص منہج سامنے رکھ کر احادیث کا انتخاب کیا ہے اور موضوع سے تعلق رکھنے والی کافی تعداد میں ایسی حدیثیں بھی ہیں جنھیں یہاں اس لیے شامل نہیں کیا گیا کہ وہ یا تو موضوع تھیں یا ان کا ضعف شدید تھا۔ شدید ضعف والی حدیث یا تو لی نہیں گئی یا اس کا ضعف بیان کر دیا گیا ہے۔ جس طرح بجٹ اور حکومتی مالیات کے باب میں اعداد وشمار ایک ایسا ہتھیار ہوتا ہے جس سے متضاد دعوے ثابت کیے جاسکتے ہیں، اعداد وشمار کے ذریعے اسی بجٹ کو صدی کا بہترین بجٹ بھی قرار دیا جاسکتا ہے اور بدترین بھی،

لیکن اس بنیاد پر، کہ اعداد وشمار کا استعمال الجھاؤ کے لیے بھی ہوتا ہے، اس فن یا معلومات کی اس شاخ کی اہمیت وافادیت کا انکار نہیں کیا جاسکتا؛ تقریباً یہی معاملہ علوم الحدیث کی ایک انتہائی اہم شاخ اسماء الرجال کا بھی ہے۔

اگر اس علم کو کسی منہج کے بغیر استعمال کیا جائے تو اس کے ذریعے نہ صرف یہ کہ اچھا خاصا الجھاؤ پیدا کیا جاسکتا ہے، بلکہ اس مقصد کے لیے کرنے والوں نے اس فن کا استعمال کیا بھی ہے۔ یہاں احادیث کے انتخاب کا ایک خاص منہج پیشِ نظر رہا ہے، جس کی تفصیل کا تو موقع نہیں، لیکن مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ زیادہ معاملات میں ان اصولوں کو استعمال کیا گیا ہے جو مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے إعلاء السنن کے مقدمے میں ذکر فرمائے ہیں۔ جدید دور میں نقدِ حدیث پر کام کرنے والے حضرات، جن میں علامہ البانیؒ بھی شامل ہیں، کا منہج بعض معاملات میں اس سے مختلف ہوسکتا ہے، یہاں اس پر زیادہ انحصار نہیں کیا گیا؛ البتہ ان حضرات کا زیادہ رجحان چوں کہ اس طرح کی احادیث کی تضعیف کی طرف زیادہ ہوتا ہے، اس لیے ان کی طرف سے بعض حدیثوں کی تصحیح کو متعدد جگہوں پر بطور استدلال کے پیش کیا گیا ہے۔

ہر ہر حدیث کی اسانید اور دیگر فنی بحثوں میں جایا جائے تو ایک ایک حدیث پر بات بہت لمبی ہوسکتی ہے، اس لیے زیادہ تر اس سے گریز کیا گیا ہے، سوائے چند جگہوں کے۔ اصولِ حدیث کے خود استعمال کرنے کے بجائے ائمۂ فن جیسے ذہبیؒ، ہیثمیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ وغیرہ کی طرف سے صادر کیے گئے احکام کو ذکر کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے اور عموماً جدید دور کے محققینِ حدیث - ان کے کام کی وقعت اور قدر وقیمت کے اعتراف کے باوجود پر ان ائمہ کی بات کو ترجیح دی گئی ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا، اصل مدعا، جو ان احادیث سے ثابت ہورہا ہے، وہ ویسے بھی اصول اہل السنت کے لحاظ سے ثابت ہے۔ جب مسلمہ اصول اور قواعد کے خلاف کوئی حدیث ہوتی ہے، تو سنداً صحیح ہونے کے باوجود اسے قبول کرنے میں تردد کیا جاتا ہے۔ اگر ایک بات فی الجملہ ثابت ہو اور اسی کے بارے میں کوئی حدیث بھی آرہی ہو تو اس میں کسی قدر ضعف کو بھی برداشت کرلیا جاتا ہے۔ مثلاً جس کام کا فضیلت والا ہونا فی الجملہ ثابت ہو، اس کی فضلیت میں ایسی ضعیف حدیث کو بھی قبول کرلیا جاتا ہے جس کا ضعف شدید نہ ہو۔

جیسا کہ پہلے کہا گیا ان گزارشات کا مقصد کسی سے بحث میں الجھنا نہیں ہے؛ تاہم اگر کسی صاحب کو کسی حدیث کے ضعف پر زیادہ ہی اشکال ہو تو ان سے دو مؤدبانہ درخواستیں ضرور کی جاسکتی ہیں: ایک یہ کہ جس حدیث کے ضعف پر اشکال ہے، اسی درجے بلکہ سنداً اس سے کہیں کم درجے کی حدیثیں ہماری تحریروں، خطبات ومواعظ میں بکثرت چل رہی ہیں، بلکہ انہیں عقیدے کے انداز سے پیش کیا جاتا ہے۔

اگر مسئلہ صرف حدیثوں کے اسنادی ضعف کا ہے تو زبان زدِ عام، بلکہ زبان زدِ خطبا ان ''ضعیف'' حدیثوں کے خلاف جناب کی طرف سے اب تک کتنی کوشش صرف ہوئی ہے؟ کیا اب یہ ممکن ہے کہ ہم جلسوں میں بیان ہونے والی ان ضعیف حدیثوں کی نشان دہی کرتے ہیں اور مشترکہ طور پر ان کے بیان کی حوصلہ شکنی کی کوشش شروع کرتے ہیں؟ دوسری درخواست یہ ہے کہ ہم نے تو اپنا اصل مدعا اور اس کی تائید میں آنے والی حدیثیں پیش کردی ہیں، اس کے برخلاف جناب کا کوئی مدعا ہے تو پہلے اسے واضح کیجیے پھر اس کی تائید میں کوئی نص پیش کیجیے تاکہ دلیل کا تقابل دلیل سے ہوسکے، اِس طرف کی ضعیف حدیث کے مقابلے میں کوئی ضعیف ہی پیش فرمادی جائے۔

یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم سچ مچ ضعیف حدیثیں پیش کرنے جارہے ہیں، بلکہ ایک خاص ذہنیت ایسی ہے جو اپنی مرضی کے خلاف کسی بھی صحیح حدیث کو ضعیف قرار دینے کی بنیاد تلاش کرسکتی اور مرضی کے مطابق ہونے کی صورت میں واقعی ضعیف حدیث کو پورے اعتماد کے ساتھ پیش کرسکتی ہے۔

## کچھ تمہیدی باتیں

### ۱- رسول اللہ ﷺ کو آنے والے واقعاتِ فتن کا پیشگی علم دیا گیا تھا

اس طرح کی احادیث خاصی تعداد میں ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے بعد پیش آنے والے واقعات کا پیشگی علم کافی تفصیل سے دیا گیا تھا اور اس کا بڑا حصہ آپ نے صحابہ کے سامنے بیان بھی فرمایا۔ مثلاً:

صحیح البخاری میں حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ کے ٹیلوں پر تشریف لے گئے اور فرمایا کیا تمہیں وہ کچھ نظر آرہا ہے

جو میں دیکھ رہا ہوں؟ صحابہ نے عرض کیا نہیں۔ آپ نے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے گھروں میں فتنے ایسے واقع ہو رہے ہیں، جیسے بارش برستی ہے۔[1]

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ کوئی بھی ایسا فتنہ، جس کے قائد کے ساتھ لوگوں کی تعداد تین سو یا اس سے اوپر تھی، اس کے بارے میں ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بتایا۔[2]

حضرت عمرو بن الاخطب انصاری سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فجر کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا، یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا، ظہر کے بعد بھی خطبہ جاری رکھا یہاں تک کہ عصر کا وقت ہو گیا، عصر کے بعد بھی مغرب تک آپ نے خطبہ جاری رکھا۔ اس خطبے میں رسول اللہ ﷺ نے قیامت تک ہونے والے امور بیان فرمائے، عمرو بن اخطب کہتے ہیں ہم سے جس کو جتنا زیادہ یاد رہا، اتنا ہی وہ زیادہ علم والا ہے۔

(صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۸۹۲، آگے حدیث کا متن آ رہا ہے)

حضرت ام سلمہؓ سے ایک حدیث مروی ہے، جسے امام بخاری نے بھی متعدد جگہوں پر روایت کیا ہے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

سبحان اللہ ماذا انزل اللیلۃ من الفتن وماذا فتح من الخزائن۔

(صحیح البخاری، کتاب العلم، باب العلم والعظۃ باللیل، رقم: ۱۱۵)

سبحان اللہ، یعنی آج کی رات عجیب سی لگ رہی ہے، آج بہت سے خزائن بھی کھولے گئے ہیں اور کئی فتنے بھی نازل ہوئے ہیں۔ اُس وقت فتنے نازل ہونے سے مراد یہ ہے کہ بعد میں نازل ہونے والے فتنے رسول اللہ ﷺ کو دکھائے گئے تھے۔

---

[1] صحیح البخاری ہی کے ایک جگہ الفاظ یہ ہیں: عن اسامۃ بن زید رضی اللہ عنہما. قال: اشرف النبی ﷺ علی اطم من آطام المدینۃ. فقال: ھل ترون ما اری قالوا: لا. قال: فإنی لاری الفتن تقع خلال بیوتکم کوقع القطر.

(کتاب الفتن، باب قول النبی ﷺ: «ویل للعرب من شر قد اقترب، رقم: 7060)

[2] سنن ابی داود کے الفاظ ہیں: واللہ ما ادری انسی اصحابی. ام تناسوا؛ واللہ ما ترک رسول اللہ ﷺ من قائد فتنۃ. إلی ان تنقضی الدنیا. یبلغ من معہ ثلاث مائۃ فصاعدا. إلا قد سماہ لنا باسمہ. واسم ابیہ. واسم قبیلتہ. کتاب الفتن، باب ذکر الفتن ودلائلھا، رقم: ۴۲۴۳

بہر حال اس موضوع پر کافی احادیث جمع کی جاسکتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو بعد کے واقعات کے بارے میں بہت سا علم دیا گیا ہے، اس لیے عہد رسالت کے بعد کے واقعات کو سمجھنے کے لیے حدیث نبوی کی طرف مراجعت بہت ضروری ہے۔

## ۲- کیا اس موضوع پر احادیث پیش کرنا غلط ہے؟

بعض حضرات نے کچھ عرصہ قبل ایک نئی بات کی طرف اشارہ کیا ہے، ہوسکتا ہے کچھ عرصے میں یہ بات باقاعدہ فلسفہ بن جائے، اس لیے اس پر کچھ عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ اس طرح کے موضوعات پر حدیثیں پیش کرنا درست ہی نہیں ہے، بلکہ بقول ان کے شاید اس طرح کی حدیثیں روایت کرنے والوں کا منہج ہی ٹھیک نہیں تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ اس معاملے میں حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت حذیفہؓ کے ذوق میں فرق تھا اور ان کا خیال ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ کا ذوق زیادہ بہتر ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے سنن ابی داؤد کی ایک روایت سے استدلال کیا ہے جو پوری کی پوری یہاں پیش خدمت ہے:

عن عمرو بن ابی قرۃ قال: کان حذیفۃ بالمدائن فکان یذکر اشیاء قالھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاناس من اصحابہ فی الغضب، فینطلق ناس ممن سمع ذلک من حذیفۃ فیاتون سلمان فیذکرون لہ قولَ حذیفۃ، فیقول سلمان: حذیفۃُ اعلم بما یقول، فیرجعون إلی حذیفۃ فیقولون لہ قد ذکرنا قولک لسلمان فما صدّقک ولا کذّبک، فاتی حذیفۃ سلمان وھو فی مبقلۃ فقال: یاسلمان، ما یمنعک ان تصدقنی بما سمعت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ فقال سلمان: إن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یغضب فیقول فی الغضب لناس من اصحابہ، ویرضی فیقول فی الرضا لناس من اصحابہ، اما تنتھی حتی تورث رجالا حب رجال ورجالا بغض رجال، وحتی توقع اختلافا وفرقۃ؟ ولقد علمت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطب فقال: ایما رجل من امتی سببتہ سبۃ، او لعنتہ لعنۃ فی

غضبی، فإنما انا من ولد آدم اغضب كما يغضبون، وإنما بعثني رحمة للعالمين، فاجعلها عليهم صلاة يوم القيامة « والله لتنتهين او لا كتبن إلى عمر (سنن ابی داود، کتاب السنۃ، باب فی النہی عن سب اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رقم:۴۶۵۹)

عمرو بن ابی قرۃ کہتے ہیں کہ حضرت حذیفہؓ مدائن میں تھے تو بعض اوقات وہ ایسی باتیں بھی ذکر کردیا کرتے تھے جو رسول اللہ ﷺ نے بعض لوگوں سے غصے کی حالت میں فرمائی ہوتی تھیں۔ یہ باتیں سن کر بعض لوگ حضرت سلمانؓ کے پاس جاتے اور ان سے اس کا ذکر کرتے۔ حضرت سلمانؓ کہتے کہ حذیفہ جو کہتے ہیں انہیں کو اس کا زیادہ پتا ہوگا۔ وہ لوگ پھر حضرت حذیفہؓ کے پاس آکر بتاتے کہ سلمان نے تو آپ کے قول کی تصدیق یا تکذیب نہیں کی۔ ایک دفعہ حضرت حذیفہؓ، حضرت سلمانؓ کے پاس ان کی کھیتی میں آئے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنی ہوئی بات کی تصدیق آپ کیوں نہیں کرتے؟ حضرت سلمانؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ بعض اوقات غصے میں ہوتے تھے اور غصے کی حالت میں اپنے بعض ساتھیوں کو کوئی بات کہ دیتے تھے اور کبھی خوشی میں ہوتے تو اس حالت میں کوئی بات ارشاد فرمادیتے:

کیا تم بعض کے دلوں میں بعض کی محبت اور بعض کے دلوں میں بعض کی نفرت ڈالنے اور اختلاف پیدا کرنے سے باز نہیں آؤ گے؟ حالاں کہ آپ کو پتا ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے خطبے میں ارشاد فرمایا کہ اپنی امت میں سے کسی شخص کو میں نے غصے میں برا بھلا کہا ہو یا اس پر لعنت کی ہو تو میں بھی آدم کی اولاد میں سے ہوں۔ مجھے بھی غصہ آتا ہے جیسے دوسروں کو آتا ہے اور اللہ نے مجھے رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے، لہذا اس (غصے کی بات) کو ایسے لوگوں کے حق میں قیامت کے دن باعثِ رحمت بنادیجیے۔ (اے حذیفہ) تم ایسی باتیں بیان کرنے سے رک جاؤ، ورنہ میں حضرت عمر کو خط لکھ دوں گا۔

لیکن اس معاملے میں سب سے پہلی بات تو یہ ذہن میں رکھنے کی ہے کہ یہاں تو حضرت سلمان فارسی رسول اللہ ﷺ کی غصے اور خوشی میں کہی ہوئی بات کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار فرمارہے ہیں، جب کہ خود اسی سنن ابی داؤد میں خود رسول اللہ ﷺ کا اپنا ارشاد موجود ہے کہ اس طرح کی حالت میں آپ کی زبان سے صادر ہونے والے الفاظ کی کیا

حیثیت ہے؟ چناں چہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ روایت کرتے ہیں کہ میں جو بات بھی رسول اللہ ﷺ سے سنتا تھا اسے لکھ لیتا تھا، مقصد یہ ہوتا تھا کہ اسے یاد کرلوں (ظاہر ہے کہ یاد کرنے کا مقصد آگے بتانا ہی ہوگا)۔ قریش کے کچھ لوگوں نے مجھے لکھنے سے منع کرتے ہوئے کہا کہ کیا تم رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی ہر بات لکھ لیتے ہو، حالاں کہ رسول اللہ ﷺ بھی بشر ہیں، آپ غصے اور خوشی ہر طرح کی حالت میں بات کرتے ہیں۔ میں لکھنے سے (وقتی طور پر) رک تو گیا، لیکن یہ اشکال خود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کردیا۔ آپ نے اپنی انگلی سے اپنے منہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ لکھتے رہو، اس لیے کہ اس زبان سے حق کے علاوہ کچھ نہیں نکلتا۔ (سنن ابی داؤد، کتاب العلم، باب فی کتاب العلم، رقم:۳۶۴۶)

مطلب یہ کہ عام لوگ تو غصے یا خوشی کی حالت میں مغلوب ہوکر خلاف حقیقت بات کہ دیتے ہیں، میری زبان کا معاملہ یہ نہیں ہے۔ اس لیے بات اتنی سادہ نہیں ہے کہ چوں کہ آپ نے یہ بات غصے کی حالت میں فرمائی ہوگی اس لیے غیر معتبر ہوگی۔ درحقیقت یہاں حضرت حذیفہ اور حضرت سلمان کا جو اختلاف ہے وہ خود روایت کے سیاق سے واضح ہورہا ہے کہ مناقب یا پیش گوئیوں کی حدیثوں کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ مخصوص نوعیت کے ارشادات کے بارے میں ہیں، جن میں اظہار ناراضی کے طور پر یا تو کسی لفظ کے مجازی معنی مراد لیے گئے ہوتے ہیں یا اس کا کسی مخصوص صورت حال سے تعلق ہوتا ہے۔

حضرت سلمان کا خدشہ تھا (اور عوامی مزاج کے اعتبار سے یہ خدشہ بالکل بجا تھا) کہ بعض لوگ ان الفاظ کو حقیقی یا عمومی معنی پہنا کر شخصیات کے بارے میں غیر مناسب آرا قائم کرلیں گے۔ اس کی مثال دی جاسکتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب حضرت معاذؓ کے بارے میں پتا چلا کہ آپ نماز میں قراءت، طویل کرتے ہیں تو اظہار ناراضی کے طور پر حضرت معاذؓ کے لیے ''فتّان'' کا لفظ استعمال فرمایا۔ اس کا ایک متعین سیاق ہے، اور مقصد اس خاص عملی غلطی کو ''فتنہ'' قرار دینا ہے، لیکن کوئی بدفہم یہ اخذ کرسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو فتّان کا باقاعدہ لقب دے دیا ہے۔ اسی کی مثال علامہ ابن رسلان نے سنن ابی داؤد کی شرح میں بخاری و مسلم وغیرہ کی مشہور حدیث سے دی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی حجۃ الوداع سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ کی طرف واپسی

کا وقت ہوا تو آپ کو بتایا گیا کہ حضرت صفیہؓ کو ایام آگئے ہیں، یعنی انہوں نے ابھی تک طواف وداع نہیں کیا، جس کی وجہ سے شاید رکنا پڑ جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے پہلے یہ سمجھا کہ شاید انہوں نے طواف زیارت بھی ابھی تک نہیں کیا، اس لیے ایام کا سنتے ہی آپ نے فرمایا "عَقْرَی حَلْقَی" (وہ عورت جو اس قابل ہے کہ زخمی ہو اور اس کے گلے میں کچھ لگے)۔ آپ کو بتایا گیا کہ دس ذی الحجہ کو انہوں نے طواف زیارت کرلیا تھا (ایسی حالت میں طواف وداع معاف ہوجاتا ہے) آپ نے فرمایا پھر کوئی بات نہیں۔ اب یہاں آپ نے حضرت صفیہؓ کے لیے جو لفظ بولے ہیں وہ بظاہر سخت ہیں، لیکن اس طرح کے سیاق میں ایسے الفاظ کے حقیقی معنی مراد نہیں ہوتے۔ میں اس کی مثال دیا کرتا ہوں جیسے عورتیں اپنے بچوں کو کھلاتے ہوئے کہہ دیا کرتی ہیں "اے گندا بچہ"، ظاہر ہے سچ مچ اسے گندا کہنا مقصود نہیں ہوتا۔[1]

---

[1] چناں چہ ابن رسلان (م: ۸۴۴) سنن ابی داؤد کی شرح میں اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ای: کان یحصل له الغضب، فیقول فی حال غضبه لاناس من اصحابه بما یحصل به الزجر والردع علی سبیل التادیب لهم. ولیس فیه ضرر لهم. کقوله لیتیمة ام سلیم: "لا کبر سنك" ای: لا کبر سنك کبرة تعودی بها إلی ارذل العمر. کما کان صلی الله علیه وسلم یتعوذ من ان یرد إلی ارذل العمر وقوله: "عقری حلقی". و"تربت یمینك" مما هو جارٍ علی اللسان حال الغضب من غیر قصد الوقوع للمخاطب به. (ویرضی فیقول فی) حال (الرضا لناس من اصحابه) ممن وقع منه فسق قاصر بینه وبین الله: لا تلعنوه ونحوه. کقوله لشارب الخمر المضروب: لعنه الله ما اکثر ما یشرب: "لا تکن عونًا للشیطان علی اخیك". وما فی معناه إشارة إلی ان الرفق فی حقه اولی من العنف والتغلیظ. ثم قال لحذیفة (اما تنتهی) عن هذا الکلام (حتی تورث رجالًا) من اصحابك (حب رجال) لیسوا بمرضیین. (و) تورث (رجالًا) من اصحابك (بغض رجال) مرضیین (وحتی توقع) بین اصحابك (اختلافًا) بینهم (وفرقة) بضم الفاء. من اختلاف کلمتهم. وتشعب اهویتهم. (شہاب الدین ابو العباس احمد بن حسین بن علی بن رسلان المقدسی الرملی الشافعی، م: ۸۴۴ھ. شرح سنن ابی داؤد (الفیوم، مصر: دار الفلاح للبحث العلمی وتحقیق التراث، ۲۰۱۶ء، ۱۸: ۱۶۹)

یہاں جو حدیثیں پیش کی جائیں گی ان کا تعلق یا تو مناقب صحابہ سے ہے، یا رسول اللہ ﷺ کی بیان فرمودہ ان پیش گوئیوں سے ہے جو آپ نے واقعات کے ظہور سے بہت پہلے بیان فرمادی تھیں۔ ان کا مضمون ہی بتا رہا ہوتا ہے کہ یہ بات وحی کی بنیاد پر کہی جارہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرمارہے ہیں کہ ابوبکر وعمر اور فلاں فلاں جنتی ہیں، بلال کے قدموں کی آہٹ مجھے جنت میں سنائی دی ہے تو یہ امکان نہیں ہے کہ محض کسی وقتی خوشی سے متاثر ہوکر ایسا فرمادیا ہو۔ اسی طرح واقعات کے سامنے آنے سے پہلے ہی انہیں بیان کرنا واضح طور پر ان کے وحی پر مبنی ہونے کی دلیل ہے۔ بہت کم پیش گوئیاں ایسی ہوں گی جن کے بارے میں یہ کہا جاسکے کہ یہ بات محض حالات کا بہاؤ دیکھ کر آپ نے فرمائی ہوگی؛ اس لیے حضرت سلمان فارسی کے ارشاد کا اس طرح کی حدیثوں سے کوئی تعلق نہیں۔ احادیثِ مناقب اور احادیثِ فتن سے صحابہ کا مختلف مواقع پر استدلال کرنا اتنا عام ہے کہ شمار سے باہر ہے، اس لیے محض حضرت سلمان کے اس مخصوص سیاق کے حامل اثر کی وجہ سے اس پورے باب کو بند نہیں کیا جاسکتا۔

پھر حضرت سلمان فارسیؓ تو حضرت حذیفہؓ کو دھمکی دے رہے ہیں کہ میں حضرت عمرؓ سے تمہاری شکایت کردوں گا، اور دوسری طرف حضرت عمرؓ، خود حضرت حذیفہؓ سے احادیثِ فتن کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔ خود حضرت حذیفہ کوئی غیر ذمہ دار آدمی نہیں تھے، آخر رسول اللہ ﷺ نے اپنے رازوں کے بارے میں ان پر اعتماد کیا تھا، جو بات نہیں بتانے کی تھی، وہ انہوں نے عمر کو بھی نہیں بتائی۔

## ۳- کیا پیش گوئیوں سے خلافت منصوص ہوگئی ہے

اہل السنت والجماعت کے مذہب کے مطابق، خلافت منصوص نہیں ہوتی، اس لیے خلیفہ لوگوں کا مقرر کردہ ہوتا ہے، اللہ کا مقرر کردہ نہیں ہوتا۔ اہل السنت کے نزدیک خلافت اپنی ذات میں ایک انتظامی منصب ہے۔ جب کہ اہل تشیع کے نزدیک امامت ایک بہت اعلیٰ روحانی منصب ہے، اس لیے امام مامور من الناس نہیں، بلکہ مامور من اللہ ہوتا ہے، اس لیے اس پر نص کا ہونا ضروری ہے۔ اہل السنت والجماعت کے ہاں خلافت

کے منصوص نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسی نص موجود نہیں ہے جس کے ذریعے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہو، وصیت فرمائی ہو، بطور ولی عہدی فرمایا ہو کہ میرے بعد فلاں اور اس کے بعد فلاں کو خلیفہ بنایا جائے؛ تاہم بطور خبر اور پیشین گوئی چاروں خلفاے راشدین کے بارے میں متعدد حدیثیں موجود ہیں، ان کے ادوار میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں بھی حدیثیں موجود ہیں کہ رسول اللہ ﷺ انہیں کس نظر سے دیکھ رہے ہیں۔

ان پیشین گوئیوں میں چوں کہ امت کو کہیں یہ حکم نہیں دیا گیا کہ فلاں موقع پر فلاں شخص کو خلیفہ بنانا؛ اس لیے ان حدیثوں سے خلافت کے غیر منصوص ہونے کے اصول پر زد نہیں پڑتی۔ البتہ ان کے ادوار میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں آپ کے ارشادات بھی ہیں، ایسی باتیں بھی ہیں جن سے ان کے حکمِ شرعی کی بھی تعیین ہوتی ہے۔ یہ دونوں قسم کی باتیں ان واقعات کو سمجھنے کے لیے بہت اہمیت کی حامل ہیں، بلکہ آگے چل کر ہم شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا نظریہ پیش کریں گے کہ بعض خلفا کو بعض خاص حالات کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے خاص ہدایات بھی دی تھیں، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ غیر خلیفہ صحابہ کو بھی آپ نے ان کے مزاج وغیرہ کے مدنظر یا کسی خاص وجہ سے ہدایات دی تھیں کہ جب ایسا ہو تو تم ایسا کرنا۔ مثلاً حضرت ابوذر غفاری کو بعض ہدایات دیں، مثلاً یہ فرمایا کہ جب مصر میں دو شخصوں کو ایک اینٹ کے برابر جگہ میں جھگڑتے ہوئے دیکھو تو مصر کو خیرباد کہ دینا[1]۔

## ۴- کیا ان احادیث کا مطالباتِ شریعت سے تعلق ہے؟

پھر رسول اللہ ﷺ کو وحی کی بنیاد پر عطا فرمودہ علم دو طرح کا ہے: ایک وہ جس سے اللہ کا کوئی حکم یا شریعت کا کوئی مطالبہ سامنے آتا ہے۔ ایسے علم کا بوقتِ ضرورت اظہار،

---

[1] صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب وصیة النبی ﷺ باهل مصر رقم: ۲۵۴۳۔ پوری حدیث یوں ہے: عن ابی ذر، قال: قال رسول الله ﷺ: إنكم ستفتحون مصر وهی ارض يسمى فيها القيراط، فإذا فتحتموها فاحسنوا إلى اهلها، فإن لهم ذمة ورحما او قال ذمة وصهرا، فإذا رايت رجلين يختصمان فيها فى موضع لبنة، فاخرج منها قال: فرايت عبد الرحمن بن شرحبيل بن حسنة، واخاه ربيعة يختصمان فى موضع لبنة فخرجت منها

واجب اور چھپانا ناجائز ہے۔ دوسری قسم کا علم وہ ہے جس سے اس طرح کا کوئی مطالبۂ شریعت سامنے نہیں آتا، مثلاً آنے والے کسی واقعہ کی خبر دی گئی ہے۔ اس طرح کے علم کا کتمان یعنی اسے چھپانا گناہ نہیں ہے۔ ایسے علم کے بیان کرنے میں صحابہ نے حالات اور موقع محل کو بھی دیکھا ہے اور اس میں ہر صحابی کے اپنے منفرد مزاج کی بھی عکاسی ہوئی ہے۔ مثلاً حضرت ابو ہریرہ کی معروف روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے علم کے دو برتن حاصل کیے، ان میں سے ایک کو تو میں نے انڈیل دیا، یعنی کھول کر لوگوں کے سامنے بیان کر دیا اور دوسرے کی اگر اشاعت کروں تو خطرہ ہے کہ میرا گلا کاٹ دیا جائے۔

(صحیح البخاری. کتاب العلم. باب حفظ العلم. رقم: ۱۲۰۔ الفاظ یوں ہیں: " حفظت من رسول اللہ ﷺ وعاءین: فاما احدھما فبثثتہ. واما الآخر فلو بثثتہ قطع ھذا البلعوم. )

یہ دوسرے برتن کا علم جو بھی ہو، یہ بات واضح ہے کہ اس میں ایسی کوئی بات نہیں تھی جس سے اللہ کا اپنے بندوں سے مطالبہ واضح ہوتا ہو، یعنی اس میں حکمِ شریعت بیان کیا گیا ہو۔ علم کے اس برتن کے بارے میں ایک امکان یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آنے والے برے حکام کے بارے میں تفصیلی جزئیات کے ساتھ بتایا تھا، لیکن حضرت ابو ہریرہ نے اس کا پورا اظہار مناسب نہیں سمجھا۔ مثلاً صحیح البخاری میں جہاں حضرت ابو ہریرۃؓ نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ اس امت کی ہلاکت قریش کے بعض نوعمروں کے ہاتھوں ہوگی، وہاں بخاری ہی کی ایک روایت میں حضرت ابو ہریرۃ فرما رہے ہیں کہ اگر میں چاہوں تو کہہ سکتا ہوں کہ یہ بنو فلاں اور بنو فلاں ہیں۔

(صحیح البخاری. کتاب المناقب. باب علامات النبوۃ فی الإسلام. رقم: ۳۶۰۵)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو ہریرۃ نے جتنا بیان فرمایا رسول اللہ ﷺ سے ملنے والا علم اس سے مفصل تھا۔ ایسی روایتیں بھی اس طرح کی حدیثوں میں ہیں جہاں کسی آنے والے واقعے کے بارے میں بتایا گیا ہوتا ہے، وہیں بعض اوقات اس کا حکمِ شرعی بھی اسی روایت سے ثابت ہو رہا ہوتا ہے، لیکن عموماً وہ حکمِ شرعی ایسا ہوتا ہے کہ اگر کسی کے سامنے وہ خاص حدیث نہ بھی ہو، تب بھی شریعت کے عام اصولوں میں غور کر کے وہ حکم جاننا ممکن ہوتا ہے؛ مثلاً اگر پیش گوئیوں کی کسی حدیث سے قتلِ عثمانؓ کی شناعت معلوم

ہورہی ہے، تو فرض کرلیں وہ حدیث نہیں بھی ہے، تب بھی اس فعل کا شنیع ہونا بہت واضح ہے؛ اس لیے ایسا بھی ہوا کہ کسی صحابی کو بعد کے واقعات کے حوالے سے کسی حدیث کا علم تھا، اس میں کسی درجے میں کسی خاص واقعے کا حکم بھی معلوم ہورہا تھا، لیکن کسی خاص وقت تک انہوں نے بیان نہیں کیا، پھر کسی داعیے کے تحت انہوں نے اسے بیان کر بھی دیا۔

بہرحال اس طرح کی احادیث کا کتمان گناہ تھا یا نہیں، وہ براہِ راست بیانِ شریعت سے متعلق ہیں یا نہیں، چوں کہ مبنی بہرحال وحی پر ہیں، اس لیے ان میں غلطی کا امکان نہیں ہے اور اس دور کی تاریخ کو سمجھنے کے لیے یہ واقعات ہمارے لیے بہت بڑی راہ نمائی کا ذریعہ ہیں، اس لیے اس گفت گو کا موضوع ان احادیث کو بنایا گیا ہے۔

## ۵۔ پیشین گوئیوں کے باوجود خلفائے راشدین کا عمومی دلیلوں سے استدلال

یہیں سے ایک اور بات کی طرف توجہ دلانا بھی مناسب ہوگا، وہ یہ کہ اہل السنت کے ہاں عمومی طور پر اس بات کو تسلیم کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خلفاے راشدین اور ان کی خلافتوں کے بارے میں پیش گوئیاں فرمائی تھیں، لیکن اس کے باوجود بہت سی جگہوں پر ہمیں نظر آئے گا کہ یہ خلفا ان خاص احادیث سے استدلال کے بجاے عمومی دلیلوں سے استدلال کررہے ہیں، بلکہ متعدد جگہوں پر ان حضرات کے طرزِ عمل سے بادی النظر میں ایسے لگے گا جیسے یہ حدیث ان کے پیشِ نظر ہے ہی نہیں، اور وہ معاملے کو مکمل رائے کے انداز میں لے رہے ہیں، حالاں کہ وہ حدیث بھی اپنی جگہ ثابت ہوتی ہے۔

ایسی صورت میں اس حدیث کو بھی ثابت مانا جاتا ہے اور اس واقعے میں کوئی توجیہ بھی کرلی جاتی ہے، یعنی تطبیق کی کوئی راہ نکال لی جاتی ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ مثلاً حضرت ابوبکر و حضرت عمر کی خلافت کی طرف اشارہ کرنے والی متعدد حدیثیں موجود ہیں، مگر متعدد مواقع ایسے ملتے ہیں کہ ان کو مسندِ خلافت پر فائز کرنے پر یا ان کے کسی فیصلے کے جواز کے لیے ان حدیثوں کا حوالہ دیا جانا نظر نہیں آتا، بلکہ دیگر دلیلوں سے استدلال ہوتا نظر آتا ہے۔ سقیفۂ بنوساعدہ میں بحث کے دوران میں اور دلائل تو پیش ہورہے ہیں، لیکن خوختہ ابی بکر والی حدیث یا اس جیسی حدیثوں کا کوئی حوالہ نہیں ملتا، حالاں کہ حدیث اپنی جگہ

ثابت اور بالکل صحیح ہے اور اس کو حضرت ابوبکر کی خلافت کی طرف اشارہ سمجھنا بھی صحیح ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: اقتدوا باللذین من بعدی ابی بکر و عمر

(سنن الترمذی، ابواب المناقب، رقم: ۳۶۶۲)

(میرے بعد جو دو ہوں گے ان کی اقتدا کرو، یعنی ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما)

لیکن بہت سے مواقع پر ان حضرات کے دور خلافت میں ان کے کسی فیصلے کے جواز کے لیے اور دلیلیں تو ملتی ہیں، اس طرح کی کسی حدیث کا حوالہ نہیں ملتا۔ عراق کی مفتوحہ زمینوں کو فوجیوں میں تقسیم کیا جائے یا نہیں، اس پر خاصی بحث بھی رہی، مشاورت بھی ہوئی، لیکن حضرت عمر کی ذاتی رائے یہ تھی کہ یہ زمینیں فوجیوں میں تقسیم نہ کی جائیں، بعد میں اکثریت کا مشورہ بھی یہی آیا، لیکن حضرت عمر نے یہ استدلال نہیں کیا کہ تمہیں تو میری اقتدا کا حکم دیا گیا تھا، لہذا خاموشی سے میری تجویز مان لو، بلکہ سب کو کھل کر اپنی رائے پیش کرنے کا موقع دیا۔ اسی طرح حضرت عثمان کے بارے میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک قمیص پہنائیں، پھر کچھ لوگ تم سے اس قمیص کے اتارنے کا مطالبہ کریں، تو ان کے کہنے پر یہ قمیص مت اتارنا۔ قمیص سے مراد خلافت تھی۔ حضرت عثمانؓ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ایک عہد کیا ہے، میں اس پر ثابت قدم رہنے والا ہوں[1]۔

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی آتا ہے کہ حضرت عثمانؓ مختلف مواقع پر لوگوں کے سامنے اپنے حق میں استدلال کرتے ہوئے پیش گوئیوں والی ان حدیثوں کا حوالہ دینے کے بجائے عمومی دلیلوں سے استدلال کر رہے ہیں۔ کہیں نظر آتا ہے کہ متعدد صحابہؓ سے صلاح

---

[1] مثلاً ترمذی کی ایک روایت کے لفظ ہیں: قال عثمان یوم الدار: إن رسول اللہ ﷺ قد عهد إلی عهدا فانا صابر علیه۔ امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ (سنن الترمذی، ابواب المناقب، باب فی مناقب عثمان بن عفان، رقم: ۳۷۱۱۔) قمیص نہ اتارنے سے اتارنے مراد خلافت سے مستعفی نہ ہونا ہے اور اس عہد سے مراد قتال نہ کرنا ہے، چناں چہ حضرت عثمان نہ تو خلافت سے مستعفی ہوئے، نہ قتال ہی کا اعلان فرمایا۔

مشورہ کررہے ہیں کہ اس حالت میں مجھے کیا کرنا چاہیے؛ مثلاً حضرت عثمانؓ نے حضرت ابن عمرؓ سے مشورہ طلب کیا، جس کا مکالمہ ابن ابی شیبہ نے کچھ اس طرح سے نقل کیا ہے:

ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ جب محصور تھے تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ مغیرہ بن اخنس نے مجھے جو مشورہ دیا ہے، تمہاری اس کے بارے میں کیا رائے ہے؟ میں نے پوچھا انہوں نے کیا مشورہ دیا ہے؟ حضرت عثمانؓ نے بتایا کہ انہوں نے کہا ہے کہ ان لوگوں کا مطالبہ آپ کے مستعفی ہونے کا ہے، اگر آپ مستعفی ہوجائیں تو یہ لوگ آپ کو کچھ نہیں کہیں گے وگرنہ یہ لوگ آپ کو قتل کردیں گے (یعنی مجھے جان بچانے کے لیے مستعفی ہوجانا چاہیے)۔ میں نے پوچھا اگر آپ مستعفی ہوجائیں تو ہمیشہ زندہ رہیں گے؟ حضرت عثمانؓ نے کہا نہیں۔ میں نے کہا کیا جنت ودوزخ ان کے اختیار میں ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ میں نے پوچھا مستعفی نہ ہونے کی صورت میں آپ کی جان لینے سے زیادہ بھی کچھ کرسکتے ہیں، انہوں کہا نہیں۔ میں نے کہا کیا آپ اسلام میں یہ سنت جاری کریں گے کہ جب بھی کسی حاکم پر کچھ لوگ ناراض ہوں تو اسے اتار دیں؟ جو قمیص اللہ نے آپ کو پہنائی ہے وہ مت اتاریے[1]۔

اسی طرح حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن سلامؓ سے مشورہ کیا تو انہوں نے ہاتھ روکنے یعنی قتال نہ کرنے کا مشورہ دیا، چناں چہ ابن ابی شیبہ ہی کی ایک روایت میں ہے:

ابولیلی کندی کہتے ہیں جب حضرت عثمانؓ محصور تھے تو میں نے ایک دن دیکھا کہ آپ لوگوں پر ظاہر ہوئے اور کہا لوگو! مجھے قتل نہ کرو، مجھ سے معذرت طلب کرلو۔ اللہ کی

---

[1] مصنف ابن ابی شیبۃ کے لفظ یہ ہیں: عن نافع. قال: حدثنی عبد الله بن عمر. قال: قال لی عثمان وهو محصور فی الدار: ما تقول فیما اشار به علی المغیرة بن الاخنس؛ قال: قلت: وما اشار به علیك؛ قال: إن هؤلاء القوم یریدون خلعی فإن خلعت ترکونی وإن لم اخلع قتلونی. قال: قلت: ارایتَ إن خلعتَ اتُراك مخلّدا فی الدنیا؛ قال: لا. قلتُ: فهل یملکون الجنة والنار؛ قال: لا. قلتُ: ارایت إن لم تخلع ایزیدون علی قتلك؟ قال: لا. قلت: ارایتَ تسنّ هذه السنة فی الإسلام کلما سخط قوم علی امیر خلعوه. ولا تخلع قمیصا قمصکه الله. (مصنف ابن ابی شیبة. کتاب الفتن. ماذکر فی عثمان، رقم: ۳۷۶۵۶)

قسم اگر تم نے مجھے قتل کر دیا تو کبھی بھی اکٹھے دشمن کے خلاف جہاد اور قتال نہیں کر پاؤ گے اور آپس میں الجھ جاؤ گے۔ پھر حضرت عبداللہ بن سلامؓ کو (مشورے کے لیے) بلایا تو انہوں نے کہا ہاتھ روکے رکھیے، ہاتھ روکے رکھیے (یعنی قتال نہ کیجیے)، اس میں آپ کے لیے حجت زیادہ مضبوط ہوگی۔ پھر وہ لوگ داخل ہوئے اور آپ کو شہید کر دیا[1]۔

اس طرح کی مزید مثالیں بھی پیش کی جاسکتی ہیں، جہاں ایک طرف نص موجود ہے اور دوسری طرف انداز ایسا ہے جیسے نص ہو ہی نہیں۔ ایسے موقع پر دونوں طرح کی باتوں میں تطبیق کا کوئی راستہ اختیار کرلیا جاتا ہے۔ مثلاً حضرت عثمان کے ابن عمر اور عبداللہ بن سلام سے مشورہ کرنے کا یہ نتیجہ اخذ کرنا درست نہیں ہوگا کہ جب مشورہ کر رہے ہیں تو ثابت ہوا کہ کوئی نص موجود نہیں ہے۔ ایک طرف رسول اللہ ﷺ کی نص موجود ہونے اور دوسری طرف مشورہ طلب کرنے میں تطبیق کی وجہ جو بھی بیان کریں یہ الگ معاملہ ہے، لیکن اس سے یہ ضرور واضح ہوتا ہے کہ اس طرح کے امور سے نص رد نہیں ہوتی۔ مثلاً دونوں طرح کی روایات میں تطبیق کی ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ بسا اوقات پیشین گوئیوں میں ایک اہم معاملہ یہ بھی ہوتا ہے کہ واقعہ مکمل ہونے تک کسی درجے میں تردد کی گنجائش موجود ہوتی ہے کہ یہ صورت حال وہی ہے جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا یا نہیں۔

بعض اوقات مصداق کی یقینی تعیین واقعہ مکمل ہونے کے بعد ہوتی ہے۔ یہ تو ممکنہ توجیہ کی ایک مثال ذکر کی ہے، بہر حال کوئی نہ کوئی توجیہ کرلی جاتی ہے اور اس طرح کے

---

[1] ابن ابی شیبہ کے لفظ یہ ہیں: سمعت ابا ليلى الكندى يقول: رايت عثمان اطلع على الناس وهو محصور فقال: ايها الناس لا تقتلونى واستعتبونى فوالله لئن قتلتمونى لا تقاتلون جميعا ابدا ولا تجاهدون عدوا ابدا. لتختلفن حتى تصيروا هكذا وشبك بين اصابعه ايا قوم لا يجرمنكم شقاقى ان يصيبكم مثل ما اصاب قوم نوح او قوم هود او قوم صالح وما قوم لوط منكم ببعيد} قال: وارسل إلى عبد الله بن سلام فساله فقال: الكف الكف. فإنه ابلغ لك فى الحجة فدخلوا عليه فقتلوه. (مصنف ابن ابى شيبة. كتاب الفتن. ما ذكر فى عثمان. رقم: ۳۷۶۵۸)

واقعات کو نص کے رد کرنے کا قرینہ نہیں بنایا جاتا۔ مگر معلوم نہیں کیوں جب اسی نوعیت کا معاملہ حضرت علیؓ کے بارے میں سامنے آتا ہے بعض حضرات کی سوچ کا رخ بالکل مختلف ہوجاتا ہے اور نص کو رد کرنے کے لیے ان کی ذہانت کو عجیب وغریب قرائن نظر آنے لگ جاتے ہیں۔ دیکھیں جی، اگر اس طرح کی حدیثیں ہوتیں تو فلاں فلاں موقع پر حضرت علیؓ کا یہ انداز کیوں ہوتا، اس طرح کی بعض باتوں کا جواب اپنے موقع پر ان شاء اللہ عرض کریں گے۔ یہاں چوں کہ صرف اصولی، عمومی اور تمہیدی باتیں ہورہی ہیں، اس لیے یہ عرض کردیا کہ اگر نص اپنے طریقے سے ثابت ہو تو اس طرح کے واقعات کی بنیاد پر اسے رد کرنے کے بجائے تطبیق کا راستہ اختیار کیا جاتا ہے، وگرنہ دیگر خلفا کے بارے میں بھی بہت سی نصوص کو رد کرنا پڑ جائے گا۔

## حالات کی خرابی (فتن) کب اور کیسے شروع ہوئی؟

### حدیثِ حذیفہؓ: حضرت عمر کے ساتھ مکالمہ

حضرت حذیفہؓ سے یہ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں بعد میں آنے والے واقعات بیان فرمائے:

حفظه من حفظه و نسيه من نسيه [1]

حضرت حذیفہؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی واقعہ ذہن سے نکل

---

[1] صحیح مسلم کے الفاظ ہیں: ''عن شقيق، عن حذيفة، قال: قام فينا رسول الله ﷺ مقاما، ما ترك شيئا يكون فى مقامه ذلك إلى قيام الساعة، إلا حدث به، حفظه من حفظه و نسيه من نسيه.'' (كتاب الفتن و اشراط الساعة، باب إخبار النبى ﷺ فيما يكون إلى قيام الساعة، رقم: ۲۸۲۹) صحیح مسلم ہی میں ابو زید عمرو بن اخطب کی روایت کے الفاظ ہیں: ''صلى بنا رسول الله ﷺ الفجر، وصعد المنبر فخطبنا حتى حضرت الظهر، فنزل فصلى، ثم صعد المنبر، فخطبنا حتى حضرت العصر، ثم نزل فصلى، ثم صعد المنبر، فخطبنا حتى غربت الشمس، فاخبرنا بما كان وبما هو كائن فاعلمنا احفظنا.''

چکا ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا تھا، لیکن جب رونما ہو جاتا ہے تو پھر یاد آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات فرمائی تھی۔ اس کا بھی مطلب یہ ہے کہ جو آنے والے واقعات تھے، رسول اللہ ﷺ کو ان کا خاصی تفصیل سے علم دیا گیا تھا اور بعض صحابہ کو بھی ان کا علم تھا، جن میں حضرت حذیفہؓ سرفہرست ہیں۔

## خطباتِ عمرؓ اور حالات کی نبض شناسی

دوسری اہم بات یہ ہے کہ حضرت عمر بن الخطابؓ کے بعض خطبوں سے اور ان کی بعض باتوں سے اس وقت کے حالات کے رخ کا اندازہ ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ کی فراست ہر کوئی جانتا ہے کہ ناممکن ہے کہ ان کو اندازہ نہ ہو کہ میرے بعد حالات کدھر کو جا سکتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے خطبوں سے احساس ہوتا ہے کہ ان کو کچھ احساس اور ادراک تھا۔

## جملۂ معترضہ: زیرِ بحث موضوعات میں احادیث و تاریخ کا درجہ

اس لیے، جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، ان موضوعات کو سمجھنے کے لیے ہمارا بنیادی ماخذ یہ احادیث ہونی چاہییں اور تاریخ کی حیثیت ثانوی ہونی چاہیے۔ تاریخ کوئی بری چیز نہیں ہے کہ اس کا انکار کر دیا جائے، کیوں کہ حدیث بھی بعض امور کی وضاحت میں تاریخ کی محتاج ہے۔ حدیث کو پرکھنے کے لیے اسماء الرجال کی ضرورت ہوتی ہے اور اسماء الرجال کیا ہے؟ یہ آدمی کب پیدا ہوا؟ اس کا کب انتقال ہوا؟ وہ کیسا تھا؟ کیسی زندگی تھی؟ یہ سب کچھ تاریخ ہی ہے۔

اس لیے قدیم محدثین اسماء الرجال کو کہتے ہی تاریخ تھے۔ مثلاً امام بخاریؒ کی اسماء الرجال پر مشہور کتاب ہے، اس کا نام ہے: التاریخ الکبیر۔ یہ تاریخ اس معنیٰ میں نہیں ہے کہ فلاں سال میں یہ ہوا؟ نہیں، اس میں واقعات نہیں ہیں، بلکہ یہ اسماء الرجال پر ہے کہ فلاں راوی ثقہ ہے، فلاں نہیں ہے۔ اسماء الرجال پر حروفِ تہجی کی ترتیب سے لکھی گئی غالباً یہ سب سے پہلی کتاب ہے۔ تو علمِ حدیث بھی ایک معنیٰ میں تاریخ کا محتاج ہے، لیکن بہرحال تاریخ میں جو کچھ درج ہوتا ہے، اس میں تاریخ لکھنے والے اتنی چھان پھٹک کا

اہتمام نہیں کرتے، ان کا معیار اتنا سخت نہیں ہوتا جتنا کہ محدثین کا ہوتا ہے، ویسے بھی تاریخ میں کسی واقعے کے بارے میں عام انسانوں کا بیان ہوتا ہے اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا بیان ہوتا ہے؛ اس لیے ہمیں ان چیزوں کو سمجھنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے جو تفصیل سے بیان فرمایا اور صحابہ کو جو اس کا ادراک تھا، اسے پیش نظر رکھنا ضروری ہے؛ یعنی ان واقعات کے ہونے سے پہلے صحابہ کیا کہہ رہے تھے؟ واقعات ہونے کے بعد صحابہ نے کیا کہا؟ رسول اللہ ﷺ کی کس بات کا حوالہ دیا؟ حاصل یہ کہ حالات کو سمجھنے کے لیے دو چیزوں کی مراجعت ضروری ہے: ایک رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئیاں اور دوسرے صحابہ، بالخصوص کبار صحابہ کے تبصرے اور آرا۔

## تدوینِ تاریخ اور سازشی عنصر

یہاں ضمناً یہ عرض کرنا بھی مناسب ہوگا کہ اسلامی اور عربی علوم وفنون کی تدوین ایک دوسرے کے ساتھ اتنی جڑی ہوئی اور منسلک ہے کہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ بحیثیت مجموعی ایک ہی تحریک ہے۔ کسی میں تشکیک سے دوسری میں بھی تشکیک کا راستہ بھی کھلتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر علم وفن میں بعض انتہائی کم زور بلکہ غلط باتیں بھی در آئی ہیں؛ حدیث میں انتہائی ضعیف بلکہ موضوع حدیثیں آگئی ہیں، قراءت کے نام پر صرف شاذ ہی نہیں، مضحکہ خیز لفظ ذکر کردیے گئے، فقہ میں بالکل غیر معتبر اقوال آگئے ہیں، لیکن ان کی بنیاد پر ان علوم کی تدوین ہی کو کسی سازش سے جوڑ دینا ٹھیک نہیں ہوگا۔

اسی طرح تاریخ کی کتابوں میں ہر طرح کا رطب ویابس مواد موجود ہے۔ کتب تاریخ میں بھی موضوع درجے کی روایات کا موجود ہونا ممکن ہے؛ اس لیے یہاں بھی آنکھیں بند کرکے ہر بات نہیں لی جائے گی، لیکن یہ تاثر کہ تاریخ کی تدوین میں جزوی طور پر ہی سہی کوئی سازشی عنصر بھی کارفرما تھا، کوئی سبائی ٹولہ تھا، جو ان سیدھے سادے تاریخ نگاروں سے اپنی مرضی کی باتیں لکھوا رہا تھا، نہ صرف یہ کہ خلاف واقع ہے بلکہ انتہائی خطرناک بھی ہے۔ ابتدائی مؤرخین کا دیگر علوم کی تدوین میں بھی عمل دخل رہا تھا۔ بعض مؤرخ ہونے کے ساتھ ساتھ محدث، مفسر اور فقیہ وغیرہ بھی تھے۔

اگر اس طرح کی بات کو مان لیا جائے تو پھر خدانخواستہ ان لوگوں کے بیانیے کو مدد ملے گی جو تدوینِ حدیث کو عجمی سازش اور تدوینِ فقہ کو اس وقت کے ملوک اور حکم رانوں کی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ اگر ایک دفعہ یہ مان لیا جائے کہ سبائی ٹولہ (جس کا عصرِ تدوین میں مؤثر طاقت ہونا تو دور کی بات، وجود ثابت کرنا بھی مشکل ہے) یا اس وقت کے حکم ران اپنی مرضی کی باتیں لکھواتے رہتے تھے، تو تمام علوم کی تدوین پر ہی سوال اٹھ جائیں گے؛ چناں چہ جو لوگ تاریخ کے بارے میں اس طرح کی باتیں کرتے ہیں (اگرچہ سارا اعتماد پھر تاریخ ہی پر کرتے ہیں) انہی میں سے بعض لوگ حدیث کو بھی عجمی سازش کہنے سے نہیں چوکتے (بالکل شروع کے ایک حاشیے میں مفتی ولی حسنؒ کی جو شہادت نقل کی گئی ہے، عبرت کے لیے اسے یہاں بھی ملاحظہ کیا جاسکتا ہے)۔

یہ تو ممکن ہے مخصوص حالات کی وجہ سے کسی نے کوئی بات بیان کرنے سے گریز اور سکوت کیا ہو، یا کچھ ابہام رہنے دیا ہو، مثلاً نام کی جگہ فلاں کہہ دیا ہو، مگر سارا عملِ تدوین ریموٹ کنٹرول کے ذریعے چلایا جارہا تھا یہ بات خلافِ واقعہ بھی ہے دور رس غلط نتائج کی حامل بھی۔ اگرچہ آج کے دور میں بعض ثقہ اہلِ علم کے قلم سے بھی ایسے الفاظ نکل گئے ہیں، جن سے ترشح ہوتا ہے کہ تدوینِ تاریخ میں کسی خاص معاملے میں باقاعدہ کوئی سازشی عنصر حاوی تھا، جو اس تدوین کو ایک خاص رخ پر لے جارہا تھا، لیکن شاید انہوں نے ایسی بات کے نتائج ومضمرات پر غور نہیں فرمایا۔

بہر حال! ہمارا موضوع اس وقت تاریخ کی حجیت ثابت کرنا نہیں ہے، بلکہ یہ عرض کرنا ہے کہ تاریخ کو دیکھنے سے پہلے حدیثِ رسول ﷺ کو دیکھنا بھی ضروری ہے۔

## آمدم برسرِ مطلب؛ حدیثِ حذیفہؓ: حضرت عمرؓ کے ساتھ مکالمہ

حضرت حذیفہؓ کی ایک حدیث ہے؛ بخاری میں بھی ہے، مسلم میں بھی ہے اور مشکوٰۃ میں بھی ذکر کی گئی ہے کہ حضرت حذیفہؓ سے حضرت عمرؓ نے فتنوں کے بارے میں پوچھا۔ پہلے تو حضرت حذیفہؓ نے بات کو ٹالنے کی کوشش کی۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے آپ نے جو فتنوں کے بارے میں سنا ہے، وہ مجھے بتائیں۔ انہوں نے کہا: ''فتنة الرجل فی

اهله وولده وجاره تكفرها الصلاة والصيام والصدقة. والامر بالمعروف والنهي عن المنكر "(آدمی کا اپنے اہل وعیال اور پڑوس کے معاملے میں فتنہ میں پڑنا، جس کی تلافی نماز، روزہ، صدقہ اور نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنا کر دیتا ہے)۔

حضرت عمرؓ نے کہا: میری مراد یہ نہیں ہے۔(حضرت عمرؓ کی فراست تو مسلم ہے، انہیں ٹالا تو نہیں جا سکتا تھا) انہوں نے کہا: ليس هذا اريد. إنما اريد التي تموج كموج البحر (میری مراد یہ نہیں، بلکہ میں تو ان فتنوں کی بات کر رہا ہوں جو سمندر کی موجوں کی طرح موج زن ہوں گے) یعنی میں اجتماعی اور سیاسی نوعیت کے فتنوں کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔ سوال وجواب کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ میں یہ معہود ومسلم تھا کہ فتنے آنے ہیں۔ ہم تو واقعاتِ فتن کے بعد کے دور میں جی رہے ہیں، اس لیے ہمیں تو پتا ہونا ہی تھا کہ یہ فتن واقع ہوئے ہیں، دورِ فاروقی میں جب کہ فتن کا ابھی ظہور بھی نہیں ہوا تھا، اگر فتن پر بات ہو رہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سن رکھا ہے اور یہ سمجھا جا رہا ہے کہ یہ بھی رسول اللہ ﷺ کے دیے گئے علم کا ایک باب ہے۔

حضرت حذیفہؓ نے کہا کہ آپ کو پوچھنے کی ضرورت نہیں؛ اس لیے کہ ان فتنوں کے آگے ایک دروازہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے یہ نہیں پوچھا کہ دروازہ کیا ہے؟ کون ہے؟ البتہ یہ پوچھا کہ وہ دروازہ کھلے گا یا ٹوٹے گا؟ حضرت حذیفہؓ نے کہا: بل يُكسر یعنی ٹوٹے گا۔ اس پر بات ختم ہوگئی۔

حضرت حذیفہؓ نے یہ مکالمہ اپنے شاگردوں کے سامنے نقل کیا، تو انہیں تجسس ہوا کہ کہ دروازہ کون ہے؟ اب پوچھنے کا حوصلہ نہیں ہو رہا، کیوں کہ کسی کا یہ نام ہوگا۔ جب معاملہ شخصیات کا آجاتا ہے تو اس میں نزاکت پیدا ہو جاتی ہے۔ خاص طور پر اُس دور کی شخصیت ہو تو نزاکت اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ مسروقؒ اجلّ تابعین میں سے ہیں اور عمر کے اگلے حصے میں تھے۔ انہوں نے باقی شاگردوں کے کہنے پر حضرت حذیفہؓ سے پوچھا، تو انہوں نے بتایا کہ یہ دروازہ حضرت عمرؓ ہیں اور خود حضرت عمرؓ کو بھی اس بات کا پتا تھا اور اس طرح پتا کہ جیسے تمہیں یقین سے پتا ہے کہ کل آنے سے پہلے رات آئے گی۔

کما یعلم ان دون غد اللیلة[1]

## خطبۂ عمرؓ اور فتنوں کی پیش قیاسی

اس میں سب سے پہلی بات جو ہمیں نظر آتی ہے وہ یہ کہ دورِ فتن شروع کہاں سے ہوتا ہے؟ دورِ فتن اس دروازے کے ٹوٹنے سے شروع ہوتا ہے۔ دروازہ کھلنے سے مراد طبعی موت تھی اور دروازہ ٹوٹنے سے مراد تھی شہادت۔ حضرت عمر کی شہادت ہوئی اور حضرت حذیفہ کو رسول اللہ ﷺ کے دیے ہوئے علم کے مطابق پتا تھا۔ فتن سے مراد سیاسی معاملات میں کشاکشی اور اختلافات ہیں۔ حضرت عمر نے اپنی عمر کے آخری حصے میں ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس کی بعض باتیں بڑی حیران کن اور فراستِ عمری کا ثبوت ہیں۔

اس خطبے کے حوالے سے صحیح مسلم کی روایت کتاب المساجد و مواضع الصلوۃ میں وہاں ہے جہاں باب ہے کہ اگر کسی آدمی نے لہسن یا پیاز کھایا ہو تو اسے مسجد میں نہیں آنا چاہیے۔ اس باب میں حضرت عمرؓ کا یہ خطبہ ہے۔ اس خطبے کی فی الحال تشریح نہیں کی جائے گی، بلکہ ضرورت محسوس ہوئی تو آگے چل کر کچھ گفتگو ہوگی، لیکن اس سے اندازہ یہ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ چیزوں کو دیکھ رہے تھے اور مطالعہ کر رہے تھے۔ حضرت عمرؓ کا یہ غالباً آخری خطبہ ہے۔ اس کے الفاظ یوں ہیں: ان عمر بن الخطاب، خطب یوم الجمعة، فذکر نبی اللہ ﷺ، وذکر ابا بکر (یعنی نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ کا ذکر کیا۔ ان کے دور کی خوبیاں بیان کیں)۔

---

[1] بخاری کے الفاظ ہیں: حدثنا علی بن عبد اللہ، حدثنا سفیان، حدثنا جامع، عن ابی وائل، عن حذیفة، قال: قال عمر رضی اللہ عنہ، من یحفظ حدیثا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الفتنة؟ قال حذیفة انا سمعته یقول: فتنة الرجل فی اھلہ ومالہ وجارہ، تکفرھا الصلاة والصیام والصدقة، قال: لیس اسأل عن ذہ، إنما اسأل عن التی تموج کما یموج البحر، قال: وإن دون ذلک بابا مغلقا، قال: فیفتح او یکسر؟ قال: یکسر، قال: ذاک اجدر ان لا یغلق إلی یوم القیامة، فقلنا لمسروق: سلہ اکان عمر یعلم من الباب؟ فسألہ فقال: نعم، کما یعلم ان دون غد اللیلة، (صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب الصوم کفارة، رقم: ۱۸۹۵)

## حضرت عمرؓ کا اپنے خواب کا بیان اور اس کی تعبیر

حضرت عمرؓ نے اس خطبے میں اپنا ایک خواب بھی بیان فرمایا کہ: إني رأيت كان ديكا نقرني ثلاث نقرات (میں نے خواب دیکھا کہ ایک مرغے نے مجھے تین چونچیں ماریں)۔ اس کی تعبیر یہ ہے کہ: وإني لا أراه إلا حضورَ أجلي (اب میرا آخری وقت قریب ہے، میں اس دنیا سے جارہا ہوں)

حضرت اسماء بنتِ عُمیسؓ مشہور صحابیہ ہیں اور کئی صحابہ کے نکاح میں رہی ہیں۔ حضرت صدیق اکبرؓ کے نکاح میں بھی رہی ہیں۔ وہ خوابوں کی تعبیر کی بہت ماہر تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی بہت ماہر تھے۔ ممکن ہے انہوں نے انہی سے یہ علم حاصل کیا ہو۔ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ کے نکاح میں بھی رہی ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے بھی اس خواب کی یہی تعبیر بیان کی۔

## حضرت عمرؓ کا اپنے بعد امرِ خلافت کو چھے افراد کی شوریٰ کی طرف منتقل کرنا

حضرت عمرؓ نے کہا کہ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ میں اپنے بعد کسی کو نام زد کردوں، لیکن اللہ اپنے دین کو اور خلافت کو ضائع کرنے والے نہیں ہیں اور کچھ اور باتیں اس حوالے سے ارشاد فرمائیں اور پھر فرمایا: فإن عجل بي امر، فالخلافة شورى بين هؤلاء الستة، الذين توفي رسول الله ﷺ وهو عنهم راض۔

چھے افراد کو خلافت کے لیے نام زد کیا۔ یہ چھے افراد اصل میں وہی عشرۂ مبشرہؓ ہیں۔ عشرۂ مبشرہؓ میں سے دو شخصیات کا انتقال ہو چکا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ اور اب حضرت عمرؓ کے انتقال کا وقت ہے۔ باقی سات افراد ہیں۔

## حضرت سعید بن زیدؓ کو قرابت کے باعث امرِ خلافت سے دور رکھنا

بظاہر ان ساتوں کو اس شوریٰ میں لینا چاہتے تھے، لیکن ان میں بہت جلیل القدر شخصیت ہیں حضرت سعید بن زیدؓ ان کے والد کے بارے میں آتا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں یہ شرک سے بچتے تھے اور بہت سی زندہ درگور کی جانے والی بچیوں کو انہوں نے بچایا ہے۔ جب کسی کے بارے میں پتا چلتا کہ یہ وہ اپنی بچی کو زندہ درگور کرنے والا ہے تو یہ اس

کے پاس جاتے اور کہتے کہ اس بچی کو دفن کرنے کے بجائے میرے حوالے کردو، اس طرح وہ ان بچیوں کی جان بچا لیتے اور انہیں اپنی کفالت میں لے لیتے۔ جب بچی بڑی ہو جاتی تو دوبارہ اسے اپنے والد کے پاس لے کر جاتے، اگر وہ بچی کی اگلی ذمہ داریاں خود نبھانے کے لیے تیار ہوتا تو یہ بچی اس کے حوالے کردیتے، وگرنہ اس کی شادی وغیرہ بھی خود ہی کراتے۔ ان سعید بن زید کو حضرت عمر نے شوریٰ میں اس لیے شامل نہیں کیا کہ یہ آپ کے چچا زاد بھائی تھے۔ حضرت عمر نہیں چاہتے تھے کہ اپنے خاندان کے کسی دور دراز کے بندے کو بھی اس میں شامل کریں۔ یہ ان کی شفافیت ہے، ورنہ جو معیار ہے، وہ وہی ہے کہ: توفی رسول اللہ ﷺ وھو عنھم راض. یہ بات سعید بن زید کے لیے بھی ہے، لیکن ان کو شامل نہیں کیا گیا اور باقی چھے بچے[1]۔

## حضرت عمرؓ کے داخلی فتنوں کی طرف اشارات

آپؓ نے ایک بات فرمائی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اندازہ تھا کہ فتنوں اور تنازعات کے بیج موجود ہیں، لیکن عمر کے ہوتے ہوئے وہ سر نہیں اٹھا سکتے تھے۔ اس کے بعد فرمایا: وإني قد علمت ان اقواما يطعنون فی هذا الامر. کچھ لوگ اس خلافت کے معاملے میں طعن کرتے ہیں۔ وہ کون سے لوگ ہیں؟ انا ضربتهم بيدی

---

[1] ان چھے کے بارے میں حضرت عمرؓ کے بعض روایات میں مختصر مختصر تبصرے بھی ہیں اور بڑے دل چسپ ہیں۔ مثلاً ابن عباسؓ سے ایک مکالمے میں فرماتے ہیں کہ سعد بن ابی وقاصؓ شخصیت تو ٹھیک ہے، لیکن جب اسے غصہ آتا ہے تو بہت اوپر چلا جاتا ہے اور جب غصہ ختم ہوتا ہے تو بہت نیچے چلا جاتا ہے۔ یہ کوئی خامی نہیں، آدمی کا فطری مزاج ہوتا ہے۔ حضرت زبیرؓ کے بارے میں بھی خوبی کے اعتراف کے ساتھ یہ کہا کہ وہ تو منڈی میں لوگوں سے کھجوروں کے ایک ایک صاع کا حساب کر رہا ہوتا ہے۔ یعنی ہزاروں وسق کا کاروبار ہے، اس میں ایک ایک صاع کا کاروبار کر رہا ہوتا ہے۔ اس کے لیے کھلے دل کے آدمی کی ضرورت ہوتی ہے، یعنی ایسا آدمی جو نظام چلانے کے لیے چھوٹی چھوٹی چیزوں کو نظر انداز بھی کر سکے۔ حضرت علیؓ کے بارے میں فرمایا کہ اگر وہ والی بنا تو لوگوں کو سیدھے راستے پر لے کر چلے گا، لیکن ان کا مسئلہ یہ ہے کہ ان کی طبیعت میں ذرا مزاح ہے۔ اس میں ذرا یہ بات ہوتی ہے کہ لوگوں کی نظر میں جو رعب سا ہوتا ہے، وہ بعض لوگوں کے ہاں کم ہو جاتا ہے۔ (علامہ شبیر احمد عثمانی، فتح الملهم. بیروت: دار إحياء التراث العربي، ۱۱۶:۴)

هذه على الإسلام۔ میں نے انہیں اپنے ان ہاتھوں سے اسلام پر مارا ہے۔ یعنی یہ طعن کرنے والے وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے مدمقابل غزوات میں آتے رہے ہیں اور ہم ان کے خلاف جہاد کرتے رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں نے بہت بعد میں جا کر فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا ہے۔ یہ کون ہیں؟ میں اس تفصیل میں نہیں جاتا، کیوں کہ اس کا موضوع زیر بحث سے براہ راست تعلق نہیں ہے، البتہ شارحین نے اس پر بات کی ہے۔ فإن فعلوا ذلك فأولئك أعداء الله، الكفرة الضلال[1]۔ (اگر انہوں نے ایسا کیا تو یہ اللہ کے دشمن، کافر اور گمراہ ہوں گے)

---

[1] حضرت عمر کے اس خطبے کے حوالے سے صحیح مسلم کے الفاظ ہیں: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ، عَنْ مَعْدَانَ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، خَطَبَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَذَكَرَ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَذَكَرَ أَبَا بَكْرٍ قَالَ: إِنِّي رَأَيْتُ كَأَنَّ دِيكًا نَقَرَنِي ثَلَاثَ نَقَرَاتٍ، وَإِنِّي لَا أُرَاهُ إِلَّا حُضُورَ أَجَلِي، وَإِنَّ أَقْوَامًا يَأْمُرُونَنِي أَنْ أَسْتَخْلِفَ، وَإِنَّ اللهَ لَمْ يَكُنْ لِيُضَيِّعَ دِينَهُ، وَلَا خِلَافَتَهُ، وَلَا الَّذِي بَعَثَ بِهِ نَبِيَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِنْ عَجِلَ بِي أَمْرٌ، فَالْخِلَافَةُ شُورَى بَيْنَ هَؤُلَاءِ السِّتَّةِ، الَّذِينَ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَنْهُمْ رَاضٍ، وَإِنِّي قَدْ عَلِمْتُ أَنَّ أَقْوَامًا يَطْعَنُونَ فِي هَذَا الْأَمْرِ، أَنَا ضَرَبْتُهُمْ بِيَدِي هَذِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ، فَإِنْ فَعَلُوا ذَلِكَ فَأُولَئِكَ أَعْدَاءُ اللهِ، الْكَفَرَةُ الضُّلَّالُ، ثُمَّ إِنِّي لَا أَدَعُ بَعْدِي شَيْئًا أَهَمَّ عِنْدِي مِنَ الْكَلَالَةِ، مَا رَاجَعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شَيْءٍ مَا رَاجَعْتُهُ فِي الْكَلَالَةِ، وَمَا أَغْلَظَ لِي فِي شَيْءٍ مَا أَغْلَظَ لِي فِيهِ، حَتَّى طَعَنَ بِإِصْبَعِهِ فِي صَدْرِي فَقَالَ: «يَا عُمَرُ أَلَا تَكْفِيكَ آيَةُ الصَّيْفِ الَّتِي فِي آخِرِ سُورَةِ النِّسَاءِ؟» وَإِنِّي إِنْ أَعِشْ أَقْضِ فِيهَا بِقَضِيَّةٍ، يَقْضِي بِهَا مَنْ يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَمَنْ لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ، ثُمَّ قَالَ: اللهُمَّ إِنِّي أُشْهِدُكَ عَلَى أُمَرَاءِ الْأَمْصَارِ، وَإِنِّي إِنَّمَا بَعَثْتُهُمْ عَلَيْهِمْ لِيَعْدِلُوا عَلَيْهِمْ، وَلِيُعَلِّمُوا النَّاسَ دِينَهُمْ، وَسُنَّةَ نَبِيِّهِمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَيَقْسِمُوا فِيهِمْ فَيْئَهُمْ، وَيَرْفَعُوا إِلَيَّ مَا أَشْكَلَ عَلَيْهِمْ مِنْ أَمْرِهِمْ، ثُمَّ إِنَّكُمْ، أَيُّهَا النَّاسُ تَأْكُلُونَ شَجَرَتَيْنِ لَا أَرَاهُمَا إِلَّا خَبِيثَتَيْنِ، هَذَا الْبَصَلَ وَالثُّومَ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذَا وَجَدَ رِيحَهُمَا مِنَ الرَّجُلِ فِي الْمَسْجِدِ، أَمَرَ بِهِ فَأُخْرِجَ إِلَى الْبَقِيعِ، فَمَنْ أَكَلَهُمَا فَلْيُمِتْهُمَا طَبْخًا. (صحيح مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلوة، بَابُ نَهْيِ مَنْ أَكَلَ ثُومًا أَوْ بَصَلًا أَوْ كُرَّاثًا أَوْ نَحْوَهَا، رقم: ۵۶۷)

اس طرح کے الفاظ اہلِ سنت کے منہج کے مطابق کفرِ عملی پر محمول ہوتے ہیں، یعنی ان کا کام اللہ کے دشمنوں اور کافروں والا ہوگا۔ نبی کریم ﷺ کے ہاں بھی اس کی مثالیں ملتی ہیں، جیسے آپ نے آخری دور کے متعدد خطبوں میں ارشاد فرمایا: لا ترجعوا بعدی کفارًا یضرب بعضکم رقاب بعض۔ یہاں پر بھی کفار کا لفظ اسی معنی میں ہے۔

یہاں بعض حضرات نے سوال اٹھایا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایسا کون ہوسکتا ہے جس کی جرات ہو کہ اس طرح کی بات کر سکے؟ صحیح مسلم کے علاوہ دیگر جگہوں جیسے مسند احمد میں بھی یہ بات نقل ہوئی ہے۔ ان میں یطعنون کے بجائے ہے: سیطعنون۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے یہ بات مستقبل کے بارے میں فرمائی ہے کہ میرے بعد خلافت کے معاملے میں طعن کرنے والے طعن کریں گے۔

یہاں اس سے دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں: ایک یہ کہ فتن کا آغاز حضرت عمر کی شہادت کے بعد ہو رہا ہے اور دوسری یہ کہ اس کی بنیادیں پہلے سے موجود تھیں، لیکن حضرت عمرؓ کی موجودگی میں وہ سر نہیں اٹھا سکتی تھیں۔ حضرت عمر کی یہ روایت تاریخ طبری کی نہیں، مسلم کی روایت ہے۔ حضرت حذیفہ کی روایت جس میں حضرت عمر کو فتنوں کے آگے دروازہ کہا گیا ہے بخاری اور مسلم کی ہے۔

## دو غلط فہمیاں: عہدِ علی منبعِ فتن ہے/ یہ فتن عجمی سازش ہے

اس سے دو غلط فہمیاں ذہن سے نکل جانی چاہئیں، اگرچہ وہ ہمارا آج کا موضوع نہیں ہے۔ ایک تو یہ کہ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ حضرت علی کے دور میں فتنے پیدا ہو گئے اور ایک طرح سے یہ ان کے دورِ خلافت کا نقص ہے۔ حقیقت یہ ہے حضرت علی کی خلافت شروع ہونے سے پہلے فتنے اپنے عروج پر پہنچ چکے تھے، بیج تو پہلے سے موجود تھے البتہ فاروقی دروازہ رُکاوٹ تھا۔ یہ نکتہ ذہن میں رہنا چاہیے۔

حضرت علی کی خلافت کو مذاق بنا دیا گیا ہے اور اس طرح کی باتیں اچھے بھلے لوگ کرتے ہیں۔ میں اپنے موضوع سے ہٹ جاؤں گا، ورنہ ایک بزرگ کے حوالے سے منقول

ہے کہ ہم شیعوں سے کہہ دیتے ہیں کہ جو علاقے ابوبکر وعمر نے فتح کیے ہیں، وہ ہم لے لیتے ہیں اور جو علاقے علی نے فتح کیے ہیں، وہ تم لے لو۔ یہ عجیب بات ہے۔ شیعہ تو جواب میں یہی کہے گا کہ علی کو تم نے خلافت شروع میں دی نہیں اور کہتے ہو کہ فتح کیوں نہیں کی؟ اور خلافت اس وقت دی کہ جب سب کچھ ہاتھ سے نکل چکا تھا اور اندرونی مسائل پیدا ہو چکے تھے۔

## فتوحات معیارِ خلافت نہیں

فتوحات کیا کسی کی خلافت کا معیار ہے؟ کون سی نص میں آتا ہے؟ فتوحات اچھی چیزیں ضرور ہیں، لیکن اسلام میں حکم رانی کے معیار کو محض مربع کلومیٹرز کی تعداد سے نہیں ناپا جاتا۔ ہمیں مغربی دنیا نے اسلامی تاریخ کو بھی سیکولر معیارات پر پرکھنے پر لگا دیا ہے کہ کس نے کتنی فتوحات کیں، کتنی بڑا تمدن قائم کیا وغیرہ۔ اس بات سے انکار نہیں کہ اس طرح کے کام بھی کارنامے شمار ہوں گے، لیکن ٹھیٹھ دینی معیارات جن میں عدل وانصاف سرِ فہرست ہے، سے بہرحال یہ اہم نہیں۔ یہی اگر معیار ہے تو اگر بدر کو نکال دیں، احد کو نکال دیں، احزاب کو نکال دیں، خیبر کو نکال دیں، فتح مکہ کو نکال دیں تو پیچھے کچھ بچتا ہے؟ اور ان سب معرکوں کا سب سے بڑا ہیرو علی ہے۔

بخاری میں ہے: ''هذان خصمان اختصموا فی ربهم'' نزلت فی بدر، کہ یہ آیت ''هذان خصمان اختصموا فی ربهم'' اہلِ بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور یہ بھی ہے کہ حضرت علی اسی کے تحت فرماتے ہیں: انا اول من یجثو بین یدی الرحمن یوم القیامة للخصومة[1]

اس میں دو مخصم ہیں: ایک اہلِ باطل کا اور ایک اہلِ حق کا؛ بدر میں جو اہلِ حق کا

---

[1] صحیح بخاری میں ہے: عن علی بن ابی طالب رضی الله عنه، انه قال: «انا اول من یجثو بین یدی الرحمن للخصومة یوم القیامة» وقال قیس بن عباد: وفیهم انزلت: {هذان خصمان اختصموا فی ربهم} الحج: 19 اقال: "هم الذین تبارزوا یوم بدر: حمزة، وعلی، وعبیدة، او ابو عبیدة بن الحارث، وشیبة بن ربیعة، وعتبة بن ربیعة، والولید بن عتبة". (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب قتل ابی جهل، رقم: ۳۹۶۵)

فریق ہے، اس میں سب سے آگے اور سرفہرست بخاری کی اس روایت کے مطابق حضرت علی ہیں۔ تفصیل کا موقع نہیں، لیکن اس بات پر بھی دلائل قائم کیے جاسکتے ہیں کہ عہد رسالت کا جہاد خصوصاً رسول اللہ ﷺ کی معیت میں کیا ہوا جہاد جتنی اہمیت رکھتا ہے، بعد کے معرکوں کی وہ اہمیت نہیں ہے۔ بنیاد اور اساس تو عہد رسالت کی قربانیاں ہی ہیں۔ ایسی متعدد روایات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خود صحابہ بھی عہد رسالت کے جہاد اور عمل، جو رسول اللہ ﷺ کی معیت میں ہوئے تھے، کو بعد کے جہاد اور عمل سے بہت افضل سمجھتے تھے۔ صحیح بخاری میں حضرت عمر اور حضرت ابوموسیٰ اشعری کے درمیان ایک مکالمہ منقول ہے، جس میں یہ بات زیر بحث ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ہم نے جو جہاد وغیرہ کیے ان سے ہم کتنی امید وابستہ کرسکتے ہیں؟ اس میں حضرت عمرؓ غلبۂ خشیت اور غلبۂ تواضع کی وجہ سے فرمارہے ہیں کہ میں تو یہ سمجھ رہا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کے جو ہمارے جہاد وغیرہ ہیں، ان میں بس ہم پورے سورے بچ جائیں، یعنی یہ نیکیاں حقیقت میں ہمارے گناہ شمار نہ ہوں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری غلبۂ رجا کی وجہ سے اس سے مختلف رائے رکھتے ہیں، لیکن اس بات پر دونوں کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو جہاد ہجرت وغیرہ اعمال ہم نے کیے ہیں وہ بہرحال قابل امید ہیں۔[1]

---

[1] مشکاۃ المصابیح (باب البکاء والخوف: الفصل الثالث) میں یہ روایت ان لفظوں کے ساتھ آئی ہے: وعن ابی بردۃ بن ابی موسیٰ قال: قال لی عبداللہ بن عمر: ھل تدری ما قال ابی لابیک؛ قال: قلت: لا. قال: فإن ابی قال لابیک یا ابا موسیٰ ھل یسرک ان إسلامنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھجرتنا معہ وجھادنا معہ وعملنا کلہ معہ بردلنا، وان کل عمل عملناہ بعدہ نجونا منہ کفافا راسا براس، فقال ابوک لابی: لا واللہ قد جاھدنا بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصلینا وصمنا وعملنا خیرا کثیرا. واسلم علی ایدینا بشر کثیر وإنا لنرجو ذلک. قال ابی: ولکنی انا والذی نفس عمر بیدہ لوددت ان ذلک. ص: ۱۴۷۲. بردلنا وان کل شیء عملناہ بعدہ نجونا منہ کفافا راسا براس. فقلت: إن اباک واللہ کان خیرا من ابی. رواہ البخاری.

حضرت سعید بن زیدؓ کی عشرہ مبشرہ والی معروف روایت میں سنن ابی داؤد میں یہ لفظ بھی آتے ہیں: لمشهد رجل منهم مع رسول الله ﷺ يغبر فيه وجهه، خير من عمل احدكم عمره ولو عمر عمر نوح

(سنن ابی داود، کتاب السنۃ، باب فی الخلفاء، رقم: ۴۶۵۰)

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی معرکے میں صرف چہرے کا غبار آلود ہو جانا ہی اتنا بڑا عمل ہے کہ بعد میں عمرِ نوح بھی عملِ خیر میں کھپا دی جائے تو اس کے برابر نہیں ہو سکتی۔

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ اسی غلط فہمی پر اپنے مخصوص انداز میں لکھتے ہیں:

باوجود یکھنے کے جو نہیں دیکھنا چاہتے ہیں ان کو کیسے دکھایا جا سکتا ہے؟ حضرت علیؓ پر تنقید کرنے والوں کی طرف سے اس قسم کی باتیں جب میرے کانوں میں پہنچتی ہیں تو ہمیشہ دل میں یہ خیال آیا کہ علیؓ کی پچھلی زندگی پر تنقید کرنے والے ان کی زندگی کے ابتدائی خدمات سے اپنے آپ کو کیوں اندھا بنا لیتے ہیں۔ وہ اسلامی اطلس میں ایران و مصر شام و عراق کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں، لیکن میں پوچھتا ہوں کہ قادسیہ میں جو کامیابی مسلمانوں کو نصیب ہوئی، کیا بدر کی فیصلہ کن کامیابی کے بغیر نصیب ہو سکتی تھی؟ وہ خوش ہوتے ہیں کہ یرموک ندی کے ساحل پر معجزانہ شکست ان کے دشمنوں کو اٹھانی پڑی۔

لیکن یرموک کی فتح پر خوشی کے شادیانے بجانے والوں سے کون پوچھے کہ ارے محسن کشو! یرموک تک تم پہنچ بھی سکتے تھے اگر کھولنے والا تم پر خیبر کے پہاڑی قلعوں کے دروازوں کو نہ کھول دیتا۔ سچ کہتے تھے ابو ہریرہؓ جب کسی ملک کی فتح کی خبر مدینے پہنچتی تھی کہ خبر کو آج آئی ہے، لیکن فتح کا یہ واقعہ تو اسی دن پیش آ چکا تھا جب مدینہ کے اطراف میں اللہ کا رسول اور رسول کے ساتھی خندق کھودنے میں مصروف تھے۔ تم نے دجلہ کے کنارے دیکھا کہ سعد بن وقاص (کذا) اپنی فوج کو تراتے ہوئے مدائن کی طرف لے جا رہے ہیں۔

لیکن دیکھنے والوں نے اسی واقعہ کو اسی وقت دیکھ لیا تھا جب مدینہ کے خندق کو پھاند کر عمرو بن عبدودّ عرب کا سورما اس شخص سے مبارزت طلب کر رہا تھا جس نے ایک ہی

وار میں سو کے برابر سمجھے جانے والے اس پہلوان کو دو ٹکڑے کر کے رکھ دیا تھا۔ یقیناً حافظے کم زور بھی ہوتے ہیں، لیکن کیا اتنے کم زور کہ ہر دوسرے قدم کو اٹھانے کے بعد دماغ سے یہ بات نکل جائے کہ دوسرا قدم اٹھ ہی نہیں سکتا تھا اگر پہلا قدم نہ اٹھتا۔ یہ فطرت کی انتہائی دناءت اور گندگی ہے کہ جس نے سارے جسم سے کانٹوں کو نکالا، اس کے احسانوں کا صرف اس لیے انکار کر دیا جائے کہ آنکھ جب کھلی تھی تو اس وقت ہمارے سامنے صرف وہی تھا جس نے آخر میں آنکھ کے کانٹوں کو کھینچ لیا تھا۔

(مناظر احسن گیلانی، حضرت امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی، ۳۵۰)

## فتنوں کا منبع عہدِ علیؓ نہیں

اوپر غزوات میں حضرت علی کے کردار کا ذکر ہوا ہے۔ یہ اللہ نے ہمارے سمجھانے کے لیے کیا ہے۔ اس کو نکال دیں تو پھر بچتا کیا ہے؟ حضرت علی کو مذاق تک بنا دیا جاتا ہے کہ جی ان کے دور میں تو فتنے ہی پیدا ہو گئے، لیکن یہ بات درست نہیں۔ یہ کس نے کہا کہ حضرت علی کے دور میں فتنے پیدا ہو گئے! اگر حضرت علی کے دور میں فتنے پیدا ہوئے ہیں تو حضرت عثمان کو اس ڈھٹائی اور بے شرمی سے کس نے شہید کیا تھا؟ یہ لوگ اہل فتنہ ہی تھے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت ظاہر ہے فتنے کی غیر معمولی صورت حال میں ہوئی ہے۔ یہ بات کہ فتنے حضرت علی کے دور میں پیدا ہوئے، حدیث کے بھی خلاف ہے اور واقعات کے بھی؛ حدیث تو یہ کہتی ہے کہ فتنوں کے آگے اگر کوئی رکاوٹ ہے تو حضرت عمر ہیں؛ اور عمر کو اپنے بعد وہ فتنے نظر آ رہے ہیں۔

حضرت عمر کے بعد کے اس دور میں حضرت عثمان کا دور بھی آ جاتا ہے اور حضرت علی کا بھی، لیکن اس سے نہ حضرت عثمان کی شان میں کوئی کمی آتی ہے اور نہ حضرت علی کی شان میں۔ اگر کسی نے حضرت عثمان کے خلاف مسئلہ کھڑا کیا تو وہ ان کی غلطی تھی، حضرت عثمان اس فتنے کے بانی نہیں تھے۔ اسی طرح حضرت علی کا تو دور ہی وہ تھا جس میں حالات پہلے سے خراب ہو چکے تھے، بات یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ لوگوں نے قتلِ عثمان کے لیے مدینہ کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ دورِ عثمانی کے فتنوں سے حضرت عثمانؓ کی خلافتِ راشدہ پر کوئی حرف نہیں آتا، یہی معاملہ دورِ علوی کا بھی ہے۔

اچھا تھوڑی دیر کے لیے فرض کر لیتے ہیں کہ حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت نہیں ہوتی، وہ اسے قبول ہی نہیں کرتے، پھر کیا ہونا تھا؟ ظاہر ہے حضرات طلحہ وزبیر میں سے کسی کے ہاتھ پر ہونی تھی، یا زیاد، سے زیادہ حضرت سعد بن ابی وقاص کا نام لیا جاسکتا ہے کہ حضرت عمر کے نامزد کردہ لوگوں میں یہی تین حیات تھے، اگرچہ حضرت سعد گوشہ نشینی اختیار کر چکے تھے۔ حضرت علی کے علاوہ ان تین یا دو (طلحہ وزبیر) میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت ہوتی تو کیا ان کے خلاف کوئی مزاحمت نہ ہوتی؟ اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے تو اسے سادگی اور حالات وتاریخ سے ناواقفیت کی مثال ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے حالات کی خرابی کے ذمہ دار مخلصین تو نہیں تھے۔ وہ تو چھپے ہوئے کچھ اہل اغراض ہی ہوں گے، جنھیں حضرت عمر کی فراست بھی غالباً دیکھ رہی تھی، انہیں تو ان تین حضرات میں سے کوئی بھی راس نہیں آسکتا تھا۔

چلو تھوڑی دیر کے لیے یہ بیانیہ ہی مان لیتے ہیں کہ یہ ساری سبائی سازش تھی یا عجمی سازش تھی، تو جو بھی سازشی تھے ان کو طلحہ، زبیر یا سعد کی خلافت سے کیا ہمدردی ہوسکتی تھی، وہ کیوں ان کی خلافت کو آسانی سے چلنے دیتے۔ اس لیے حالات کی خرابی کو خلیفہ وقت پر ڈالنے کے بجائے اس کے اسباب کو کہیں اور ڈھونڈھنا چاہیے۔

## حوادثِ فتن اصلاً عجمی سازش نہیں

دوسری اہم بات یہ سمجھ میں آئی کہ یہ جو ایک بیانیہ ہے کہ یہ جتنے واقعات ہوئے، ان کے پیچھے عجمی سازش ہے، دیکھنے میں یہ بہت سادہ سی بات لگتی ہے، لیکن اتنی سادہ نہیں ہے۔ یہ اصل میں ایک مقدمہ ہے پورا ملبا اور الزام حضرت علی کے خاندان پر ڈالنے کا اور بعض کی طرف سے تو صراحتاً ڈالا گیا ہے، حتی کہ بعض لوگوں نے حضرت عمر کے قتل کی ذمے داری بھی ''بنو ہاشم کے نوجوانوں'' پر ڈالی ہے۔ تو حضرت عمر کے اس خطبے سے معلوم ہوا کہ یہ جو خلفشار پیدا ہوا ہے، اس کے اسباب زیادہ تر داخلی ہیں۔

یہ بات پھر عرض کی جاتی ہے کہ ہم نے چیزوں کو حدیث کے تناظر میں دیکھنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بے شمار پیش گوئیاں کی ہیں، لیکن کوئی ایک پیش گوئی نہیں ہے

جس میں یہ کہا گیا ہو کہ مسلمانوں کے آنے والے حالات عجمی لوگ خراب کریں گے، ہاں بخاری میں یہ ضرور آتا ہے کہ هَلَاكُ أُمَّتِي عَلَى يَدَيْ غِلْمَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ [1]۔

یعنی میری امت کی بربادی قریش کے لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی۔ اور حضرت عمر بتلا رہے ہیں کہ خلافت میں طعن کرنے والے کون ہیں؟ ضربتہم بیدی ہذہ علی ال اسلام۔ تو اس خلفشار کا سرچشمہ بنیادی طور پر اندر سے تھا۔ باہر کے کچھ لوگوں کا بھی اس میں کردار ہو سکتا ہے، لیکن اس کا سرچشمہ اندر کے لوگ ہیں، اگر روایات کو نظر انداز کر کے محض قیاس آرائی پر حالات کی تشخیص کریں گے تو اس کے مدمقابل اہل تشیع کا تیار کردہ بیانیہ واقعات کا ایک بالکل ہی دوسرا رخ پیش کرتا ہے۔ وہ سارا ملبہ عجمی یعنی فارسی عنصر کے بجائے رومی عنصر پر ڈالتے ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ رومیوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا، شام و مصر وغیرہ کے علاقوں میں ان کا اثر ورسوخ موجود تھا تو انہوں نے سازش کر کے شام اور مصر کے علاقوں میں گڑبڑ کی بنیادیں رکھوائیں، اور مسلمانوں کے مرکز کے خلاف خصوصاً خاندانِ رسول کے خلاف متبادل قیادت کھڑی کی۔ ظاہر ہے کہ یہ بیانیہ بھی بہت بھیانک اور خطرناک ہے۔

تاریخ کوئی فکشن، کوئی ناول نہیں ہے کہ اسے اپنے ذہن سے مرتب کر لیا جائے، اس کے لیے مضبوط شواہد پیش کرنا ہوتے ہیں، اہل تشیع کا یہ بیانیہ شواہد سے بالکل عاری ہے، اسی طرح اس کے برعکس والا بیانیہ بھی۔ جہاں یہ بات کہی جا رہی ہو کہ یہ عجمیوں کی، مجوسیوں کی، فلاں کی سازش ہے تو اس سے یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ اس بات کا رخ اور انجام کچھ اور ہوگا۔ اس طرح کے مفروضوں کے بجائے آپ حدیث کی طرف آئیں، یا جو بات کہنا چاہتے ہوں اس پر مضبوط تاریخی شہادتیں موجود ہوں۔

---

[1] بخاری کے الفاظ ہیں: حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْمَكِّيُّ، حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الأُمَوِيُّ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ مَرْوَانَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ فَسَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: سَمِعْتُ الصَّادِقَ الْمَصْدُوقَ، يَقُولُ هَلَاكُ أُمَّتِي عَلَى يَدَيْ غِلْمَةٍ مِنْ قُرَيْشٍ، فَقَالَ مَرْوَانُ: غِلْمَةٌ، قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: إِنْ شِئْتَ أَنْ أُسَمِّيَهُمْ بَنِي فُلَانٍ، وَبَنِي فُلَانٍ. (صحيح البخاري، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، رقم: ٣٦٠٥)

## حضرت علی کی خلافت شروع کیسے ہوتی ہے؟

حضرت عثمان کو انتہائی مظلومانہ انداز میں اور بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا جاتا ہے؛ نہ ان کے سامنے قرآن پڑھنے کی کی حیا آتی ہے، نہ ان کی عمر کی حیا آتی ہے، نہ ان کی سفید داڑھی کی کوئی حیا ہے، ان کے سامنے خواتین موجود ہیں، ان کی بھی کوئی حیا نہیں ہے، جذبات کے اندھاپن نے ہر چیز بھلا رکھی ہے۔ اس طریقے سے حضرت عثمان کو ان کے گھر کے اندر شہید کر دیا جاتا ہے۔ حالات بہت زیادہ خراب ہو چکے تھے، ظاہر ہے اس سے بڑی خرابی کیا ہوگی کہ خلیفۂ وقت کی شہادت ہوگئی۔ اب لوگ حضرت علی کے پاس گئے کہ خلافت کے لیے بیعت کریں۔ مختلف روایات میں آتا ہے کہ حضرت علی نے دو باتیں کیں: ایک تو یہ فرمایا کہ اس وقت یہ فیصلہ کرنا تمہارا کام نہیں ہے، بلکہ یہ قدیم الاسلام صحابہ کا کام ہے۔ جب تک وہ ہوں گے، صرف تمہارے کہنے سے بیعت نہیں ہوگی۔ اور دوسرا یہ فرمایا کہ یہاں پر بیعت نہیں ہوگی، بلکہ بیعت ہوگی تو مسجد میں سرعام ہوگی[1]۔

---

[1] اس حوالے سے کئی نظائر تراث سے پیش کیے جا سکتے ہیں، یہاں چند حوالہ جات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ آگے عہد سلف کے اساطین کی مستقل شہادتیں آتی ہیں۔ چوتھی صدی ہجری کے حنبلی عالم ابوبکر الخلال اپنی کتاب السنۃ میں ایک مستقل عنوان تثبیت خلافۃ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ امیر المؤمنین حقا حقا کے الفاظ میں باندھتے ہیں اور اس کے تحت کئی آثار اور اقوال سلف ذکر کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک حضرت علیؓ کی خلافت کو کس نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ یہ باب قابل ملاحظہ ہے۔ اس میں محمد بن الحنفیہ کی روایت میں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ حضرت کے پاس لوگ آئے اور امیر بننے کو کہا کہ آپ سے زیادہ اس وقت اس امر کے لیے کوئی مستحق نہیں تو آپ نے فرمایا: لا تریدونی. فإنی لکم وزیر خیر منی لکم امیر. فقالوا: لا واللہ ما نعلم احدا احق بھا منک. قال: فإن ابیتم علی فإن بیعتی لا تکون سرا. ولکن اخرج إلی المسجد، فمن شاء ان یبایعنی بایعنی. قال: فخرج إلی المسجد فبایعه الناس". (ابوبکر احمد بن محمد الخلال البغدادی الحنبلی (۳۱۱ھ)، السنۃ، ت، علیہ الزہرانی (ریاض: دار الرایۃ، 1989ء)، ۲: ۴۱۵؛ (تم میرے بارے میں ارادہ نہ کرو، اس لیے کہ میں تمہارا وزیر اور مددگار بنوں اس سے بہتر ہے کہ میں تمہارا امیر بنوں۔ لوگوں نے کہا اللہ کی قسم ہم اس معاملے میں آپ سے زیادہ موزوں اور لائق کسی اور کو نہیں پاتے۔ (حاشیہ جاری ہے!!)

## حضرت علیؓ کی خلافت صحابہؓ میں غیر مختلف فیہ تھی

مسجد میں حضرت علی کے ہاتھ پر سر عام بیعت ہوئی اور لوگوں نے بیعت کی اور اس بیعت پر اس وقت کسی نے کوئی اعتراض نہیں اٹھایا۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ تقریباً تحکیم کے واقعے تک کسی کی طرف سے صراحتاً یہ سوال نہیں اٹھا کہ حضرت علی کی خلافت منعقد نہیں ہوئی

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) حضرت علیؓ نے فرمایا اگر تم میری بات نہیں مان رہے تو میری بیعت پوشیدہ طور پر نہیں ہوگی، بلکہ میں مسجد میں جاتا ہوں وہاں جس کا جی چاہے مجھ سے بیعت کرلے۔ چناں چہ آپ مسجد کی طرف گئے اور لوگوں نے آپ سے بیعت کی) اس مفہوم کی دیگر روایات بھی اس کتاب میں نقل کی گئی ہیں۔ محمد بن الحنفیہ کی اس سلسلے میں ایک اور روایت بھی اسی مفہوم کی ہے جسے سیدنا کے معاصر سیرت نگار ڈاکٹر محمد علی الصلابی نقل کر کے کہتے ہیں کہ اس روایت کی سند کے رجال ثقہ ہیں۔ دیکھیے (علی محمد محمد الصلابی، اسمی المطالب فی سیرۃ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، (شارقہ امارات: مکتبۃ الصحابۃ، ۲۰۰۴ء)، ۱:۲۳۶؛ محمد الصلابی اس طرح کے آثار ذکر کر کے ان سے مستفاد دروس وعبر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''زھد علی فی الخلافۃ وعدم طلبہ لھا او طمعہ فیھا. واعتزالہ فی بیتہ حتی جاءۃ الصحابۃ یطلبون البیعۃ.'' (حضرت علیؓ کا خلافت سے بے رغبت ہونا، اس کی طلب یا طمع نہ کرنا اور اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو جانا، یہاں تک کہ صحابہ ان کے پاس بیعت کا مطالبہ لے کر آئے۔) (نفسِ مرجع، ۱:۲۳۶) امام بیہقی کتاب الاعتقاد میں زہری سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: لما قتل عثمان برز علی بن ابی طالب للناس ودعاھم إلی البیعۃ فبایعہ الناس ولم یعدلوا بہ طلحۃ ولا غیرہ وھذا لان سائر من بقی من اصحاب الشوری کانوا قد ترکوا حقوقھم عند بیعۃ عثمان کما مضی ذکرہ فلم یبق احد منھم لم یترک حقہ إلا علی وکان قد وفی بعھد عثمان حتی قتل وکان افضل من بقی من الصحابۃ فلم یکن احد احق بالخلافۃ منہ. ثم لم یستبد بھا مع کونہ احق الناس بھا حتی جرت لہ بیعۃ وبایعہ مع سائر الناس من بقی من اصحاب الشوری. (جب حضرت عثمانؓ شہید ہوئے تو حضرت علیؓ نمایاں ہوئے اور [کئی لوگوں کے اصرار اور مطالبے کے بعد] لوگوں کو اپنی بیعت کی طرف بلایا، چناں چہ سب لوگوں نے بیعت کر لی اور انہوں نے حضرت طلحہؓ یا کسی اور کو حضرت علیؓ کے برابر نہیں سمجھا؛ اس لیے کہ اہل شوری میں سے جتنے حضرات موجود تھے وہ سب اپنے حق سے دست بردار ہو چکے تھے۔ ان میں سے صرف حضرت علیؓ ہی بچے تھے جنھوں نے ایسا نہیں کیا تھا اور وہ حضرت عثمانؓ کی شہادت تک ان کا عہد بھی نبھا چکے تھے۔

(حاشیہ جاری ہے)

یا یہ کہ علی خلیفہ نہیں ہے فلاں خلیفہ ہے یا اسے خلیفہ ہونا چاہیے، بلکہ اس کے بعد بھی شاید یہ سوال کسی نے نہیں اٹھایا کہ اس عرصے میں حضرت علیؓ خلیفہ نہیں تھے۔ تحکیم کے بعد یہ ضرور کہا گیا، خوارج کی طرف سے بھی اور دوسری طرف سے بھی، کہ وہ معزول ہو گئے ہیں، حکمین نے انہیں معزول کر دیا ہے۔ اس سے پہلے حضرت علی سے اختلافات ہوئے، ام المومنین کا اختلاف ہوا، حضرت زبیر کا ہوا، حضرت طلحہ کا ہوا، لیکن کسی نے حضرت علی کی خلافت پر کوئی سوال نہیں اٹھایا۔

اس لیے یہ سوال کرنا کہ حضرت علی کی خلافت منعقد ہوئی یا نہیں ہوئی، ایک لغو بات ہے۔ حضرت علی کی بیعت، بیعتِ عامہ تھی، اس میں اکا دکا کسی کے شریک نہ ہونے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ یہ بھی آگے چل کر بتایا جائے گا کہ بعض لوگوں نے بلا دلیل ایک فہرست مرتب کر دی کہ انہوں نے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت سے انکار کیا۔

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) ویسے بھی اس وقت زندہ صحابہ میں حضرت علیؓ سب سے زیادہ فضیلت والے تھے؛ اس لیے ان سے زیادہ خلافت کا اہل کوئی نہیں تھا۔ پھر سب سے زیادہ حق دار ہونے کے باوجود انہوں نے اپنے طور پر اپنی خلافت مسلط نہیں کی، بلکہ باقاعدہ ان کے لیے بیعت ہوئی اور تمام لوگوں کے ساتھ ساتھ اہل شوری میں سے جو حیات تھے، انہوں نے بھی بیعت کی۔ (احمد بن الحسین ابوبکر البیہقی، الاعتقاد والهداية إلى سبيل الرشاد على مذهب السلف واصحاب الحديث، ت، احمد عصام الکاتب (بیروت: دار الآفاق الجدیدۃ، ۱۴۰۱ھ)، ۳۷۰؛

اسی طرح مولانا ابوالحسن علی ندویؒ اپنی کتاب المرتضیٰ میں فرماتے ہیں: ''حضرت عثمان کی شہادت کے بعد کئی روز تک اہل مدینہ اور اس کے حاکم و منتظم غافقی بن حرب کو انتظار رہا کہ مسلمانوں کی سربراہی کے لیے کون آگے بڑھتا ہے، مصریوں کا حضرت علی پر اصرار تھا اور حضرت علی کو اس سے گریز تھا۔ وہ باغوں کی چہار دیواری میں روپوش ہو رہے تھے، لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح اس مشکل کو حل کریں۔ حضرت علی ہی سے بار بار رجوع کیا جا رہا تھا، ان کے اصرار پر آپ نے بیعت قبول کر لی۔ بیعت سے پہلے اہل مدینہ کی رائیں معلوم کر لی گئی تھیں، ہر شخص کہہ رہا تھا کہ علی کے علاوہ کوئی اس منصب کے لائق نہیں ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس وقت امتِ اسلامیہ کی باگ ڈور سنبھالنے والا، خلافت راشدہ کی نازک ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے والا اور اس کے لیے ہمہ گیر صلاحیتوں اور کمالات کا حامل ابوبکر و عمر و عثمان کے بعد، علی مرتضیٰ سے زیادہ کوئی نہ تھا۔'' (سید ابوالحسن علی ندوی، المرتضیٰ، کراچی: مجلس نشریات اسلام، س ن، ۲۲۸)

ابن العربی جیسے شخص نے بھی تسلیم کیا ہے کہ ان میں سے بعض حضرات حضرت علی کے ساتھ مل کر قتال کرنے سے تو کسی وجہ سے پیچھے رہے، بیعت سے نہیں۔ جس طرح کی بیعتِ عامہ روایات سے ثابت ہے، اس کے بعد کسی مضبوط روایت سے کسی کے اعتراض کے منقول ہونے کی ضرورت ہے، وگرنہ اس طرح کی بیعتِ عامہ کے بعد انعقادِ خلافت پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ یہ تو عقلِ عام کی بات ہے کہ حضرت عثمان کی شہادت کی طرح حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت کی خبر بھی اطراف واکناف میں تیزی کے ساتھ پھیلی ہوگی، ایک قابلِ ذکر وقت گزرنے تک کسی طرف سے یہ آواز نہیں اٹھی کہ علی کے بجائے فلاں کو خلیفہ ہونا چاہیے۔

اتنا وقت اس طرح گزرنے کے بعد اٹھنے والا سوال خلیفہ کی معزولی کا سوال تو کہلا سکتا ہے، انعقادِ خلافت پر سوال نہیں۔ یہ بہت واضح حقیقت ہے کہ حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت ہوئی اور اس پر کوئی اعتراض نہیں اٹھا۔ اس کے علاوہ واقعات کو دیکھیں تو حضرت عثمان کی شہادت کے بعد حضرت علی کا نام سب سے بڑا تھا اور یہ بات تقریباً متعین تھی۔ اس کے علاوہ کوئی قابلِ ذکر نام تھا ہی نہیں، جیسا کہ خود ام المؤمنین اور حضرات طلحہ وزبیر کا ارشاد بھی نقل ہوگا۔

## خلافتِ علی رضی اللہ عنہ کی صحت پر عہدِ سلف کے اساطین کی شہادتیں

### ۱۔ امام احمد بن حنبلؒ کی شہادت

یہی وجہ ہے کہ امام احمدؒ نے حضرت علی کی خلافت کے منکر کو گدھے سے بھی زیادہ کم عقل قرار دیا ہے۔ چناں چہ امام احمد بن حنبلؒ سے امام ابنِ تیمیہؒ نے نقل کیا ہے اور ابنِ تیمیہ کا یہ بات نقل کرنا بہت بڑی بات ہے، کیوں کہ وہ ردِ تشیع میں بعض اوقات بہت آگے نکل جاتے ہیں اور ان سے تعبیرات میں تسامح بھی ہو جاتا ہے۔ امام احمدؒ کا انہوں نے یہ قول نقل کیا ہے کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ حضرت علی کی خلافت منعقد نہیں ہوئی، وہ بدعتی ہے اور اپنے گدھے سے بھی گیا گزرا ہے اور فرمایا کہ ایسے شخص کے پاس نہ بیٹھو، نہ معاملات کرو اور نہ اس کے ساتھ کھاؤ پیو۔ (آگے اس کی تفصیل آتی ہے)

### ۲۔ حضرت عائشہؓ کی شہادت پر دو روایات

اس سلسلے میں، دو روایتیں پیش کی جاتی ہیں، جو حافظ ابنِ حجرؒ نے فتح الباری میں

نقل کی ہیں: ان میں ایک تو عبداللہ بن بُدَیل بن ورقاء الخزاعی کی روایت ہے جس میں وہ اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ کے الفاظ یہ ہیں:

واخرج ابن ابی شیبة بسند جید عن عبد الرحمن بن ابزی قال انتهی عبد الله بن بدیل بن ورقاء الخزاعی إلی عائشة یوم الجمل وهی فی الهودج فقال یا ام المؤمنین اتعلمین انی اتیتك عندما قتل عثمان فقلت ما تامرینی فقلت الزم علیا فسکتت.

(ابوالفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی، فتح الباری، (بیروت: دار المعرفۃ، ۱۳۷۹ھ، ۱۳: ۵۷)

عبداللہ بن بدیل نے جمل کے موقع پر حضرت عائشہ کو یہ واقعہ یاد دلایا کہ جب حضرت عثمان شہید ہوئے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور پوچھا تھا کہ میرے لیے اب کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا تھا علی کو لازم پکڑو۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت علی کی بیعت کی اطلاع حضرت عائشہ تک پہنچی تھی یا نہیں، لیکن وہ سمجھتی تھیں کہ نام یہی ہے اور حضرت عائشہ کو حضرت علی کے خلیفہ ہونے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ عبداللہ بن بدیل، حضرت علی کے ساتھ تھے اور صفین میں حضرت علی کی جماعت میں شہید ہوئے۔

دوسری روایت احنف بن قیس کی ہے۔ فتح الباری میں باب "إذا التقی المسلمان بسیفیهما" (کتاب الفتن) میں ہے۔ کافی لمبی روایت ہے، اس لیے اس کا پڑھنا طوالت کا باعث ہوگا۔ احنف بن قیس ابتدا میں ذہنی طور پر حضرت علی کے ساتھ تھے، لیکن قتال میں حضرت علی کے ساتھ شامل نہیں ہوئے، بلکہ پیچھے رہے۔ اس کی ایک وجہ تو بخاری کی روایت میں آتی ہے کہ حضرت ابوبکرہؓ نے ایک حدیث سنا کر انہیں شریک ہونے سے روک دیا تھا، لیکن ایک اور وجہ ہے۔ حافظ کہتے ہیں: وورد فی اعتزال الاحنف القتال فی وقعة الجمل سبب آخر فاخرج الطبری بسند صحیح عن حصین بن عبد الرحمن عن عمرو بن جاوان الخ۔ (نفسِ مصدر، ۱۳: ۳۴)

اس سند کو حافظ صحیح قرار دیتے ہیں۔ احنف بن قیس کہتے ہیں کہ حضرت عثمان کا آخری دور تھا تو میں مکے میں آیا اور حضرت عائشہ سے میری ملاقات ہوئی اور وہاں پہنچا تو یہ اطلاع بھی پہنچ گئی کہ حضرت عثمان کی شہادت ہوگئی۔ جب مدینے میں تھا تو اس وقت بھی لگ رہا تھا کہ نعوذ باللہ اس طرح کا کوئی حادثہ ہوسکتا ہے۔ میں نے ام المؤمنین سے کہا: من تامرینی

بہ۔ آپ مجھے کس کے ساتھ ہونے کا حکم دیتی ہیں؟ قالت: علی۔ فرمایا: علیؓ۔ (تو ایک طرف ام المؤمنین ہیں، دوسری طرف وہ صاحب ہیں جن کو خود ام المؤمنین ہی خلافت کا سب سے بڑا حق دار کہہ چکی ہیں۔ اب بندہ حمایت کرے تو کس کی کرے، البتہ احنف بعد میں حضرت علی کی طرف سے قتال میں شریک ہوئے اور صفین میں حضرت علی کے کمانڈروں میں سے تھے)

## ۳۔ طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم کی شہادت

مذکورہ بالا روایت ہی کا حصہ ہے کہ میں حضرت عثمان کی شہادت سے پہلے آخری دنوں میں حضرت طلحہ اور زبیر کے پاس گیا اور کہا: إني لا أری ہذا الرجل یعنی عثمان إلا مقتولا۔ مجھے لگ رہا ہے کہ حضرت عثمان شاید اب بچ نہ سکیں، تو: فمن تامرانی بہ؟ قالا: علی، (نفسِ مصدر وصفحہ) آپ مجھے کس کے بارے میں حکم دیتے ہیں؟ انہوں نے کہا: علیؓ!

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تو روایت میں کسی قدر اختصار کیا ہے۔ ابن جریر طبری کی پوری روایت میں ہے کہ جب حضرت طلحہ وزبیر نے حضرت علی کے بارے میں حکم دیا تو احنف نے دوبارہ پوچھا اتامرانی بہ وترضیانہ لی کیا آپ دونوں حضرات، علی کے بارے میں مجھے حکم دیتے ہیں اور انہیں پر راضی ہیں تو دونوں حضرات نے کہا جی ہاں۔ یہی دوبارہ تاکیدی سوال حضرت عائشہ سے کیا تو انہوں نے بھی یہی کہا۔ اس کے بعد احنف کہتے ہیں میں مدینے آیا اور حضرت علیؓ سے بیعت کر کے واپس بصرہ چلا گیا، ولا أری الأمر إلا قد استقام، میں یہی سمجھ رہا تھا کہ معاملات درست ہو چکے ہیں اور حضرت علیؓ کی خلافت قائم ہو چکی ہے، اس حالت میں مجھے پتا چلا کہ طلحہ وزبیر اور ام المؤمنین بصرے کی طرف آ رہے ہیں۔

(محمد بن جریر الطبری، تاریخ الرسل والملوک (بیروت: دار التراث، ۱۳۸۷ھ)، ۴: ۴۹۸)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت علی کی عملی مخالفت استقرارِ امور کے بعد ہوئی ہے۔ یعنی درمیان میں ایک وقت ایسا گزرا ہے کہ حضرت علیؓ کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھ رہی تھی، یہ بھی انعقادِ خلافت کی دلیل ہے۔

حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم یہ اس وقت کی تینوں بزرگ شخصیات ہیں۔ حضرت خدیجہ کے بعد نبی کریم ﷺ کی سب سے محبوب زوجہ حضرت عائشہ ہیں۔ ان کے فضائل ہیں؛ اور طلحہ وزبیر کے بھی متعدد مناقب ہیں۔ طلحہ، احد میں

رسول اللہ ﷺ کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہوئے اور آنے والے تیروں کو اپنے ہاتھوں پر روکا، حضرت طلحہؓ کے لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس نے جنت کو اپنے لیے واجب کرلیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا طلحہ اور زبیر جنت میں میرے پڑوسی ہیں، حضرت زبیر کو آپ نے اپنا حواری قرار دیا۔ یہ بڑی شخصیات ہیں۔ ان کے آپس کے اختلافات اپنی جگہ، لیکن بہرحال مرتبے سب کے بہت اونچے ہیں۔

یہ بات ذکر ہوئی کہ جن حالات میں حضرت علی کی بیعت ہوئی ہے، ان میں حضرت علیؓ کے علاوہ کوئی اور اتنا نمایاں اور قابلِ ذکر آدمی نہیں تھا، خود حضرت ام المؤمنین، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر بھی یہی سمجھتے تھے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس طرح کے پرامن حالات میں بیعت نہیں ہوئی، جیسی کہ پہلے خلفا کی ہوئی، لیکن اس سے حضرت علیؓ کی خلافت کی شرعی حیثیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ احادیث بہت سی ہیں جو آگے آئیں گی۔ ابھی یہ بات تمہیداً عرض کی جارہی ہے کہ حضرت علی کی بیعت کھڑی کس چیز پر ہوئی ہے؟ یہ بات معلوم ہے کہ سیدنا صدیق اکبر کی جو پہلی بیعت ہوئی ہے، وہ کہاں پر ہوئی ہے؟ سقیفہ بنوساعدہ میں، جہاں چند حضرات تھے۔ زیادہ تعداد میں انصار تھے اور مہاجرین میں سے چند ایک تھے۔ مثلاً حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت ابوعبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہم۔

اس پر یہ سوال اٹھتا ہے کہ جو Main Stakeholders ہیں (مثلاً بنو ہاشم ہیں، ظاہر ہے کہ Stakeholder بنتے ہیں۔ ان کا خلیفہ بننا تو ضروری نہیں ہے، لیکن رائے تو ان کی شامل ہونی چاہیے تھی۔) وہ اس میں موجود نہیں ہیں، اور کئی دیگر موجود نہیں ہیں۔ یہ تو اچانک ایک میٹنگ بلائی گئی اور اس میں بیعت کا اچانک فیصلہ ہوا، تو یہ طریقہ تو درست نہیں ہے۔ یہ اعتراض حضرت ابوبکر کی خلافت پر کیا گیا ہے، لیکن یہ اعتراض غلط ہے۔ حضرت عمر کے آخری خطبوں میں سے ایک لمبا خطبہ صحیح البخاری میں اس موقع کا ہے جب آپؓ آخری حج کر کے واپس آئے۔

اس میں حضرت عمر نے یہ فرمایا کہ کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ ابوبکرؓ کی بیعت رواروی میں (فلتۃ) ہوئی ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہوئی تو رواروی میں ہی ہے، لیکن حضرت ابوبکرؓ کے معاملے میں یہ باعثِ اعتراض نہیں ہے۔ آپ نے اس کے جواب میں

دو باتیں ارشاد فرمائیں: ایک بات یہ ارشاد فرمائی کہ اس وقت کی صورت حال ہی یہ تھی کہ حالات نازک تھے اور فوری فیصلہ کر کے اٹھنا ضروری تھا وگرنہ امت انتشار کا شکار ہو سکتی تھی، تو حالات کی نزاکت کی وجہ سے یہ طریقہ اختیار کرنا پڑا، اسے روٹین بنانا درست نہیں۔ دوسری وجہ یہ فرمائی کہ ابوبکر جیسا کوئی اور شخص تھا ہی نہیں جس کی طرف لوگوں کی آنکھیں اٹھتیں؛ اس لیے وہ بیعت اگرچہ ایک محدود دائرے میں ہوئی ہے، لیکن اگر ابتدا ہی سے بڑی میٹنگ بلائی جاتی تو اس میں بھی فیصلہ یہی ہونا تھا، اس لیے فیصلہ بہرحال درست ہے۔ اس کے علاوہ کوئی اور فیصلہ ہو نہیں سکتا تھا، کیوں کہ ابوبکر کی طرح کا کوئی اور تھا ہی نہیں جس کی طرف اس طرح آنکھیں اٹھتیں جیسے ابوبکر کی طرف اٹھتیں تھیں۔ اس اعتراض کے یہ دو جواب خود حضرت عمر نے دیے ہیں۔ (صحیح البخاری میں ایک طویل حدیث موجود ہے، جس میں یہ تفصیل ہے۔ دیکھیے: صحیح البخاری، ت، زہیر بن ناصر الناصر، کتاب الحدود، باب رجم باب رجم الحبلی من الزنا إذا احصنت، رقم: ۶۸۳۰)

حضرت علیؓ کے بارے میں ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے شروع میں حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی، چھے مہینے بعد کی۔ اس میں اختلاف ہے کہ پہلے کی تھی یا نہیں، ایک قول یہ ہے کہ پہلے کی تھی لیکن وہ مشہور نہیں ہوئی تھی، اس لیے دوبارہ کی کہ لوگوں میں مشہور ہو جائے کہ ان کا کوئی اختلاف نہیں ہے، لیکن ایک یہ بھی ہے کہ چھے مہینے بعد کی ہے۔ ابتدا میں حضرت علی کے کچھ تحفظات تھے، لیکن وہ تحفظات کیا تھے؟ حضرت علی سے وہ خود منقول ہیں۔ ان کے تحفظات یہ نہیں تھے کہ فیصلہ غلط ہوا ہے۔ حضرت علی نے فرمایا کہ ابوبکر کے برابر کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ اس میں اختلاف ہے ہی نہیں۔ ہمارا اختلاف اتنا ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے، اس میں ہمیں نظر انداز کر کے فیصلہ کیا گیا، یعنی اگرچہ ہم بھی شریک ہوتے تو ووٹ حضرت ابوبکر کو ہی دینا تھا۔ گویا حضرت علی کا اشکال صرف جلدی پر تھا، اس جلدی اور رواروی کے بارے میں حضرت عمرؓ بتلا رہے ہیں کہ یہ اس وقت کی مجبوری تھی۔ یہ حضرت ابوبکر و عمر نے میٹنگ کال نہیں کی تھی۔ از خود انصار وہاں جمع ہو گئے، اس لیے بحث چل پڑی تو اسی مجلس میں فیصلہ کر کے اٹھنا ضروری ہوا۔

یہ فیصلہ اس لیے بھی درست تھا کہ ابوبکرؓ کے برابر کوئی نام نہیں تھا۔ حضرت علی نے بھی اس فیصلے کو قبول کیا اور اس کے نتیجے میں آگے جو خلافتیں منعقد ہوئیں، ان کو بھی

انہوں نے قبول کیا۔ آج کوئی ان کا وکیل بن کر کہے کہ وہ خلافتیں غلط تھیں، تو یہ مدعی سست گواہ چست کا مصداق ہوگا۔ یا تو یہ بات ہو کہ حضرت علی نے سابقہ تین خلافتوں کے دور میں، کسی شیعہ کتاب ہی میں ہو، کہ کوئی محاذ کھڑا کیا ہو! انہوں نے اطاعت کی ہے، مشورے دیے ہیں، حضرت عمر کے دور میں تو بہت زیادہ مشوروں میں شریک رہے ہیں، کیوں کہ نئے اور بڑے بڑے فیصلے حضرت عمر ہی کے دور میں ہوئے ہیں، حضرت ابوبکر کا دور تو بہت مختصر تھا۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ ابتدا میں کسی کی رائے حضرت ابوبکر کے علاوہ ہو یا بعد میں رہی ہو کہ ان کے علاوہ کسی کو خلیفہ بننا چاہیے تھا، جیسا کہ سعد بن عبادہ کے بارے میں نقل کیا گیا ہے، تو اس سے حضرت ابوبکر کی خلافت کے انعقاد پر فرق نہیں پڑتا۔

جب حضرت ابوبکر کے لیے بیعتِ عامہ ہوگئی، کچھ وقت ایسا گزر گیا کہ ان کے خلیفہ ہونے پر کوئی سوال نہیں اٹھایا گیا تو یہ ان کی خلافت کا انعقاد ہی تھا۔ اگا دوکا محض رائے کی حد تک دوسری بات کے موجود ہونے سے فرق نہیں پڑتا۔ یہی بات یہاں حضرت علی کے معاملے میں بھی ہوئی، کہ حالات بھی نازک تھے، اور شخصیت بھی ایسی نمایاں کہ سب کی نظریں حضرت علی پر تھی، حضرت علی کے برابر کوئی اور نہیں تھا، پھر بھی حضرت علی نے پہلی بیعت ہی مسجد میں جا کر کی۔ یہ بیعت عامہ تھی، روایات میں اس کے لیے لفظ بایعہ الناس کے آتے ہیں۔

اگر نارمل حالات میں بیعت ہوتی، فرض کریں حضرت عثمان کا طبعی طور پر انتقال ہوا ہوتا، مدینے میں باہر آنے والے بلوائیوں کا نام ونشان بھی نہ ہوتا تب بھی یہی کچھ ہونا تھا، اب خوامخواہ حضرت علی کی خلافت کا سہرا بلوئیوں کے سر مڑھنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟ اس میں حضرت علی کا کیا قصور ہے کہ اس طرح کے حالات میں بیعت ہوئی ہے۔ اس طرح کے حالات ان کے اپنے پیدا کردہ نہیں تھے۔

حضرت علی کی خلافت منعقد ہوگئی تو پھر اس کے بعد کچھ اختلافات ہوئے جس کے نتیجے میں جنگِ جمل ہوئی (جس میں آپ کے مدمقابل حضرت عائشہ، طلحہ اور زبیر ہیں جو بہت بڑے بڑے نام ہیں۔)، پھر جنگِ صفین ہوئی (جس میں حضرت علی کے مدمقابل حضرت معاویہ ہیں۔ وہ بھی صحابیِ رسول ﷺ ہیں جن کا احترام ہم پر واجب ہے اور ان کے لیے نامناسب لفظ بولنا ہمارے لیے جائز نہیں ہے۔) اور حضرت علی کی تیسری اور آخری جنگ، خوارج کے ساتھ ہوئی جسے جنگِ نہروان کہا جاتا ہے۔

# حضرت علیؓ کی سیاسی پوزیشن اور احادیث

ان تینوں جنگوں میں اور ان سارے سیاسی معاملات میں رسول اللہ ﷺ کی نظر میں حضرت علی کہاں کھڑے ہیں؟ یہ ہے اصل موضوع جس تک ہم اب پہنچ سکے ہیں۔ اگرچہ اصولی طور پر جب یہ بات تسلیم کرلی گئی کہ حضرت علی خلیفۂ وقت تھے تو اس کے فقہی، دستوری اور کلامی نتائج اس پر خود ہی مرتب ہو جائیں گے، اگرچہ اس پر ایک بھی نص موجود نہ ہو، لیکن حضرت علی کی خلافت چوں کہ ناخوش گوار حالات میں منعقد ہوئی، بعد میں کچھ ذہنوں میں الجھاؤ موجود رہا، نواصب نے اس الجھاؤ کو بڑھانے کی بھی کوشش کی اس لیے اللہ کی طرف سے ایسا ہوا کہ حضرت علی کی خلافت اور اس میں پیش آنے والے واقعات کے بارے میں پہلے ہی اللہ کے نبی ﷺ بہت کچھ فرما گئے تھے۔

## ۱.....حضرت حذیفہ کی شہادت اور ان سے منقول احادیث

احادیث کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آنے والے واقعات کے بارے میں بہت کچھ بتایا۔ ان کو سب سے زیادہ جاننے والے اور سب سے زیادہ محفوظ رکھنے والے اور سمجھنے والے حضرت حذیفہ ہیں۔ یہ طے شدہ بات ہے۔ آپ رازدانِ رسول ﷺ ہیں اور محض رازدان ہی نہیں، بلکہ آپ ﷺ نے جو مجمعوں میں باتیں فرمائی ہیں، انہیں بھی اچھی طرح یاد رکھنے والے آپ ہی تھے، یعنی آپ ان باتوں کے Specialist تھے۔ اور خواتین میں جو آپ ﷺ کی رازدان سمجھی جاتی ہیں، وہ ام المؤمنین حضرت سلمہ ہیں۔ مسند احمد کی اس حوالے سے ایک روایت ہے جس پر گفت گو کی جائے تو بات لمبی ہو جائے گی۔[1]

---

[1] حضرت ام سلمہ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے اردگرد کے لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو ایک مرتبہ میری جدائی کے بعد کبھی مجھ سے مل نہیں پائیں گے، یعنی آخرت میں ان کا رسول اللہ ﷺ سے سامنا بھی نہیں ہوگا۔ حضرت عمرؓ کو جب اس روایت کا علم ہوا تو انہوں نے پریشان ہو کر حضرت ام سلمہؓ سے پوچھا کہ کہیں میں تو ان میں سے نہیں ہوں۔ حضرت ام سلمہؓ نے نفی میں جواب دیا، لیکن ساتھ ہی حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ آپ کے علاوہ کسی کو اس طرح سے بھی جواب نہیں دوں گی، اس لیے کہ اس طرح بھی راز فاش ہونے کا راستہ کھلتا ہے (مسند احمد، رقم: 26489۔)۔ اب خود رسول اللہ ﷺ نے جو بات بطور راز کے فرمائی، حضرت ام سلمہؓ نے راز رکھنے کا اہتمام کیا تو کسی کے لیے جواز نہیں بنتا کہ وہ جاننے کی کوشش کرے کہ وہ کون تھے)۔

سب سے پہلے یہ بات دیکھنے کی ہے کہ شہادتِ عثمان کے بعد کے واقعات کے بارے میں حضرت حذیفہ کیا کہتے ہیں؟ حضرت عثمان کی جب شہادت ہوئی تو حضرت حذیفہ بیمار تھے۔ وہ اس وقت مدائن میں رہتے تھے اور حضرت عثمان نے انہیں وہاں کا والی مقرر کیا تھا۔ شہادتِ عثمان کے کچھ ہی عرصے بعد حضرت حذیفہ کا انتقال ہو گیا، لیکن ان معاملات میں حضرت حذیفہ اپنی رائے بھی دے گئے اور کچھ حدیثیں بھی اسی سیاق میں سنا گئے۔

## حضرت حذیفہؓ کی بیعتِ علی اور ان کی مدد و نصرت کی ترغیب

ان روایات کے بیان سے پہلے حافظ ابن حجرؒ کی ایک بات نقل کی جاتی ہے۔ وہ حضرت حذیفہ کے حالات ذکر کرتے ہوئے اس حدیث کے ضمن میں کہتے ہیں جس میں امانت کے اٹھ جانے کا ذکر ہے۔ اس میں یہ الفاظ آتے ہیں: ولا ابالی ایکم بایعت

(ابن حجر، فتح الباری، ۱۳: ۴۰)

یہاں مبایعہ سے مراد خرید و فروخت ہے یا اس سے مراد بیعت کرنا ہے؟ صحیح مطلب اس کا خرید و فروخت ہے کہ حضرت حذیفہؓ فرمانا چاہتے ہیں کہ پہلے امانت عام تھی کہ ہر ایک سے سودا کر لیتا تھا، لیکن اب امانت کم ہو گئی ہے (صحابہ کم رہ گئے ہیں اور دوسرے لوگ زیادہ آ گئے ہیں۔) اس لیے میں کسی سے سوچ سمجھ کر ہی معاملہ کرتا ہوں، پہلے کسی سے مبایعہ کرتے ہوئے ہچکچاہٹ نہیں ہوتی تھی اب ہوتی ہے۔ حافظ بتا رہے ہیں کہ اس مبایعہ سے بیعت کرنا یعنی بیعتِ امامت مراد نہیں ہے؛ اس لیے کہ حضرت حذیفہ نے پہلوں کی بھی بیعت کی ہے، حضرت علی کی بھی بیعت کی ہے، حضرت حذیفہؓ کی زندگی میں وہ وقت آیا ہی نہیں کہ کسی بیعت سے ہچکچاہٹ ہوتی۔ حافظ کے یہاں لفظ ہیں:

فقد کان عثمان ولاہ علی المدائن وقد قُتل عثمان وھو علیھا. وبایع لعلی وحرّض علی المبایعۃ لہ والقیام فی نصرہ۔ (نفس صدر)

حضرت عثمانؓ نے انہیں مدائن کا والی بنایا تھا اور شہادتِ عثمان کے وقت وہ وہیں تھیں۔ انہوں نے حضرت علی کے لیے بیعت کی اور لوگوں کو حضرت علی کی بیعت اور ان کی نصرت کے لیے کھڑا ہونے کی ترغیب دی۔ یہ بہت بڑی سند ہے اور دنیا سے جاتے ہوئے انہوں نے حضرت علی کی بیعت کی لوگوں کو ترغیب بھی دی اور یہ بھی کہا کہ ان کی مدد

کے لیے کھڑے بھی ہوتا ہے۔ ایک دفعہ میں نے حدیث کے سبق میں یہ بات سرسری طور پر طلبہ کے سامنے بیان کی۔ بعد میں ایک طالب علم آیا۔ اس نے کہا کہ مجھے حضرت علی کے حوالے سے بہت سارے اشکالات تھے اور ایسا ہوتا ہے۔

حضرت علیؓ کے بارے میں کھٹک ہوتی ہے اور بہت سے ذہنوں میں ہوتی ہے۔ اس طالب علم نے کہا کہ آپ نے جو یہ حضرت حذیفہؓ کی بات نقل کی ہے تو اب میرا مسئلہ حل ہو گیا اور میں مطمئن ہو گیا ہوں۔ اب مجھے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں رہی ہے۔ جس وقت حضرت حذیفہؓ، حضرت علیؓ کی مدد میں کھڑے ہونے کی ترغیب دے رہے ہیں اس وقت بظاہر حضرت علیؓ کو مدد کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ اور یہی بات آگے آنے والی روایات سے بھی معلوم ہوگی کہ حضرت حذیفہؓ رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی پیش گوئیوں کی روشنی میں فرما رہے ہیں۔

یہ باتیں ظاہر ہے کتب تاریخ کی نہیں، بلکہ حدیث کی کتابوں میں درج ہیں۔ جب آپ واقعات کی تفصیل میں جاتے ہیں تو اس میں تاریخ کے حوالے آتے ہیں۔ اس سے یہ تاثر سا بن جاتا ہے کہ حضرت علی کی خلافت کی ساری کی ساری بنیاد ہی تاریخ پر کھڑی ہے، جب کہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔

## حضرت حذیفہؓ کی احادیث کی کچھ تفصیل

### حدیثِ سیار ابوالحکم

حافظ ابن حجرؒ نے جو بات کہی ہے وہ درحقیقت کئی روایات کا نچوڑ اور خلاصہ ہے، یہاں ان میں سے کچھ روایتیں پیش کی جارہی ہیں۔ یہ روایتیں ایک ہی طرح کے مضمون کی ہیں، بعض بالکل صحیح ہیں، بعض حسن درجے کی ہیں، لیکن وہ ایک دوسرے کی تائید کر رہی ہیں۔ ان میں سے ایک روایت ہے سیار ابوالحکم کی۔

مجمع الزوائد میں علامہ ہیثمیؒ نقل کرتے ہیں:

عَنْ سَيَّارٍ أَبِي الْحَكَمِ قَالَ: قَالَتْ بَنُو عَبْسٍ لِحُذَيْفَةَ: إِنَّ أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ عُثْمَانَ قَدْ قُتِلَ فَمَا تَأْمُرُنَا؟ قَالَ: آمُرُكُمْ أَنْ تَلْزَمُوا عَمَّارًا.

سیار ابو الحکم کہتے ہیں کہ بنو عبس (ایک قبیلہ) نے حضرت حذیفہ سے کہا کہ امیر المومنین حضرت عثمان قتل کر دیے گئے ہیں، اب ہم کیا کریں؟ حضرت حذیفہ نے کہا: آمرکم ان تلزموا عمارا. میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ جس طرف عمار ہو، تم اسی طرف ہو جاؤ۔ اس پر انہوں نے کہا: إن عمارًا لا یفارق علیًا. انہوں نے کہا کہ پھر سیدھا سیدھا علی کا نام ہی لے لیجیے، کیوں کہ عمار، علی سے تو جدا ہوتا ہی نہیں ہے۔ (واللہ اعلم، کہنے والا کون ہوگا! بظاہر وہ غیر صحابی ہوگا۔) اس پر حضرت حذیفہ کو غصہ آیا اور کہا: إنَّ الْحَسَدَ هُوَ اَهْلَكَ الْجَسَدَ. کہ علی سے تمہیں کیا تکلیف ہے؟ حسد کے علاوہ اور کیا ہے؟ کہ عمار کو مان لیا تو علی کو ماننا پڑے گا، حسد انسان کو برباد کر دیتا ہے۔ وَإِنَّمَا يُنَفِّرُكُمْ مِنْ عَمَّارٍ قُرْبُهُ مِنْ عَلِيٍّ، فَوَاللَّهِ لَعَلِيٌّ اَفْضَلُ مِنْ عَمَّارٍ اَبْعَدَ مَا بَيْنَ التُّرَابِ وَالسَّحَابِ، وَإِنَّ عَمَّارًا لَمِنَ الْاَخْيَارِ[1]

تمہیں عمار سے یہ بات دور کرتی ہے کہ وہ علی کے قریب ہیں تو اللہ کی قسم علی تو عمار سے بھی افضل ہیں، اور ان سے اتنا اونچے ہیں جتنا کہ بادل مٹی سے، اور خود عمار بھی اخیار میں سے ہیں۔ (اس سے یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ بعض لوگوں کو حضرت علیؓ سے خدا واسطے کی چڑ تھی، اسے نصب کی بیماری کہا جاتا ہے، جیسا کہ آگے مزید روایات سے معلوم ہوگا کہ یہ بیماری اس دور میں موجود تھی اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کے بارے میں خبردار کیا تھا)

اس حدیث کے بارے میں علامہ ہیثمی نے کہا ہے کہ اس کے رجال ثقہ ہیں، مگر اس میں جو مبہم شخص ہے میں اسے نہیں جانتا۔ جمع الفوائد کے محقق کا کہنا ہے کہ مبہم شخص سے مراد سیار ابو الحکم ہی ہیں، تاہم بظاہر انہیں مبہم کہنا اس لیے مشکل ہے کہ یہ صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں، بڑے اونچے درجے کے عبادت گذاروں میں سے ہیں، علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں انہیں ال إمام الحجة القدوة الربانی کے لفظوں سے یاد کیا ہے، اور بتایا ہے کہ علامہ اصفہانی نے حلیۃ الاولیاء (جو اولیاء امت پر لکھی جانے والی معروف کتاب

---

[1] ابو الحسن نور الدین علی بن ابی بکر بن سلیمان الهیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ت: حسام الدین القدسی، کتاب الفتن، بَابٌ فِيمَا كَانَ بَيْنَهُمْ يَوْمَ صِفِّينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ، رقم: ۱۲۰۵۸، اس روایت کو نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں: رواه الطبرانی. ورجاله ثقات. إلَّا أَنِّي لَمْ أَعْرِفِ الرَّجُلَ الْمُبْهَمَ.

ہے) میں بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ (شمس الدین ابو عبداللہ الذہبی، سیر اعلام النبلاء، ت، مجموعۂ محققین زیر نگرانی شعیب الارنؤوط، ترجمۃ سیار بن وردان ابوالحکم، بیروت: موسسۃ الرسالۃ، ۱۹۸۵ء، ۵:۳۹۱)

البتہ اگرچہ یہ تابعین میں سے ہیں، لیکن انہوں نے بظاہر حضرت حذیفہ کا زمانہ نہیں پایا، اس لیے سیار جن سے روایت کر رہے ہیں، وہ مبہم ہیں، لیکن اس سے زیادہ سے زیادہ یہ حدیث مرسل ہوگی، اور ایسے جلیل القدر تابعی کی مرسل، جب کہ اس کی تائید دیگر روایات سے بھی ہو رہی ہے، قابلِ استدلال ہوگی۔

## حضرت عمارؓ کی اسلام میں حیثیت اور مقام

یہ بات طے شدہ ہے کہ حضرت عمار نہ صرف حضرت علی کے ساتھ تھے، بلکہ پرجوش حامی تھے۔ جنگِ صفین میں حضرت عمار کی نوے سال عمر تھی۔ یہ بہت طویل عمر ہے۔ یہ حضور ﷺ کے ہم عمر لوگوں میں سے ہیں، لیکن یہ بہت جوش اور جذبے کے ساتھ قتال میں شریک تھے۔ یہ تو معلوم ہے کہ عمارؓ کون ہے؟ اسلام کی سب سے پہلی شہیدہ سمیہؓ کا بیٹا ہے۔ جنھوں نے مکے میں ماریں کھائی ہیں اور وہ جن کے بارے میں قرآن میں آتا ہے:

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ. (الانعام، ۶:۵۲)

اور ان لوگوں کو اپنی مجلس سے نہ نکالنا جو صبح و شام اپنے پروردگار کو اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے پکارتے رہتے ہیں۔ ان کے حساب میں جو اعمال ہیں ان میں سے کسی کی ذمہ داری تم پر نہیں ہے، اور تمہارے حساب میں جو اعمال ہیں ان میں سے کسی کی ذمہ داری ان پر نہیں ہے جس کی وجہ سے تم انہیں نکال باہر کرو، اور ظالموں میں شامل ہو جاؤ)۔ جن کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئی ہیں، ان میں یہ عمار شامل ہیں۔ یہ مستضعفین مکہ ہیں، جن کے بارے میں کفار کہتے تھے کہ انہیں اپنے پاس سے ہٹا دیں۔ اللہ نے کہا نہیں ہٹانا۔

ہمارے نبی ﷺ کے صحابیوں اور حضرت نوحؑ کے صحابیوں میں، میں ایک فرق بیان کیا کرتا ہوں۔ نوح سے بھی یہ کہا گیا تھا: وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا

بَادِيَ الرَّأْيِ. (ھود،۱۱:۲۷) یہ جو کمی قسم کے لوگ آپ کے ساتھ لگے رہتے ہیں، انہیں اپنے پاس سے ہٹائیں، پھر ہم آپ کی بات سنیں گے۔ نوح نے جواب میں خود کہا کہ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّهُمْ مُلَاقُو رَبِّهِمْ. (ھود،۱۱:۲۹) اور اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا فِي أَنْفُسِهِمْ إِنِّي إِذًا لَمِنَ الظَّالِمِينَ. (ھود،۱۱:۳۱) یعنی میں انہیں دور نہیں کر سکتا۔ ان کے دل میں کیا ہے؟ اللہ جانتا ہے۔ اصحابِ نبی ﷺ کے معاملے میں اللہ خود کہہ رہا ہے کہ آپ نے ان کو ہٹانا نہیں ہے اور اللہ بتا رہے ہیں کہ ان کے دل میں کیا ہے؟ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ. وہاں ہے اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا فِي أَنْفُسِهِمْ ۔ بہرحال حضرت عمار کے ذاتی مناقب اور فضائل بھی بہت سارے ہیں (وہ تو حضرت علی کے بھی بہت سارے ہیں)، لیکن وہ ہمارا موضوع نہیں ہیں۔

## علیؓ کا گروہ ہدایت پر

زید بن وہب کہتے ہیں کہ ہم ایک دفعہ حضرت حذیفہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے فرمایا کہ اس وقت کیا ہوگا جب تمہارے نبی ﷺ کے اہل خانہ ایک دوسرے کے مدمقابل نکلیں گے۔ (ایک طرف ام المؤمنینؓ اور دوسری طرف حضرت علیؓ) ہم نے پوچھا ایسا بھی ہوگا؟، حضرت حذیفہؓ نے فرمایا ہو کر رہے گا۔ بعض حضرات نے عرض کیا ہم اگر ایسا وقت دیکھیں تو کیا کریں، فرمایا اس گروہ کو لازم پکڑنا جو علی کی طرف بلاتا ہو، اس لیے کہ وہ ہدایت پر ہوگا۔

اس حدیث کو بزار نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے[1] ہیثمی نے مجمع الزوائد میں بزار ہی کے حوالے سے ذکر کرنے کے بعد کہا ہے رجالہ ثقات۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی فتح الباری میں اس روایت کو ذکر کیا ہے اور اس پر کوئی کلام نہیں کیا۔ (فتح الباری، ۱۳:۶۹)

---

[1] حدثنا احمد بن یحیی الکوفی. قال: اخبرنا ابو غسان. قال: اخبرنا عمرو بن حریث. عن طارق بن عبد الرحمن. عن زید بن وهب. قال: بینما نحن حول حذیفة. إذ قال: کیف انتم وقد خرج اهل بیت نبیکم صلی الله علیه وسلم فی فتنتین یضرب بعضکم وجوه بعض بالسیف؟. فقلنا: یا اباعبد الله. وإن ذلك لکائن. قال: ای والذی بعث محمدا صلی الله علیه وسلم بالحق إن ذلك لکائن. فقال بعض اصحابه: یا اباعبد الله فکیف نصنع إن ادرکنا ذلك الزمان؟. قال: انظروا الفرقة التی تدعو إلی امیر علی رضی الله عنه فالزموها فإنها علی الهدی. مسند البزار = البحر الزخار، رقم: ۲۸۱۰)

حافظ ابن حجر فتح الباری میں جس حدیث پر سکوت اختیار کرتے ہیں وہ کم از حسن ضرور ہوتی ہے، جیسا کہ خود حافظ نے فتح الباری کے مقدمے کے بالکل شروع میں تصریح کی ہے اور علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے قواعد فی علوم الحدیث (مقدمہ اعلاء السنن) میں اسے تفصیل سے بیان فرمایا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ جب صحابی کوئی ایسی بات کر رہا ہو جو محض رائے کی بنیاد پر نہیں کہی جا سکتی تو اس میں اگر صراحتاً رسول اللہ ﷺ کا حوالہ نہ بھی ہو تب بھی یہی سمجھا جاتا ہے کہ صحابی رسول اللہ ﷺ سے ہی روایت کر رہا ہے۔ یہاں بھی یہی معاملہ ہے، کہ حضرت حذیفہ قبل از وقت ایک پیش گوئی فرما رہے ہیں جو وحی کے بغیر ممکن نہیں ہے، اس کے بعد حضرت علی کی حمایت اور ان کے ہدایت پر ہونے کی بات کر رہے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری بات وہ رسول اللہ ﷺ سے سن کر کر رہے ہیں۔

## حدیثِ ابو الیقظان علی الفطرۃ

ایک اور حدیث حضرت حذیفہ ہی کی ہے جسے کئی حضرات نے روایت کیا ہے۔ علامہ البانیؒ نے اس کی تفصیل سے تخریج کی ہے اور یہ کہا ہے کہ وھو إسناد صحیح رجاله ثقات کلهم۔ (ابو عبدالرحمن محمد ناصر الدین الالبانی، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ وشیء من فقهها وفوائدها (ریاض: مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع، ۱۹۹۵ء-۲۰۰۰ء، ۷: ۶۵۸، رقم: ۳۲۱۶)

اور متعدد سندوں کے ساتھ یہ روایت منقول ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جب حضرت عثمان کو قتل کیا گیا، تو لوگ حضرت حذیفہ کے پاس آئے اور کہا کہ اے ابو عبداللہ! ان صاحب کو قتل کر دیا گیا ہے اور لوگوں میں اختلاف پیدا ہو چکا ہے تو آپ کیا کہتے ہیں؟ حضرت حذیفہ نے کہا کہ مجھے ٹیک لگا کر بٹھا دو۔ (آخری دن ہیں اور وہ بیمار ہیں۔) لوگوں نے انہیں ایک شخص کے سینے کے ساتھ ٹیک لگا کر بٹھایا تو انہوں نے کہا: سمعت رسول الله ﷺ يقول: ابو اليقظان على الفطرة. (ابو الیقظان حضرت عمار کی کنیت ہے) لايدعها حتى يموت او ينسيه الهرم. بعض میں او يمسه الهرم ہے، لیکن مجھے زیادہ صحیح یہ لگ رہا ہے کہ او ينسيه الهرم ہے۔ کبھی کبھار بڑھاپے میں کوئی بات بھول جائیں، (نوے سال کی عمر میں شہادت ہوئی ہے) تو وہ تو الگ بات ہے، لیکن اس کے علاوہ ابو الیقظان

موت تک فطرت پر رہے گا۔ حضرت حذیفہ، حضرت عمار کی منقبت میں بات نہیں کر رہے، بلکہ لوگ یہ پوچھ رہے ہیں کہ اب ان حالات میں ہم نے کس کے ساتھ ہونا ہے؟ اس سوال کے جواب میں حضرت حذیفہ اپنی رائے نہیں بیان کر رہے، بلکہ نبی کریم ﷺ کی حدیث نقل کر رہے ہیں کہ عمار مرتے دم تک فطرت پر رہے گا، جس کا مطلب یہ کہ حضرت حذیفہ یہ فرما رہے ہیں کہ جدھر عمار ہو ادھر ہی جانا ہے۔

## حدیثِ خالد العرنی

ایک اور حدیث ہے۔ یہ حدیث سنداً اتنی تسلی بخش نہیں لگ رہی۔ اگرچہ بعض نے اسے صحیح قرار بھی دیا ہے، لیکن اس پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے، تاہم اس کا مضمون دوسری روایات سے ثابت ہے:

عن خالد العرنی، قال: دخلت انا وابو سعید الخدری علی حذیفة: یا اباعبد الله، حدثنا ما سمعت من رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الفتنة. قال حذیفة: قال رسول الله ﷺ: دوروا مع کتاب الله حیث ما دار فقلنا: فإذا اختلف الناس فمع من نکون؟ فقال: انظروا الفئة التی فیها ابن سمیة فالزموها، فإنه یدور مع کتاب الله قال: قلت: ومن ابن سمیة؟ قال: او ما تعرفه؟ قلت: بینه لی. قال: عمار بن یاسر. سمعت رسول الله ﷺ یقول لعمار: یا ابا الیقظان، لن تموت حتی تقتلك الفئة الباغیة عن الطریق.

(ابو عبد الله الحاکم محمد بن عبد الله النیسابوری، المستدرک علی الصحیحین، ت، مصطفی عبد القادر عطا، کتاب قسم الفیء، کتاب قتال اهل البغی وهو آخر الجهاد، رقم: ۲۶۵۲)

خالد عرنی کہتے ہیں کہ میں اور ابو سعید خدری حضرت حذیفہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی، اے حذیفہ، رسول اللہ ﷺ نے فتنے کے بارے میں جو کچھ فرمایا ہے وہ ہمیں بتایئے، حضرت حذیفہؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا، جدھر اللہ کی کتاب جاتی ہے، تم بھی ادھر جاؤ۔ (فتنے میں سب سے بڑی چیز اللہ کی کتاب ہی ہے) حضرت حذیفہ سے کہا گیا: (ہم علمی اعتبار سے رہنمائی نہیں لے رہے، شخصیات کے اعتبار سے لے رہے ہیں۔ علمی طور پر تو کتاب اللہ ہی ہدایت کا سرچشمہ

ہے، لیکن ہم یہ پوچھنا چاہ رہے ہیں کہ کتاب اللہ سمجھ میں نہ آئے تو کس کا دامن تھاما جائے؟) جب لوگوں میں اختلاف ہو جائے تو پھر ہم کس کے ساتھ ہوں؟ حضرت حذیفہ نے فرمایا: اس جماعت کو دیکھو جس میں سُمیہ کا بیٹا ہے، بس اسی کو لازم پکڑو۔ (یہ جملہ اور روایتوں میں بھی آتا ہے، لیکن باقی پورا مضمون اس ترتیب سے صرف اس روایت کے اندر ہے) کیوں کہ وہ اللہ کی کتاب کے ساتھ ہی چلتا ہے۔

اسی میں پھر وہ حدیث بھی حضرت عمار کے بارے میں حضرت حذیفہ نے سنائی کہ تمہیں تب تک موت نہیں آئے گی، جب تک تمہیں باغی جماعت قتل نہ کر دے۔ (حضرت عمار کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی، یہ صحیح حدیث ہے جو آگے "حضرت علی کے داخلی قتال" کے عنوان کے تحت آرہی ہے)

حاکم نے اس حدیث کو دو جگہ روایت کیا ہے اور دونوں جگہ صحیح قرار دیا ہے، ایک قتال اہل النہی میں اور دوسرے مناقب عمار بن یاسر میں، ذہبی نے المستدرک کی تلخیص میں پہلی جگہ اس کی سند پر کلام کی ہے مسلم الاعور کی وجہ سے، لیکن دوسری جگہ انہوں نے حاکم کی موافقت کی ہے۔ مضمون اگرچہ وہی ہے جو دیگر احادیث سے ثابت ہے، لیکن بہر حال اس متعین سند کے ساتھ روایت کو صحیح کہنا مجھے محل نظر معلوم ہوتا ہے، بظاہر یہاں ذہبی سے چوک ہوگئی ہے۔ لیکن بنیادی مضمون بہر حال دیگر روایات سے بھی ثابت ہے۔

## حدیث ابن مسعودؓ

حضرت عبداللہ بن مسعود رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں: إذا اختلف الناس، فابن سمية مع الحق[1]

---

[1] ہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، بَابٌ فِيمَا كَانَ بَيْنَهُمْ يَوْمَ صِفِّينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ، رقم: ۱۲۰۵۹؛ ہیثمی کہتے ہیں کہ اسے طبرانی نے روایت کیا ہے۔ اس میں ضرار بن صُرَد ہے جو کہ ضعیف ہے۔ اسی حدیث کے معنی میں مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن مسعود کی ایک حدیث آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابن سُمَيَّة ما عُرِض عليه امرانِ قَطُّ إلا اختار الارشد منهما"۔ (ابن سمیہ پر جب بھی دو معاملات پیش ہوئے، اس نے ان میں سے اسی کو اختیار کیا جو ہدایت کے قریب تر تھا۔ (ابوعبداللہ احمد بن حنبل، مسند امام احمد بن حنبل، ت: احمد محمد شاکر، مسند عبداللہ بن مسعودؓ، رقم ۳۶۹۳، تاہم اس کے بارے میں بھی محقق احمد شاکر لکھتے ہیں کہ اس کی اسناد سالم بن ابو جعد الاشجعی کے انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ تاہم اسی مضمون کی حدیث آگے حضرت عائشہؓ کی روایت سے آرہی ہے وہ سنداً بالکل صحیح ہے)

(جب لوگوں میں اختلاف ہو تو ابن سمیہ حق کے ساتھ ہوتے ہیں)۔ ہیثمی نے اس حدیث کے ایک راوی ضرار بن صرد کے بارے میں کہا ہے کہ وہ ضعیف ہیں، اور واقعی ایسا ہی ہے، تاہم ہیثمی نے ضرار بن صرد کے ضعف کی وجہ ان کی سچائی پر اعتراض کو قرار نہیں دیا، چناں چہ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تقریب التہذیب میں ان پر بحث کا خلاصہ کرتے ہوئے کہا ہے صدوق لہ اوہام وخطا، رُمی بالتشیع، اور مزی نے تہذیب الکمال میں ان پر گفت گو شروع کرتے ہوئے کہا ہے: کان متعبدا کہ وہ کثرت سے عبادت کرنے والے تھے۔ لہذا ان پر قدح ان کے صدق پر طعن کی وجہ سے نہیں ہے، لہذا ان کی حدیث حسن شمار ہونی چاہیے۔ نیز البانی نے سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ میں اگرچہ اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (ابو عبدالرحمٰن ناصر الدین البانی، سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ واثرھا السیئ فی الامۃ الریاض: دار المعارف، ۱۹۹۲ء، رقم ۲۲۰۹)

لیکن یہ بھی بتایا ہے کہ اس حدیث کے ضرار بن صرد کے علاوہ دو طریق اور بھی ہیں، لہذا ضرار بن صرد کا ضعف کافی حد تک غیر متعلق ہو جاتا ہے۔ ان میں سے ایک طریق کے بارے میں البانی کہتے ہیں کہ اس کے سارے راوی ثقہ اور مسلم کے راویوں میں سے ہیں۔ اس طریق پر البانی کا اعتراض صرف یہ ہے کہ سالم بن ابی الجعد اور عبداللہ بن مسعود کے درمیان انقطاع ہے، جب کہ ضرار بن صرد والے طریق میں یہ انقطاع نہیں ہے؛ اس لیے کہ وہاں سالم علقمہ سے اور علقمہ ابن مسعود سے روایت کرتے ہیں۔ اس ساری بات کو دیکھیں تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ حدیث کم از کم حسن ضرور ہے۔ سالم بن ابی الجعد چوں کہ تابعی ہیں (اور صحاح ستہ کے راویوں میں سے ہیں) اس لیے مرسل ہونے کے علاوہ اس پر کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا۔ البانی نے اس حدیث کے لیے تیسرے جس طریق کا ذکر کیا ہے وہ بیہقی کی دلائل النبوۃ سے لیا ہے۔ دلائل النبوۃ وہ کتاب ہے جس میں بیہقی نے رسول اللہ ﷺ کے معجزات کو ذکر فرمایا ہے۔

واقعات کی غیبی خبر دینے کی وجہ سے اس طرح کی حدیثوں کو بھی انہوں نے معجزات میں شمار کیا ہے۔ اس کا پورا متن دلائل النبوۃ سے پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

سالم بن ابی الجعد کہتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عبد اللہ بن مسعود کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اللہ نے یہ تو اطمینان ہمیں دلایا ہے کہ وہ ہم پر ظلم نہیں کرے گا، لیکن اللہ فتنے میں نہیں ڈالے گا، اس کی یقین دہانی نہیں کرائی، تو اگر میں فتنے کا زمانہ پالوں تو بتائیں کیا کروں۔ (اس سے اس بات کی بھی تائید ہوتی ہے جو شروع میں ہم نے کہی تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے آنے والے واقعات کے بارے میں بہت کثرت سے باتیں بتائیں تھیں۔ اس شخص کا ابن مسعود سے اس انداز سے سوال کرنا بتا رہا ہے کہ لوگوں کو ادراک تھا کہ فتنوں نے کبھی نہ کبھی آنا ہی ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ فتنوں کے بارے میں پوچھنا اور مذاکرہ کرنا عہد صحابہؓ میں عام تھا، اسے نامناسب نہیں سمجھا جاتا تھا)

حضرت ابن مسعود نے فرمایا کتاب اللہ کو لازم پکڑنا، اس نے عرض کیا: یہ بتائیے اگر سارے ہی بظاہر کتاب اللہ کی طرف بلا رہے ہوں تو؟ عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے جب لوگوں میں اختلاف ہو جائے تو ابن سمیہ حق پر ہوگا۔[1]

بیہقی کی اس روایت کی سند کا ایک حصہ تو وہ ہے جسے البانی نے مسلم کے راویوں پر مشتمل قرار دیا ہے۔

---

[1] اَخْبَرَنَا اَبُو عَبْدِ اللهِ الْحَافِظُ. وَاَبُو بَكْرٍ اَحْمَدُ بْنُ الْحَسَنِ الْقَاضِي قَالَا ا ص: ۴۲۲: حَدَّثَنَا اَبُو الْعَبَّاسِ مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ، حَدَّثَنَا اَبُو بَكْرٍ مُحَمَّدُ بْنُ اِسْحَاقَ الصَّغَانِيُّ حَدَّثَنَا اَبُو الْجَوَّابِ حَدَّثَنَا عَمَّارٌ يَعْنِي ابْنَ رُزَيْقٍ، عَنْ عَمَّارٍ الدُّهْنِيِّ، عَنْ سَالِمِ بْنِ اَبِي الْجَعْدِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ فَقَالَ لَهُ: يَا اَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ قَدْ اَمَّنَّا مِنْ اَنْ يَظْلِمَنَا. وَلَمْ يُؤَمِّنَّا مِنْ اَنْ يَفْتِنَّا. اَرَاَيْتَ اِنْ اَدْرَكْتُ فِتْنَةً؟ قَالَ: عَلَيْكَ بِكِتَابِ اللهِ قَالَ: اَرَاَيْتَ اِنْ كَانَ كُلُّهُمْ يَدْعُونَ اِلَى كِتَابِ اللهِ؟ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: اِذَا اخْتَلَفَ النَّاسُ كَانَ ابْنُ سُمَيَّةَ مَعَ الْحَقِّ البيهقي، دلائل النبوة ومعرفة احوال صاحب الشريعة. جماع ابواب إخبار النبي ﷺ. بَابُ مَا جَاءَ فِي اِخْبَارِهِ عَنِ الْفِتَنِ الْبَاغِيَةِ مِنْهُمَا بِمَا جَعَلَهُ عَلَامَةً لِمَعْرِفَتِهِمْ. (بيروت: دار الكتب العلمية، ۱۴۰۵ھ)، ۶: ۴۲۰

اس سے نیچے امام بیہقی تک سارے راوی بھی حفاظ حدیث میں سے ہیں[1]

اس روایت پر مرسل ہونے کے علاوہ کوئی اعتراض نہیں ہے۔ جن کے نزدیک حدیثِ مرسل، حجت نہیں بھی ہے، ان کے ہاں بھی اگر مرسل کی تائید کسی ضعیف حدیث سے ہورہی ہو تو وہ قابلِ قبول ہوجاتی ہے، یہاں دو صحیح سندوں سے مروی مرسل روایت کی تائید ضرار بن صرد والی متصل مگر کسی قدر ضعیف روایت سے ہورہی ہے، جس میں سالم بن ابی الجعد علقمہ سے روایت کرتے ہیں اور وہ ابن مسعود سے، تو اس سے ارسال والا اعتراض بھی ختم ہوجاتا ہے؛ اس لیے مرسل کو حجت ماننے اور نہ ماننے والے تقریباً سب کے ہاں قابل قبول ہے۔ اگلی حدیث کا مضمون بھی یہی ہے، اس کو اس کے ساتھ ملالیں تو اور زیادہ تقویت ہوجاتی ہے۔ اس سے پچھلی حضرت حذیفہؓ کی حدیث کا مضمون بھی یہی تھا۔

## حدیث ابن مسعودؓ

حضرت ابن مسعود نے حضرت حذیفہ سے کہا۔ یہ حضرت عثمان کی شہادت سے پہلے کی بات ہے، کیوں کہ حضرت ابن مسعود کا انتقال حضرت عثمان کی شہادت سے پہلے ہوگیا تھا۔ ان الفتنة قد وقعت فحدثني ما سمعت النبي ﷺ يقول. فتنے واقع ہوگئے ہیں۔ (یعنی اس کے آثار پیدا ہوگئے ہیں) آپ نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ

---

[1] ابو الجواب سے روایت کرتے ہیں محمد بن اسحاق الصاغانی، ان کے بارے میں تہذیب الکمال میں ہے: احد الثقات الحفاظ الرحالين واعيان الجوالين .(يوسف بن عبدالرحمن بن يوسف ابو الحجاج جمال الدين المزي، تهذيب الكمال في اسماء الرجال، ت. بشار عواد معروف (بيروت: مؤسسة الرسالة، ۱۹۸۰ء، ۲۴: ۳۹۶) یہ امام بخاری کے علاوہ صحاح ستہ والوں کے استاذ ہیں۔ ان سے روایت کرتے ہیں ابو العباس محمد بن یعقوب، ان کے بارے میں ابن عساکر لکھتے ہیں کہ مشہور محدث ہیں۔ ابن نقطہ نے التقیید لمعرفۃ رواۃ السنن والمسانید میں لکھا ہے کہ سمع الكثير وطاف بالبلاد. حدث عنه الحفاظ، امام شافعی کے معروف صاحب ربیع بن سلیمان وغیرہ کے شاگرد ہیں، امام حاکم اور حافظ ابن مندہ وغیرہ کے استاذ ہیں۔ ان سے نیچے روایت کرنے والے دو حضرات جلیل القدر ائمہ اور امام بیہقی کے براہِ راست استاذ ہیں۔ ان میں سے ایک امام حاکم تو اتنے معروف ہیں کہ حدیث کا عام طالب علم بھی ان کے نام سے واقف ہے)۔

سے جو سنا ہے وہ مجھے بتایئے۔ حضرت ابن مسعودؓ بہت بڑے فقیہ ہیں، لیکن ان چیزوں کے زیادہ ماہر حضرت حذیفہ ہیں، اس لیے اپنی معلومات کو تازہ کرنے کے لیے ان سے مذاکرہ کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: لو لم یاتیکم الیقین کتاب اللہ سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لابن سمیۃ: ویح ابن سمیۃ تقتلہ الفئۃ الباغیۃ[1]

بوصیری نے ابو یعلی کے حوالے سے یہ حدیث ذکر کی ہے۔ خود مسند ابو یعلی کے اندر تو نہیں ملی، تاہم حافظ ابن کثیر نے جامع المسانید والسنن میں ابو یعلی کی پوری سند نقل کی ہے، اس میں مسلم بن کیسان الاعور ہیں اور وہ ضعیف ہیں۔

(ابن کثیر، جامع المسانید والسنن احادیث حذیفۃ حبۃ العربی عنہ، رقم: ۲۰۶۳)

اس میں بھی حضرت حذیفہ وہی کہہ رہے کہ اختلاف کی صورت میں تم نے دیکھنا یہ ہے کہ عمار کدھر جا رہے ہیں۔ ابھی تک یہ عرض کیا گیا کہ ان معاملات کے سب سے بڑے عالم اور رازدانِ رسول ﷺ، حضرت حذیفہ کی رائے کیا تھی؟ اس سلسلے میں متعدد روایات نقل کی ہیں۔ ان کو اگر ملایا جائے تو یہ بات بہت واضح اور مسلم ہے کہ حضرت حذیفہ نے نہ صرف یہ کہ حضرت علی کی بیعت کی ہے، بلکہ یہ اشارہ دے کر گئے ہیں کہ عمار جدھر جائیں تم نے بھی ادھر جانا ہے اور عمار ظاہر ہے کہ حضرت علی کے ساتھ ہیں۔

## ۲..... حضرت عمارؓ کے بارے میں رسول ﷺ کی بعض احادیث

اب کچھ احادیث نبی کریم ﷺ کی حضرت عمار کے بارے میں بیان کی جاتی ہیں:

1- ان میں سے ایک تو وہی حدیث ہے جو ابھی گزر چکی کہ ابو الیقظان علی الفطرۃ حتی لایموت او ینسیہ الھرم. یہ پہلے اس حوالے سے نقل کی گئی ہے کہ حضرت حذیفہ نے اسے فتن پر منطبق کیا ہے۔

2- ایک اور مشہور حدیث ہے اور بالکل صحیح ہے۔ یہ حدیث مشکوۃ المصابیح میں بھی

---

[1] ابو العباس شہاب الدین احمد بن ابوبکر البوصیری (۸۴۰ھ)، إتحاف الخیرۃ المھرۃ بزوائد المسانید العشرۃ، کتاب المناقب، منقبۃ عمر بن عبد العزیز، رقم: ۶۸۹۸۔ (بوصیری، نویں صدی ہجری کے بڑے محدث ہیں، یہ قصیدہ بردہ والے نہیں ہیں۔)

ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِنِّي لَسْتُ أَدْرِي مَا بَقَائِي فِيكُمْ. فَاقْتَدُوا بِاللَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِي، وَأَشَارَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ. وَاهْتَدُوا بِهَدْيِ عَمَّارٍ. وَتَمَسَّكُوا بِعَهْدِ ابْنِ أُمِّ عَبْدٍ (ابو بکر احمد بن محمد بن ہارون بن یزید الخلال البغدادی الحنبلی، السنۃ، جامع امر الخلافۃ بعد رسول اللہ ﷺ، رقم: ۳۳۵)

مجھے نہیں معلوم کہ میں نے کب تک تمہارے درمیان رہنا ہے؟ اب کیا کرنا ہے؟ تو آپ نے تین باتیں ارشاد فرمائیں اور ان تین باتوں میں مختلف حوالوں سے چار شخصیات کا ذکر ہے۔ فرمایا:

1- ان دو شخصیات کی پیروی کرنا جو میرے بعد ہیں: ابوبکر و عمر؛

2- عمار کے طریقے سے رہنمائی حاصل کرنا؛ یہ دیکھنا کہ عمار کدھر جا رہے ہیں۔

3- ابن ام عبد (حضرت عبداللہ بن مسعود) جو کچھ تمہیں بتاتے ہیں، اس کی پیروی کرو۔ یہ متن حضرت ابن مسعود اور حضرت حذیفہ دونوں سے مروی ہے، حضرت حذیفہ والی حدیث سنداً صحیح ہے، اگرچہ امام ترمذی نے اسے حسن قرار دیا ہے لیکن دیگر بہت سے محدثین نے اسے صحیح قرار دیا ہے، ایسا کئی جگہ ہوتا ہے کہ باقی محدثین کسی حدیث کو صحیح قرار دے رہے ہوتے ہیں، لیکن امام ترمذی اسے صرف حسن قرار دینے پر اکتفا فرماتے ہیں۔ اسی مضمون کی حدیث امام ترمذیؒ نے ابن مسعود سے بھی روایت کی ہے، اس کی سند میں اگرچہ کچھ کلام ہے لیکن حضرت حذیفہ والی حدیث بے غبار ہے۔ حضرت ابن مسعود کی حدیث إذا اختلف الناس، فابن سمية مع الحق میں اگر تھوڑا بہت ضعف تھا بھی تو بات وہی ہے جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہو رہی ہے۔

۳- جنگِ جمل میں حضرت عائشہ حضرت علی کے مدمقابل تھیں۔ حضرت عمار حضرت علی کے ساتھ ہیں، لیکن ایک دوسرے کے مناقب دونوں بیان کر رہے ہیں۔ عمار کی منقبت کی حدیث حضرت عائشہ روایت کر رہی ہیں اور اس جنگ کے زمانے میں حضرت عمار خطبوں میں (جن میں حضرت علی کی نصرت پر لوگوں کو ابھار رہے ہیں۔) کہہ رہے ہیں کہ إنها زوجة نبيكم في الدنيا والآخرة. کہ حضرت عائشہ اس دنیا میں بھی اور جنت میں بھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہیں، لیکن اس خلافت کے معاملے میں تم نے کس کے ساتھ

ہونا ہے، یہ اور مسئلہ ہے۔ حضرت عائشہ حضرت عمار کی فضیلت میں حدیث نقل کر رہی ہیں۔ یہ صحابہ کا انصاف ہے۔ حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ما خیر عمار بین امرین إلا اختار ارشدھما[1]۔

یہ حدیث سند کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے اور مختلف حضرات نے اس کو روایت کیا ہے کہ جب بھی عمار کے سامنے دو راستے آتے ہیں تو وہ اس کو اختیار کرتا ہے جس میں زیادہ رشد و ہدایت ہوتی ہے۔ اس مضمون کی حدیث حضرت ابن مسعود سے بھی مروی ہے، لیکن حضرت عائشہ والی حدیث سند کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہے۔ اس مجموعۂ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عمارؓ کو رسول اللہ ﷺ نے رشد و ہدایت کی علامت قرار دیا ہے، بلکہ صحیح بخاری میں حضرت ابو الدرداء کی ایک حدیث میں تو یہ آتا ہے: الذی اجارہ اللہ من الشیطان علی لسان نبیہ[2] کہ اللہ کے نبی نے جس کے بارے میں کہا کہ اس پر شیطان کا اثر نہیں ہو سکتا۔ یہی بات ترمذی کی ایک روایت میں حضرت ابو ہریرۃ نے نقل فرمائی۔ امام ترمذی نے اس کی سند کو حسن صحیح کہا ہے۔

## ۳..... حضرت علیؓ کے ہادی ہونے کے حوالے سے بعض احادیث

بعض احادیث میں حضرت علی کو سچائی کی اور خاص طور پر ہدایت کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ یوں تو تمام ہی صحابہ ہدایت یافتہ جماعت ہیں، لیکن ان کی اپنی اپنی امتیازی

---

[1] یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے۔ البانی نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ متعدد حضرات نے اس کو روایت کیا ہے۔ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی، سنن الترمذی، ت، احمد محمد شاکر، محمد فؤاد عبد الباقی، ابراہیم عطوہ عوض، ابواب المناقب. باب مناقب عمار بن یاسر و کنیتہ ابو الیقظان رضی اللہ عنہ، رقم: ۳۷۹۹)

[2] صحیح البخاری میں ہے: حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ. حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ. عَنِ الْمُغِيرَةِ. عَنْ إِبْرَاهِيمَ. عَنْ عَلْقَمَةَ. قَالَ: قَدِمْتُ الشَّامَ. فَقُلْتُ: مَنْ هَا هُنَا، قَالُوا أَبُو الدَّرْدَاءِ. قَالَ: أَفِيكُمُ الَّذِي أَجَارَهُ اللَّهُ مِنَ الشَّيْطَانِ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ. حَدَّثَنَا شُعْبَةُ. عَنْ مُغِيرَةَ. وَقَالَ: الَّذِي أَجَارَهُ اللَّهُ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْنِي عَمَّارًا. (صحیح البخاری، کتاب بدء الخلق، باب صفۃ إبلیس وجنودہ، رقم: ۳۲۸۷)

خصوصیات بھی ہیں۔ حضرت ابوذر کا زہد ہے، ابن مسعود و معاذ بن جبل وغیرہ کا تفقہ ہے، ابی بن کعب کی قراءت ہے۔ حضرت علی کی بنیادی خوبی ہدایت ہے۔ وہ ہادی ہیں۔ اللہ نے ان کے اندر ہدایت کی صلاحیت سب سے زیادہ رکھی ہے۔ یہ بات کثیر احادیث سے ثابت ہے۔ ان میں سے چند ایک یہاں ذکر کی جائیں گی، لیکن احادیث سے پہلے یہ عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہوسکتا ہے بعض لوگوں کو اس طرح کی باتیں سن کر اجنبیت سی محسوس ہو کہ حق علی کے ساتھ ہے یا علی حق کے ساتھ ہے، لیکن اس میں کوئی اجنبیت کی بات نہیں، ایک تو اس لیے کہ جیسا کہ ابھی عرض کیا صحابہ کی مختلف خصوصیات ہیں، ان میں حضرت علی کی خصوصیت اگر ہدایت کو بتایا گیا ہو تو کوئی نئی بات نہیں۔

حضرت عمر نے بھی جب شوریٰ مقرر کی تو ان چھے حضرات کی ممکنہ حکم رانی کے بارے میں مختلف تبصرے کیے، حضرت علی سے متعلق ایک بات یہ کہی کہ اگر اسے خلیفہ بنایا گیا تو وہ لوگوں کو صراط مستقیم پر لے کر چلے گا[1]۔

اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ حضرت علی خلافت کا دور آنے سے پہلے

---

[1] ابن سعد لکھتے ہیں: "فلما خرجوا من عند عمر قال عمر: لو ولوها الاجلح سلك بهم الطريق. فقال له ابن عمر: فما يمنعك يا امير المؤمنين؟ قال: اكره ان اتحملها حيا وميتا. (ابو عبدالله محمد بن سعد، الطبقات الكبرى، محمد عبدالقادر عطا (بيروت: دار الكتب العلمية، ۱۹۹۰ء)، ۳: ۲۶۰)؛ ابن عبدالبر لکھتے ہیں: "إن ولوها الأجلح سلك بهم الطريق المستقيم- يَعْنِي عليا. (ابو عمر يوسف بن عبدالله القرطبي، الاستيعاب في معرفة الاصحاب، ت، علي محمد البجاوي (بيروت: دار الجيل، ۱۹۹۲ء)، ۳: ۱۱۵۴)؛ محب الدین الطبری لکھتے ہیں: "وعن عمر انه قال حين طعن واوصى: إن ولوها الاجلح سلك بهم الطريق المستقيم يعني عليًا اخرجه ابو عمر. وعن عمرو بن ميمون قال: كنت عند عمر إذ ولى الستة الامر. فلما جاوزوا اتبعهم بصره. ثم قال: لئن وليتم هذا الاجلح ليركبن بكم الطريق يعني عليا اخرجه ابن الضحاك. وفي لفظ: إن ولوها الاصيلع يحملهم على الحق، وإن السيف على عنقه. اخرجه القلعي. وقد تقدم في فصل مقتل عمر." (ابوالعباس احمد بن عبدالله، محب الدين الطبري، الرياض النضرة في مناقب العشرة (بيروت: دار الكتب العلمية، ۳: ۲۲۸)

حالات بہت الجھ چکے ہوں گے، اس لیے اللہ نے اپنی نبی ﷺ کی زبان مبارک سے یہ کہلوادیا کہ علی حق وصواب کی نشانی ہے؛ اس لیے کہ پہلے گزر چکا کہ رسول اللہ ﷺ نے آنے والے فتن کے بارے میں بہت اہتمام سے باتیں فرمائیں اور یہ بھی بتایا کہ کس طرح کے حالات میں کیا کرنا ہے۔ حضرت علی کے بارے میں یہ ارشادات بھی اسی کا حصہ ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ہم حضرت عثمان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بکثرت نقل کرتے ہیں کہ ایک فتنہ ہوگا جس میں یہ شخص - یعنی عثمانؓ حق پر ہوگا۔ اس طرح کی متعدد روایتیں، ان میں سے مرۃ بن کعب کی حدیث جو ترمذی میں ہے، وہ بالکل صحیح ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ فتن کا ذکر فرمایا ان کا قریب ہونا بیان فرمایا۔ منہ پر رومال ڈالے ایک شخص گزرے تو آپ نے فرمایا کہ یہ شخص اس دن ہدایت پر ہوگا، میں نے اٹھ کر دیکھا تو وہ عثمان تھے۔ میں نے مزید تسلی کے لیے ان کا رخ رسول اللہ ﷺ کی طرف کرکے پوچھا: یہی؟ آپ نے فرمایا: ہاں یہی۔ اگر حضرت عثمان کے بارے میں زبان رسالت مآب ﷺ سے اس طرح کی بات صادر ہوسکتی ہے تو حضرت علی کے بارے میں کیوں نہیں؟

## ۱- علیؓ کو ہدایت یافتہ ہدایت دینے والا پاؤ گے

ایک حدیث ہے جو حضرت علی سے بھی مروی ہے اور حضرت حذیفہ سے بھی، اس میں آتا ہے: قیل لرسول اللہ: من نؤمر بعدك؟ قال: إن تؤمروا ابابكر تجدوه اميناً زاهداً في الدنيا راغباً في الآخرة. وإن تؤمروا عمر تجدوه قوياً اميناً لا يخاف في الله لومة لائم. وإن تؤمروا علياً - ولا اراكم فاعلين - تجدوه هادياً مهدياً. ياخذبكم الطريق المستقيم.

رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: آپ کے بعد ہم کس کو امیر مقرر کریں؟ اور ایک روایت میں ہے کہ یا رسول اللہ، اپنے بعد کسی کو نائب بنادیجیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، کیوں کہ میں اگر خود کسی کو متعین کروں گا، تو اس کی نافرمانی کا گناہ میری نافرمانی کے برابر ہوگا۔ یہ تو امت کو مشکل میں ڈالنے والی بات ہے، البتہ آپؐ نے چند شخصیات کا نام لے

کران کے اوصاف کا ذکر کیا کہ ان میں یہ یہ اوصاف پائے جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: إن تؤمروا ابا بکر تجدوہ امینًا زاھدًا فی الدنیا راغبًا فی الآخرۃ. ابوبکر کو امیر بناؤ گے تو اسے امانت دار، دنیا سے بے رغبت اور آخرت میں رغبت کرنے والا پاؤ گے۔ اس زہد کا یہ عالم ہے کہ اپنے کفن کے لیے بھی نئے کپڑے گوارا نہیں کیے۔ کفن کے لیے اپنے استعمال شدہ کپڑوں کے بارے میں وصیت کر کے گئے کہ وہ ہوگا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے؟ کہتے ہیں اس نے خلافت چھین لی۔ خلافت چھین کر اس نے کیا کرنا ہے؟ حضرت ابوبکر کا اپنا پھیلا ہوا کاروبار تھا، لیکن خلافت کی ذمے داریوں کی خاطر اپنا کاروبار چھوڑ دیا۔ مشکل وقت میں خلافت کا معاملہ سنبھالا۔ نصوص کو تو چھوڑیں، الزام دیتے وقت بات کم از کم عقل میں تو آنی چاہیے۔ ویسے کہنے کو شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں شریعت کے مصادر میں سے عقل بھی ایک مصدر ہے؛ قرآن، سنت، اقوالِ ائمہ اور عقل، لیکن عقل آپ کے ہاں مصدر ہے تو اس قسم کے امور میں یہ غیر عقلی بات باعث تعجب ہے۔ بہرحال حضرت ابوبکر کے بارے میں یہ الفاظ فرمائے جو ان کی انتہائی شرافت کا پتا دیتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: إن تؤمروا عمر تجدوہ قویًا امینًا لایخاف فی اللہ لومۃ لائم. وإن تؤمروا علیًا ولاأراکم فاعلین تجدوہ ھادیًا مھدیًا یاخذبکم الطریق المستقیم.

(ابوعبداللہ احمد بن حنبل، مسند امام احمد بن حنبل، ت، شعیب الارنؤوط ودیگر، مسند علی بن ابی طالب، رقم ۸۵۹)

(اگر تم عمرؓ کو امیر بناؤ گے تو اسے مضبوط اور امانت دار پاؤ گے جو اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتا۔ اگر تم علیؓ کو امیر بناؤ اور مجھے نہیں لگتا کہ تم ایسا کرو گے۔ تو اسے ہدایت دینے والا، ہدایت یافتہ پاؤ گے جو تمہیں سیدھی راہ کی طرف لے جائے گا)

اس حدیث کی سند پر بعض لوگوں نے اشکال کیا ہے، لیکن وہ اشکال اتنا وزنی نہیں ہے۔ یہ حدیث اول تو صحیح ہے، نہیں تو حسن سے کم بہرحال نہیں ہے۔ خصوصا حضرت علی کی حدیث کے راوی زید بن یثیع ہیں جو حضرت علی سے روایت کر رہے ہیں۔ یہ ہیں تو ثقہ راوی، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تقریب التھذیب اور ذہبی نے الکاشف میں انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ امام ترمذی نے کتاب الحج میں ان کی ایک حدیث روایت کر کے اسے حسن صحیح کہا ہے،

لیکن امام دارقطنی نے یہ کہا ہے کہ صحیح یہ ہے کہ ان سے یہ حدیث مرسلاً مروی ہے، یعنی زید بن وہب، جو کہ تابعی ہیں، نے کسی صحابی کا حوالہ نہیں دیا۔ گویا دارقطنی کے نزدیک بھی یہ مرسل صحیح ہے، لیکن مرسل ہونا کسی حدیث کو رد کرنے کا باعث نہیں ہوتا، خصوصاً جب کہ اس کی تائید ایک ضعیف روایت سے ہو رہی ہے، جو مسندِ بزار اور مستدرک حاکم وغیرہ میں موجود ہے۔

(ابن کثیر نے یہ حدیث مسند بزار کے حوالے سے ان کی پوری سند کے ساتھ ذکر کی ہے، دیکھیے: جامع المسانید والسنن، رقم: ۲۳۶۵)

اور اس میں ابو وائل (شقیق بن سلمہ) اس حدیث کو حضرت حذیفہ سے روایت کر رہے ہیں۔ پھر جن لوگوں نے حدیث کے مرسل ہونے کو ترجیح دی ہے، اس کی وجہ بھی وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ زید بن وہب کبھی حضرت علی سے روایت کرتے ہیں، کبھی حضرت حذیفہ سے اور کبھی صحابی کے حوالے کے بغیر، لہٰذا انہوں نے تیسری قسم کی روایت کو ترجیح دی۔ ہم جانتے ہیں کہ ارسال (صحابی کے حوالے کے بغیر حدیث بیان کرنا) کی وجوہات میں ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ تابعی نے وہ حدیث متعدد صحابہ سے سنی ہوتی ہے۔ جب کسی نے ایک شخص سے بات سنی ہو تو اس شخص کا حوالہ دے دیا جاتا ہے، اگر متعدد لوگوں سے سنی ہو تو بعض اوقات کسی کا بھی حوالہ نہیں دیا جاتا۔ یہاں بھی ارسال کی وجہ یہ ہو سکتی ہے۔ بہر حال سوائے اس کے کہ بعض محدثین کے ہاں اس روایت کا مرسل ہونا راجح ہے، اس کی سند پر کوئی اور قابلِ ذکر اعتراض نہیں ہے۔ ہیثمی نے بھی اس حدیث کے لیے متعدد حوالے دیے ہیں اور کہا ہے کہ بزار کی سند کے راوی ثقہ ہیں۔

یہاں یہ بات پیشِ نظر رکھنی چاہیے کہ اس طرح کے معاملات میں کسی حدیث کو قبول کرنے کا معیار کیا ہے؟ یہاں آ کر بعض اوقات لوگ معیار بہت سخت کر دیتے ہیں۔ صحیح مسلم کی حدیث کو بھی رد کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں، لیکن اگر معیار سخت ہی کرنا ہے تو پھر بحیثیت مجموعی مکمل معیار کو سخت کرنا ہوگا، یعنی ہر جگہ پھر صرف اسی معیار کی حدیث کو قبول کرنا ہوگا۔ یہ درست نہیں کہ ہماری تحریر و تقریر میں نہ معلوم کتنی اس سے بھی کہیں زیادہ کم زور حدیثیں بڑے وثوق سے بیان ہوتی ہیں، ان پر بات کرنے کی تو کبھی زحمت نہ ہو، بلکہ خود بھی اس میں شریک ہوں اور یہاں آ کر نقدِ حدیث کا سارا جوش ظاہر ہو جائے۔

اس حدیث کی تشریح میں حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ کی مشکوۃ المصابیح پر التعلیق الصبیح شرح قابلِ ملاحظہ ہے۔ انہوں نے اس کی تشریح میں حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی بہت خوب صورت تقریر نقل کی ہے جس کا کچھ حصہ آگے آرہا ہے۔

(ملاحظہ ہو: مولانا محمد ادریس کاندھلوی، التعلیق الصبیح، لاہور: المکتبۃ العثمانیۃ ۷: ۳۷۹)

جیسا کہ پہلے عرض کیا، اس حدیث کی سند میں کوئی مسئلہ نہیں ہے، اصل میں بعض لوگوں کو جو اشکال ہوا ہے وہ لاادراکم فاعلین (تم علی کو بناؤ گے نہیں۔) کے الفاظ سے ہوا ہے کہ یہ متن عجیب سا لگ رہا ہے۔ اس وقت اس کی تفصیلی تشریح میں تو نہیں جاتا، البتہ یہ بات تو ہے کہ حضرت علی کا اپنا دور جب آتا ہے تو اس میں رکاوٹیں کھڑی تو ہوئی ہیں اور اس کا ذکر بھی حدیثوں میں آتا ہے، اس لیے اس سیاق میں دیکھیں تو یہ کوئی اجنبی بات نہیں ہے۔

یہاں اس حدیث کو لانے کا مقصد یہ ہے کہ ابوبکرؓ کی خصوصیات ذکر کی گئیں، عمرؓ کی خصوصیات ذکر کی گئی ہیں، جو بہت اعلیٰ خصوصیات ہیں۔ علیؓ کی جو خصوصیات ذکر کی گئی ہیں، یہ ہیں کہ وہ ہادی ہے، مہدی ہے اور تمہیں طریق مستقیم کی طرف لے جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی کی ایک بڑی خصوصیت ہدایت کے راستے پر چلنا اور لوگوں کو سیدھے راستے پر چلانا ہے۔ حضرت نانوتویؒ کی تقریر لمبی ہے، اس کا ایک حصہ یہ ہے کہ اصل میں رسول اللہ ﷺ نے یہ صفات بیان کر کے امت پر چھوڑ دیا کہ کس زمانے میں کن صفات کی ضرورت ہے؟ رسول اللہ ﷺ کے فوراً بعد خلافت چوں کہ بلافصل تھی، اس لیے خلیفہ وہ شخص ہونا چاہیے، جس میں نبوت کے بنیادی اوصاف پائے جاتے ہوں اور نبوت کا بنیادی وصف تعلق مع اللہ اور انقطاع عن الدنیا ہوتا ہے، اس لیے وہ اس وقت زیادہ موزوں تھے۔

حضرت ابوبکر نے خلافت کو ذرا استوار کیا، پاؤں پر کھڑا کر دیا، اب اس کو آگے پھیلانا تھا، اندرونی اور بیرونی طور پر اصلاحات لانی تھیں۔ اس کے لیے ایک دبنگ بندے کی ضرورت تھی۔ امت نے اس موقع پر حضرت عمر کا انتخاب کیا جو قوی، امین اور اللہ کے معاملے میں کسی ملامت کی پرواہ نہ کرنے والے۔ حضرت عثمان کے دور کا ذکر کرنے کی ضرورت اس لیے نہیں محسوس کی گئی کہ (حضرت نانوتویؒ کی تشریح کے مطابق) کہ وہ درحقیقت دورِ فاروقی کا دوسرا رخ ہے، کیوں کہ سختی کے بعد نرمی کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس کے بعد جب حضرت عثمان کی شہادت ہوئی تو فتن عروج پر پہنچ چکے تھے۔ اب الجھے ہوئے معاملات ہیں، پتا ہی نہیں چل رہا کہ کیا ہو رہا ہے، کیا نہیں ہو رہا اور کرنا کیا ہے؟ اس حالت میں ضرورت تھی اس شخصیت کی جس کا سب سے بڑا وصف ہدایت ہو، اس پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کیا جا سکتا ہو کہ یہ جدھر جا رہا ہے، ٹھیک جا رہا ہے۔ تو اس موقع پر امت نے انتخاب کیا اس شخصیت کا جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تجدوہ هاديًا مهديًا ياخذبكم الطريق المستقيم.

## ۲- حق اس کے ساتھ ہے، حق اس کے ساتھ ہے

حضرت ابوسعید خدری کی ایک روایت ہے۔ ابو یعلیٰ موصلی وغیرہ نے اسے روایت کیا ہے۔ اس کے الفاظ ہیں:

كُنَّا عِنْدَ بَيْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَفَرٍ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ. فَخَرَجَ عَلَيْنَا فَقَالَ: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخِيَارِكُمْ؟. قَالُوا: بَلَى. قَالَ: خِيَارُكُمُ الْمُوفُونَ الْمُطَيَّبُونَ. إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْخَفِيَّ التَّقِيَّ. قَالَ: وَمَرَّ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ فَقَالَ: الْحَقُّ مَعَ ذَا. الْحَقُّ مَعَ ذَا

(ابو یعلی احمد بن علی الموصلی (۳۰۷ھ)، مسند ابی یعلی، ت، حسین سلیم احمد، من مسند ابی سعید الخدری، رقم: ۱۰۵۲)

ہم مہاجرین وانصار کے ساتھ بیٹھے تھے کہ نبی کریم ﷺ باہر تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ تم میں سے سب سے اچھے لوگ کون ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا ضرور بتایئے۔ آپ نے فرمایا: وہ پاکیزہ لوگ ہیں، عہد کا پاس کرنے والے ہیں، وہ تم میں سب سے اچھے ہیں۔ اللہ اس بندے کو پسند کرتے ہیں جو مخفی رہنا چاہتا ہو، زیادہ شہرت نہ چاہتا ہو اور زیادہ متقی ہو۔ اسی دوران میں حضرت علی کا سامنے سے گزر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: حق اس کے ساتھ ہے، حق اس کے ساتھ ہے۔

مسند ابی یعلی کے محقق حسین سلیم اسد کہتے ہیں کہ اس حدیث میں ایک راوی صدقہ بن ربیع کو ابن حبان اور ہیثمی نے ثقہ قرار دیا ہے اور باقی سب راوی ثقہ ہیں۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں بغیر کسی اسناد کے کہا ہے: رجالہ ثقات۔ یہ حدیث حسن سے کم بہر حال نہیں ہے۔ جب کہ یہی مضمون دیگر حدیثوں سے بھی ثابت ہو رہا ہے۔

## ۳-علیؓ حق پر ہے

حضرت ام سلمہ کی ایک حدیث ہے۔ آپ سے اس حوالے سے متعدد روایات ہیں۔ ان میں سے چند ایک ذکر کی جاتی ہیں۔ مثلاً ایک روایت میں ہے، ام سلمہ فرماتی ہیں کہ علی علی الحق، من اتبعہ اتبع الحق، ومن ترکہ ترک الحق۔ لیکن وہ فرماتی ہیں کہ یہ میری رائے نہیں ہے، بلکہ عھد معھود قبل یومنا ھذا[1]۔ یعنی یہ رسول اللہ ﷺ کی ارشاد فرمودہ بات ہے، اللہ اور اللہ کے رسول کا یہ عہد ہے۔ اس کی سند بھی بحیثیت مجموعی قابل قبول ہے۔

علامہ ہیثمیؒ نے کہا ہے اس کی دو سندوں میں سے ایک کے راوی ثقہ ہیں، بس اس میں مالک بن جعونہ ایک راوی ہیں جن کا مجھے پتا نہیں ہے، لیکن مالک بن جعونہ براہِ راست حضرت ام سلمہ سے روایت کرتے ہیں، یعنی وہ تابعی ہیں۔ طبقہ تابعین کے بارے میں خصوصاً حنفیہ کا رجحان یہ ہے کہ ان میں اصل عدالت ہوتی ہے، لہٰذا جب تک جرح ثابت نہ ہو جائے اس کی روایت کو قبول کیا جاتا ہے[2]۔

## ۴-علیؓ قرآن کے ساتھ ہے

حضرت ام سلمہ ہی سے ایک اور روایت ہے۔ مستدرک حاکم اور دیگر کتابوں

---

[1] سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی (۳۶۰ھ)، المعجم الکبیر، ت، حمدی بن عبدالمجید السلفی، مسند النساء ازواج رسول اللہ ﷺ ام سلمۃ واسمھا ھند بنت ابی امیۃ بن حذیفۃ بن المغیرۃ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم بن نقطۃ بن مرۃ بن کعب بن لؤی بن غالب، رقم ۷۵۸)

[2] نیز دولابی (جو تقریباً امام نسائی کے معاصر محدث ہیں) کی الکنی والاسماء میں یہی حدیث ایک ضعیف سند کے ساتھ ہے، اس میں یہ بھی ہے کہ عیاض بن عیاض کہتے ہیں کہ میں نے جب یہ حدیث مالک بن جعونہ سے سنی تو ان سے قسم دے کر پوچھا کہ کیا واقعی تم نے خود ام سلمہ سے سنی ہے تو انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے ام المؤمنین سے خود سنی ہے۔ پھر میں مالک بن جعونہ کی قوم کے پاس ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے گیا تو انہوں نے بھی مالک کی تعریف کی۔ (ابو بشر محمد بن احمد الدولابی، الکنی والاسماء، حرف القاف، من کنیۃ ابو قیس، رقم: ۱۶۲۹)

میں ہے۔ اس میں ہے کہ ابو ثابت مولیٰ ابی ذر کہتے ہیں کہ جنگِ جمل میں، میں حضرت علی کے ساتھ تھا، لیکن میں نے دیکھا کہ دوسرے فریق میں حضرت عائشہ ہیں تو میں شش و پنج میں پڑ گیا۔ ظہر تک تو میری یہ کیفیت رہی، ظہر کی نماز کے بعد اللہ نے مجھے شرح صدر دے دیا اور پھر میں نے حضرت علی کے ساتھ قتال کیا۔ فارغ ہو کر مدینے آیا اور حضرت ام سلمہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہیں بتایا کہ میں نے اس طرح سے حضرت علی کا ساتھ دیا ہے۔ حضرت علی کا ساتھ دینا وہ کام ہے جس کی حضرت حذیفہ تاکید کر کے گئے تھے۔ حضرت ام سلمہ نے کہا: احسنت. سمعتُ رسول الله يقول:علي مع القرآن والقرآن مع علي لن يتفرقا حتى يردا عليّ الحوضَ[1]

حاکمؒ نے اس کو صحیح الإسناد کہا ہے اور اس کے ایک راوی ابو سعید التیمی کے بارے میں کہا ہے: ثقة مامون۔ حافظ ذہبیؒ نے بھی تلخیص المستدرك میں اس کو صحیح کہا ہے۔ حافظ ابن حجر نے إتحاف المهرة میں حاکم کی یہ پوری بات کسی اعتراض کے بغیر نقل کی ہے۔ ابو سعید تیمی پر اگرچہ بعض حضرات نے جرح کی ہے، لیکن یہ حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ صفین میں تھے، امام بخاری نے التاریخ الکبیر میں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت علی اور حضرت عمار سے حدیث سنی ہے، جس کا مطلب یہ کہ یہ تابعین میں سے ہیں، جن حضرات سے ان پر جرح منقول ہے، انہوں نے اس کی کوئی وجہ ذکر نہیں کی۔ نویں صدی ہجری کے معروف حنفی عالم قاسم قُطْلُوبُغا نے ان کا ذکر اپنی کتاب الثقات ممن لم يقع في الكتب الستة میں کیا ہے۔ اس کی سند پر مزید بات ہو سکتی ہے، لیکن خوفِ طوالت سے اسے ترک کیا جاتا ہے، تاہم یہ بات ایک اور حدیث سے بھی ثابت ہو رہی ہے اور وہ بالکل صحیح ہے، جس کا ذکر بعد میں آتا ہے۔

---

[1] المستدرك على الصحيحين، ت، مصطفى عبد القادر عطا، كتاب معرفة الصحابة رضي الله عنهم »اما الشيخان فإنهما لم يزيدا على المناقب. وقد بدانا في اول ذكر الصحابي بمعرفة نسبه ووفاته. ثم بما يصح على شرطهما من مناقبه مما لم يخرجاه فلم استغن عن ذكر محمد بن عمر الواقدي واقرانه في المعرفة«. واما قصة اعتزال محمد بن مسلمة الانصاري عن البيعة، رقم: ۴۶۲۸)

## ۵- حدیثِ سعدؓ: علی حق کے ساتھ ہے

حضرت سعد بن ابی وقاص کی ایک حدیث ہے۔ اس کے بارے میں علامہ ہیثمیؒ کہتے ہیں کہ ایک راوی ہیں سعد بن شعیب؛ ان کا پتا نہیں کہ کیسے ہیں، باقی راوی صحیح کے ہیں۔ تاہم کسی حدیث میں مجہول راوی کا ہونا اتنی بڑی بات نہیں ہوتی۔ کسی حدیث میں متہم بالکذب راوی (وہ راوی جس پر جھوٹ بولنے کی تہمت ہو)، کا ہونا بڑی خطرناک بات ہوتی ہے، کیوں کہ اس کی دوسرے طرق سے بھی تائید نہیں ہوتی۔ مجہول راوی والی حدیث کا معاملہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا مضمون دوسری احادیث میں آجائے تو وہ قابلِ قبول بن جاتی ہے۔ یہ علمِ حدیث کے اصول ہیں اور میں نے پہلے عرض کیا کہ جو اصول ایک جگہ اپنانے ہیں، وہی دوسری جگہ بھی اپنانے ہوں گے۔ اگر کسی معاملے میں آپ کے اصول اتنے سخت ہیں کہ آپ امام بخاریؒ سے بھی دو قدم آگے نکلنا چاہتے ہیں، تو پھر پورے ذخیرۂ حدیث پر اس کا اطلاق کرنا ہوگا۔

### جملۂ معترضہ

اصل حدیث جس کا یہاں ذکر مقصود ہے اس سے پہلے بطور تمہید یہاں یہ ذہن میں رکھیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص ذہنی طور پر تو حضرت علی کے ساتھ تھے، لیکن حضرت علی کے ساتھ جنگوں میں شرکت نہیں کی، بلکہ سیاسی طور پر گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کرلی تھی۔ حضرت علی نے بھی ان پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا۔ یہ حضرت علی کی بہت بڑی بڑائی ہے، جب کہ دوسرے فریق کی یہ بات صحیح مسلم میں موجود ہے (اس کی جو بھی شرح شارحین کرتے ہیں، وہ ایک الگ بحث ہے۔) کہ حضرت معاویہ نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے کہا: ما منعك ان تسب ابا تراب۔

(صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہؓ، باب من فضائل علیؓ بن ابی طالب، رقم: ۲۴۰۴)

سب کا جو بھی ترجمہ کریں، کم از کم ترجمہ تنقید تو بنتا ہی ہے، یعنی آپ ابوتراب پر تنقید کیوں نہیں کرتے؟ مطلب یہ کہ ہمارا ساتھ کیوں نہیں دیتے؟ لیکن حضرت علیؓ، جن کو اپنے برحق ہونے کا یقین ہے، لیکن انہوں نے حضرت سعدؓ سے اس طرح کی بات نہیں کی، بلکہ کسی نے حضرت علیؓ سے کہا بھی کہ فلاں نے ہمارا ساتھ نہیں دیا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر ہمارا ساتھ نہیں دیا تو ہمارے خلاف بھی نہیں ہے، کوئی بات نہیں۔

علیؓ بہت عظیم انسان ہیں اور واقعات کو اگر دیکھا جائے تو ان کے ہاں جو عظمتیں نظر آتی ہیں اور جو توازن ملتا ہے، وہ بہت غیر معمولی ہے۔ جس طرح کے حالات کا حضرت علی کو سامنا کرنا پڑا، اس طرح کے انتہائی غیر معمولی حالات کا سامنا کرتے ہوئے ردِ عمل میں انسان غیر متوازن ہو ہی جاتا ہے، لیکن حضرت علی کا طرزِ عمل کہیں ایسا نہیں نظر آتا۔ ہر بات نپی تلی نظر آتی ہے۔ کوئی چیز جذبات کے تابع نہیں ہے۔ حضرت سعدؓ نے وہ جو رسول اللہ ﷺ کی تین باتیں حضرت علیؓ کے بارے میں نقل کی ہیں، وہ بھی اسی موقع کی ہیں۔ لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ، وَيُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُولُهُ[1]

(میں کل جھنڈا اس شخص کو دوں گا، جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول بھی اس سے محبت رکھتے ہیں۔) یہ اعتماد کی بہت بڑی سند ہے۔ دوسری بات یہ کہ غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت علی کو اپنی جگہ مدینہ منورہ میں چھوڑ کر جاتے ہوئے فرمایا:

---

[1] یہ الفاظ حدیث کے مختلف مجموعوں جیسے صحیح البخاری، صحیح ابن حبان، سنن سعید بن منصور، السنن الکبری (نسائی)، المعجم الکبیر (طبرانی) اور دیگر مجموعوں میں مختلف صحابہ سے الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ موجود ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کے الفاظ السنن الکبری (نسائی) میں اس طرح آئے ہیں:- كُنْتُ جَالِسًا فَتَنَقَّصُوا عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ فَقَالَ: لَقَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَهُ خِصَالٌ ثَلَاثَةٌ، لَأَنْ تَكُونَ لِي وَاحِدَةٌ مِنْهُنَّ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ. سَمِعْتُهُ يَقُولُ: إِنَّهُ مِنِّي بِمَنْزِلَةِ هَارُونَ مِنْ مُوسَى، إِلَّا أَنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: لَأُعْطِيَنَّ الرَّايَةَ غَدًا رَجُلًا يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ، وَيُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُولُهُ وَسَمِعْتُهُ يَقُولُ: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ۔ یعنی میں بیٹھا ہوا تھا کہ بعض لوگوں نے حضرت علی کی تنقیصِ شان میں باتیں کیں تو کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ علی کے تین اوصاف ہیں اور ان میں سے ایک بھی میرے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: وہ میرے لیے ایسے ہی ہیں، جیسے ہارون موسیٰ کے لیے، سوائے اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اور میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں کل جھنڈا اس شخص کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتا ہے اور میں نے آپ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جس کا میں مولا ہوں، اس کا علی مولا ہے۔ (ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب النسائی، السنن الکبری، ت، حسن عبدالمنعم شلبی، کتاب الخصائص، ذکر منزلۃ علیؓ بن ابی طالب من اللہ عزوجل، رقم: ۸۳۴۳)

انت منی بمنزلة هارون من موسی إلا انه لانبی بعدی۔ (تمہاری میرے ساتھ وہ نسبت ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہارون کی تھی، مگر یہ کہ ہارون بھی نبی تھے، جب کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے) تیسرے آیت مباہلہ والا واقعہ ذکر کیا۔ یہ بات ذرا طویل ہوگئی، حضرت سعد بن ابی وقاص کی جو حدیث پیش کرنا مقصود تھی مجمع الزوائد میں اس کے الفاظ ہیں:

وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ. أَنَّ فُلَانًا دَخَلَ الْمَدِينَةَ حَاجًّا. فَأَتَاهُ النَّاسُ يُسَلِّمُونَ عَلَيْهِ. فَدَخَلَ سَعْدٌ. فَسَلَّمَ. فَقَالَ: وَهَذَا لَمْ يُعِنَّا عَلَى حَقِّنَا عَلَى بَاطِلِ غَيْرِنَا. قَالَ: فَسَكَتَ عَنْهُ سَاعَةً. فَقَالَ: مَا لَكَ لَا تَتَكَلَّمُ، فَقَالَ: هَاجَتْ فِتْنَةٌ. وَظُلْمَةٌ. فَقَالَ لِبَعِيرِي: اخْ اخْ. فَأَنَاخَ حَتَّى انْجَلَتْ. فَقَالَ رَجُلٌ: إِنِّي قَرَأْتُ كِتَابَ اللَّهِ مِنْ أَوَّلِهِ إِلَى آخِرِهِ فَلَمْ أَرَ فِيهِ اخْ اخْ. قَالَ فَغَضِبَ سَعْدٌ، فَقَالَ: أَمَا إِذْ قُلْتُ ذَاكَ. فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - يَقُولُ: »عَلِيٌّ مَعَ الْحَقِّ أَوِ الْحَقُّ مَعَ عَلِيٍّ حَيْثُ كَانَ«. قَالَ: مَنْ سَمِعَ ذَلِكَ، قَالَ: قَالَهُ فِي بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ. قَالَ: فَأُرْسِلَ إِلَى أُمِّ سَلَمَةَ فَسَأَلَهَا. فَقَالَتْ: قَدْ قَالَهُ رَسُولُ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فِي بَيْتِي. فَقَالَ الرَّجُلُ لِسَعْدٍ: مَا كُنْتَ عِنْدِي قَطُّ أَلْوَمَ مِنْكَ الْآنَ. فَقَالَ: وَلِمَ، قَالَ: لَوْ سَمِعْتُ هَذَا مِنَ النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - لَمْ أَزَلْ خَادِمًا لِعَلِيٍّ حَتَّى أَمُوتَ[1]

محمد بن ابراہیم التیمی کہتے ہیں کہ کوئی فلاں شخصیت کا حج کے سلسلے میں مدینہ منورہ آنا ہوا، لوگ ان کے پاس سلام کرنے کے لیے آئے تو سعد بن ابی وقاص بھی آئے اور سلام کہا۔ ان صاحب نے کہا کہ اس شخص نے دوسروں کے باطل پر ہمارے حق کی مدد نہیں کی۔ سعد کچھ دیر خاموش رہے تو انہوں نے کہا: آپ بولتے کیوں نہیں؟ انہوں نے کہا فتنہ بھڑکا اور اندھیرا چھایا۔ کہنے والے نے میرے اونٹ سے کہا: اخ اخ، تو میں نے اسے بٹھادیا اور وہ بیٹھ گیا۔

(دراصل حضرت سعد کی رائے یہ تھی کہ مسلمانوں کی باہمی جنگ میں کسی کا ساتھ نہیں دینا چاہیے، مسلمان کی تلوار صرف کافر کے خلاف استعمال ہونی چاہیے) اس پر مجلس

---

[1] ہیثمی، مجمع الزوائد، کتاب الفتن، باب فیما کان فی الجمل وصفین وغیرھما، رقم: 12031 علامہ ہیثمی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں: اس حدیث کی سند میں سعد بن شعیب ہے جسے میں نہیں جانتا، جب کہ اس کے باقی افراد صحیح کے ہیں۔

میں موجود ایک آدمی نے کہا: میں نے اللہ کی کتاب شروع سے آخر تک پڑھی ہے، لیکن مجھے اس میں کہیں اخ اخ کے الفاظ نظر نہیں آئے (یعنی الگ تھلگ ہونے اور گوشہ نشینی کی بات مجھے قرآن میں نہیں ملی، اس لیے آپ کو ہمارا ساتھ دینا چاہیے تھا)۔ اس پر سعد کو غصہ آیا اور کہا: ارے تو نے یہ بات کہی ہے؟ میں نے تو رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ علی، حق کے ساتھ ہے یا یہ فرمایا کہ حق، علی کے ساتھ ہے، وہ جہاں بھی ہو (یعنی غنیمت سمجھو کہ میں نے الگ تھلگ ہونے کی راہ اختیار کی ہے، اگر گوشہ نشینی اختیار نہ کرتا اور کسی کا ساتھ ہی دیتا تو تمہارا نہیں علی کا ساتھ دیتا)۔ اس شخص نے کہا: یہ بات کسی اور نے بھی سنی؟ سعد نے کہا: آپ ﷺ نے یہ بات ام سلمہ کے گھر میں فرمائی تھی۔ حضرت ام سلمہ کی طرف آدمی بھیجا گیا اور ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ہاں یہ بات رسول اللہ ﷺ نے میرے گھر میں فرمائی تھی۔ اس آدمی نے حضرت سعد سے کہا: آپ پہلے میرے نزدیک اتنا قابلِ ملامت نہیں تھے، جتنے اب ہو۔ انہوں نے کہا: کیوں؟ اس نے کہا کہ اگر میں یہ بات نبی کریم ﷺ سے سن لیتا تو مرتے دم تک علی کا خدمت گزار ہوتا۔

ویسے حضرت سعد کا تعلق حضرت علی کے ساتھ نیاز مندی کا تھا، خود من کنت مولاہ فعلی مولاہ والی حدیث روایت کرتے ہیں، البتہ قتال کے معاملے میں ان کی خاص رائے تھی، صحابہ کے مواقف ہمارا موضوع نہیں ہے، تاہم آگے چل کر بہت مختصر سی بات ان شاء اللہ اس پر کرلیں گے)۔ 'حق علی کے ساتھ ہے' والی بات ام سلمہ کی دیگر روایتوں میں بھی ہے۔ یہ ساری روایتیں ایک دوسرے کی تائید کرتی ہیں۔ سندوں میں جہاں معمولی کلام ہے، اس کے باوجود ایک دوسری کی تائید کے باعث بات ثابت ہو جاتی ہے۔ یہاں سوال ہوگا کہ پھر حضرت سعدؓ نے حضرت علیؓ کا ساتھ کیوں نہیں دیا؟ جواب یہ ہے کہ جس کا ساتھ نہیں دیا اسے کوئی اعتراض نہیں ہے تو آپ کون ہوتے ہیں سوال کرنے والے؟ کیا رسول اللہ ﷺ کے غزوات میں سارے جایا کرتے تھے سوائے غزوۂ تبوک کے (جہاں نہ جانے والوں پر عتاب ہوا ہے، اگرچہ نہ جانے والے بھی اسے غیر حق نہیں سمجھتے تھے۔)؟ اس لیے مخلف (پیچھے رہنے) کی وجہ سے حضرت سعد پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا۔ مزید تفصیل آگے عرض کریں گے کہ قتال سے پیچھے رہنے والوں کی وجوہات کیا تھیں۔

(ملاحظہ ہو مشاجرات کی بحث میں عنوان: ''متخلفین کا نقطہ نظر'')

تاہم یہاں اتنا ذہن میں رکھیں کہ حضرت سعد ان میں شامل تھے جنھیں حضرت علی کی خلافت کے برحق ہونے میں تو کوئی تردد نہیں تھا، تاہم ان کا اجتہاد یہ تھا کہ مسلمان کی تلوار مسلمان کے خلاف کسی صورت میں بھی نہیں چل سکتی۔ حضرت علی نے انہیں اپنے اجتہاد پر عمل کرنے سے زبردستی روکا نہیں، تاہم بعد میں اس بات پر اتفاق ہوگیا ہے کہ یہ اجتہاد درست نہیں تھا (جیسا کہ بالکل آخر میں ''مخلفین کا نقطۂ نظر'' کے عنوان سے آئے گا)۔

## ۶-علی کو چھوڑنے والا مجھے چھوڑنے والا ہے

حضرت ابوذر غفاری کی ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا: يَا عَلِيُّ مَنْ فَارَقَنِي فَارَقَ اللهَ، وَمَنْ فَارَقَكَ يَا عَلِيُّ فَارَقَنِي

(مجمع الزوائد، باب مناقب علی بن ابی طالب، باب حالتہ فی الآخرۃ، رقم: ۱۴۷۷۱)

(اے علیؓ، جو مجھ سے جدا ہوا، وہ اللہ سے جدا ہوا اور اے علی، جو تجھ سے جدا ہوا، وہ مجھ سے جدا ہوا۔)

اس حدیث کو امام احمدؒ نے بھی فضائل الصحابہ میں روایت کیا ہے، ہیثمی نے اسے بزار کے حوالے سے نقل کرکے کہا ہے کہ اس کے رجال ثقہ ہیں، حاکم نے اپنی المستدرک میں کہا ہے حدیث صحیح الإسناد ولم یخرجاہ۔ البتہ یہاں ذہبی نے حاکم سے اتفاق نہیں کیا، جس پر آگے بات کرتے ہیں۔

اسی حدیث کے لفظ دوسری روایت میں آتے ہیں: من اطاعنی فقد اطاع اللہ. ومن عصانی فقد عصی اللہ. ومن اطاع علیا فقد اطاعنی. ومن عصی علیا فقد عصانی. (المستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ الخ واما قصۃ اعتزال محمد بن مسلمۃ الخ، رقم: ۴۶۱۷)

حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ (نفس مرجع) گو یا من فارق علیا فقد فارقنی والے لفظوں پر تو ذہبی کو اشکال ہے من عصا علیا فقد عصانی کے مضمون پر ذہبی کو بھی کوئی اشکال نہیں۔

قدیم علما نے یا تو اس حدیث کو صحیح کہا ہے یا اس پر خاموشی اختیار کی ہے۔ پرانے علما میں صرف ذہبی قابل ذکر ہیں جنھوں نے اس حدیث کی پہلی روایت کو ''منکر'' کہا ہے،

جب کہ اسی حدیث کو، جو دوسرے لفظوں سے ہے، کو ذہبی نے بھی صحیح تسلیم کیا ہے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذہبی کی اس رائے کی وجہ یہ ہے کہ انہیں پہلی روایت کے لفظوں کے ساتھ اس حدیث کا مضمون عجیب سا لگا ہے۔ ایسی مثالیں موجود ہیں کہ محدثین جہاں راوی کے ضعف کی وجہ سے حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں، وہیں بعض اوقات کسی راوی کو اس وجہ سے ضعیف قرار دیتے ہیں کہ اس نے فلاں عجیب وغریب حدیث روایت کی ہے، لیکن یہ بات تب قابلِ قبول ہوتی ہے جب کہ یہ بات تسلیم کرلی جائے کہ یہ مضمون شریعت کے عمومی مزاج سے مطابقت نہیں رکھتا، اگر حدیث کی ایسی بے تکلف تشریح ہو جائے جس کے مطابق وہ معنی درست ہو تو یہ اعتراض بھی ختم ہو جاتا ہے۔ یہاں اس حدیث کی سند پر کوئی بڑا اعتراض موجود نہیں ہے[1] اور معنی بھی درست ہے۔ اس طرح کی بات پر حیرت کی ضرورت نہیں ہے۔

بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ذہبی کو من فارقك فارقني کے لفظوں پر اعتراض ہے،

---

[1] امام بخاری نے التاریخ الکبیر اور ابن ابی حاتم نے الجرح والتعدیل میں اس حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے اور کوئی تبصرہ نہیں کیا، دیگر کئی حضرات نے بھی ایسا ہی کیا ہے، مثلاً حافظ ابن حجر عسقلانی نے الاصابۃ میں یہ حدیث ذکر کی ہے۔ عبدالرؤوف مناوی نے فیض القدیر میں اسے ذکر کرکے ہیثمی کا رجالہ ثقات والا تبصرہ نقل کیا ہے۔ عموماً قدیم علما نے یا تو اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے یا اسے ذکر کرکے خاموشی اختیار کی ہے۔ ذہبی کے حکم کی جب تک دلیل سامنے نہ آجائے اسے قبول نہیں کیا جاسکتا۔ یہ بھی واضح ہو چکا ہے کہ ذہبی کو دراصل خاص لفظ والی روایت پر کلام ہے، یعنی وہ کسی راوی کی بات ہی نہیں کرنا چاہ رہے، لیکن البانی اس کھوج میں لگے ہیں کہ ذہبی نے کون سے راوی کی وجہ سے اس حدیث پر اعتراض کیا ہے۔ البانی نے پہلے یہ کہا ہے کہ اس سند میں کوئی ایسا راوی نہیں ہے جس کی وجہ سے حدیث کو ضعیف کہا جاسکے، سوائے معاویہ بن ثعلبہ کے (جو ابوذر غفاریؓ سے روایت کررہے ہیں)، پھر کہا ہے کہ ممکن ہے کہ اس کے ضعیف ہونے کی وجہ داؤد بن ابی عوف ابوالحجاف ہوں جو معاویہ بن ثعلبہ سے روایت کررہے ہیں، لیکن البانی کی دونوں باتیں ناقابل قبول ہیں۔ جہاں تک معاویہ بن ثعلبہ کا تعلق ہے تو یہ اجل تابعین میں سے ہیں، جس کی ایک دلیل ان کا حضرت ابوذرؓ سے روایت کرنا ہے، حالاں کہ حضرت ابوذرؓ کا انتقال عہد عثمانی میں ہوا ہے۔ یہ اتنے قدیم تابعی ہیں کہ بعض کو ان کے صحابی ہونے کا اشتباہ ہوگیا ہے، جب کہ ابوالحجاف پر صرف تشیع کا الزام ہے، اور یہ اتنا بڑا الزام نہیں ہے۔ اس دور کا تشیع ویسے بھی بعد کے تشیع سے بہت مختلف تھا۔ دوسرے اصول یہ ہے کہ اہل بدعت کے بارے میں یہ خطرہ نہ ہو کہ اس نے اپنے مذہب کی حمایت میں جھوٹ بولا ہوگا تو اس کی روایت قابلِ قبول ہوتی ہے؛ حاشیہ جاری ہے!!

لیکن اگر مفارقت کو معصیت کے معنی پر محمول کرلیا جائے یعنی علی کی نہ ماننا رسول اللہ ﷺ کی نہ ماننا ہے، خاص طور پر ان کے دور حکومت تو اس معنی پر ذہبی کو بھی کوئی اشکال نہیں لگتا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ہے من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ ومن یطع الامیر فقد اطاعنی ومن یعص الامیر فقد عصانی، اب اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ امیر کی اطاعت مکمل طور پر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے برابر اور اس کی نافرمانی آپ ﷺ کی نافرمانی کے برابر ہوگئی ہے۔

اگر یہ حدیث کہ میرے بعد ابو بکر وعمر کی اقتدا کرو، درست ہوسکتی ہے تو اس مضمون پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا کہ میرے بعد علی کی مان کر چلنا۔ بہر کیف یہ حدیث اوّل تو صحیح ہے، وگرنہ حسن تو بہر حال ہے۔ من فارقك والے لفظ نظر انداز بھی کردیں تب بھی من عصا علیا والے لفظ تو بہر حال ثابت ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت علیؓ کی مان کر چلنے کی ترغیب رسول اللہ ﷺ دے کر گئے ہیں۔

پہلے یہ بات کہی گئی تھی کہ علی کو ہدایت کی نشانی قرار دیا گیا ہے اور اسی کے تسلسل میں یہ روایات ہیں کہ حق، علیؓ کے ساتھ ہے۔ وہ ایک الگ بحث ہے کہ جن لوگوں نے حضرت علیؓ کے خلاف خروج کیا، ان کا کیا مرتبہ ہوگا؟ اس کی تاویل وتوجیہ اور ان کی غلط فہمی اور ان کی طرف سے عذر اور اجتہاد کیا تھا؟ وہ ایک الگ سوال ہے۔ اس پر اس طرح سے بات کرنا کہ ان کا مقام ومرتبہ بھی محفوظ رہ جائے، وہ ایک الگ بحث ہے۔ باتوں کو خلط نہیں کرنا چاہیے۔

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) چنانچہ اکثر محدثین نے ان کے تشیع کے باوجود ان کی توثیق کی ہے۔ امام احمد اور یحیی بن معین نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔ ابو حاتم نے کہا ہے صالح الحدیث۔ نسائی نے کہا ہے لیس بہ باس۔ خود ذہبی نے من تُکلِّم فیہ وھو موثق میں ذکر کیا ہے، یعنی ایسے راوی جن پر اگرچہ کلام کی گئی ہے، لیکن ان کی روایت قابل قبول ہے۔ سفیان خود جلیل القدر امام بھی ہیں اور ابو الحجاف کے شاگرد بھی ہیں، وہ انہیں زیادہ جانتے ہوں گے، اس لیے ان کی رائے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ ان کے بارے میں آتا ہے کان یوثقہ ویعظمہ، یعنی سفیان انہیں قابل اعتماد اور عظیم شخص قرار دیتے تھے۔ اسی طرح انہوں کہا وکان مَرْضیا، یہ پسندیدہ آدمی تھے۔ ان حضرات بالخصوص سفیان کی رائے کے مقابلے میں بعض متاخرین جیسے ابن عدی وغیرہ کی جرح مبہم (بغیر وجہ ذکر کیے) قابل قبول نہیں ہے، اس لیے اس حدیث کو بہت زیادہ بھی نیچے لایا جائے تو بھی حسن سے کم کسی صورت نہیں ہے، ذہبی کو بھی سند کے کسی راوی پر اشکال نہیں بلکہ انہیں حدیث کے لفظ عجیب لگ رہے ہیں۔ (اس لیے البانی کی یہ بحث کہ ذہبی نے کس راوی کی وجہ سے اس حدیث پر اعتراض کیا ہے، غیر متعلق ہے)

کسی عمل کا بذاتِ خود کوئی حکم ہونا اور بات ہے اور کسی متعین شخص پر حکم لگانا اور بات ہے۔ شراب پینا سخت گناہ ہے، لیکن کسی کو پتا ہی نہیں چلا کہ یہ شراب ہے، اس پر یہ حکم لاگو نہیں ہوگا۔ رمضان کا روزہ چھوڑنا سنگین گناہ ہے، بذاتِ خود اس پر وعیدیں ہیں، لیکن کسی کو پتا ہی نہیں چلا کہ چاند نظر آ گیا ہے اور رمضان شروع ہو گیا ہے، اس پر یہ وعیدیں صادق نہیں آئیں گی۔ یعنی بعض اوقات کسی چیز کا جو نفسِ حکم ہوتا ہے وہ کسی عذر کی وجہ سے بعض اوقات کسی شخص پر لاگو نہیں ہوتا۔ اس وقت ہمارے پیشِ نظر صرف یہ دیکھنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت علیؓ کو کس انداز سے حق وصداقت کی نشانی بنا کر پیش کر رہے ہیں؟

## ۷- اے اللہ حق اس کے ساتھ گھما دے

ایک اور حدیث ہے جو مشکوۃ المصابیح میں بھی ترمذی کے حوالے سے ہے، لیکن کافی ضعیف ہے اور وہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر، عمر، عثمان اور علی کے لیے دعا کی کہ: رَحِمَ اللّٰهُ اَبَابَكْرٍ زَوَّجَنِيْ ابْنَتَهُ، وَحَمَلَنِيْ إِلَى دَارِ الْهِجْرَةِ، وَاَعْتَقَ بِلَالاً مِنْ مَالِهِ، رَحِمَ اللّٰهُ عُمَرَ، يَقُوْلُ الْحَقَّ وَإِنْ كَانَ مُرًّا، تَرَكَهُ الْحَقُّ وَمَا لَهُ صَدِيْقٌ، رَحِمَ اللّٰهُ عُثْمَانَ، تَسْتَحْيِيْهِ الْمَلَائِكَةُ، رَحِمَ اللّٰهُ عَلِيًّا، اَللّٰهُمَّ اَدِرِ الْحَقَّ مَعَهُ حَيْثُ دَارَ[1]

اللہ ابوبکر پر رحم کرے، انہوں نے مجھے اپنی بیٹی نکاح میں دی، مجھے دارِ ہجرت لے گئے اور بلال کو اپنے مال سے آزاد کیا۔ اللہ عمر پر رحم کرے کہ وہ حق بات کہتا ہے چاہے کڑوی ہو۔ ان کے حق بات کہنے نے انہیں اس حال میں چھوڑا کہ ان کا کوئی دوست نہیں رہا۔ اللہ عثمان پر رحم کرے کہ اس سے ملائکہ بھی حیا کرتے ہیں۔ اللہ علی پر رحم کرے۔ اے اللہ حق کو اسی طرف پھیر دے، جس طرف وہ پھرے۔) اس حدیث کی سند خاصی ضعیف ہے۔

## ۸- علیؓ ہادی ہے

قرآنِ کریم میں سورۂ رعد میں ایک آیت ہے: إِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ

---

[1] ابوعیسی محمد بن عیسی الترمذی، سنن الترمذی، ت، بشار عواد معروف، ابواب المناقب، باب مناقب علی بن ابی طالب، رقم: ۳۷۱۴۔ امام ترمذی اس کے بارے میں کہتے ہیں: هٰذَا حَدِيْثٌ غَرِيْبٌ لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ

ھَادٍ (الرعد ۱۳:۷) (آپ ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کا ایک ہادی ہوتا ہے۔) اس آیت میں کسی متعین شخصیت کی بات نہیں ہو رہی، یہ ایک عمومی ضابطے کا بیان ہے کہ اللہ نے ہر قوم کے لیے ایک ہادی بنایا ہے۔ ایسا ہوتا ہے کہ آیت بعض اوقات عام ہوتی ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ یا صحابہ اس کے مصداق کے طور پر چند لوگوں کو ذکر کر دیتے ہیں، لیکن مطلب یہ نہیں ہوتا کہ آیت اس میں منحصر ہے۔

یہاں بھی اسی طرح کی ایک حدیث ہے۔ سعید بن جبیر، حضرت ابن عباس سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

انا المنذر و علی الھادی

(یہ حدیث سورۂ رعد کی مذکورہ تفسیر میں کئی کتب تفسیر میں آئی ہے جیسے تفسیر الطبری، تفسیر ابن کثیر، ابن جوزی کی تفسیر التسہیل لعلوم التنزیل، تفسیر روح المعانی وغیرہ)

(میں منذر ہوں اور علی ہادی ہیں۔) یہاں ہادی کا لفظ عام ہے۔ اس سے مراد حضرت علی نہیں ہیں، گذشتہ امتوں میں بھی جو ہادی آئے ہیں، وہ بھی اس میں شامل ہیں، آج بھی جو لوگ انسانیت کے لیے ہدایت کا ذریعہ بن رہے ہیں، اس میں شامل ہیں، لیکن حضرت علی کے بارے میں اگر یہ کہا اور انہوں اس کے مصداق کے طور پر ذکر کیا تو اس سے یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ یہ بات حضرت علی کے خاص اوصاف میں سے ہے۔ اس کی سند پر کچھ کلام ہے، لیکن بحیثیت مجموعی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حسن سے کم نہیں ہے۔ میں نے حدیث کے سافٹ ویئر جوامع الکلم میں اسے دیکھا جس سے اندازہ ہوا کہ کل تیرہ سندوں کے ساتھ یہ حدیث منقول ہے جن میں سے دس ضعیف ہیں اور تین حسن ہیں۔

اس ساری بحث سے ثابت ہوا کہ حضرت علیؓ کے اوصاف میں ان کا ہادی ہونا اور حق کی نشانی ہونا بہت بڑی خصوصیت ہے اور یہ چیز ایسی ہے کہ اس سے آپ خلفاے ثلاثہؓ کی خلافت بھی ثابت کر سکتے ہیں اور حضرت علیؓ کی خلافت کو بھی۔ حضرت علیؓ کے حق کی نشانی ہونے کے مقدمے کو سنی بھی مانتا ہے اور شیعہ بھی مانتا ہے۔ اس سے یہ ماننا پڑے گا کہ جو حق کی نشانیاں ہیں، انہیں علیؓ نے بھی مانا، اس لیے علیؓ کی اس معاملے میں اتباع ضروری ہے۔ معتدل اہل سنت تو مکمل طور پر علیؓ کے ساتھ ہیں۔ بہرحال یہ ان ساری

احادیث کا لب لباب ہے اور جیسا کہ ہم نے دیکھا یہ ساری حدیثیں اپنے معنی اور مضمون کے اعتبار سے ایک دوسرے کی تائید وتصدیق کر رہی ہیں۔

## ۹- حدیث غدیر سے حدیث ام سلمہ وغیرہ کی تائید

ایک حدیث حضرت ام سلمہ کی پہلے نقل کی گئی حدیث علی مع القرآن کے سلسلے میں ہے۔ اس کے ساتھ ایک اور حدیث ملا کر دیکھی جاسکتی ہے اور وہ بڑی مشہور حدیث ہے جسے ''حدیثِ غدیر'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اسے مستقل موضوع بنا کر بات کرنے کی ضرورت ہے، لیکن یہاں تھوڑا سا اشارہ کروں گا۔ امید ہے اشارے سے بات واضح ہو جائے گی، کیوں کہ خصوصیت کے ساتھ حضرت علی کی خلافت کے بارے میں بھی حدیثیں موجود ہیں، ان کی طرف ہم نے آنا ہے۔ حدیث یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع سے واپسی کے موقع پر غدیرِ خُم جگہ پر ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں دو تین باتیں ارشاد فرمائیں۔ مثلاً ایک بات یہ ارشاد فرمائی: من کنت مولاہ فعلی مولاہ[1] (جس کے لیے میں مرکزِ محبت ہوں (یہ اسمِ ظرف ہے) علی بھی اس کے لیے محبت کا مرکز ہے) ولاء محض محبت کو نہیں کہتے بلکہ یہ محبت سے ذرا آگے کی چیز ہے، یعنی کسی کی پارٹی کا حصہ ہونا اور اہلِ سنت والجماعت کی ایک ہی پارٹی ہے، جدھر علی، ادھر سنی۔

حدیثِ غدیر میں آنحضرت ﷺ نے کچھ اور باتیں بھی ارشاد فرمائیں۔ یہ فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ اگر تم انہیں تھامے رکھو گے تو کبھی گم راہ

---

[1] حدیثِ غدیر کئی کتبِ حدیث میں موجود ہے۔ مولانا محمود اشرف عثمانی اس کی سند کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''راجح قول کے مطابق حدیث صحیح ہے اور متعدد طرق سے مروی ہے جن میں سے بعض اسانید اصطلاحاً ''صحیح'' اور بعض ''حسن'' کے درجے کی ہیں اور متعدد طریق سے مروی ہونے کی بنا پر یہ حدیث مشہور کے زمرہ میں داخل ہو جاتی ہے۔'' (محمود اشرف عثمانی، عقیدۂ امامت اور حدیثِ غدیر (لاہور: ادارہ اسلامیات، 1996ء)، 47۔ یہاں یہ بات پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ خطبۂ غدیر کے دو حصے ہیں جنھیں ''حدیثِ ثقلین'' اور ''حدیثِ موالات'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں بعض جگہ اکٹھے اور بعض جگہ الگ الگ آتے ہیں اور دونوں محدثانہ نقطۂ نظر کے مطابق ثابت ہیں۔

نہیں ہو گے: ایک کتاب اللہ ہے اور ایک میری عترت میرے اہل بیت ہیں۔ یہ حدیث متعدد صحابہ سے منقول ہے اور صحیح حدیث ہے بلکہ متعدد حضرات نے اسے متواتر یا حدیث مشہور بھی قرار دیا ہے۔

صحیح مسلم میں خطبۂ غدیر کا ذکر ہے، لیکن اس میں وہ الفاظ (الفاظ موالات) موجود نہیں ہیں، جو اوپر ذکر ہوئے، البتہ اس میں یہ الفاظ آتے ہیں:

اَنَا تَارِكٌ فِيكُمْ ثَقَلَيْنِ: اَوَّلُهُمَا كِتَابُ اللهِ فِيهِ الْهُدَى وَالنُّورُ فَخُذُوا بِكِتَابِ اللهِ وَاسْتَمْسِكُوا بِهِ " فَحَثَّ عَلَى كِتَابِ اللهِ وَرَغَّبَ فِيهِ. ثُمَّ قَالَ: وَاَهْلُ بَيْتِي اُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي اَهْلِ بَيْتِي. اُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي اَهْلِ بَيْتِي. اُذَكِّرُكُمُ اللهَ فِي اَهْلِ بَيْتِي فَقَالَ لَهُ حُصَيْنٌ: وَمَنْ اَهْلُ بَيْتِهِ؛ يَا زَيْدُ اَلَيْسَ نِسَاؤُهُ مِنْ اَهْلِ بَيْتِهِ؛ قَالَ: نِسَاؤُهُ مِنْ اَهْلِ بَيْتِهِ. وَلَكِنْ اَهْلُ بَيْتِهِ مَنْ حُرِمَ الصَّدَقَةَ بَعْدَهُ قَالَ: وَمَنْ هُمْ؛ قَالَ: هُمْ اٰلُ عَلِيٍّ وَاٰلُ عَقِيلٍ، وَاٰلُ جَعْفَرٍ، وَاٰلُ عَبَّاسٍ قَالَ: كُلُّ هٰؤُلَاءِ حُرِمَ الصَّدَقَةَ؛ قَالَ: نَعَمْ.

(صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابۃ، باب من فضائل علیؓ بن ابی طالب، رقم: ۲۴۰۸)

رسول اللہ ﷺ نے اس خطبے میں فرمایا میں تمہارے اندر دو وزنی چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ ان میں سے پہلی کتاب اللہ ہے، جس میں نور اور ہدایت ہے۔ لہذا کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامے رکھو، پھر آپ نے اسی کی تفصیل کرتے ہوئے کتاب اللہ کی ترغیب پر گفت گو فرمائی۔ پھر فرمایا میرے اہل بیت ہیں، میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں اللہ کی یاد دہانی کراتا ہوں، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کی یاد دہانی کراتا ہوں، میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ کی یاد دہانی کراتا ہوں۔ اس پر حصین بن سبرہ نے حضرت زید بن ارقمؓ سے پوچھا، آپ ﷺ کے اہل بیت کون ہیں، کیا آپ کی بیویاں اہل بیت میں داخل نہیں؟ حضرت زید بن ارقمؓ نے فرمایا (ویسے تو) آپ کی بیویاں بھی آپ کے اہل بیت میں شامل ہیں (لیکن یہاں اس خطاب میں اہل بیت سے مراد کچھ اور ہیں) اہل بیت وہ ہیں جنھیں زکوۃ سے محروم رکھا گیا ہے۔ حصین نے پوچھا وہ کون ہیں آپ نے فرمایا علی، عقیل، جعفر اور عباس کی اولاد ہیں۔ انہوں نے کہا کیا ان سب پر صدقہ حرام کیا گیا ہے؟ فرمایا جی ہاں!

## حدیثِ غدیر کا انکار درست نہیں

اس حدیث پر آج کل بعض لوگوں کی طرف سے بڑی بحث کی گئی ہے۔ قریب زمانے کے بعض سنی علما نے اس پر اس انداز سے بحث کی ہے کہ محدثانہ اعتبار سے وہ مناسب بحث نہیں ہے؛ گویا ایک طرح سے حدیث کے انکار کی کوشش ہے۔ ان کا مقصد درست ہے۔ وہ درحقیقت یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اہلِ تشیع کا اس حدیث سے امامت ثابت کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ یہ بات تو واقعی ٹھیک ہے کہ اس حدیث سے واقعتاً اس طرح کی امامت ثابت نہیں ہوتی، لیکن اس کے لیے اس حدیث کا انکار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ حدیث میں کہا گیا ہے کہ میرے اہلِ بیت کو لازم پکڑو۔ اب اہلِ بیت کون ہیں؟ اہلِ بیت کے مختلف مفہوم آپ لے سکتے ہیں لیکن جو بھی مفہوم لیں اس سے بارہ ائمہ کی مزعومہ امامت ثابت نہیں ہوتی۔

## حدیثِ غدیر سے شیعہ کا نظریۂ امامت ثابت نہیں ہوتا

حضرت زید بن ارقمؓ نے صحیح مسلم کی روایت میں تھوڑی سی وضاحت کی ہے، لیکن اس کی تفصیل کو ترک کیا جاتا ہے، خلاصہ اس کا یہ ہے کہ زید بن ارقم کے نزدیک اہل بیت سے مراد رسول اللہ ﷺ کا عشیرہ اور قبیلہ ہے جس کے افراد پر زکوۃ لینا حرام ہے، یعنی بنو ہاشم کے کچھ خان دان۔ اس کی مزید وضاحت یا تخصیص کرتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ اس سے آپ کے عشیرہ کے وہ افراد مراد ہیں جو اُس دور میں موجود تھے یا بعد کے بہت قریب دور میں تھے، اس لیے کہ مقصدِ حدیث رسول اللہ ﷺ کے بعد کے کچھ عرصہ میں اہلِ بیت کے ساتھ جو کچھ ہونے والا تھا اس سے منع کرنا تھا۔ اس لیے ان خان دانوں کے قیامت تک کے لوگ مراد نہیں ہیں۔ چونکہ اہل بیت کے ساتھ لفظ عترت یعنی نسل اور اولاد کا آتا ہے اس لیے اس کا دائرہ مزید محدود کر کے کہ سکتے ہیں وہ اہلِ کساء ہیں، یعنی جن کو چادر میں لے کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا تھا۔ یعنی حضرت فاطمہ، حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین۔ خواہ یہاں آپ کا عشیرہ مراد لیں یا آپ کی عترت، اس میں دو احتمال ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ عہد رسالت میں موجود حضرات کی بات ہو رہی ہے یا قیامت تک ان کی نسل کے لوگوں کی۔

اگر پہلا مفہوم مراد لیں تو پھر حضرت فاطمہ کو بھی امام ہونا چاہیے۔ علی بھی امام ہیں

اور علی کے زمانے میں حضرت حسن، حسین کو بھی امام ہونا چاہیے اگر اس سے امامت ثابت ہو رہی ہے۔ اس تشریح کے مطابق سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ اس میں علی و حسنین، تین افراد کی امامتیں تو ثابت ہوئیں، لیکن باقی نو کی امامتیں کہاں گئیں؟ اگر اس سے مراد قیامت تک رسول اللہ ﷺ کی نسل ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی آپ کی نسل سے ہے، اسے معصوم مان لیا جائے، حالاں کہ یہ بات بداہتاً غلط ہے۔ اس لیے حدیث کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا۔ پھر سوال یہ بھی ہے کہ امام جعفر صادق مثلاً ان کے ہاں امام ہیں، ان کے زمانے میں ان کے بھائی بھی موجود تھے، ان کے عم زاد بھی موجود تھے۔ وہ بھی عترتی اور اہل بیتی کے مفہوم میں آتے ہیں۔

وہ امام کیوں نہیں ہیں؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ امامت آپ کہیں اور سے ثابت کر رہے ہیں اور نام اس حدیث کا لے رہے ہیں۔ بہر حال اس حدیث کا بارہ اماموں کے تصور کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں بنتا، اس لیے اہل تشیع کا رد کرنے کے لیے اس حدیث کا انکار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

## حدیثِ غدیر کے حوالے سے ایک اشکال اور اس کا ازالہ

اس حدیث پر ایک اشکال اس دور کے بعض علما کو ہوا ہے (یہ اشکال پہلے نہیں ہوا)، وہ یہ کہ اس حدیث میں لفظ 'تمسک' آیا ہے۔ اگر اہل بیت کے لیے بھی 'تمسک' مان لیا جائے تو پھر اس کا مطلب ہے وہ بھی شریعت میں حجت ہیں اور یہ اللہ کے رسول ﷺ کے بعد کسی کو حجت ماننے والی بات ہے۔ اگر ایسا ہی ہے تو اس کا ذکر قرآن میں ہونا چاہیے تھا۔ یہ سوال ہمارے بعض مناظر علما نے اٹھایا ہے؛ تاہم میں یہاں توجہ ایک اور حدیث کی طرف دلاؤں گا اور وہ حدیث بھی صحیح ہے۔ حدیث غدیر کی طرح صحیح مسلم میں تو نہیں ہے، لیکن باقی کتابوں مثلاً ترمذی، ابوداود، ابن ماجہ وغیرہ میں ہے۔

وہ عرباض بن ساریہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا جس سے دلوں میں خوف پیدا ہو گیا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ، یہ تو لگ رہا ہے کہ آپ اس دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں، تو اب ہم نے کیا کرنا ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر کچھ باتیں ارشاد فرمائیں۔ ایک بات یہ تھی: علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین. تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ. اگر تمسك کے ساتھ 'علیکم' اور 'عضوا علیها بالنواجذ' کے دو تاکیدی الفاظ خلفاے راشدین کے بارے میں بولے جا رہے ہیں، جو کہ غیر نبی ہیں تو اگر وہاں اشکال نہیں ہے تو یہاں کیوں اشکال ہے؟ اگر وہ بات قرآن میں ہونا ضروری تھی تو یہ بات بھی قرآن میں ہونی چاہیے۔ اصل میں یہ دونوں باتیں رسول اللہ ﷺ نے اہل بیت اور خلفاے راشدین کے لیے بطور مصادر شریعت بیان ہی نہیں کی ہیں۔

خلفاے راشدین حجت ہیں، اس لیے کہ وہ کبار فقہاے صحابہ میں سے ہیں، ورنہ فقہِ حنفی میں کئی ایسے فیصلے موجود ہیں، جن میں خلفاے راشدین کے قضایا موجود ہیں، لیکن حنفیہ نے اختیار نہیں کیے اور ترجیح کسی اور کو دی ہے۔ وہ خلفاے راشدین کے فیصلوں کو باقی دلیلوں کے ساتھ ملا کر دیکھتے ہیں، صرف اسی کو لے کر باقی دلائل کو نظر انداز کر دیں، ایسا نہیں ہوتا۔ مثلاً معتدۃ الطہر ہے، یعنی وہ عورت جو ہے تو بالغ لیکن اس عمر کو نہیں پہنچی جس میں مخصوص ایام آنا بند ہو جاتے ہیں۔ درمیانی عمر میں ماہواری آنے کا سلسلہ رک گیا۔ اگر ماہواری آ رہی ہوتی تو طلاق کی صورت میں اس کی عدت ماہواری کے حساب سے ہوتی، اب اس کی عدت کیسے گزرے گی۔ اس میں حضرت عمر کا فتویٰ موجود ہے کہ وہ نو مہینے گزارے گی، اگر اس دوران میں اس کا حمل واضح ہو جائے تو بچے کی ولادت سے اس کی عدت ختم ہو گی، اگر نو مہینے میں حمل واضح نہ ہو تو تین مہینے مزید گزار لے گی تو اس کی عدت پوری ہو جائے گی۔ جب کہ حنفیہ کہتے ہیں کہ جب تک وہ سنِ ایاس (ماہ واری بند ہونے کی عمر) تک نہیں پہنچتی، مثلاً پچیس سال کی عمر میں حیض رک جائے اور طلاق بھی ہو جائے، تو اسے سنِ ایاس تک جانا ہو گا، پھر تین مہینے کی عدت گزارے گی۔ اگرچہ بعد کے حنفیہ نے اس میں مالکیہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے۔ مالکیہ کا قول حضرت عمر کے مطابق ہے، لیکن حنفیہ نے یہ کہا ہے کہ قرآن میں چوں کہ دو ہی عدتیں ہیں: یا تو ثلثة قروء (تین ماہواریاں) ہے یا ثلثة اشهر (تین ماہ) ہے جو حیض سے ناامید ہو جانے والیوں کی عدت ہے، اس لیے ان دو کے علاوہ کوئی اور عدت نہیں ہے۔

بات دراصل یہ ہے کہ یہ دونوں حدیثیں رسول اللہ ﷺ کے بعد آنے والے واقعات کے حوالے سے ہیں۔ یا یوں کہہ لیجیے کہ سیاسی معاملات کے حوالے سے ہیں۔ سیاسی حوالے سے خلفاے راشدین کی ایک خاص نوعیت کی حجیت ہے، اس لیے کہ ان کی خلافتوں کے ذریعے متعدد مقاصدِ نبوت کی تکمیل مقصود تھی؛ چناں چہ عرباض بن ساریہ کی روایت کے الفاظ ہیں: فقلنا یا رسول اللہ وعظتنا موعظۃ مودع فما ذا تعھد إلینا؟ قال: اوصیکم بتقوی اللہ. لقد ترکتم علی البیضاء. لیلُھا کنھارھا لا یزیغ عنھا بعد ومن یعش منکم بعدی فسیری اختلافا کثیرا (حوالہ آگے آرہا ہے) اور رسول اللہ ﷺ کے بعد کے اختلافات اعتقادی نہیں تھے، فلاں جبری ہے، فلاں قدری۔ یہ اعتقادی اختلافات تو بہت بعد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی دور کے اختلافات جن کے اثرات اب تک برقرار ہیں سیاسی نوعیت کے تھے۔ تو آپ نے فرمایا کہ میرے بعد جسے زندگی ملی وہ کئی اختلافات دیکھے گا، ان اختلافات میں معیار کیا ہوگا، آپ نے فرمایا: فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین، تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ. وإیاکم و محدثات الامور. وإن کل محدثۃ بدعۃ وکل بدعۃ ضلالۃ واوصیکم بالسمع والطاعۃ وإن امر علیکم عبد حبشی. (صہیب عبد الجبار کی کتاب الجامع الصحیح للسنن والمسانید (۱: ۳۴۹) میں اس حدیث کا جامع متن دیکھا جاسکتا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو: وہی مصنف، المسند الموضوعی الجامع للکتب العشرۃ، ۱: ۲۷۴)

اس حدیث کا پورا سیاق دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سیاسی پہلو زیادہ اہم ہے کہ خلفاے راشدین کو لازم پکڑنا اور صرف ان کے زمانے میں ہی نہیں، بلکہ بعد میں بھی اور اگر اچھی حکم رانی کرنی ہے تو تمہارے سامنے نمونہ خلفاے راشدین ہیں۔ اسی طرح ان اختلافات کے بارے میں بھی جب بھی رائے قائم کرنی ہو خلفاے راشدین کے طریقے کو مدنظر رکھو۔ حضرت علی بھی خلیفہ راشد ہیں؛ اس لیے ان کی سنت بھی حجت اور اس کے لزوم کا حکم ہے، فقہ کے بعض ابواب میں فقہا نے حضرت علی کو خصوصی طور پر اسوہ قرار دیا ہے۔

## حدیثِ غدیر سے مستفاد دو امور

ضمناً یہ بات واضح کرنا مقصود تھی کہ حدیث غدیر میں 'تمسک' کا لفظ کوئی اتنا بڑا

سوال نہیں ہے، لیکن اس سے ہٹ کر دو باتیں حدیثِ غدیر سے واضح طور پر سمجھ میں آتی ہیں، جن سے اہل سنت میں سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔

ایک یہ کہ اگر تمسک سے لازم پکڑنے کا معنیٰ لیں، تو تمام اہلِ بیت (قیامت تک رسول اللہ ﷺ کی اولاد) مراد نہیں ہیں، بلکہ اس سے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جو موجود تھے، وہ مراد ہیں، یعنی اہلِ کساء۔ لہٰذا رسول اللہ ﷺ گویا یہ کہہ رہے ہیں کہ جدھر یہ ہوں، تم نے ادھر رہنا ہے۔ کئی احادیث میں پہلے بیان کر چکا ہوں، جن سے یہ واضح ہے کہ خاندانِ رسول ہدایت کی علامت ہے اور حدیثِ غدیر سے بھی یہی بات نکل رہی ہے کہ یہ شخصیات ہیں، جنھیں لازم پکڑو۔ ان کے بارے میں گویا یہ ضمانت ہے کہ یہ غلطی پر نہیں ہوں گے۔ اختلافات میں یہ بھی ایک نشان تھا۔ اگر یہ بات کہ اختلافات میں خلفاے راشدین کو حق کی نشانی کہا جاسکتا ہے اور اس سے نہ ختمِ نبوت پر کوئی اثر پڑتا ہے، نہ قرآن میں نہ ہونے کا اشکال ہوتا ہے، تو وہی بات بعینہٖ اگر ان چند شخصیات کے بارے میں کہہ دی جائے کہ ان سے تمسک کرو، یہ قرآن سے الگ نہیں ہوں گے تو اس پر بھی کوئی اشکال نہیں ہونا چاہیے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث میں اہلِ بیت کے حقوق کا بیان ہے۔ اس حدیث میں ان حقوق کی نزاکت کو بیان کیا گیا ہے۔ اذکرکم اللہ فی اھل بیتی، اذکرکم اللہ فی اھل بیتی، اذکرکم اللہ فی اھل بیتی۔ بہت تاکید کے ساتھ رسول اللہ ﷺ بار بار کہہ رہے ہیں کہ میں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں تمھیں اللہ کی طرف توجہ دلاتا ہوں، اللہ کا خوف دلاتا ہوں۔ تو کیا یہ ان کے حقوق کا خیال رکھنا شمار کیا جائے گا کہ وہ جس وقت اپنے آپ کو بطور خلیفہ پیش کر رہے ہیں (جو انہوں نے ابوبکر، عمر و عثمان کے زمانے میں نہیں کیا، بلکہ جب لوگوں نے خود بطور خلیفہ بیعت کی اور بیعت ہوگئی اور اس کے بعد اپنے آپ کو بطور خلیفہ پیش کیا[1]، تو اس وقت بھی آپ ان کا ساتھ دینے اور اطاعت کو ایک امرِ مطلوب سمجھنے کے لیے تیار نہ ہوں تو کیا یہ اذکرکم اللہ فی اھل بیتی پر عمل بنتا ہے؟

---

[1] آگے آئے گا کہ امام احمد نے حضرت علی کی خلافت کی حقانیت پر اس بات کو اہم دلیل کے طور پر پیش کیا ہے کہ پہلوں کی اطاعت کی اور اب خود کو خلیفہ کے طور پر پیش کر رہے ہیں (عہد علوی کے داخلی قتال کے عنوان سے ذرا پہلے امام احمد کی یہ بات آرہی ہے)۔ یہی بات بہت تفصیل سے حضرت نے بصرہ کے ایک خطبہ میں ارشاد فرمائی، جس کا ذکر داخلی قتال کی بحث کے آخر میں آئے گا۔

اسی طرح یہ بات بھی اہم ہے کہ دور صدیقی، دور فاروقی اور دور عثمانی میں کہیں نہیں ملتا کہ حضرت علیؓ نے اس حدیث کا کسی بھی سیاق میں حوالہ دیا ہو یا بطور دلیل پیش کیا ہو، البتہ خود اپنے دور خلافت میں حضرت علیؓ نے اس حدیث کی طرف توجہ دلائی اور اس پر بعد میں مسلمان ہونے والوں کے سامنے شہادتیں پیش کیں۔ ابو الطفیل، جو سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی ہیں وہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے لوگوں کو کوفے کے میدان میں جمع کیا اور اللہ کا واسطہ دے کر فرمایا کہ تم میں سے جس نے غدیر کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد سنا ہو کہ میں جس کا مولی ہوں علی بھی اس کا مولی ہے وہ کھڑا ہو جائے، چناں چہ اس مجلس میں تیس صحابہ نے کھڑے ہو کر اس بات کی گواہی دی۔

(احمد بن حنبل، فضائل الصحابۃ (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۹۸۳ء) ۲: ۶۸۲، رقم: ۱۱۶۷)

اس طرح کا واقعہ متعدد حضرات حضرت علیؓ سے روایت کر رہے ہیں۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کا واقعہ متعدد بار پیش آیا ہے۔ مسند احمد کی ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے بارہ بدری صحابہ نے گواہی دی کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے ارشاد خود سنا ہے۔

(مسند احمد، رقم: ۶۷۰)

علامہ ہیثمی نے یہ روایت مسند احمد ہی کے حوالے سے نقل کر کے کہا ہے:

رجالہ ثقات. (ہیثمی، مجمع الزوائد، کتاب المناقب، باب قولہ من کنت مولاہ الخ، رقم: ۱۴۶۲۴) زید بن یثیع کی ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ حضرت علیؓ پر بعض لوگوں کے کچھ اعتراض کیے تو اس موقع پر بھی حضرت علی نے ممبر پر لوگوں سے اس حدیث کے بارے میں شہادت لی۔ (ابن ابی شیبہ، الکتاب المصنف فی الاحادیث والآثار، کتاب الفضائل، فضائل علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، رقم: ۳۲۰۹۱)

حضرت علیؓ اپنے دور خلافت میں خود پر ہونے والے اعتراضات کے سیاق میں اور اپنی حمایت میں یعنی اپنی صحت کی دلیل کے طور پر اس حدیث کو پیش کر رہے، جب کہ پچھلے ادوار میں وہ اس انداز سے یہ حدیث پیش کرتے ہوئے نظر نہیں آتے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ بات کہاں منطبق ہوتی ہے اور کہاں منطبق نہیں ہوتی۔ اہل تشیع کا دعوی ہے کہ وفات نبوی کے فوراً بعد اس حدیث کے خلاف عمل شروع ہو گیا تھا، لیکن خود

حضرت علیؓ کا طرز عمل بتا رہا ہے کہ اہل تشیع کا یہ دعویٰ غلط ہے۔ دوسری طرف بعض لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اگر یہ حدیث ماننی بھی پڑے تو گھما پھرا کر اسے ایسا الجھا دیا جائے کہ حدیث کے صرف لفظ رہ جائیں، اس کا کوئی عملی تقاضا، کوئی مصداق اور کسی امر واقعہ پر انطباق کی کوئی شکل باقی نہیں نہ رہے، جب کہ حضرت علیؓ کا انداز بتا رہا ہے کہ اس حدیث سے پہلے تین خلفا کی خلافت کی نفی کرنا جس طرح غلط ہے، اسی طرح خود حضرت علیؓ کے دور میں ان پر کیے جانے والے اعتراضات کا رد اس حدیث سے کرنا درست ہے اور یہ امر حدیث کے مفہوم میں داخل ہے۔

یہ درست ہے کہ بعض صحابہ اس وقت حالات کی گرد کی وجہ سے بعض حقیقتوں کا ادراک نہ کر سکے، بعض باتوں کی طرف ان کی توجہ مبذول نہ ہو سکی، اہل السنت والجماعت نے ہمیشہ ان کے لیے التماسِ عذر کا راستہ اختیار کیا ہے کہ ان کا عذر تلاش کر لیا جائے، لیکن یہ عذر اس وقت کے حالات کے ابہام کی وجہ سے تھا، اٹھنے والی گرد کی وجہ سے تھا (جیسا کہ مشاجرات کے عنوان کے تحت مزید وضاحت کریں گے کہ جب واقعات ہو رہے ہوتے ہیں اس وقت درست نتیجے تک نہ پہنچنے میں آدمی معذور ہوتا ہے)۔ حضرت عائشہ کو ان واقعات کے بعد طویل عرصہ حیات نصیب ہوئی اور ان سے رجوع کی واضح روایات ثابت ہیں۔ اب اس طرح کا کوئی ابہام موجود نہیں ہے۔

یہ لوگ اس زمانے میں نصرت اور مدد کے مستحق تھے۔ اس حدیث سے یہ بات تو ثابت ہوتی ہے، جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت علی خلیفۂ وقت تھے، وہ کہتے ہیں میری مدد کرو۔ آپ کہتے ہیں بس علی ویسے ہی کہہ رہے تھے، اس کی خاص ضرورت نہیں تھی، الجھاؤ کا وہ خاص مرحلہ گزرنے کی بعد یہ بات کہنا حدیثِ غدیر وغیرہ کے تقاضوں سے بالکل مطابقت نہیں رکھتی۔ بات ذرا لمبی ہو گئی۔

اصل مقصود یہ عرض کرنا تھا کہ پہلے حضرت ام سلمہ کی ایک حدیث گزری ہے جس میں یہ فرمایا گیا ہے: علی مع القرآن والقرآن مع علی لن یتفرقا حتی یردا علیّ الحوض. کہ قرآن اور علی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے، اس کی تائید حدیث غدیر سے بھی ہو رہی ہے، اس لیے کہ اس موقع پر بھی رسول اللہ ﷺ نے اور باتوں کے

علاوہ یہ بھی فرمایا کہ میری عترت اور قرآن ایک ساتھ رہیں گے، ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوں گے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ حدیثِ غدیر کا موضوع نہ تو اپنے فوری بعد خلافت یا امامت کا اعلان کرنا ہے کہ یہ مقصود ہوتا تو واضح لفظ اسی سے متعلق ہوتے، نہ ہی مصادرِ شریعت کا بیان یہاں مقصود ہے کہ شریعت کے مسائل کن دلائل سے اخذ کرنے ہیں، اسی لیے حضرت علیؓ نے وضاحت سے یہ فرمادیا کہ ہم بھی انہیں دلائل کے پابند ہیں جن کی باقی امت پابند ہے یعنی قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی حدیث۔

اگر یہاں مصادرِ شریعت کا بیان مقصود ہوتا تو اس کی بہتر جگہ خطبہ حجۃ الوداع تھی۔ خود ان حضرات نے کبھی یہ دعوی نہیں کیا کہ ہمیں بذاتِ خود مصدرِ شریعت بنایا گیا ہے، بلکہ جب بھی استدلال کیا، عام ادلۂ شرعیہ سے ہی کیا۔ اس حدیث کا اصل مقصود جیسا کہ متعدد علماے اہل السنت نے من کنت مولاہ فعلی مولاہ سے خلافت بلافصل پر استدلال کے رد میں بیان کیا ہے، وہ یہ ہے کہ ایسے بعض واقعات پیش آچکے تھے کہ کچھ لوگوں نے خدا واسطے کی مد میں حضرت علی کے بارے میں باتیں شروع کردیں تھی۔ ان باتوں کا سرچشمہ منافقین ہوں گے، اس لیے کہ بغضِ علی کو نفاق کی علامت قرار دیا گیا ہے، اور منافقین اس دور میں موجود تھے۔ کبھی ایسا بھی ہوجاتا ہے کہ منافقین کی اڑائی ہوئی بات سے سیدھے سادے مخلصین بھی متاثر ہوجاتے ہیں، جیسا کہ واقعہ افک میں ہوا۔ اگر کوئی مخلص صحابی اس طرح کی بات سے متاثر ہوا بھی تو رسول اللہ ﷺ کے ایک آدھ جملہ فرمانے سے ہی ان کا ذہن درست ہوگیا۔

رسول اللہ ﷺ کو یہ بھی علم یا اندازہ تھا کہ میرے بعد بھی میرے خاندان سے خدا واسطے کے بیر کی یہ بیماری، جسے بعد میں ناصبیت کا نام دیا گیا، موجود رہے گی۔ صحیح البخاری میں حضرت ابو بکر صدیق کا ارشاد آتا ہے ارقبوا محمدا ﷺ فی اھل بیتہ، رسول اللہ ﷺ کے خانوادے کے بارے میں خود آپ کی ذاتِ مبارکہ کو مدنظر رکھو، غالبا حضرت صدیق اکبرؓ، رسول اللہ ﷺ کے اس نوعیت کے ارشادات ہی کی طرف متوجہ فرمانا چاہ رہے ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ حضرت ابو بکر نے جو یہ بات ارشاد فرمائی تو اس کی کوئی وجہ محسوس کی ہوگی۔

اب ظاہر ہے جو حضرت علی یا ان کے خاندان پر اعتراض کرے گا وہ یہ کہہ کر تو نہیں کرے گا کہ مجھے ان سے کوئی بیر ہے، بلکہ اس کے لیے کوئی خوب صورت عنوان ہی اختیار کرے گا کہ جی یہ تو فلاں فلاں غلطیوں کے مرتکب ہوئے ہیں، ان کا مقام بہت اونچا سہی ہم ان کی مخالفت ان کی فلاں غلطیوں کی وجہ سے کر رہے ہیں، چناں چہ آنحضرت ﷺ کے سامنے حضرت علی پر اعتراض یہ کہہ کر کیا گیا کہ انہوں نے خمس کے معاملے میں فلاں غلطی کی ہے، آپ ﷺ نے اعتراض کو غلط اور حضرت علی کے عمل کو درست قرار دیا۔ تو اس پس منظر میں رسول اللہ ﷺ نے جہاں اور باتیں ارشاد فرمائیں یہ بھی گارنٹی دی کہ یہ قرآن کے ساتھ رہیں گے، جو انہیں قرآن سے ہٹا ہوا سمجھیں گے یا غلط کار کہیں گے، غلطی ان کی اپنی ہوگی۔

اگر حدیثِ غدیر کا یہ پس منظر ذہن میں ہو کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی زندگی میں اور اس سے بھی زیادہ اپنے بعد علی اور ان کے خاندان پر اعتراضات ہوتے نظر آرہے تھے تو ایک طرف تو اس سے اہل تشیع کی طرف سے پیدا کی گئی بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں دوسرے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں عترت اور اہل بیت سے مراد سارے اہل بیت اور قیامت تک کی ساری نسل نہیں ہے، بلکہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں آپ ﷺ کو اپنے زمانے اور اس سے اگلے زمانے میں لوگوں کے اعتراضات کے خدشات تھے۔ اس کو سمجھنے کی آسانی کے لیے کہہ سکتے ہیں کہ مراد عترت کے وہ افراد ہیں جو عہد رسالت میں موجود تھے۔ یا یوں کہہ لیجیے کہ یہاں اہل کساء کی بات ہو رہی ہے۔ اہل کساء میں خود رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ پر اعتراض کر کے ایمان ہی نہیں بچتا۔ حضرت فاطمہ کا رسول اللہ ﷺ کے فوراً بعد وصال ہو گیا تھا، نیز خاتون کا سیاسی معاملات سے تعلق نہیں ہوتا۔ اب زیادہ تر اعتراضات حضرت علی اور حضرات حسنین پر کیے گئے ہیں۔ حتی کہ حضرت حسن نے جب حضرت معاویہ سے صلح کی تو اس عظیم قربانی کی ستائش کے بجائے بعض لوگوں نے حضرت حسن کو بہت سخت سست کہا۔ تو رسول اللہ ﷺ دنیا سے جاتے ہوئے یہ بتا کر گئے ہیں کہ تمہیں کوئی کہے کہ علی، حسن یا حسین نے فلاں قدم غلط اٹھایا ہے تو سمجھ لینا کہنے والے کو غلطی لگی ہوگی، یہ لوگ قرآن سے کبھی جدا نہیں ہوں گے۔

تقریباً ان آٹھ نو احادیث سے بطور قدر مشترک یہ بات نکلتی ہے کہ جس طرح متعدد صحابہ کی مختلف خصوصیات بیان کی گئی ہیں، حضرت علی کی اہم صفت آپ کا ہادی ہونا ہے۔ حضرت عمر نے جب اپنے بعد خلافت کا فیصلہ کرنے کے لیے چھ آدمیوں کی تعیین فرمائی تو بعض روایات کے مطابق سب کے بارے میں کچھ مختصر تبصرے بھی فرمائے، حضرت علی کے بارے میں فرمایا کہ اگر انہیں والی بنایا گیا تو لوگوں کو صراط مستقیم پر لے کر چلیں گے۔ حضرت علی کے اس خاص وصف پر احادیث، اقوال صحابہ اور بزرگان دین کے اقوال کی روشنی میں مستقل کام ہوسکتا ہے۔

(عنوان ''حضرت علی کے ہادی ہونے کے حوالے سے بعض احادیث'' کے تحت شروع شروع میں ایک حاشیے میں اس کا حوالہ گزر چکا ہے۔ نیز حضرت عمر کے خطبہ کے تحت بھی فتح الملہم کا حوالہ گزر چکا ہے)

## ۴.....خلافت علیؓ سے متعلق احادیث

بعض احادیث ایسی ہیں، جن میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کی خلافت کی خبر بھی دی ہے اور آپؓ کی شہادت کی بھی۔ اس سلسلے میں بعض احادیث یہاں درج کی جاتی ہیں:

### ۱-حضرت ابوفضالہ کی حدیث

حضرت فضالہ کی حدیث ہے۔ ان کے بیٹے فضالہ بن ابی فضالہ کہتے ہیں کہ ایک بار میں اپنے والد کے ساتھ حضرت علی کی عیادت کے لیے گیا۔ اس وقت حضرت علی مدینہ سے باہر کسی جگہ ینبوع کے قریب قیام پذیر تھے۔ حضرت ابوفضالہ نے کہا کہ آپ یہاں قیام پذیر ہیں، اگر یہاں آپ کا آخری وقت آگیا تو آپ کا جنازہ کون پڑھے گا؟ مدینے میں آپ کا انتقال ہوا تو وہاں انصار ومہاجرین آپ کا جنازہ پڑھیں گے۔ یہاں آپ بیماری کی حالت میں ہیں، آپ کو مدینہ چلنا چاہیے تاکہ آپ کا انتقال مدینے میں ہو۔ اس پر حضرت علی نے فرمایا: إِنِّي لَسْتُ مَيِّتًا مِنْ مَرَضِي هَذَا - أَوْ مِنْ وَجَعِي هَذَا. (میرا انتقال اس بیماری میں نہیں ہوگا)

ایک دوسری روایت میں ہے: إن رسول الله عهد إلي ان لا اموت حتى

اؤمر. (رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے عہد کیا ہے کہ میں تب تک نہیں مروں گا جب تک مجھے امیر یعنی خلیفہ نہ بنا دیا جائے) (پھر میرے سر کے خون سے میری داڑھی رنگین ہوگی) [1]۔ اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ بعد میں ابوفضالہ حضرت علیؓ کے ساتھ صفین میں شہید ہوئے [2]۔

---

[1] یہ حدیث مجمع الزوائد اور إتحاف الخیرۃ وغیرہ میں آئی ہے۔ مجمع الزوائد کے الفاظ ہیں: وَعَنْ فَضَالَةَ بْنِ أَبِي فَضَالَةَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ أَبِي عَائِدًا لِعَلِيٍّ وَكَانَ مَرِيضًا. فَقَالَ لَهُ أَبِي: مَا يُقِيمُكَ بِهَذَا الْمَنْزِلِ لَوْ هَلَكْتَ بِهِ لَمْ يَلِكَ إِلَّا أَعْرَابُ جُهَيْنَةَ. فَلَوْ دَخَلْتَ الْمَدِينَةَ كُنْتَ بَيْنَ أَصْحَابِكَ. فَإِنْ أَصَابَكَ مَا تَخَافُ أَوْ تَخَافُ عَلَيْكَ وَلِيَكَ أَصْحَابُكَ. وَكَانَ أَبُو فَضَالَةَ مِنْ أَهْلِ بَدْرٍ. فَقَالَ لَهُ عَلِيٌّ: إِنِّي لَسْتُ مَيِّتًا مِنْ مَرَضِي هَذَا - أَوْ مِنْ وَجَعِي هَذَا - إِنَّهُ «عَهِدَ إِلَيَّ النَّبِيُّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - إِنِّي لَا أَمُوتُ حَتَّى - أَحْسِبَهُ - قَالَ: أُضْرَبُ أَوْ تُخَضَّبُ هَذِهِ مِنْ هَذِهِ» - يَعْنِي ضَارِبَهُ - فَقُتِلَ أَبُو فَضَالَةَ مَعَهُ بِصِفِّينَ. رَوَاهُ الْبَزَّارُ وَأَحْمَدُ بِنَحْوِهِ. وَرِجَالُهُ مُوَثَّقُونَ. (ہیثمی، مجمع الزوائد باب مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ باب وفاتہ رضی اللہ عنہ، رقم: ۱۴۷۷۹)، جیسا کہ واضح ہے، علامہ ہیثمیؒ اس حدیث کی سند کے رجال کو ثقہ قرار دے رہے ہیں، البتہ کتاب الخلافۃ، باب الخلفاء الاربعۃ میں ہیثمی نے کہا ہے اس میں عبداللہ بن محمد بن عقیل حسن الحدیث ہیں اور باقی سب راوی ثقہ ہیں۔ إتحاف کی حدیث بھی اسی معنی میں ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں: إني لست ميت من وجعي هذا إن رسول الله ﷺ - عهد إلي ان لا اموت حتى اؤمر. (بوصیری، إتحاف الخیرۃ المہرۃ کتاب المناقب. ما جاء فی قتلہ رضی اللہ عنہ، رقم: ۶۶۹۶؛ بوصیری نے لکھا ہے کہ اس کی سند پر کلام ہے، لیکن ہیثمیؒ کی روایت اس کی تائید کر رہی ہے)

[2] یہ حدیث مجمع الزوائد اور إتحاف الخیرۃ وغیرہ میں آئی ہے۔ مجمع الزوائد کے الفاظ ہیں: وَعَنْ فَضَالَةَ بْنِ أَبِي فَضَالَةَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ: خَرَجْتُ مَعَ أَبِي عَائِدًا لِعَلِيٍّ وَكَانَ مَرِيضًا. فَقَالَ لَهُ أَبِي: مَا يُقِيمُكَ بِهَذَا الْمَنْزِلِ لَوْ هَلَكْتَ بِهِ لَمْ يَلِكَ إِلَّا أَعْرَابُ جُهَيْنَةَ. فَلَوْ دَخَلْتَ الْمَدِينَةَ كُنْتَ بَيْنَ أَصْحَابِكَ. فَإِنْ أَصَابَكَ مَا تَخَافُ أَوْ تَخَافُ عَلَيْكَ وَلِيَكَ أَصْحَابُكَ. وَكَانَ أَبُو فَضَالَةَ مِنْ أَهْلِ بَدْرٍ. فَقَالَ لَهُ عَلِيٌّ: إِنِّي لَسْتُ مَيِّتًا مِنْ مَرَضِي هَذَا - أَوْ مِنْ وَجَعِي هَذَا - إِنَّهُ «عَهِدَ إِلَيَّ النَّبِيُّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - إِنِّي لَا أَمُوتُ حَتَّى - أَحْسِبَهُ - قَالَ: أُضْرَبُ أَوْ تُخَضَّبُ هَذِهِ مِنْ هَذِهِ - يَعْنِي ضَارِبَهُ - فَقُتِلَ أَبُو فَضَالَةَ مَعَهُ بِصِفِّينَ. رَوَاهُ الْبَزَّارُ وَأَحْمَدُ بِنَحْوِهِ. وَرِجَالُهُ مُوَثَّقُونَ. (ہیثمی، مجمع الزوائد باب مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ باب وفاتہ رضی اللہ عنہ، رقم: ۱۴۷۷۹)، جیسا کہ واضح ہے، علامہ ہیثمیؒ اس حدیث کی سند کے رجال کو ثقہ قرار دے رہے ہیں، البتہ کتاب الخلافۃ، باب الخلفاء الاربعۃ میں ہیثمی نے کہا ہے اس میں عبداللہ بن محمد بن عقیل حسن الحدیث ہیں اور باقی سب راوی ثقہ ہیں۔ إتحاف کی حدیث بھی اسی معنی میں ہے، اس میں یہ الفاظ ہیں: إني لست ميت من وجعي هذا إن رسول الله ﷺ - عهد إلي ان لا اموت حتى اؤمر. (بوصیری، إتحاف الخیرۃ المہرۃ کتاب المناقب. ما جاء فی قتلہ رضی اللہ عنہ، رقم: ۶۶۹۶؛ بوصیری نے لکھا ہے کہ اس کی سند پر کلام ہے، لیکن ہیثمیؒ کی روایت اس کی تائید کر رہی ہے)

یہ بھی ذہن میں رہے کہ حضرت ابو فضالہ بدری صحابی ہیں۔

(ابن حجر، الإصابة فی تمییز الصحابة (بیروت: دار الکتب العلمیة، ۱۴۱۵ھ)، ۷: ۲۶۷، ترجمہ رقم: ۱۰۳۹۴)

یہ اس لیے ذکر کیا کہ بعض شخصیات کو یہ شدید غلط فہمی لاحق ہوگئی ہے کہ حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کے علاوہ کوئی بدری صحابی صفین میں شریک نہیں ہوا۔ امر واقعہ میں یہ شدید غلط فہمی ہے۔

## ۲- ابو سنان دؤلی کی حدیث

اسی سے ملتے جلتے مضمون کی روایت ابو سنان الدؤلی سے بھی مروی ہے کہ وہ حضرت علیؓ کی عیادت کے لیے حاضر ہوئے اور عرض کیا ہمیں آپ کی اس بیماری سے خدشہ محسوس ہو رہا ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا مجھے کوئی خدشہ نہیں ہے، اس لیے کہ میں نے سچی اور تصدیق کی ہوئی ذات یعنی رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمہیں یہاں اور یہاں ضرب لگے گی اور یہ فرماتے ہوئے کن پٹیوں کی طرف اشارہ کیا کہ وہاں سے خون بہہ کر تمہاری ڈاڑھی کو رنگین کر دے گا۔ اس حدیث کو ابن ابی عاصم اور حاکم وغیرہ نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے بخاری کی شرط پر صحیح کہا ہے[1]۔

---

[1] ابو عبداللہ الحاکم، المستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفة الصحابة، ذکر إسلام امیر المؤمنین علی رضی اللہ عنہ، رقم: ۴۵۹۰؛ ابو بکر بن ابی عاصم، الآحاد والمثانی، العشرون المبشرون بالجنة، ومن ذکر علی بن ابی طالب الخ، رقم: ۱۷۴؛ السنن الکبری، جماع ابواب صفة قتل العمد الخ بَابُ مَنْ زَعَمَ اَنَّ لِلْکِبَارِ اَنْ یَقْتَصُّوا قَبْلَ بُلُوغِ الصِّغَارِ، رقم: ۱۶۰۶۹؛ حاکم کے لفظ یہ ہیں: ان ابا سنان الدؤلی حدثه. انه عاد علیا رضی اللہ عنه فی شکوی له اشکاها. قال: فقلت له: لقد تخوفنا علیك یا امیر المؤمنین فی شکواك هذه. فقال: لکنی واللہ ما تخوفت علی نفسی منه. لانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الصادق المصدوق. یقول: إنك ستضرب ضربة ها هنا وضربة ها هنا - واشار إلی صدغیه - فیسیل دمها حتی تختضب لحیتك. ویکون صاحبها اشقاها. کما کان عاقر الناقة اشقی ثمود هذا حدیث صحیح علی شرط البخاری ولم یخرجاه.

## ۳- عراق جاؤ گے تو تلوار کا شکار بنو گے

حضرت عبداللہ بن سلام کی ایک روایت ہے اور متعدد روایتیں اس سے ملتی جلتی ہیں۔ جب حضرت علی نے کوفہ (عراق) جانے کا ارادہ کیا تو حضرت عبداللہ بن سلام نے منع کیا۔ انہوں نے ایک بات کہی جو اس روایت میں تو نہیں، مگر دوسری روایتوں میں ہے کہ خلافت اگر ایک مرتبہ مدینے سے نکل گئی تو پھر مدینے میں واپس نہیں آئے گی۔ (اس سے معلوم ہوا کہ عبداللہ بن سلام بھی آپ کو خلیفہ مان رہے ہیں)۔ اس روایت میں یہ ہے کہ حضرت علی کہتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ سے نکل رہا تھا، میرے پاؤں پائے دان میں تھے، عبداللہ بن سلام نے مجھ سے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ میں نے کہا عراق۔ انہوں نے کہا: اما إنك إن جئتها ليصيبك بها ذباب السيف. اگر آپ عراق میں گئے تو وہاں آپ تلوار کا نشانہ بنیں گے۔

(یہ بات آپ کو ہوسکتا ہے کتب سابقہ کے ذریعے معلوم ہوئی ہو۔) حضرت علی نے کہا: وايم الله لقد سمعت رسول الله ﷺ يقوله. میں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے یہ بات سنی ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ راوی کہہ رہے ہیں کہ مجھے بڑی حیرت ہو رہی تھی کہ اس آدمی کو پتا بھی ہے کہ میں نے مرنا ہے، پھر بھی جا رہا ہے۔[1]

اس حدیث کو حمیدی اور ابویعلی نے اپنی اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ ابویعلی کے محقق حسین سلیم اسد نے اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے۔ شعیب ارنؤوط نے صحیح ابن حبان کی تعلیق میں اسے حسن قرار دیا ہے۔ میری رائے میں یہ حدیث حسن ضرور ہے۔

---

[1] مسند الحمیدی کے لفظ یہ ہیں: حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ ثنا سُفْيَانُ. ثنا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ أَعْيَنَ سَمِعَهُ مِنْ أَبِي حَرْبِ بْنِ أَبِي الْأَسْوَدِ الدِّيلِيِّ يُحَدِّثُهُ عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سَمِعْتُ عَلِيًّا يَقُولُ: أَتَانِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَلَامٍ وَقَدْ أَدْخَلْتُ رِجْلِي فِي الْغَرْزِ فَقَالَ لِي: أَيْنَ تُرِيدُ، فَقُلْتُ: الْعِرَاقَ فَقَالَ: أَمَا إِنَّكَ إِنْ جِئْتَهَا لَيُصِيبُكَ بِهَا ذُبَابُ السَّيْفِ فَقَالَ عَلِيٌّ: أَيْمُ اللَّهِ لَقَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؟ قَبْلَهُ يَقُولُهُ ص:۱۸۱ فَقَالَ أَبُو حَرْبٍ فَسَمِعْتُ: أَبِي يَقُولُ: فَعَجِبْتُ مِنْهُ وَقُلْتُ: رَجُلٌ مُحَارِبٌ يُحَدِّثُ بِمِثْلِ هَذَا عَنْ نَفْسِهِ. (ابو بکر عبداللہ بن الزبیر الحمیدی، مسند الحمیدی، رقم: ۵۳)

نیز اس مضمون کی تائید اور متعدد حدیثوں سے ہو رہی ہے[1]۔

## ۴- حضرت جابر بن سمرۃ کی حدیث

ایک اور روایت حضرت جابر بن سمرہ کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی سے فرمایا: إِنَّكَ مُؤَمَّرٌ مُسْتَخْلَفٌ، وَإِنَّكَ مَقْتُولٌ، وَهَذِهِ مَخْضُوبَةٌ مِنْ هَذَا، لِحْيَتُهُ مِنْ رَأْسِهِ (ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی ۳۶۰ھ، المعجم الاوسط، ت، طارق بن عوض بن محمد باب المیم. من اسمه محمد، رقم: ۷۳۱۸)

تمہیں امیر و خلیفہ بھی بنایا جائے گا اور تمہیں شہید بھی کیا جائے گا اور یہ (داڑھی) اس (سر کے خون) سے رنگین ہوگی) سرسری رائے میں مجھے یہ حدیث سنداً ضعیف لگ رہی ہے۔

---

[1] اس حدیث کی سند کے مدار اسناد سفیان بن عیینہ ہیں، وہ اسے عبد الملک بن اعین سے روایت کرتے ہیں۔ عبد الملک بن اعین پر اگرچہ کلام موجود ہے، لیکن بحیثیت مجموعی وہ قابل قبول راوی ہیں، اس لیے ان کی حدیث حسن سے کم نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر نے تقریب میں ان پر بحث کا خلاصہ ان لفظوں میں نکالا ہے "صدوق شیعی۔" ذہبی نے ان کا ذکر اپنی کتاب من تُكلم فيه وهو موثق میں کیا ہے۔ اس کتاب میں ذہبی نے کن راویوں کا ذکر کیا ہے؟ وہ خود بتاتے ہیں: فهذا فصل نافع في معرفة ثقات الرواة الذين تكلم فيهم بعض الائمة بما لا يرد اخبارهم وفيهم بعض اللين وغيرهم اتقن منهم واحفظ فهؤلاء حديثهم إن لم يكن في اعلى مراتب الصحيح فلا ينزل عن رتبة الحسن۔ یعنی اس میں انہوں نے وہ راوی ذکر کیے ہیں جن پر اگرچہ کلام ہے، لیکن کوئی ایسی وجہ بیان نہیں کی گئی ہے جس کی وجہ سے ان کی حدیث کو رد کیا جا سکے۔ زیادہ سے ان میں کسی قدر کم زوری ہوتی ہے، اس لیے ان کی حدیث حسن سے کم نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ حاکم نے اس حدیث کو جہاں صحیح علی شرط الشیخین قرار دیا ہے، وہاں اگرچہ ذہبی نے حاکم سے اتفاق نہیں کیا، لیکن عبد الملک بن اعین کی وجہ سے انہوں نے اس حدیث کی سند پر کوئی اعتراض نہیں کیا، بلکہ انہوں نے سفیان بن عیینہ سے روایت کرنے والے ابراہیم بن بشار کی وجہ سے اعتراض کیا ہے کہ وہ مناکیر روایت کرتے ہیں، لیکن ذہبی کا یہ اعتراض حیران کن ہے۔ اس لیے کہ سفیان بن عیینہ سے تو کئی حضرات یہ حدیث روایت کر رہے ہیں جن میں ایک بڑا نام حمیدی کا ہے، خود مسند الحمیدی میں یہ حدیث موجود ہے۔ بظاہر ذہبی کو اس کا مضمون عجیب سا لگا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس موضوع کی حدیثیں ذہبی جیسے محدثین کے ہاں کیسے شدید نقد سے گزری ہیں، اس لیے جہاں اس موضوع کی کسی حدیث کو وہ صحیح یا حسن کہہ دیں تو بڑی اہم بات ہوتی ہے۔

## ۵- لوگ تعلق نہیں نبھائیں گے

ایک اور روایت ہے جس میں حضرت علی کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إن الامة ستغدر بك بعدی. وانت تعیش علیٰ ملتی و تقتل علی سنتی. من احبك احبنی ومن ابغضك ابغضنی وإن هذه ستخضب من هذا

(اس حدیث کو حاکم، ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے۔ علامہ بوصیریؒ اپنی کتاب إتحاف الخیرة المهرة بزوائد المسانید العشرة میں کہتے ہیں: رواه ابو بكر بن ابی شیبة باسناد حسن)

(لوگ میرے بعد تجھ سے تعلق نہیں نبھائیں گے (اور اس میں تمہارا قصور نہیں ہوگا اس لیے کہ) تم میری ملت پر جیو گے اور میری سنت پر قائم رہتے ہوئے تمہارا قتل ہو گا۔ جس نے تم سے محبت کی، اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے تم سے بغض رکھا، اس نے مجھ سے بغض رکھا۔ اور یہ داڑھی اس سر کے خون سے رنگین ہوگی۔)

یہ حدیث حضرت علیؓ سے تین حضرات روایت کرتے ہیں۔ پہلے حیان اسدی، ان کی روایت کو ذہبی نے تلخیص المستدرک میں حاکم سے اس سے کا صحیح ہونا نقل کیا ہے اس کا مطلب ہے حافظ ذہبی نے بھی حاکم کی موافقت کی ہے۔ دوسرے ثعلبہ بن یزید حمانی، ان کی روایت کے بارے میں بوصیری نے إتحاف الخیرة المهرة میں کہا ہے کہ ابن ابی شیبہ نے اسے حسن سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ ثعلبہ بن یزید کے بارے میں محدثین کا کچھ اختلاف ہے [1]، لیکن ایسے مختلف فیہ کی روایت کو صحیح کے بجائے حسن شمار کرلیا جاتا ہے، خصوصا اس لیے کہ یہ طبقہ تابعین سے ہیں اور جنھوں نے جرح کی ہے انہوں نے کوئی قابل قبول وجہ بیان نہیں کی۔ تیسرے ابو ادریس الاودی، جن کی روایت مسند الحارث میں ہے، ان کی سند پر کسی کا کلام نظر سے نہیں گزرا۔

---

[1] اگرچہ بعض حضرات، مثلاً ذہبی، نے ان پر غالی شیعہ ہونے کا الزام عائد کیا ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کے پولیس آفیسر تھے۔ اگر یہ بات درست ہے تو حضرت علیؓ کے انہیں کسی منصب پر فائز کرنے کے بعد کسی کی بلا دلیل جرح میں کوئی وزن باقی نہیں رہ جاتا کہ وہ غالی تھا یا کیا تھا۔ ذہبی کا صاحب شرطہ علی بھی کہنا اور غالی بھی کہنا بذات خود عجیب لگتا ہے۔ بہر حال یہاں یہ اس روایت کے نقل کرنے میں متفرد نہیں ہیں، بلکہ ان کے دو متابع موجود ہیں۔

ابو ادریس اودی تابعین میں سے ہیں، امام بخاری نے التاریخ الکبیر میں ان سے نقل کیا ہے: نظرتُ إلی علیؓ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی حضرت علی سے ملاقات بھی ہے۔ ابن حبان نے انہیں ثقات میں ذکر کیا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک طبقۂ تابعین میں عدالت اصل ہے۔ البانی نے تسلیم کیا ہے کہ اس کے سارے راوی ثقہ ہیں۔ ان کا اعتراض یہ ہے کہ اس میں ہشیم بن بشیر مدلس ہیں۔ ہشیم اونچے درجے کے محدثین میں شمار ہوتے ہیں۔ محض تدلیس کا اعتراض اتنا بڑا نہیں ہے، وہ تعدد طرق سے بھی زائل ہو جاتا ہے۔ تعدد طرق کی سب سے اعلیٰ شکل یہ ہوتی ہے کہ خود صحابی سے ہی روایت کرنے والے متعدد ہو جائیں۔ یہاں یہی شکل ہے، وگرنہ عموماً چند طبقوں میں ایک ایک راوی ہوتا ہے اس سے نیچے تعدد طرق شروع ہوتا ہے۔

بہر حال اسانید وغیرہ پر تفصیلی کلام ہمارا موضوع نہیں ہے، اس سے بات طویل ہو جائے گی۔ اتنا کافی ہے کہ بوصیری اور ذہبی جیسوں نے اس کے ایک طریق کو حسن اور ایک کو صحیح قرار دیا ہے، لیکن چوں کہ البانی نے اس پر مذکورہ اعتراض کیا ہے، اس لیے مختصراً کچھ عرض کر دیا۔

سند پر اعتراض نہ ہونے کے باوجود بعض حضرات کو اس میں اس لیے نکارت محسوس ہوئی یا اسے قبول کرنے میں تردد ہوا کہ کہیں اسے عہد رسالت کے فوراً بعد پر محمول کر کے یہ نہ کہہ دیا جائے کہ حضرت علی سے خلافت غصب ہوئی ہے، لیکن اس دور پر اسے اس لیے محمول نہیں کر سکتے کہ اس وقت حضرت علی نے خود کو خلافت کے لیے پیش ہی نہیں کیا تھا نہ اس معاملے میں اپنی مدد ہی کی دعوت دی تھی۔ یہ حدیث اگر اس دور پر محمول کی جائے، جب آپ کی خلافت منعقد ہو گئی تھی اور آپ خود کو خلیفہ قرار دیتے تھے، تو کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

یہ بات پہلے بھی عرض کی ہے کہ ایک بات یہ ہے کہ کسی بات کی فی نفسہ حیثیت کیا ہے؟ اور ایک یہ ہے کہ کوئی کرنے کا کام کسی سے چھوٹا تو اس پر کیا حکم لگے گا؟ دونوں چیزیں الگ الگ ہیں۔ وہ کام کسی عذر سے بھی چھوٹ سکتا ہے۔ ہمارا موضوع حضرت علی کے خلاف کھڑے ہونے والے صحابہ نہیں ہیں۔ (ان کے حوالے سے آخر میں تھوڑی سی بات آئے گی) ہمارا موضوع خود حضرت علی کی احادیث کی روشنی میں سمجھ میں آنے والی پوزیشن ہے۔ حضرت

علیؓ کی دعوت یہ تھی کہ اس معاملے میں ان کی مدد کی جائے، تاکہ خلافت کا ادارہ دوبارہ مستحکم ہو سکے۔ ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کا یہ سمجھنا بجا تھا۔

لوگ بڑے عجیب انداز سے کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی خلافت پر تو اتفاق ہی نہیں ہوا۔ ایک تو امرِ واقعہ کے اعتبار سے یہ بات غلط ہے۔ واقعۂ تحکیم تک حضرت علیؓ کی خلافت سے کسی نے اختلاف نہیں کیا اور نہ ہی کسی نے متبادل خلافت کا دعویٰ کیا۔ دوسرے یہ کہ آپ کو دور ہی فتنوں کا ملا، آپ کے خلافت سنبھالنے سے پہلے حالات خراب ہو چکے تھے اور تیسرے یہ کہ احادیث بہت واضح طور پر بتا رہی ہیں کہ اگر کوئی علیؓ کے ساتھ کھڑا نہیں ہوا تو اس میں علیؓ کی غلطی نہیں ہے۔

## ۶- کینے ظاہر ہوں گے

اسی سے ملتی جلتی ایک اور حدیث ہے۔ اگرچہ حاکم اور ذہبی نے اس کے کچھ حصے کو صحیح قرار دیا ہے، لیکن میرے خیال میں اس پر مزید تحقیق کی ضرورت ہے، تاہم بادی النظر میں اپنے بنیادی مضمون کے اعتبار یہ حسن ضرور ہوگی۔ اس کے الفاظ ہیں:

وعن علی بن ابی طالب قال: بینا رسول اللہ -ﷺ- آخذ بیدی ونحن نمشی فی بعض سکك المدینة إذا تینا علی حدیقة. فقلت: یا رسول اللہ. ما احسنها من حدیقة! فقال: " إن لك فی الجنة احسن منها ". ثم مررنا باخری. فقلت: یا رسول اللہ. ما احسنها من حدیقة! قال: " لك فی الجنة احسن منها ". حتی مررنا بسبع حدائق. کل ذلك اقول: ما احسنها. ویقول: " لك فی الجنة احسن منها ". فلما خلا لی الطریق اعتنقنی ثم اجهش باکیا. قلت: یا رسول اللہ. ما یبکیك، قال: " ضغائن فی صدور اقوام لا یبدونها لك إلا من بعدی ". قال: قلت: یا رسول اللہ. فی سلامة من دینی؛ قال: " فی سلامة من دینك (مجمع الزوائد، باب مناقب علیؓ بن ابی طالب، باب بشارتہ بالجنۃ، رقم ۱۴۶۹۰)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اور ہم مدینہ کی بعض گلیوں میں محوِ خرام تھے کہ ہمارا گزر ایک باغ پر ہوا۔ میں نے کہا: یارسول اللہ، یہ کتنا خوب صورت باغ ہے، تو آپ نے فرمایا: تمہارے لیے جنت میں اس

سے بھی خوب صورت باغ ہے۔ پھر ہمارا گزر ایک دوسرے باغ پر سے ہوا تو میں نے کہا: یا رسول اللہ، یہ کتنا خوب صورت باغ ہے۔ آپ نے فرمایا: تمہارے لیے جنت میں اس سے بھی خوب صورت باغ ہے۔ اسی طرح ہم سات باغوں پر سے گزرے۔ میں ہر بار کہتا کہ یہ کس قدر خوب صورت ہے اور آپ یہ فرماتے کہ تیرے لیے جنت میں اس سے زیادہ خوب صورت باغ ہے۔ جب ہم راستے میں تنہا ہوئے تو آپ نے مجھے گلے لگا لیا اور آپ پر گریہ طاری ہو گیا۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ، کس بات نے آپ کو رلا دیا؟ آپ نے فرمایا: بعض لوگوں کے دلوں میں کینے مخفی ہیں، جن کا اظہار وہ میرے بعد ہی کریں گے۔ حضرت علی کہتے ہیں کہ میں نے کہا: یا رسول اللہ، کیا یہ سب کچھ میرے دین کی سلامتی کی حالت میں ہوگا؟ فرمایا: ہاں تیرے دین کی سلامتی کی حالت میں۔

گویا اس موقع پر بھی حضرت علی کو فکر ہے کہ مخالفت کے ماحول میں کہیں مجھ سے کوئی دینی بے اعتدالی نہ ہو جائے، اور رسول اللہ ﷺ سے تسلی کرا رہے ہیں کہ میرا دین تو سلامت رہے گا نا۔ ایسے موقع پر اتنی زیادہ سچی زبان سے اپنی مظلومیت کا تصدیق نامہ سنتے ہی نہ معلوم ان پر کیا کیفیت طاری ہوئی ہوگی! اس کے باوجود اپنے عمل کی درستی کی فکر اس غلبۂ حال میں بھی پس منظر میں نہیں گئی۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایسے شخص نے جب اپنے مدمقابل لوگوں کے بارے میں قدم اٹھائے ہوں گے تو کتنے سوچ سمجھ کر اور ناپ تول کر اٹھائے ہوں گے۔

جس طرح سے خود رسول اللہ ﷺ نے حدیثِ غدیر اور دیگر مواقع پر اپنے اہل خانہ کے حق کی نزاکت کو بیان فرمایا اور جس طرح علماے اہل سنت نے اس کا پس منظر بیان فرمایا، جس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا، اس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ کس طرح عہد رسالت ہی میں اس ذہنیت کے لوگ موجود تھے، جو علی کو بلکہ آپ ﷺ کے خاندان کے کسی فرد کو آگے آتا ہوا گوارا کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے مولی اور منہ بولے بیٹے زید بن حارثہ کو امیر بنا کر بھیجا، اس پر لوگوں نے باتیں بنانی شروع کر دیں، پھر آخری لشکر کا امیر اسامہ بن زید کو بنایا تو بھی باتیں بنانا شروع کر دیں۔ صحیحین کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرمانا پڑا کہ پہلے تم نے اس کے باپ کے امیر بننے پر اعتراض کیا

تھا، حالاں کہ وہ امیر بننے کا اہل تھا اور مجھے انتہائی محبوب تھا اور ان کے بعد یہ اسامہ بھی مجھے محبوب ہے۔ (صحیح البخاری، کتاب اصحاب النبی ﷺ، باب مناقب زید بن حارثہؓ، رقم: ۳۷۳۰؛ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہؓ، باب فضائل زید بن حارثہؓ واسامۃ بن زیدؓ، رقم: ۲۴۲۶)

تو خدا واسطے کا بیر کہ بس اس خاندان کا کوئی بندہ آگے نہیں آنا چاہیے خود عہد رسالت میں بھی موجود تھا، یہی بیماری بعد میں کیا گل کھلائے گی؟ رسول اللہ ﷺ ان روایات میں اسی کو بیان فرما رہے ہیں۔ یہ لوگ بنیادی طور پر منافق قسم کے ہوں گے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ آپ نے حضرت علی سے فرمایا: ستلقی جهدا وبلاء (تجھے مشقت و آزمائش کا سامنا کرنا پڑے گا) اور یہ بات حقیقت ہے کہ حضرت علی کو بہت مشکلات کا سامنے کرنا پڑا اور اسی وجہ سے آپ کے حوالے سے اس طرح کی احادیث بھی زیادہ آئی ہیں۔ سابق خلفا کے زمانے میں وہ حالات ہی نہیں تھے۔ جن حالات کا حضرت علیؓ کو سامنا کرنا پڑا، وہ آپ کے اپنے لائے ہوئے نہیں تھے، اس لیے علیؓ کی پوزیشن رسول اللہ ﷺ خود واضح کر رہے ہیں، تاکہ بعد والوں کو اشتباہ نہ ہو کہ علی تو ایک متنازعہ شخصیت ہیں[1]۔

---

[1] مجمع الزوائد میں یہ مکمل روایت اس طرح ہے: وَعَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ: بَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ آخِذٌ بِيَدِي وَنَحْنُ نَمْشِي فِي بَعْضِ سِكَكِ الْمَدِينَةِ إِذْ أَتَيْنَا عَلَى حَدِيقَةٍ. فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا أَحْسَنَهَا مِنْ حَدِيقَةٍ! فَقَالَ: "إِنَّ لَكَ فِي الْجَنَّةِ أَحْسَنَ مِنْهَا". ثُمَّ مَرَرْنَا بِأُخْرَى. فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا أَحْسَنَهَا مِنْ حَدِيقَةٍ! قَالَ: "لَكَ فِي الْجَنَّةِ أَحْسَنُ مِنْهَا". حَتَّى مَرَرْنَا بِسَبْعِ حَدَائِقَ. كُلُّ ذَلِكَ أَقُولُ: مَا أَحْسَنَهَا. وَيَقُولُ: "لَكَ فِي الْجَنَّةِ أَحْسَنُ مِنْهَا". فَلَمَّا خَلَا لِيَ الطَّرِيقُ اعْتَنَقَنِي ثُمَّ أَجْهَشَ بَاكِيًا. قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، مَا يُبْكِيكَ؟ قَالَ: "ضَغَائِنُ فِي صُدُورِ أَقْوَامٍ لَا يُبْدُونَهَا لَكَ إِلَّا مِنْ بَعْدِي". قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، فِي سَلَامَةٍ مِنْ دِينِي؟ قَالَ: "فِي سَلَامَةٍ مِنْ دِينِكَ. (الہیثمی، مجمع الزوائد، باب مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، باب بشارتہ بالجنۃ، رقم: ۱۴۶۹۰) اس کی سند کے حوالے سے فرماتے ہیں: رَوَاهُ أَبُو يَعْلَى وَالْبَزَّارُ. وَفِيهِ الْفَضْلُ بْنُ عُمَيْرَةَ. وَثَّقَهُ ابْنُ حِبَّانَ وَضَعَّفَهُ غَيْرُهُ وَبَقِيَّةُ رِجَالِهِ ثِقَاتٌ. امام بوصیری شافعی إتحاف الخیرۃ المھرۃ بزوائد المسانید العشرۃ میں یہ روایت نقل کرنے کے بعد کہتے ہیں: رَوَاهُ أَبُو يَعْلَى الْمَوْصِلِيُّ وَالْبَزَّارُ وَالْحَاكِمُ وَصَحَّحَهُ. (اسے ابو یعلی موصلی، بزار اور حاکم نے روایت کیا ہے اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے) (البوصیری، إتحاف الخیرۃ المھرۃ، کتاب المناقب، باب فیما اشترك فیہ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب وغیرہ من الفضل، رقم ۶۶۵۳

## ۷۔ تمہیں مشکلات کا سامنا ہوگا

باغ والے مضمون کی حدیث حضرت ابن عباس سے بھی طبرانی نے بھی المعجم الکبیر میں روایت کی ہے، لیکن اس کی سند میں کافی ضعف ہے، البتہ ابن عباس ہی سے اس سے ملتے جلتے مضمون کی ایک اور حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: اما إنك ستلقى بعدی جهدا، تمہیں میرے بعد تکالیف کا سامنا کرنا ہوگا۔ خلفاے ثلاثہ کے ادوار میں تو حضرت علیؓ کا وقت عافیت میں گزرا، اس لیے یہاں حضرت علیؓ کا دورِ خلافت ہی مراد ہوسکتا ہے۔ حضرت علیؓ نے پوچھا کیا یہ سب کچھ میرے دین کی سلامتی کے ساتھ ہوگا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جی ہاں، تمہارے دین کی سلامتی کے ساتھ ہوگا۔ ابن عباس کی اس دوسری حدیث کو حاکم نے مستدرک میں روایت کر کے شیخین کی شرط کے مطابق صحیح کہا ہے اور ذہبی نے بھی موافقت کی ہے۔ البتہ البانی نے اس پر اشکال کیا ہے کہ باقی راوی تو واقعی اس کے صحیحین کی شرط کے مطابق ہیں، البتہ سہل بن التوکل ایک راوی مجہول ہیں، لیکن سہل بن التوکل کو ابن حبان نے الثقات میں ذکر کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اگر وہ اسماعیل بن ابی اویس سے روایت کریں تو عجیب وغریب روایتیں نقل کرتے ہیں۔ اور یہ حدیث وہ اسماعیل سے نہیں، احمد بن یونس سے روایت کر رہے ہیں جو کہ خود اونچے درجے کے محدثین میں سے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کو مجموعی طور پر کم از کم حسن کہا جاسکتا ہے، خصوصا پہلی روایت کے ساتھ ملا کر۔ تاریخی طور پر بھی یہ بات ثابت ہے کہ حضرت علی کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ امام احمد کے صاحب زادے عبداللہ نے کتاب السنۃ میں ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے اپنی مشکلات کا تذکرہ شروع کیا تو آپ رو پڑے[1]۔

## مشاجراتِ صحابہؓ میں نزاکت کی وجہ

یہ موضوع حساس ضرور ہے، لیکن حضرت علیؓ کے حوالے سے حساس نہیں۔ یہ

---

[1] عبداللہ بن احمد، السنۃ، رقم: ۱۳۱۴۔ کتاب کے محقق محمد بن سعید القحطانی نے اس کی سند پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس میں شریک بن عبداللہ ہیں، جو اگرچہ قابل اعتماد ہیں، لیکن ان سے غلطیاں ہوجاتی ہیں، لیکن اس کی وجہ سے روایت میں زیادہ ضعف پیدا نہیں ہوتا، چناں چہ امام بخاری نے بھی بعض جگہوں پر شریک کی روایات لی ہیں۔

طے شدہ بات ہے کہ حضرت علیؓ بھی اسی طرح اور انہی اصولوں پر خلیفہ ہیں، جن پر پہلے حضرات خلیفہ ہیں۔ یہ مسئلہ حساس دو پہلوؤں سے ہے: ایک یہ کہ جب آپ واقعات کی ان تفصیلات میں جاتے ہیں جو تاریخ کی کتابوں میں درج ہیں تو بہت زیادہ الجھاؤ سامنے آتا ہے، اس لیے ان متضاد اور الجھی ہوئی تاریخی روایات پر انحصار کرنے کے بجائے بہتر راستہ یہ ہے کہ احادیث مبارکہ، کبار صحابہ کے ارشادات اور اہل السنت والجماعت کے عمومی مزاج کو سامنے رکھ کر ایک لائن متعین کر لی جائے۔ اگر تاریخی تفصیلات میں جانا ہی ہو (اگرچہ یہ خاصا پھسلن والا میدان ہے) تو تاریخ کو پرکھتے ہوئے اس لائن کو ضرور مدنظر رکھا جائے۔ اس مسئلے کے نازک ہونے کی جو دوسری وجہ ہے، وہ یہ ہے کہ جو دوسری طرف لوگ تھے، ان کی پوزیشن کس طرح متعین کریں اور ان کا عذر کیسے بیان کیا جائے کہ ان کے بارے میں بدزبانی یا بدگمانی تک نوبت نہ پہنچے؟ یہ نازک معاملہ ہے جو اس تحریر کا براہِ راست تو موضوع نہیں ہے، مگر آخر میں اس پر بھی بقدرِ ضرورت کلام ہوگا، ان شاء اللہ۔

## ۵..... بعد کے سیاسی حالات کے بارے میں عمومی پیشین گوئیاں

رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد کے زمانے میں پیش آنے والے حالات کے بارے میں عمومی باتیں بھی بہت سی ارشاد فرمائیں، جنھیں محدثین عموماً فتن، ملاحم اور علاماتِ قیامت کے عنوانات کے تحت ذکر کرتے ہیں۔ ایسی احادیث تین طرح کی ہیں: بعض احادیث میں بالکل قربِ قیامت کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ بعض میں امت کے ایسے حالات بیان کیے گئے ہیں جو آپ کے بعد کسی بھی دور میں پائے جا سکتے ہیں۔ تیسری قسم کی احادیث وہ ہیں جن کا تعلق رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے کچھ عرصے بعد کے حالات سے ہے۔ ایسی احادیث بھی خاصی تعداد میں ہیں۔ ان میں کئی حدیثیں ہمارے موضوع سے بھی تعلق رکھتی ہیں، یہاں ان میں سے صرف دو تین احادیث ذکر کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے:

### ۱- خلافت علی منہاج النبوۃ اور اس کے بعد بادشاہت

حضرت حذیفہ کی ایک مشہور حدیث ہے اور بعض دیگر صحابہ سے بھی الفاظ کے تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد کے مراحل کو

بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس وقت تم نبوت اور رحمت میں ہو، اس کے بعد خلافت اور رحمت ہوگی اور بعض روایات میں خلافۃ علی منہاج النبوۃ کے الفاظ آتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ ملک عاض ہوگا یا ملک عضوض، یعنی خلافت علی منہاج النبوۃ کے بجائے بادشاہت ہے، لیکن اس کے لیے وہ سخت الفاظ نہیں ہیں، جو آگے آرہے ہیں، بلکہ فرمایا کہ یہ کاٹنے والی بادشاہت ہوگی۔ کاٹنے کی جو تشریح دیگر متعدد روایات سے سامنے آتی ہے، وہ یہ کہ یہ دور بالکل ہی غلط تو نہیں ہوگا، وگرنہ تو اس سے اگلے دور کو الگ سے بیان کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی، البتہ اس میں کچھ کام غلط یا نامناسب بھی ہوں گے۔ اس کے بعد کے لیے فرمایا کہ ملکا جبریۃ کا دور ہوگا اور ایک روایت میں آتا ہے کہ پھر اس کے بعد دوبارہ خلافت علی منہاج النبوت ہوگی۔ دوبارہ خلافت کے بارے میں دو قول ہیں: ایک یہ کہ عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت کی طرف اشارہ ہے اور ایک قول ہے کہ یہ حضرت مہدی کی بات ہو رہی ہے۔[1]

## ۲- خیر و شر کے مختلف مراحل کی پیش گوئی

حضرت حذیفہ کی ایک اور حدیث ہے جو صحیحین سمیت متعدد کتابوں میں ہے کہ

---

[1] حضرت حذیفہ کی اس حدیث پر مسند احمد کے الفاظ ہیں: حدثنا سلیمان بن داؤد الطیالسی، حدثنی داؤد بن إبراهیم الواسطی، حدثنی حبیب بن سالم، عن النعمان بن بشیر، قال: کنا قعودا فی المسجد مع رسول الله صلی الله علیه وسلم، وکان بشیر رجلا یکف حدیثه، فجاء ابو ثعلبة الخشنی، فقال: یا بشیر بن سعد اتحفظ حدیث رسول الله صلی الله علیه وسلم فی الامراء؛ فقال حذیفة: انا احفظ خطبته، فجلس ابو ثعلبة، فقال حذیفة: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "تکون النبوة فیکم ما شاء الله ان تکون، ثم یرفعها إذا شاء ان یرفعها، ثم تکون خلافة علی منهاج النبوة، فتکون ما شاء الله ان تکون، ثم یرفعها إذا شاء الله ان یرفعها، ثم تکون ملکا عاضا، فیکون ما شاء الله ان یکون، ثم یرفعها إذا شاء ان یرفعها، ثم تکون ملکا جبریة، فتکون ما شاء الله ان تکون، ثم یرفعها إذا شاء ان یرفعها، ثم تکون خلافة علی منهاج نبوة" ثم سکت، قال حبیب: "فلما قام عمر بن عبد العزیز، وکان یزید بن النعمان بن بشیر فی صحابته، فکتبت إلیه بهذا الحدیث اذکره إیاه، فقلت له: إنی ارجو ان یکون امیر المؤمنین، یعنی عمر، بعد الملک العاض والجبریة، فادخل کتابی علی عمر بن عبد العزیز فسر به واعجبه۔ (احمد بن حنبل، مسند احمد، مسند الکوفیین، حدیث النعمان بن بشیر عن النبی ﷺ، رقم: ۱۸۴۰۶؛ محقق نے اس حدیث کو حسن کہا ہے)

لوگ رسول اللہ ﷺ سے خیر کے بارے میں پوچھا کرتے تھے اور میں شر کے بارے میں پوچھا کرتا تھا۔ میں نے پوچھا کہ یارسول اللہ، پہلے ہم شر (زمانہ جاہلیت) میں تھے اور اب یہ خیر آ گئی ہے۔ کیا اس کے بعد کوئی شر ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں ہوگا۔ سنن ابی داؤد کی روایت میں ہے کہ پوچھا: ما العصمة فيها، (اس میں بچاؤ کی صورت کیا ہوگی؟) تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: السيف۔ (تلوار)۔ شر کے مفہوم میں باہمی جنگیں بھی داخل ہیں۔ کلام عرب میں یہ استعمال عام ہے، جیسے حماسی شاعر کا قول ہے:

إِذَا الشَّرُّ أَبْدَى نَاجِذَيْهِ لَهُمْ طَارُوْا إِلَيْهِ زَرَافَاتٍ وَّوُحْدَانًا

(جب جنگ ان کے لیے اپنے دانت کھولتی ہے تو وہ اس کی طرف انفرادی طور پر اور جتھوں کی صورت دوڑ پڑتے ہیں)

پھر پوچھا کہ اس شر کے بعد کوئی خیر ہوگا؟ فرمایا کہ خیر ہوگا، لیکن فيه دخن۔ (وہ خیر شفاف نہ ہوگی، اس میں کدورت ہوگی۔) اس ملاوٹ والے خیر کے بعد آنے والے شر کے بارے میں فرمایا کہ بہت خطرناک شر ہوگا، دعاة على ابواب جهنم۔ یہاں لوگوں کی بہت بری خصلتوں کا بیان ہے[1]۔

---

[1] یہ حدیث، الفاظ کے کچھ کچھ فرق کے ساتھ مختلف مجموعہ ہائے حدیث میں موجود ہے، جن میں صحیح البخاری، صحیح مسلم، سنن ابن ماجہ، المستدرک علی الصحیحین، مستخرج ابی عوانۃ، مسند البزار وغیرہ شامل ہیں۔ بخاری کے الفاظ ہیں: حدثنا محمد بن المثنى. حدثنا الوليد بن مسلم. حدثنا ابن جابر. حدثني بسر بن عبيد الله الحضرمي. انه سمع ابا إدريس الخولاني. انه سمع حذيفة بن اليمان. يقول: كان الناس يسالون رسول الله ﷺ عن الخير. و كنت اساله عن الشر. مخافة ان يدركني. فقلت: يا رسول الله، إنا كنا في جاهلية (ص: 52) وشر. فجاءنا الله بهذا الخير. فهل بعد هذا الخير من شر؟ قال: «نعم» قلت: وهل بعد ذلك الشر من خير؟ قال: نعم. وفيه دخن» قلت: وما دخنه؟ قال: «قوم يهدون بغير هديي. تعرف منهم وتنكر قلت: فهل بعد ذلك الخير من شر؟ قال: نعم. دعاة على ابواب جهنم. من اجابهم إليها قذفوه فيها» قلت: يا رسول الله صفهم لنا. قال: هم من جلدتنا. ويتكلمون بالسنتنا قلت: فما تامرني إن ادركني ذلك؟ قال: تلزم جماعة المسلمين وإمامهم قلت: فإن لم يكن لهم جماعة ولا إمام؟ قال: فاعتزل تلك الفرق كلها. ولو ان تعض باصل شجرة. حتى يدركك الموت وانت على ذلك. (صحیح البخاری، کتاب الفتن، باب کیف الامر اذا لم تکن جماعۃ، رقم ۷۰۸۴)

ان مراحل کی احوال و واقعات پر تطبیق کے حوالے سے ہمارے متعلق حصہ صرف پہلا ہی ہے یعنی خلافت ورحمت اور خلافت علی منہاج النبوت والا مرحلہ؛ تاہم ان مراحل پر کسی قدر نظر ڈال لینا مناسب ہوگا۔ ان احادیث سے پہلا مرحلہ جو معلوم ہو رہا ہے وہ عہد رسالت کا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس دور کے تو کیا ہی کہنے جب جناب رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس امت کی قیادت فرما رہے تھے۔ اس کے بعد اس خلافت کا دور ہے جو نبوت ہی کے منہاج پر ہوگی، جسے اصطلاح میں خلافتِ راشدہ کہا گیا ہے۔ اس کے نبوت کے منہاج پر ہونے سے معلوم ہوا کہ اس دور میں کسی کا حق تلف کیا گیا نہ کسی کی خلافت غصب کی گئی۔ اگر نعوذ باللہ یہ مان لیا جائے کہ خلافت حق کسی اور کا تھا اور غصب کر کے فلاں کو دے دی گئی، یا رسول اللہ ﷺ کی صراحت اور وصیت کی مخالفت کر کے کسی اور کو دے دی گئی تو وہ خلافت نبوت کے طریقے پر نہیں کہلا سکتی، جب کہ ان حدیثوں میں خلافت علی منہاج النبوۃ اور خلافۃ ورحمۃ وغیرہ کہا گیا ہے۔ اس کے بعد دو مزید ادوار کا ذکر ہے تیسرے اور چوتھے کا۔ چوتھے دور کے لیے الفاظ بہت سخت استعمال ہوئے ہیں، مثلاً حضرت حذیفہؓ کی پہلی حدیث میں اسے جبریت والی بادشاہت کہا گیا ہے۔

مشکوۃ المصابیح میں بیہقی کے حوالے سے مذکور حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت معاذؓ کی روایت میں لفظ ہیں ''جبریۃ وعتوا وفسادا فی الارض۔'' اور ان لوگوں کے بارے میں کہا گیا ہے محرمات کو حلال کاموں کی طرح کریں گے۔ حضرت حذیفہؓ کی دوسری حدیث میں جو تعبیرات آئی ہیں وہ یہ ہیں ''جہنم کے دروازوں پر کھڑے لوگ جہنم کی طرف بلا رہے ہوں گے، جو ان (حکم رانوں) کی بات مانے گا اسے دوزخ میں پھینک دیں گے''، ''ہماری ہی نسل میں سے ہوں گے اور ہماری ہی زبانیں بولتے ہوں گے لیکن شیاطین ہوں گے انسانی لبادے میں''۔ (اس سے ایک بار پھر ثابت ہوا کہ حالات کی خرابی کے اصل ذمہ دار بیرونی عناصر نہیں اندرونی عناصر ہیں۔ بیرونی عناصر والی بات بھی ثانوی درجے میں درست ہو سکتی ہے، لیکن اس کی حیثیت محض ایک مؤرخانہ تجزیے کی ہے)

چوتھے مرحلے کے بارے میں جو تعبیرات کی سختی ہے وہ تیسرے (خلافت علیؓ منہاج النبوۃ کے فوراً بعد والے) کے بارے میں نہیں ہے۔ میں نے چوتھے مرحلے کی

تعبیروں کا پہلے ذکر اس لیے کیا ہے کہ ان لوگوں کی غلطی واضح ہو سکے جو چوتھے مرحلے کے ان اوصاف کو تیسرے مرحلے کے لیے بھی ثابت کرتے ہیں کہ وہ مکمل طور پر جبر اور فساد کا دور تھا، اگر ایسا ہی ہوتا تو یہ دو مرحلے الگ الگ نہ ہوتے۔

تیسرے (خلافتِ نبوت) کے فوری بعد والے مرحلے کے لیے لفظ ہیں ملکٌ عاض، حضرت حذیفہؓ کی ایک روایت میں ہے تعرِف منهم وتنكر ان کے اچھے کام بھی دیکھو گے نامناسب بھی، هدنةٌ على دخن وجماعةٌ اقذاء مصالحت ہوگی کچھ کدورتوں کے ساتھ اور اجتماعیت ہوگی کچھ تکلیف دہ چیزوں کے ساتھ۔ قوم يستنون بغير سنتي ويهتدون بغير هديتي

(صحیح مسلم، کتاب الإمارة. باب الامر بلزوم الجماعة عند ظهور الفتن، رقم: ۱۸۴۷)

ان میں کچھ لوگ ہوں گے (یعنی سارے نہیں) جو میری سنت کے علاوہ کو راستہ بنائیں گے اور میری ہدایت کے علاوہ کسی اور چیز سے راہ نمائی حاصل کریں گے۔

اگرچہ ان حدیثوں کی مکمل تشریح یہاں مقصود نہیں، لیکن حضرت حذیفہؓ کی دوسری حدیث کے بارے میں ایک بات کا ذکر یہاں مفید ہوگا۔ حضرت حذیفہؓ کی اس حدیث میں خیر وشر کے مختلف مراحل بیان ہوئے ہیں۔ ایک پہلا شر ہے جو جاہلیت میں تھا، اس کے بعد پہلا خیر ہے جو عہد رسالت سے شروع ہوا۔ اس کے بعد پھر شر ہوگا، یہ دوسرا شر ہے۔ اس کے بعد پھر خیر ہوگا، یہ دوسرا خیر ہے۔ اسی کے بارے میں وہ تعبیرات آئی ہیں جو ابھی ذکر ہوئیں، مثلاً هُدْنَةٌ عَلَى دَخَنٍ وغیرہ۔ اس کے بعد پھر شر ہوگا جو بہت برا ہوگا۔ پہلی خیر (عہد رسالت سے شروع ہونے والی خیر) کے بعد جو دوسرا شر ہے اس کے بارے میں ابوداؤد کی روایت میں یہ بھی ہے کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ، اس میں بچاؤ کا ذریعہ کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا تلوار۔ اس شر کا مصداق کیا ہے؟ اس میں مختلف اقوال ہیں: مثلاً ایک رائے یہ ہے کہ اس شر سے مراد عہد صدیقی میں اٹھنے والے فتنے ہیں جیسے مرتدین، مانعین زکوٰۃ وغیرہ۔ اس کے بارے میں یہ بات تو درست ہے کہ اس میں نجات کا راستہ تلوار تھا۔

لیکن ان فتنوں کے خاتمے کے بعد کے دور پر وہ الفاظ منطبق نہیں ہوتے جو حدیث میں دوسری خیر کے لیے آئے ہیں، مثلاً هُدنة على دخن. جماعة اقذاء. قوم

یستنون بغیر سنتی. تعرف منهم وتنکر، ان میں سے کوئی بات بھی عہد صدیقی کے باقی ماندہ حصے یا اس کے بعد کے دور پر منطبق نہیں ہوتی، اس لیے میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ پہلا شر تو جاہلیت کا ہے، اس کے بعد پہلا خیر عہد رسالت سے شروع ہوتا ہے اور عہد صدیقی اور عہد فاروقی سے ہوتا ہوا عہد عثمانی کے ابتدائی بڑے حصے تک کو شامل ہے۔ یہ اسی خیر کا امتداد ہے جو خالص خیر ہے۔ دوسرا شر جو شروع ہوتا ہے یہ عہد عثمانی کے آخر سے ہوتا ہے، جب فتن کھل کر سامنے آگئے، اس لیے کہ دروازہ ٹوٹے ہوئے کئی سال ہو چکے تھے۔ یہ دور ۴۰ھ تک اس وقت تک چلتا ہے، جب حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ سے صلح کی۔ یہ دور شر کا دور اس معنی میں نہیں ہے کہ حکمران برے ہیں یا ان کا نظم حکومت کا معیار کم ہے، بلکہ اس معنی میں کہ یہ اندرونی خلفشار کا دور ہے۔ ایسا خلفشار جس میں دار الخلافہ کے اندر تیسرے خلیفۂ راشد کی عمل داری کو ختم کر دیا گیا اور انہیں ظلماً شہید کر دیا گیا، اس کے بعد بھی خلیفۂ راشد کو مسلسل جنگوں کا سامنا کرنا پڑا۔

اس دور کے بارے میں یہ بات بھی منطبق ہوتی ہے العصمة فیها السیف اس لیے کہ اس دور میں حضرت علیؓ نے مختلف گروہوں کے ساتھ جنگیں کیں، اور اس دور کے اختتام کے بعد والے دور خیر (جو صلح حسنؓ سے شروع ہوتا ہے، جو حدیث کے مطابق ملا جلا خیر ہے، مکمل خیر نہیں ہے) پر وہ الفاظ بھی منطبق ہو جاتے ہیں جو حدیث کے اگلے حصے میں بیان ہوئے ہیں، جن کا ذکر ابھی ہوا۔ حضرت عثمانؓ نے اگرچہ قتال نہیں کیا، لیکن وہ اس دور شر کا آغاز تھا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس شر کا عروج تھا۔ حضرت علیؓ نے بھی خوارج کے خلاف قتال بہت بعد میں کیا تھا، حالاں کہ یہ لوگ موجود پہلے بھی تھے، لیکن قتال کی وجوہ مکمل طور پر بعد میں پیدا ہوئیں۔ ایک فقیہ خلیفہ کسی گروپ کے خلاف ایکشن اس بنیاد پر نہیں لیتا کہ وہ اچھے یا برے لوگ ہیں، بلکہ ایکشن تب لیتا ہے جب ایکشن کی وجہ پیدا ہو جائے۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کی قتال کے حوالے سے پالیسی میں فرق کے بارے میں شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ کی رائے ہم آگے چل کر پیش کریں گے۔

بہر حال دونوں حضرات نے اپنے اپنے وقت کے حساب سے درست فیصلہ کیا۔ اس بات کو مد نظر رکھ کر عہد علوی کے داخلی قتالوں کے بارے میں جو حدیثیں آ رہی ہیں، یہ حدیث ان کے ساتھ بالکل ایک لائن میں نظر آ رہی ہے۔

## ۳۔ خلافت تیس سال ہوگی

اوپر کی حدیثوں سے معلوم ہوا کہ خلافت ورحمت کا دور ہوگا، اس کے بعد بادشاہت کا دور ہوگا، ان دونوں ادوار کے درمیان زمانی طور پر حد فاصل کیا ہے، کب ایک دور ختم ہوتا اور دوسرا شروع ہوتا ہے؟ یہ بات اگرچہ تاریخ کے مطالعہ سے بھی واضح ہوجاتی ہے؛ تاہم اس بارے میں صریح حدیث بھی موجود ہے۔ حضرت سفینہ کی ایک معروف حدیث ہے کہ الخلافۃ من بعدی ثلاثون سنۃ۔ خلافت میرے بعد تیس سال ہوگی اور اس کے بعد اللہ جس کو چاہیں گے، بادشاہت عطا کریں گے۔ حضرت سفینہؓ نے پھر کچھ سال شمار کر کے بتائے کہ خلفاے اربعہ کے اتنے اتنے سال ہوں گے [۱]۔

اس جزوی گنتی میں جانے کے بجائے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا انتقال کب ہوا؟ آپ کا انتقال ربیع الاول ۱۱ھ میں ہوا ہے۔ ربیع الاول ۴۱ھ تک تیس سال بنتے ہیں۔ رمضان ۴۰ھ میں حضرت علیؓ کی شہادت ہوئی ہے۔ جب آپؓ زخمی ہوئے تو لوگوں نے کہا کہ آپ اپنے بعد حضرت حسنؓ کو اپنا نائب بنادیں۔ حضرت علیؓ نے انکار فرمایا اور کہا کہ یہ بات میرے بعد لوگ مشورے سے طے کریں گے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اللہ کو آپ کیا جواب دیں گے؟ فرمایا کہ یہی کہ دوں گا کہ جس طرح اللہ کے نبی نے

---

[۱] یہ حدیث مختلف مجموعہ ہاے حدیث میں موجود ہے۔ صحیح ابن حبان کے الفاظ ہیں: ''اَخْبَرَنَا اَبُو يَعْلَى. حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ الْجَوْهَرِيُّ. اَخْبَرَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ. عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُمْهَانَ. عَنْ سَفِينَةَ. قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. يَقُولُ: «الْخِلَافَةُ بَعْدِي ثَلَاثُونَ سَنَةً. ثُمَّ تَكُونُ مُلْكًا». قَالَ: اَمْسِكْ خِلَافَةَ اَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ سَنَتَيْنِ. وَعُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَشْرًا. وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ وَعَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ سِتًّا. قَالَ عَلِيُّ بْنُ الْجَعْدِ: قُلْتُ لِحَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ: سَفِينَةُ الْقَائِلُ: اَمْسِكْ، قَالَ: نَعَمْ. (ابوحاتم محمد بن حبان الدارمی صحیح ابن حبان ت. شعیب الارنؤط. کتاب إخبارہ صلی اللہ علیہ وسلم عن مناقب الصحابة. رجالهم ونسائهم بذكر اسمائهم رضوان الله عليهم اجمعين. ذكر الخبر الدال على ان الخليفة بعد عثمان بن عفان كان علي بن ابي طالب رضوان الله عليهما ورحمته وقد فعل، رقم: 6943۔ علامہ البانیؒ نے اسے حسن صحیح قرار دیا ہے)

کسی کو مقرر نہیں کیا، میں نے بھی نہیں کیا۔ (اور یہ روایت غالباً شیعہ کی کتابوں میں بھی موجود ہے) حضرت علیؓ کی یہ بات اس امر کی دلیل بھی ہے کہ امامت منصوص نہیں ہوتی۔ حضرت علیؓ بھی لوگوں کے مقرر کرنے سے بنے ہیں۔ بعد میں لوگوں نے مشورے سے حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آخر یہ ہوا کہ ربیع الاول ۴۱ھ میں (تقریباً چھ مہینے بعد) حضرت حسنؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان جو بات چیت آخر میں جا کر چلی، وہ پایۂ تکمیل تک پہنچی اور ربیع الاول ۴۱ھ میں حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ کے حق میں خلافت سے دست برداری اختیار کر لی۔ اس کے بعد باقاعدہ طور پر حضرت معاویہؓ کا دور شروع ہو جاتا ہے اور اس وقت سے حضرت معاویہؓ بھی اہل السنت والجماعت کے نزدیک امیر المؤمنین ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے انتقال سے لے کر اس مرحلے تک کل تیس سال بنتے ہیں۔ حضرت حسنؓ کا دور عبوری دور ہے یا حضرت علیؓ کے دور کا تکملہ اور تتمہ ہے، اس لیے حضرت حسن کے دور کو مستقل شامل کیے بغیر کہہ دیا جاتا ہے کہ خلفاے راشدین چار ہیں۔ خلافتِ رحمت اور خلافت علی منہاج النبوۃ میں حضرت علیؓ کا دور بھی جب شامل ہوا تو وہ بھی خلیفۂ برحق اور خلیفہ راشد ہیں۔

حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر جو صلح کی ہے، اس کے بارے میں بخاری کی ایک مشہور حدیث ہے کہ إن ابنی ہذا سید کہ میرا یہ بیٹا سید ہے اور اللہ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو طائفوں کے درمیان صلح کروا دے گا[1]۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسنؓ نے جو صلح کی ہے، وہ کوئی غلط کام نہیں ہے، بلکہ وہ کام ہے جس پر رسول اللہ ﷺ نے شاباش دے کر گئے ہیں۔ اس سے یہ

---

[1] یہ حدیث متعدد مجموعہ ہائے حدیث میں موجود ہے۔ بخاری میں ایک طویل روایت ہے جس میں اس کے الفاظ اس طرح آتے ہیں کہ ابو بکرہ نے کہا: "رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ إِلَى جَنْبِهِ، وَهُوَ يُقْبِلُ عَلَى النَّاسِ مَرَّةً وَعَلَيْهِ أُخْرَى وَيَقُولُ: إِنَّ ابْنِي هَذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيمَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ." (صحیح البخاری، کتاب الصلح، باب قول النبی ﷺ للحسن بن علی رضی اللہ عنہما، رقم: ۲۷۰۴)

بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت حسنؓ اس وقت خلیفہ تھے۔ حضرت حسنؓ، تسلسل ہیں حضرت علیؓ کا، لہذا حضرت علیؓ کی خلافت کا برحق ہونا حدیثِ صلح سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

## شاہ عبدالعزیزؒ اور صلحِ حسنؓ کی حکمت

بلکہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے تو صلحِ حسنؓ کی حکمت ہی اس چیز کو بیان کیا ہے کہ حضرت حسنؓ کو اندازہ تھا کہ خلافت کا دور ختم ہو چکا ہے، چناں چہ وہ فرماتے ہیں: اور جب دین کے تمام ظاہری و باطنی امور میں کسی کو پیشوائی نصیب ہو تو وہ خلافتِ حقہ کا مستحق ہے۔ یہ خلافت صرف پانچ (ابوبکر، عمر، عثمان، علی، حسن رضی اللہ عنہم) حضرات میں منحصر ہے۔

(یعنی ابتدائی دور کے اعتبار سے، وگرنہ تو مہدی اور عیسیٰ بھی امام ہوں گے)

اہلِ سنت کا یہ خیال محض ہوائی نہیں ارشاداتِ قرآنی پر مبنی ہے، مثلاً وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا... اور اس کی وجہ کہ حضرت امام حسن نے حضرت معاویہ کے ساتھ صلح کیوں کی جب کہ اس وقت آپ کی ذاتِ عالی صفات استحقاقِ امامت میں مخصوص و ممتاز تھی، اور فریقِ ثانی کی بے استحقاقی (امامت کے لیے نہ کہ ریاست کے لیے) واضح اور روشن تھی، یہ ہے کہ حضرت امامؓ واقف تھے اور جانتے تھے کہ خلافت کا زمانہ ختم ہوا، کٹ کھنے بادشاہوں (ملک عضوض) کا وقت آپہنچا اور ظلم و ستم گری کا دور دورہ شروع ہوا۔ اگر میں بھی ریاست کا مدعی بنا رہا اور تقدیر میں چوں کہ ہے نہیں تو ریاست انتظام پذیر نہ ہوگی اور فتنہ و فساد، غضب و عناد رونما ہوں گے اور امامت کے جو مصالح ملحوظ و منظور ہونے چاہییں، وہ یکسر فوت ہو جائیں گے؛ لہذا مجبوراً ریاست و سیادت سے کنارہ کشی اختیار فرمائی اور امورِ ریاست حضرت معاویہ کے سپرد کر دیے جو اس وقت ریاست کی اہلیت رکھتے تھے۔۔۔ چوں کہ مدتِ امامت جو پورے تیس سال تھی وہ ختم ہو چکی آپ نے اس کو ترک ہی فرما دیا[1]۔

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ اردو، ۳۵۹۔ شاہ صاحب کی اس عبارت کے بعض پہلو ممکن ہے از قبیلِ نکتہ محسوس ہوں، تاہم یہ واضح ہے کہ خلافت کے زمانی فریم کو وہ پوری طرح تسلیم کرتے ہیں۔ تیس سالہ دور محض حکومت کا نہیں امامت اور دینی پیشوائی کا بھی ہے، یہ لوگ سیاسی معاملات میں اسوہ اور حجت ہیں۔

## خاندانِ نبوت کی اطاعت وقیام دونوں میں اسوہ اور امام احمدؒ کا ایک ارشاد

اس صلح کے بعد ایک مرتبہ پھر اس خاندان نے اطاعتِ امیر کر کے دکھائی۔ اس خاندان کی سیرت کے دونوں پہلو بہت زیادہ اہمیت رکھتے ہیں: اطاعت کرنا بھی اور اطاعت کرانے کے لیے یا باطل حکومت کا بطلان واضح کرنے کے لیے نکلنا بھی۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات سے لے کر حضرت عثمان کی شہادت تک مسلسل بے مثال اطاعت اور تعاون کا نمونہ قائم کر کے دکھایا، حضرت حسنؓ کی صلح سے لے کر حضرت معاویہؓ کے انتقال تک بھی اپنے عمل سے بتایا کہ ایک حکومتِ منعقدہ کے ساتھ کیسے چلا جاتا ہے، حالاں کہ اس دور میں بہت سی باتوں کو یہ حضرات درست نہیں سمجھتے تھے۔

لیکن اطاعت کر کے دکھائی۔ اب یہ لوگ جب اپنی اطاعت کرانے کی بات کر رہے ہیں، تو یقیناً کسی مضبوط بنیاد پر کھڑے ہو کر ہی کر رہے ہیں۔ اسے مشکوک اور تماشا سا بنا دینا بدترین قسم کی فکری دھاندلی ہے۔ یہ بات صرف میں نہیں کہہ رہا، امام احمد بن حنبلؒ سے بھی اس سے ملتی جلتی بات نقل کی گئی ہے۔

ابن عساکر نے اپنی تاریخ دمشق میں امام احمد سے نقل کیا ہے کہ حضرت علی بھی ''الراشدین المہدیین'' میں سے ہیں۔ (غالباً وہ حدیثِ عرباض کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، یعنی حضرت علی ان حضرات میں سے ہیں جن کی سنت سے تمسک کا حکم دیا گیا ہے) اس کے بعد انہوں نے دوسری روایت امام احمدؒ سے نقل کی کہ ان سے پوچھا گیا خلافت کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں، یعنی خلفا کون کون ہیں؟

امام احمدؒ نے فرمایا ابوبکر، عمر، عثمان، علی۔ کسی نے عرض کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ حضرت سفینہ کی حدیث کے پیشِ نظر کہہ رہے ہیں (جس میں ہے کہ خلافت میرے بعد تیس سال ہوگی)۔ امام احمدؒ نے فرمایا یہ بھی ہے، مگر اس کے ساتھ ایک بات اور بھی ہے کہ میں نے کو ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کے زمانے میں دیکھا کہ وہ خود کو نہ امیر المؤمنین کہلاتے ہیں، نہ خود جمعہ اور حدود قائم کرتے ہیں۔

یعنی رعایا کے ایک فرد کی طرح زندگی گزارتے ہیں، پھر عثمانؓ کی شہادت کے بعد دیکھتا ہوں وہ سب کچھ کر رہے ہیں، یعنی بطور حاکم زندگی گزار رہے ہیں اور اپنی اطاعت کروا رہے ہیں تو اس سے میں سمجھا کہ حضرت علیؓ کے لیے اب وہ چیز ثابت ہو چکی ہے جو پہلے ثابت نہیں تھی[1]۔

## عہدِ علوی کے داخلی قتال

باقی خلفا کے زمانے میں بیرونی قتال ہوئے ہیں، حضرت علیؓ کے زمانے میں داخلی قتال زیادہ ہوا ہے۔ اس کو حضرت علیؓ کے ایک نقص کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، لیکن یہ نقص نہیں ہے، بلکہ اس میں بھی ایک اُسوہ ہے، کیوں کہ اندرونی طور پر بھی فوجی کارروائیاں ہمیشہ کرنی پڑتی ہیں، بغاوتیں کچلنی پڑتی ہیں، اس کے لیے بھی کوئی نمونہ ہونا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں یہ ممکن نہیں تھا، کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں کوئی بغاوت کرتا تو وہ محض باغی نہ ہوتا، بلکہ وہ تو کافر ہو جاتا۔

اس لیے فقہا کا اس پر اتفاق ہے کہ باغیوں کے معاملے میں سب سے بڑا اسوہ اور نمونہ حضرت علیؓ ہیں اور بُغاۃ کے معاملے میں تقریباً تمام احکام فقہا نے حضرت علیؓ کے طرزِ عمل

---

[1] ابن عساکر کی عبارت یہ ہے: ثم ذکر حدیث حماد بن سلمة عن سعید بن جمهان عن سفینة فی الخلافة فقال احمد: علی عندنا من الراشدین المهدیین. وحماد بن سلمة عندنا ثقة. وما نزداد فیه کل یوم إلا بصیرة... قال: سمعت المیمونی یعنی عبد الملك بن عبد الحمید یقول: سمعت احمد بن حنبل وقیل له إلی ما تذهب فی الخلافة قال: ابو بکر وعمر وعثمان وعلی. قال: فقیل له: کانك تذهب إلی حدیث سفینة، قال: اذهب إلی حدیث سفینة. وإلی شیء آخر. رایت علیا فی زمن ابی بکر وعمر وعثمان لم یتسمّ امیرَ المؤمنین ولم یُقم الجمعة والحدود. ثم رایته بعد قتل عثمان قد فعل ذلك. فعلمت انه قد وجب له فی ذلك الوقت ما لم یکن قبل ذلك. (ابو القاسم علی بن الحسن بن هبة الله المعروف بابن عساکر. تاریخ دمشق. عمرو بن غرامة العمروی. حرف العین. عثمان بن عفان، (بیروت: دار الفکر، ۱۹۹۵ء، ۳۹: ۵۰۸)

ہی سے مستنبط کیے ہیں[1]۔ علامہ سرخسیؒ نے المبسوط میں بھی اور شرح السیر الکبیر میں بھی جہاد کی فرضیت اور اس کے تا قیامت باقی رہنے کی بات کرتے ہوئے سفیان بن عیینہؒ کا قول نقل

---

[1] یہاں علامہ ابن تیمیہؒ کے مجموع الفتاوی کا ایک اقتباس وضاحت کے لیے پیش کرنا مناسب ہوگا۔ وہ کہتے ہیں: وهذا ايضا يدل على صحة إمامة على ووجوب طاعته وان الداعي إلى طاعته داع إلى الجنة والداعي إلى مقاتلته داع إلى النار - وإن كان متاولا - وهو دليل على انه لم يكن يجوز قتال على وعلى هذا فمقاتله مخطئ وإن كان متاولا او باغ بلا تاويل وهو اصح القولين لاصحابنا وهو الحكم بتخطئة من قاتل عليا وهو مذهب الائمة الفقهاء الذين فرعوا على ذلك قتال البغاة المتاولين... المنصوص عن احمد تبديع من توقف في خلافة على وقال: هو اضل من حمار اهله وامر بهجرانه ونهى عن مناكحته ولم يتردد احمد ولا احد من ائمة السنة في انه ليس غير على اولى بالحق منه ولا شكوا في ذلك. (یہ (حدیث عمارؓ) حضرت علیؓ کی امامت اور ان کی اطاعت کے واجب ہونے پر بھی دلالت کرتی ہے اور یہ کہ ان کی اطاعت کی طرف دعوت دینے والا جنت کی طرف دعوت دینے والا ہے اور ان کے ساتھ قتال کی طرف دعوت دینے والا دوزخ کی طرف دعوت دینے والا ہے، اگرچہ وہ تاویل کرتا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت علیؓ کے ساتھ قتال جائز نہ تھا اور اسی بنیاد پر ان کے ساتھ قتال کرنے والا خطا پر ہے، اگرچہ تاویل ہی کیوں نہ کرے یا تاویل کے بغیر باغی ہے۔ یہ ہمارے اصحاب کے دو اقوال میں سے صحیح ترین قول ہے اور یہی حکم ہے اس شخص کے غلطی پر ہونے کا جس نے علی سے قتال کیا۔ یہی ائمہ فقہا کا مذہب ہے جنھوں نے اس مسئلے پر تاویل کنندہ اہل بغاوت کے ساتھ قتال کرنے پر تفریع کی ہے۔ (بعض دوسرے شاذ مواقف ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں) امام احمد بن حنبلؒ سے یہ بات صریح طور پر منقول ہے کہ وہ حضرت علیؓ کی خلافت کے معاملے میں توقف کرنے والے کو بدعتی قرار دیتے تھے اور فرماتے تھے: ایسا شخص اپنے گدھے سے بھی گیا گزرا ہے۔ آپ نے ایسے شخص سے دور رہنے اور اس سے نکاح کا معاملہ کرنے سے منع فرمایا۔ وہ اور ائمہ اہل سنت میں سے کوئی بھی اس بات میں متردد یا شک میں مبتلا نہیں ہے کہ حضرت علی سے زیادہ (خلفاے ثلاثہ کے بعد) خلافت کا حق دار کوئی نہیں تھا) (ابو العباس تقی الدین احمد بن الحلیم بن تیمیہ الحرانی (۷۲۸ھ)، مجموع الفتاوی، ت، عبدالرحمن بن محمد بن قاسم، (السعودیہ: مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف، ۱۹۹۵ء، ۴: ۴۳۸)

کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی چار تلواریں ہیں: ایک رسول اللہ ﷺ کی تلوار ہے جس سے مشرکین کے ساتھ قتال کیا گیا اور ایک ابوبکرؓ کی تلوار ہے جس سے مرتدین کے خلاف قتال کیا گیا۔ تیسری تلوار حضرت عمرؓ کی ہے جس کے ذریعے اہل کتاب اور مجوس یعنی قیصر وکسری کی سلطنت سے قتال ہوا اور چوتھی تلوار علیؓ کی ہے جس سے باغیوں وغیرہ کے خلاف قتال کیا گیا[1]۔

کتب شافعیہ میں امام شافعیؒ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ مسلمانوں نے مشرکین سے جنگ لڑنے کا طریقہ رسول اللہ ﷺ سے حاصل کیا، مرتدین سے جنگ کرنے کا حضرت ابوبکرؓ سے اور باغیوں سے قتال کرنے کا حضرت علیؓ سے حاصل کیا[2]۔

حضرت علیؓ کے زمانے میں جو قتال ہوئے، اس پہلو سے تو بہرحال افسوس ناک ہیں کہ بہرحال یہ جنگیں مسلمانوں کے درمیان ہوئیں۔ حضرت علیؓ کو بھی افسوس ہوتا تھا،

---

[1] المبسوط، سرخسی کے کتاب الجہاد کے بالکل شروع شروع میں ہے: قال النبی - ﷺ - الجهاد ماض منذ بعثني الله تعالى إلى ان يقاتل آخر عصابة من امتي الدجال « وقال ﷺ - بعثت بالسيف بين يدي الساعة وجعل رزقي تحت ظل رمحي والذل والصغار على من خالفني ومن تشبه بقوم فهو منهم « وتفسيره منقول عن سفيان بن عيينةؒ قال بعث الله تعالى رسوله - ﷺ - باربعة سيوف سيف قاتل به بنفسه عبدة الاوثان وسيف قاتل به ابو بكر رضي الله عنه - اهل الردة قال الله تعالى {تقاتلونهم او يسلمون} (الفتح: ۱۶) وسيف قاتل به عمر رضي الله عنه - المجوس واهل الكتاب قال الله تعالى {قاتلوا الذين لا يؤمنون بالله} (التوبة: ۲۹) الآية وسيف قاتل به علي - رضي الله تعالى عنه - المارقين والناكثين والقاسطين وهكذا روي عنه قال امرت بقتال المارقين والناكثين والقاسطين قال الله تعالى {فقاتلوا التي تبغي حتى تفيء إلى امر الله} (الحجرات: ۹) (محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی، المبسوط (بیروت: دار المعرفة، ۱۹۹۳ء، ۱۰: ۳)

[2] چناں چہ فقہ شافعی کی کتاب اسنی المطالب، ۴: ۱۱۱ میں ہے: (باب قتال البغاة) (قوله: والاصل فيه إلخ) قاتل على اهل الجمل بالبصرة مع عائشة ثم قاتل اهل الشام بصفين مع معاوية. ثم قاتل اهل النهروان مع الخوارج قال الشافعي: اخذ المسلمون السيرة في قتل المشركين من رسول الله - ﷺ - وفي قتال المرتدين من الصديق وفي قتال البغاة من علي فإنهم كانوا مخطئين في قتاله لقوله - ﷺ - لعمار تقتلك الفئة الباغية (زکریا بن محمد بن زکریا انصاری، اسنی المطالب فی شرح روض الطالب (دار الکتاب الإسلامی ۴: ۱۱۱)

لیکن ان جنگوں کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ان کے افسوس ناک ہونے کے باوجود ان میں حضرت علیؓ نہ صرف درست ہیں، بلکہ وہ ان معاملات میں ایک اسوہ ہیں اور مینارِ ہدایت ہیں کہ اگر کوئی ریاست کی رٹ کو چیلنج کر دے تو پھر کیا کیا جائے گا؟ اسی لیے سفیان بن عیینہؒ اس معاملے میں حضرت علیؓ کی تلوار کو اللہ کی تلوار ارشاد فرما رہے ہیں۔ آگے ابن رجب حنبلیؒ کے حوالے سے نقل کیا جائے گا کہ خود حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں ہی وہ شخص ہوں جس نے سکھایا کہ اہلِ قبلہ کے خلاف قتال کرنا پڑ جائے تو کیسے کیا جائے گا۔ قتالِ خوارج کے بیان میں آئے گا کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں نے ہی فتنے کی آنکھ کو پھوڑا ہے۔ ابو بکر باقلانیؒ کہتے ہیں کہ بڑے بڑے علما نے کہا ہے اگر حضرت علیؓ اپنے مخالفین سے قتال نہ کرتے تو اہلِ قبلہ سے قتال کا طریقہ معلوم نہ ہوتا[1]۔

حضرت علی کے طریقۂ قتال کا اگر تفصیلی مطالعہ کیا جائے تو اس میں جو توازن و اعتدال، خوب صورتی، قدم قدم پر یہ احساس کہ یہ اپنوں سے لڑائی ہے دشمنوں سے نہیں،

---

[1] ابو بکر محمد بن الطیب الباقلانی، تمہید الاوائل وتلخیص الدلائل (بیروت: مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، ۵۴۷ بلکہ قاضی ابو بکر باقلانی تو اس معاملے کو حضرت کی خلافت کے دلائل میں شمار کرتے ہیں کہ انہوں نے داخلی جنگوں کے اصول امت کو سکھائے۔ باقلانیؒ، حضرت علیؓ کی خلافت کے دلائل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ثم ما ظهر من فقهه وعلمه فی قتال اهل القبلة من استدعائهم ومناظرتهم وترك مباداتهم والنبذ إليهم قبل نصب الحرب معهم وندائه (لا يبدؤوهم بالحرب حتى يبدؤوكم ولا يتبع مدبر ولا يجهز على جريح ولا يكبس بيت ولا تهج امراة) وفی رواية اخرى ولا يكسر بيت وردّه رحالات القوم إليهم وترك اغتنام اموالهم وكثرة تعريفه وندائه على ما حصل فی قبضته من اموالهم وكثرة الامر لابن عباس وغيره بقبول شهادة اهل البصرة وصفين إذا اختلطوا ووضعت الحرب اوزارها والصلاة خلفهم وقوله لمن سال عن ذلك (ليس فی الصلاة والعدالة اختلفنا وإنما اختلفنا فی إقامة حد من الحدود فصلوا خلفهم واقبلوا شهادة العدول منهم) إلى غير ذلك مما سنّه من حرب المسلمين حتى قال جلة اهل العلم لولا حرب على لمن خالفه لما عرفت السنة فی قتال اهل القبلة. (نفسِ مصدر، ۵۴۷)

جیسے امور گھر کر سامنے آتے ہیں تو آدمی کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ کام ایک خلیفہ راشد ہی سے لیا جانا قرینِ حکمتِ الٰہی تھا۔ وگرنہ یا تو یہ سمجھا جاتا کہ اندرونی طور پر طاقت کے استعمال کی کسی حکومت کے لیے گنجائش نہیں یا پھر اس انداز سے طاقت کو استعمال کیا جاتا، جیسے دشمن کے خلاف کیا جاتا ہے۔

اندرونی قتال کا یہ کام کسی قدر حضرت صدیق اکبرؓ نے بھی کیا ہے، لیکن وہ بہت مختصر تھا، اس لیے ان کا ذکر اس حوالے سے زیادہ نمایاں نہیں ہے۔ جن لوگوں کے خلاف انہوں نے قتال کیا، ان میں کئی طبقات تھے۔ ایک تو رومیوں کے خلاف رسول اللہ ﷺ کا بنایا ہوا جیشِ اسامہ بھیج دیا۔ دوسرا قتال مسیلمہ کذاب اور اس کے پیروکاروں کے خلاف ہے۔ یہ بڑا سخت قتال تھا اور بہت سے صحابہ نے قربانیاں دی تھیں۔ تیسرا قتال مرتدین کے خلاف ہے۔ چوتھا گروہ مانعینِ زکاۃ کا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہم زکاۃ اپنے طور پر ادا کریں گے، خلیفہ وقت کو زکاۃ نہیں دیں گے۔ حضرت ابوبکرؓ کا یہ قتال باغیوں کے خلاف تھا۔ سرکاری محصولات ادا کرنے سے انکار گویا خود سرکار کا اور اس کی عمل داری کا انکار ہے۔ یہ حکومت کی رٹ کا انکار ہوتا ہے۔ جس دلیل سے حضرت ابوبکرؓ کا قتال درست تھا، اسی دلیل سے حضرت علیؓ کا قتال بھی درست تھا اور یہ قرآن کا حکم ہے: فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ. (الحجرات ۴۹:۹) یہ قتال اس اعتبار سے منفی اور افسوس ناک ہے کہ آپس میں لڑنا پڑ رہا ہے، لیکن اس منفیت کا بوجھ باغیوں پر پڑتا ہے، باغیوں کے خلاف قتال کرنے پر نہیں پڑتا۔ لوگ دونوں کو برابر کھڑا کر دیتے ہیں (یہاں پھر وہی سوال آتا ہے کہ جن سے حضرت علیؓ کے مدمقابل آنے کی غلطی ہوئی، ان کے فعل کی توجیہ یا ان کا عذر کیا ہوگا؟ یہ الگ موضوع ہے، جس پر مختصر بات ہم آخر میں کریں گے)

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے حوالے سے بعض صحابہ کا اتفاق نہ تھا۔ حضرت سعد بن عبادہؓ تو بہت واضح ہیں، حضرت سعد بن عبادہؓ بہت جلیل القدر صحابی ہیں، خزرج قبیلہ کے سردار تھے، بیعت عقبہ میں شریک ہونے والوں میں سے ہیں، یہ وہی سعد ہیں جنھوں نے غزوۂ بدر سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے مشورہ مانگنے پر پُرجوش خطاب کیا تھا اور کہا تھا کہ اگر آپ حکم دیں گے کہ ہم اپنی سواریوں کو سمندر میں ڈال دیں تو ہم ایسا بھی کر گزریں

گے۔ روزانہ اصحاب صفہ کی بڑی تعداد کے کھانے کا انتظام کیا کرتے تھے۔ اور بھی بعض صحابہ ہیں، جن کی ذاتی رائے ابتدا میں کچھ اور تھی، لیکن انہوں نے اپنی رائے پر اصرار نہیں کیا۔ یا تو انہوں نے جمہور کے ساتھ ملتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کی ہاتھ پر بیعت کر لی یا پھر تنہائی اختیار کر لی۔ حضرت سعد بن عبادہؓ کے بارے میں ایک دوسری روایت بھی آتی ہے کہ انہوں نے بیعت نہیں کی اور شام چلے گئے تھے اور وہیں ان کا انتقال ہوا، لیکن حضرت ابوبکرؓ کے خلاف کوئی محاذ نہیں کھڑا کیا۔ حضرت علیؓ نے بھی یہی بات فرمائی تھی کہ اگر ابوبکرؓ وعمرؓ کے خلاف بھی لوگ اس طرح کھڑے ہوتے تو وہ بھی اسی طرح قتال کرتے، میں بھی اسی طریقے پر کھڑا ہوں[1]۔

لیکن یہ حضرت ابوبکرؓ کی خوش قسمتی اور عہد رسالت کے قریب ہونے اور معاشرے میں صحابہ کی کثرت اور غیر صحابہ کی قلت کی برکت تھی کہ اگر کسی کی رائے مختلف تھی بھی تو اس نے محاذ نہیں بنایا۔ حضرت علیؓ کے زمانے میں اگر محاذ بنا تو اس کے پیچھے کچھ چیزیں ہوسکتی ہیں۔ جو شخصیات سامنے ہیں، ممکن ہے اصل وہ نہ ہوں، بلکہ پس پردہ دیگر لوگ ہوں جن کی حضرت عمرؓ نے آخری خطبے میں نشان دہی کی تھی۔ یہ عنصر موجود تھا، جو اگرچہ چھپا ہوا تھا، لیکن حضرت عمرؓ کو اندازہ تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ لوگ چھپ کر یہ سازشیں کر رہے ہوں۔ مثال کے طور پر دیکھیں کہ حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر (رضی اللہ عنہم) تینوں کی رائے حضرت علیؓ کے حق میں ہے، (جیسا کہ گزرا) لیکن کچھ عرصے کے بعد وہ حضرت علیؓ کے خلاف

---

[1] امام احمدؒ کے صاحب زادے عبداللہ بن احمد کی کتاب السنۃ کی حدیث نمبر: ۱۳۲۹ میں مضرت کا بصرہ میں دیا گیا ایک خطبہ ہے، روایت کے لفظ یہ ہیں: قال: فحمد الله واثنى عليه وذكر النبي ﷺ وما عالج من الناس. ثم قبضه الله عز وجل إليه. ثم راى المسلمون ان يستخلفوا ابا بكر رضي الله عنه. فبايعوا وعاهدوا وسلموا، وبايعتُ وعاهدتُ وسلمتُ. ورضوا ورضيتُ. وفعل من الخير وجاهد حتى قبضه الله عز وجل رحمة الله عليه. واستخلف عمر رضي الله عنه فبايعه المسلمون وعاهدوا وسلموا وبايعتُ وعاهدتُ وسلمتُ. ورضوا ورضيتُ. ففعل وفعل من الخير حتى ضرب الإسلام بجرانه رحمة الله عليه. فما بال ابي بكر وعمر يوفى لهما بيعتهما وما بال بيعتي تنكث. فوالله إني لارجو ان لا اكون دون امر منهما

کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان حضرات کا اپنا رجحان یہ نہیں تھا۔ نیک لوگ بھی بعض اوقات لوگوں کی وجہ سے غلط فہمی میں پڑ جاتے ہیں۔ حضرت عمرؓ جس قسم کے لوگوں کی طرف صحیح مسلم کی روایت میں اشارہ کر رہے ہیں، ان پر بعض روایات سے مزید روشنی بھی پڑتی ہے، لیکن اس کا ہمارے موضوع سے براہ راست تعلق نہیں ہے۔ کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ مخلصین کی طرف سے اختیار کیا گیا اگر کوئی موقف درست نہیں تھا تو اس میں ان کے اعذار بھی تھے۔ بہر حال اصولی طور پر جو صورت حال بنتی ہے، وہ یہ ہے کہ جب حضرت علیؓ کی خلافت منعقد ہوگئی تو شریعت اسلامیہ میں ایک امام عادل کے جو احکام ہیں وہ خود بخود اس پر مرتب ہو جائیں گے۔ اگر کسی کی نظر میں امام کی کوئی پالیسی درست نہیں تو اس کا اظہار بھی کیا جا سکتا ہے، امام سے بات بھی کی جا سکتی ہے لیکن اس کی رٹ چیلنج نہیں کی جا سکتی۔ خاص طور پر جب کہ امام عادل کسی جائز مطالبے کا اصولی طور پر انکار بھی نہ کر رہا ہو۔ جیسا کہ حضرت عثمان کی پالیسیوں پر اشکالات کا نام لے کر ان کے لیے مسائل پیدا کر دینا بالکل غلط اقدام تھا۔ ایسے موقع پر اگر امام عادل ضرورت محسوس کرے تو قتال کا فیصلہ بھی کر سکتا ہے۔

اہل السنت والجماعت نے نہ صرف یہ کہ حضرت علی کے اس نوعیت کے فیصلوں کو درست قرار دیا ہے، بلکہ اسے اس باب میں اسوہ بھی قرار دیا ہے۔ حضرت علی کے ان فیصلوں کی جو حیثیت اصولی طور پر بنتی ہے اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ متعدد حدیثوں سے بھی وہی بات سمجھ میں آتی ہے۔ اگرچہ اس موضوع پر کوئی حدیث نہ ہوتی، تب بھی اہل السنت والجماعت کے مسلمہ اصولوں کی روشنی میں یہی پوزیشن بنتی ہے اور اسی کی اہل السنت تصریح کرتے چلے آئے ہیں، لیکن حضرت علی کو دور ہی چوں کہ الجھاؤ والا ملا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت اپنے نبی ﷺ سے اس بارے میں متعدد ارشادات بھی صادر کرا دیے۔ انہی میں سے چند ایک کو یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

## قتالِ علیؓ کے بارے میں عمومی حدیثیں

حضرت علیؓ کے زمانے کی تین جنگیں بنیادی ہیں، سب سے پہلی جنگ، جنگِ جمل ہے۔ اس کے بارے میں بھی حدیثیں موجود ہیں، دوسری صفین کی جنگ، اس کے بارے میں بھی حدیثیں موجود ہیں اور آخری جنگ نہروان کی ہے جو خوارج کے خلاف لڑی

گئی، اس کے بارے میں تو بہت حدیثیں موجود ہیں۔ یہاں پہلے حضرت علی کے قتال کے بارے میں عمومی حدیثیں ذکر کی جائیں گی، اس کے بعد متعین واقعات کے بارے میں جو حدیثیں ہیں، وہ ذکر ہوں گی۔

## ۱۔ لیکن وہ جوتا گانٹھنے والا ہے

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت علیؓ کو گانٹھنے کے لیے جوتا دیا ہوا تھا۔ اس موقع پر آپؐ نے فرمایا کہ ایک شخص ایسا ہے کہ وہ تم سے قرآن کی تاویل پر قتال کرے گا، جس طرح کہ تم نے قرآن کی تنزیل پر قتال کیا۔ یعنی تم نے جو قتال کیا ہے وہ اس بات پر ہے کہ قرآن کو مانو، یہ اللہ کی کتاب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تعریف کے انداز میں بات فرمائی کہ ایک خوش قسمت شخص ایسا ہے جو تم سے قرآن کی تاویل (یعنی اس کی تشریح اور امرِ واقعہ پر منطبق کرنے کے معاملے) پر قتال کرے گا۔ اس پر صحابہ میں یہ تجسس پیدا ہوا کہ کون ایسا ہو سکتا ہے! حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا، یارسول اللہ، میں؟ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا تو ان سے بھی کہا کہ نہیں، بلکہ وہ جو جوتا ٹھیک کر رہا ہے، وہ ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ ایک صاحب بڑی خوشی سے حضرت علیؓ کو یہ بات بتانے گئے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات فرمائی ہے تو ایسا لگا کہ حضرت علیؓ کے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں [1]۔ اس حدیث کو ابن ابی شیبہ،

---

[1] حاکم کی المستدرک علی الصحیحین کے الفاظ ہیں: "عن ابی سعید رضی اللہ عنہ قال: کنا مع رسول اللہ ﷺ. فانقطعت نعلہ فتخلف علی یخصفھا فمشی قلیلا ثم قال: إن منکم من یقاتل علی تاویل القرآن کما قاتلت علی تنزیلہ فاستشرف لھا القوم. وفیھم ابو بکر وعمر رضی اللہ عنھما. قال ابو بکر: اناھو. قال: لا قال عمر: اناھو. قال: لا. ولکن خاصف النعل- یعنی علیا- فاتیناہ فبشرناہ. فلم یرفع بہ راسہ کانہ قد کان سمعہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم." (المستدرک علی الصحیحین. کتاب معرفۃ الصحابۃ رضی اللہ عنھم اما الشیخان فإنھما لم یزیدا علی المناقب. وقد بدانا فی اول ذکر الصحابی بمعرفۃ نسبہ ووفاتہ. ثم بما یصح علی شرطھما من مناقبہ مما لم یخرجاہ فلم استغن عن ذکر محمد بن عمر الواقدی واقرانہ فی المعرفۃ. واما قصۃ اعتزال محمد بن مسلمۃ الانصاری عن المبیعۃ، رقم: ۴۶۲۱) حاکم کہتے ہیں کہ یہ حدیث، بخاری و مسلم کی شرائط پر صحیح ہے۔

امام احمد، ابو یعلی اور حاکم وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ حاکم نے اس حدیث کو بخاری و مسلم کے معیار کے مطابق صحیح قرار دیا ہے، ہیثمی نے مجمع الزوائد میں ابو یعلی والی روایت کے بارے میں کہا: رجاله رجال الصحيح. اس کے سارے راوی صحیح والے راوی ہیں، مسند احمد والی روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے ہیثمی نے کہا ہے اس کے راوی صحیح والے ہیں سوائے فطر بن خلیفہ کے لیکن وہ بھی ثقہ ہیں۔ یہ ذہن میں رہے کہ نسائی کی السنن الکبری اور صحیح ابن حبان کی روایت میں فطر بن خلیفہ کی جگہ یہ حدیث اعمش روایت کر رہے ہیں۔ البانی نے سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ میں اسے مسلم کے معیار پر صحیح قرار دیا ہے اور کہا ہے:

فالحديث صحيح لا ريب فيه. (سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، رقم: ۲۴۸۷)

شاہ عبد العزیز دہلویؒ نے اسے ان احادیث میں ذکر کیا ہے جن سے شیعہ، حضرت علیؓ کی خلافت بلافصل ثابت کرتے ہیں۔ شاہ صاحبؒ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس سے خلافت بلافصل تو ثابت نہیں ہوتی، البتہ اہل السنت کا یہ موقف ضرور ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ اپنی لڑائیوں میں حق پر تھے؛ وہ فرماتے ہیں:

اہل سنت کا مسلک بھی یہی ہے کہ جناب امیر اپنی لڑائیوں میں حق بجانب تھے اور آپ کے مخالفین خطا کار۔ اس حدیث میں وہ کون سی وجہ ہے جس سے آپ کی امامت بلافصل ثابت ہو سکے۔۔۔ ہاں اس کو اہل سنت کے مذہب کی دلیل ٹھہرائیں تو درست ہوگا، کیوں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب امیرؓ کسی وقت امام ہوں گے اور تاویلِ قرآن پر قتال کریں گے اور ان کے قتال کا وقت معلوم ہے کہ کب تھا۔ الخ!

(شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، تحفۂ اثنا عشریہ، اردو ترجمہ، خلیل الرحمٰن نعمانی مظاہری، کراچی: دار الاشاعت، س ن، ۴۴۱)

حضرت علی کے دور کی داخلی جنگوں کو عموماً ایک برائی نہیں تو کم زوری یا بے نامناسب بات بنا کر پیش کیا جاتا ہے، لیکن حدیثِ رسول ﷺ داخلی قتال ہی پر حضرت علیؓ کی تعریف کر رہے ہیں۔ ابھی حضرت ابو سعید خدری کی جو حدیث بیان ہوئی، اسی سے ملتے جلتے مضمون کی ایک حدیث خود حضرت علی سے بھی مروی ہے، جسے امام ترمذیؒ نے بھی اپنی جامع میں روایت کیا ہے اس کی سند بالکل صحیح ہے، اس کے بارے میں امام ترمذی نے

کہا ہے: ہذا حدیث حسن صحیح غریب، ترمذی کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیبیہ کے موقع پر مشرکین کی طرف سے کسی بات پر ناجائز اصرار کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ قریش کے لوگو! باز آجاؤ، وگرنہ میں تمہاری گردنیں اڑانے کے لیے ایسے شخص کو بھیجوں گا جس کے دل کو اللہ نے ایمان کے بارے میں آزمایا ہوا ہے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور بعض دیگر حضرات نے پوچھا وہ کون ہے یارسول اللہ۔ آپ نے فرمایا وہ جوتا گانٹھنے والا، اور آپ نے حضرت علیؓ کو اپنا جوتا گانٹھنے کے لیے دیا ہوا تھا۔

(سنن الترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، یقال ولہ کنیتان: ابوتراب، وابوالحسن، رقم: ۳۷۱۵)

تقریباً یہی واقعہ حضرت ابوذر غفاری سے بھی مروی ہے، اس میں یہ لفظ ہیں کہ میں ایسے شخص کو بھیجوں گا جو میرے جیسا ہی ہوگا۔

(احمد بن حنبل، فضائل الصحابۃ، رقم: ۹۶۶؛ احمد بن شعیب بن علی الخراسانی النسائی، السنن الکبری، کتاب الخصائص، ذکر قولہ ﷺ: علی کنفسی، رقم: ۸۴۰۳)

لیکن دونوں روایتوں کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں واقعے الگ الگ ہیں۔ حضرت علیؓ اور حضرت ابوذرؓ کی روایت میں قریش کو ایک دھمکی ہے جسے پورا کرنے کی نوبت نہیں آئی، لیکن اس میں بھی رسول اللہ ﷺ کا ارادہ حضرت علیؓ ہی کو بھیجنے کا تھا، اس میں حضرت علیؓ کے لیے شان دار الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں، مثلاً امتحن اللہ قلبہ للإیمان اور رجلا کنفسی۔ حضرت ابوسعید خدری کی روایت میں مستقبل کے حوالے سے پیش گوئی ہے کہ علی اس طرح کا قتال کریں گے۔ پہلے تو میری یہ رائے تھی کہ دونوں حدیثیں الگ الگ ہیں، لیکن بعد میں امام طحاوی کی شرح مشکل الآثار میں مل گیا کہ انہوں نے بھی تقریباً یہی بات کہی ہے اور یہ کہ یہاں جن سے قتال کی بات ہو رہی ہے وہ خوارج ہیں۔ امام طحاوی کے انداز سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں حدیثوں کو بالکل صحیح سمجھتے ہیں۔ امام طحاوی کی عبارت کا کچھ حصہ یہ ہے:

فتاملنا هذا الحديث. فوجدنا ما فيه غير ما في الحديث الذي ذكرنا في الباب الذي قبل هذا الباب. فكان ما في الحديث الذي ذكرناه في الباب

الذی قبل هذا الباب من الوعید من اجل المعنی الذی ساله رسول الله صلی الله علیه وسلم مَن ساله إیاه من قریش الذین جاءوه من مکة. وکان فی الحدیث الذی ذکرنا فی هذا الباب وعْدُ رسولِ الله ﷺ الذی وعده ممن ذکر فیه انه یقاتل بعده علی تاویل القرآن، کما قاتل هو صلی الله علیه وسلم علی تنزیله. وکان ما فی هذا الحدیث وعدلا بد من ان یکون وقد کان مما اجراه الله علی ید علی بن ابی طالب رضی الله عنه من قتاله اهل التاویل الذین ذکرهم فی کتابه۔ (ابو جعفر احمد بن محمد الطحاوی، شرح مشکل الآثار. ت. شعیب الارنؤوط، بیروت: مؤسسة الرسالة، ۱۹۹۴ء، ۱۰: ۲۴۰)

## ۲- ناکثین، قاسطین اور مارقین سے قتال کا حکم

اسی طرح ایک اور حدیث ہے۔ اس حدیث کی سندیں الگ الگ تو اتنی قوی نہیں ہیں، جس کی وجہ سے بعض حضرات نے اس حدیث کو ضعیف بھی قرار دیا ہے، لیکن بحیثیت مجموعی یہ حدیث قابلِ قبول معلوم ہوتی ہے۔ اس حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا تھا یا حضرت علیؓ کو خبر دی تھی۔ حافظ ابنِ حجرؒ نے یہ الفاظ نقل کیے کہ امرنی رسول الله بقتال الناکثین والقاسطین والمارقین. مجھے رسول اللہ ﷺ نے تین طبقوں سے قتال کا حکم دیا۔ الناکثین سے مراد بیعت کی خلاف ورزی کرنے والے ہیں۔ یہ تعبیرات اتنی دقیق ہیں کہ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ ہی کا ارشاد ہوگا۔ الناکثین کا اشارہ ہے جنگِ جمل کی طرف۔ ان حضرات نے پہلے بیعت کی، پھر خلاف ورزی کی۔ اس کی کیا وجوہ تھیں؟ اس پر بھی روایات ہیں، جس پر بات کی جائے گی۔ القاسطین سے اہلِ صفین کی طرف اشارہ ہے۔ قاسط انحراف کرنے والے کو کہتے ہیں۔ انہوں نے حضرت علی کی خلافت کو قبول ہی نہیں کیا، حالاں کہ آپ صحیح خلیفہ تھے اور شام کا علاقہ بھی خلافتِ اسلامیہ کا حصہ تھا۔ یہ ایسے ہی ہے کہ مرکز میں ایک حکومت بن جائے اور پنجاب کا وزیرِ اعلیٰ کہے کہ میں اسے وزیرِ اعظم نہیں مانتا۔ المارقین سے اشارہ خوارج کی طرف ہے جن کے ساتھ نہروان کے مقام پر قتال ہوا۔

ہمارے بھائی مفتی محمد مجاہد صاحب شہیدؒ[1] نے مشاجرات کے موضوع پر ایک استفتا کا مفصل جواب لکھا ہے، جس میں بڑی تفصیل یہ بتایا گیا ہے کہ اہل السنت والجماعت کا واضح موقف ہے کہ حضرت علیؓ ہی ان حروب میں صواب پر تھے، اور اس بات کو بیان کرنا نہ تو اہل السنت کے کف لسان والے اصول کے خلاف ہے اور نہ ہی دوسری طرف کے صحابہ کی شان میں بے ادبی ہے۔

اس فتوے پر اس وقت کے بڑے اہل فتوی کی تصدیقات بھی موجود ہیں۔ اس میں انہوں نے اس حدیث کی بھی مفصل تخریج کی ہے۔ یہ حدیث مختلف صحابہ سے مروی ہے، جن میں حضرت علیؓ کے علاوہ ابو ایوب انصاریؓ (جو حضرت علیؓ کے بہت زیادہ حامیوں میں سے ہیں، بلکہ بدریین اور اہل بیعت رضوان کی بہت بڑی تعداد حضرت علیؓ کے ساتھ تھی)، حضرت عبداللہ بن مسعود اور بعض دیگر صحابہ شامل ہیں۔

پہلے جوامع الکلم سافٹ ویئر کا ذکر ہوا تھا۔ اس میں اس حدیث کی تخریج میں ۶۳ سندوں کا ذکر ہے۔ اس کے مطابق ایک کی سند بالکل صحیح ہے، دو کی حسن ہے اور اٹھارہ ضعیف ہیں اور چوبیس شدید الضعف ہیں۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ اسانید پر بحث بہت لمبا کام ہے۔ تاہم بطور مثال چند طرق پیش کیے جاتے ہیں جن سے یہ اندازہ ضرور ہو سکتا ہے کہ حدیث کو موضوع یا ضعفِ شدید والا کہنا درست نہیں۔ مثلاً ہیثمی ایک جگہ فرماتے ہیں:

رواه البزار والطبرانی فی الاوسط واحد إسنادی البزار رجاله رجال الصحيح، غير الربيع بن سعيد ووثقه ابن حبان۔ ہیثمی کے بقول بزار کی ایک سند

---

[1] مولانا مفتی محمد مجاہدؒ 5 ستمبر 1965ء کو پیدا ہوئے۔ اگلے روز ہندوستان اور پاکستان کے مابین جنگ شروع ہو گئی جس کی مناسبت سے ان کا نام محمد مجاہد رکھا گیا۔ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم نے اپنی کتاب نقوشِ رفتگاں میں ان کو آسمانِ علم و فضل کا ابھرتا ہوا ستارہ کہا ہے۔ مولانا کی کتاب اسلام اور جدید معیشت و تجارت (جو دینی مدارس میں داخلِ نصاب ہے۔) کو مولانا مفتی محمد مجاہدؒ ہی نے تحریری شکل میں محفوظ کیا۔ محض بتیس سال کی عمر میں انہیں دہشت گردوں نے شہید کر ڈالا۔ اس کم سنی میں اپنی ذہنی اور فکری پرواز میں انہوں نے شیوخ کی منازل طے کر لی تھیں۔ خوش درخشید والے شعلۂ مستعجل بود۔ (مختصر تذکرے کے لیے دیکھیے: مولانا محمد تقی عثمانی، نقوشِ رفتگاں، ۴۰۹-۴۱۵)

کے سارے راوی صحیح کے ہیں، بس ایک راوی میں جہالت پائی جاتی ہے، ظاہر ہے کہ جہالت کوئی ایسی قدح نہیں ہے جس کا ازالہ تعدد طرق سے بھی نہ ہو سکے۔

اسی طرح طبرانی کی المعجم الکبیر کی ایک روایت ہے، اس کے پہلے راوی ہیں محمد بن ہشام المستملی انہیں خطیب بغدادی نے ثقہ قرار دیا ہے، دارقطنی نے کہا ہے لا باس به۔ ابن العماد حنبلی نے شذرات الذہب میں کہا ہے من کبار شیوخ الطبرانی۔ اس سے اوپر ہیں عبد الرحمن بن صالح، اکثر نے انہیں ثقہ اور قابل اعتبار قرار دیا ہے۔ ان پر جو زیادہ سے زیادہ اعتراض ہے وہ تشیع کا ہے، لیکن اہل بدعت کے بارے میں راجح رائے یہ ہے کہ اگر ان پر جھوٹ کا الزام نہ ہو یا یہ خطرہ نہ ہو کہ اس نے اپنے مذہب کی تائید میں حدیث گھڑ لی ہوگی تو اس کی حدیث قابل قبول سمجھی جاتی ہے۔ خود صحاح ستہ اور بالخصوص صحیحین میں ایسے لوگوں کی بکثرت روایات موجود ہیں۔ ان کا تشیع کیسا ہے؟ اس کے بارے میں حافظ جمال الدین مزیؒ کی دو باتیں نقل کرنا کافی ہوگا۔ امام احمد بن حنبلؒ ان کے پاس استفادے کے لیے جایا کرتے تھے۔ کسی نے کہا وہ تو رافضی ہے۔

امام احمدؒ نے کہا: ایک شخص جو خاندانِ نبوت میں سے کچھ لوگوں سے محبت کرتا ہے، کیا میں اس سے یہ کہوں کہ یہ محبت نہ کرو؟ وہ ثقہ ہے۔ یحیی بن معین نے ایک مرتبہ کہا: یقدم علیکم رجل من اهل الکوفة. یقال له : عبد الرحمن بن صالح، ثقة، صدوق، شیعی، لان یخر من السماء احب إلیه من ان یکذب فی نصف حرف۔ وہ قابل اعتبار اور سچے ہیں، البتہ شیعہ ہیں، لیکن آسمان سے گرنا پسند کریں گے آدھے حرف میں بھی جھوٹ نہیں بولیں گے۔ ان سے اوپر ہیں عائذ بن حبیب، انہیں بھی امام احمد اور یحیی بن معین سمیت اکثر نے ثقہ قرار دیا ہے۔ ان پر بھی زیادہ سے زیادہ تشیع کا الزام ہے، لیکن جیسا کہ بتایا کہ یہ کسی کی حدیث رد کرنے کی وجہ نہیں بن سکتا۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی خلاصہ یہ نکالا ہے کہ صدوق رُمی بالتشیع، سچے ہیں، بس تشیع کا الزام ان پر دھرا گیا ہے۔ پھر یہ زیدی شیعہ تھے جو ویسے بھی اہل السنت کے زیادہ قریب ہیں۔ ان سے اوپر ہیں بکیر بن ربیعہ، یہ اس سند کے واحد راوی ہیں جن کے حالات مجھے نہیں مل سکے۔ ان سے اوپر ہیں یزید بن قیس، یہ بھی ثقہ ہیں۔ کسی نے ان پر جرح نہیں کی۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے ان کے بارے میں اقوال کا خلاصہ نکالا ہے: ثقة فقیه وکان یرسل۔ یہ روایت کرتے ہیں ابراہیم نخعی سے، وہ علقمہ سے اور وہ ابن مسعود سے: امر رسول الله ﷺ بقتال الناکثین والقاسطین والمارقین۔ اس میں اگرچہ حضرت علیؓ کا صراحتاً نام نہیں ہے، لیکن بظاہر حضرت علیؓ کے زمانے میں ہونے والے قتال ہی مراد ہیں، بلکہ خود ابن مسعودؓ کی بعض دیگر روایتوں میں (وہ بھی میرے نزدیک حسن ہیں، مثلاً مسند الشاشی کی ایک روایت) میں صراحتاً حضرت علیؓ کا نام بھی آتا ہے۔ ابن مسعودؓ کے علاوہ تو تمام صحابہ کی مرویات میں بالاتفاق حضرت علیؓ کا نام ہے۔ بہرحال محض تسلی کے لیے طبرانی کی ایک سند بطور مثال منتخب کی ہے، وگرنہ اس گفت گو میں ہمارا اصل طے شدہ طریقہ یہ ہے کہ اسانید کی تفصیل میں جانے کے بجائے ائمہ فن کے صادر کردہ احکام نقل کرنے پر اکتفا کیا جائے گا۔ اب سند کا جو اجمالی جائزہ یہاں پیش ہوا ہے کیا اس کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ حدیث انتہائی ضعیف یا موضوع ہے؟ پوری سند میں اک راوی بکیر بن ربیعہ مجہول ہیں، ان کے بارے میں بھی مسند الشاشی کی روایت میں کہا گیا ہے: وکان ثقة

(ابوسعید الہیثم بن کلیب الشاشی، المسند، ت، محفوظ الرحمن، مدینہ منورہ: مکتبۃ العلوم والحکم رقم: ۳۲۲)

تاہم اسے نظر انداز بھی کردیں، تب بھی راوی کے مجہول ہونے کی وجہ سے ایسا شدید ضعف پیدا نہیں ہوتا کہ تعدد طرق سے بھی اس کی تلافی نہ ہوسکے۔ شاید ابن تیمیہؒ سب سے پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس حدیث کو موضوع کہا ہے، لیکن ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی جلالتِ قدر کے باوجود ان سے اس طرح کے موضوعات میں جذباتی فیصلے صادر ہوجاتے ہیں، جس کی اور بھی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ ان کے بعد آج کل عرب دنیا میں کچھ حضرات اسماء الرجال سطحی انداز سے کھول کر اس طرح کی حدیثوں کے آپریشن کرنے میں مصروف ہیں۔ انہوں نے اس حدیث کے موضوع ہونے یا اس میں ضعفِ شدید ہونے کا دعوی کیا ہے، لیکن درحقیقت یہ دعوی قابل اعتنا نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ ضعف کا دعوی کیا جاسکتا ہے، لیکن یہ ضعف بھی سند کے اعتبار سے ہوگا، سند کا ضعف ہمیشہ متن کے ضعف کو مستلزم نہیں ہوتا۔

اس حدیث کو مختلف شعبوں کی بڑی شخصیات نے بلاتردد استدلال کے طور پر پیش

کیا ہے۔ مثلاً حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کو دلیل کے طور پر ذکر کیا ہے، اگرچہ اس کی تفصیلی طور پر تخریج نہیں کی، صرف مختصراً چند حوالے دیے ہیں، لیکن بغیر کسی کلام کے جس طرح انہوں نے اسے ذکر کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ بھی اس حدیث کو ثابت سمجھتے ہیں۔ ضعفِ شدید نہیں ہے، حافظ کی نظر میں اس حدیث کا اتنا ثبوت ضرور ہے کہ یہ قابلِ استدلال ہے۔ جو حضرات حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کو جانتے ہیں، وہ یہ سمجھ سکتے ہیں ضعفِ شدید کے باوجود کسی حدیث پر سے ان کا خاموشی سے گزر جانا تقریباً ناممکن یا بعید ہے، چہ جائے کہ اس سے استدلال بھی کریں۔ فتح الباری کے مقدمے میں تو انہوں نے تصریح کی ہے کہ جن حدیثوں پر انہوں نے سکوت اختیار کیا ہے وہ حسن ضرور ہیں، اس کے علاوہ علامہ شوکانیؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے التلخیص الحبیر وغیرہ میں بھی ان کے سکوت سے استدلال کیا ہے۔

یہاں تو حافظ سکوت ہی نہیں استدلال کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔ فقہِ شافعی میں علامہ رافعیؒ کی ایک کتاب الشرح الکبیر ہے۔ اس کی احادیث کی تخریج کے لیے ابن الملقن نے ایک کتاب البدر المنیر فی تخریج الاحادیث والاثار الواقعۃ فی الشرح الکبیر کے نام سے لکھی ہے۔ یہ بہت بڑے شافعی عالم ہیں۔ ان کی اس کتاب کی تلخیص حافظ ابن حجرؒ نے کی ہے۔ انہوں نے علامہ رافعیؒ کا قول نقل کیا ہے (اور تقریباً تمام فقہا اور محدثین یہی بات کہہ رہے ہیں) "ثَبَتَ ان اهل "الجمل" و"صفين" و"النهروان بُغَاةٌ"، اس پر حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں: ہُوَ کَمَا قَالَ، یعنی رافعی کی یہ بات درست ہے اور دلیل کے طور پر یہی حدیث نقل کی ہے: "اُمِرْتُ بِقِتَالِ النَّاكِثِينَ وَالْقَاسِطِينَ وَالْمَارِقِينَ" (ابوالفضل احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر العسقلانی، التلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۸۹ء، ۴: ۱۲۶، ۱۲۷)

اس کے علاوہ مثلاً فقہاے حنفیہ میں سے سرخسیؒ کی ایک عبارت تو پہلے ہی گزر چکی ہے جس میں سفیان بن عیینہ کا قول نقل کیا گیا تھا کہ اللہ کی چار تلواریں ہیں، وہاں بھی اس حدیث کا ذکر تھا۔ اس کے علاوہ خوارج اور باغیوں کے خلاف قتال کی بحث میں جہاں سرخسیؒ یہ بتا رہے ہیں کہ اس باب میں اصل نمونہ حضرت علی ہیں وہاں فرماتے ہیں:

والإمام فيه علي - رضي الله عنه - فقد قام بالقتال، واخبر انه

مامور بذلك بقوله-رضى الله عنه-امرت بقتال المارقين. والناكثين والقاسطين. (سرخسی، المبسوط، ۱۰: ۱۲۴) یہی عبارت عبد العزیز بخاریؒ نے شرح اصول بزدوی میں نقل کی ہے۔ عبدالعزیز بن احمد بن محمد علاء الدین البخاری، کشف الاسرار شرح اصول البزدوی (دار الکتاب الاسلامی، ۴: ۳۴۰)

ابن رجب حنبلی معروف فقہا اور محدثین میں سے ہیں، ان کا ایک رسالہ ہے:

الحكم الجديرة بالإذاعة من قول النبى ﷺ بعثت بالسيف بين يدى الساعة. اس میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا جہاد اور تلوار کے ساتھ مبعوث ہونا ثابت فرمایا اور اس سلسلے میں ایک حدیث کی تشریح کی ہے۔ اسی میں یہ بھی ثابت فرماتے ہیں کہ یہ تلوار جہاں بیرونی دشمنوں کے خلاف استعمال ہوتی ہے، وہیں اندرونی طور پر بھی اس کا استعمال ہوسکتا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے سفیان بن عیینہؒ کا چار تلواروں والا وہی قول نقل کیا جو پہلے سرخسیؒ کے حوالے سے نقل ہو چکا ہے۔ اسی سلسلے میں وہ فرماتے ہیں:

وسيفٌ عَلَى اهل البغى. وهو المذكور فى سورة الحجرات ولم يسلّ رسول الله - ﷺ - هذا السيف فى حياته. وإنما سلّهُ علىٌّ- رضى الله عنه- فى خلافته. وكان يقول: "انا الَّذِى علمت الناس قتال اهل القبلة". وله -ﷺ- سيوف أُخر. منها: سيفه عَلَى اهل الردة وهو الَّذِى قال فيه: مَنْ بَدَّلَ دِينَهُ فَاقْتُلُوهُ وقد سله ابو بكر الصديق -رضى الله عنه- من بعده فى خلافته عَلَى من ارتد من قبائل العرب. ومنها: سيفه عَلَى المارقين. وهم اهل البدع كالخوارج. وقد ثبت عنه الامر بقتالهم مع اختلاف العُلَمَاء فى كفرهم. وقد قاتلهم عَلَى -رضى الله عنه- فى خلافته مع قوله: "إنهم ليسوا كفار". وقد روى عن النبى -ﷺ- امره بقتال المارقين والناكثين والقاسطين. وقد احرق علىٌّ طائفة من الزنادقة. فصوّب ابن عباس قتلهم. وانكر عليه تحريقهم بالنار. فَقَالَ على: "ويح ابن عباس. إنه لبَحَّاث عن الهنات." (زین الدین عبدالرحمٰن بن احمد بن رجب، مجموع رسائل الحافظ ابن رجب الحنبلی، ت، ابو مصعب طلعت بن فؤاد الحلوانی (الفاروق الحدیثیہ للطباعۃ والنشر، ۱: ۲۲۹)

اہل بغاوت کے خلاف تلوار: یہ سورۂ حجرات میں مذکور ہے۔ اس تلوار کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں نہیں سونتا، بلکہ اسے حضرت علی نے اپنی خلافت میں سونتا ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ میں وہ شخص ہوں جس نے لوگوں کو اہل قبلہ کے خلاف قتال کا طریقہ سکھایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی اور تلواریں بھی ہیں، جن میں سے آپ کی اہل ارتداد کے خلاف تلوار ہے اور اسی کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ جو اپنے دین کو بدل دے، اسے قتل کر ڈالو۔ اس تلوار کو حضرت ابوبکر صدیق نے رسول اللہ ﷺ کے بعد اپنی خلافت کے دوران میں مرتد ہونے والے عرب قبائل کے خلاف سونتا۔ انہی تلواروں میں سے ایک تلوار اطاعت سے نکل جانے والوں (اہل بدعت جیسے خوارج) کے خلاف تھی۔ حضرت علی سے ان کے خلاف قتال ثابت ہے، جب کہ علما کا ان کے کفر کے بارے میں اختلاف ہے۔

حضرت علی نے ان سے اپنی خلافت کے دور میں قتال کیا اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ وہ کافر نہیں ہیں۔ نبی کریم ﷺ سے ان کے بارے میں اطاعت سے نکل جانے والوں، عہد توڑنے والوں اور انحراف کرنے والوں کے خلاف قتال کی بات مروی ہے۔ حضرت علی نے زندیقوں کے ایک گروہ کو جلا دیا تھا۔ ان کے قتل پر حضرت ابن عباس نے ان کی تصویب کی تھی البتہ ان کے آگ میں جلانے کو پسند نہیں کیا تھا۔ حضرت علی نے اس پر کہا تھا: ابن عباس پر تعجب ہے، وہ کم زوری کی کھوج میں رہتا ہے۔

امام غزالی المستصفی فی علم الاصول میں اس پر بحث کر رہے ہیں کہ امر کی ایک صورت یہ ہے کہ صحابی، رسول اللہ ﷺ سے امر ہی کا صیغہ نقل کر رہے ہوں، مثلاً یہ کہ آپ نے فرمایا افعلوا کذا، فلاں کام کرو۔ دوسری طرف صورت یہ ہے کہ صحابی رسول اللہ ﷺ کا صیغہ اور آپ کے الفاظ نقل نہیں کر رہے بلکہ آپ کی بات کو اپنی تعبیر میں بیان کرتے ہیں کہتے ہیں امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بکذا رسول اللہ ﷺ نے ہمیں فلاں کام کا امر فرمایا۔ اس دوسری صورت میں یہ امکان ہو سکتا تھا کہ کوئی کہے چونکہ صحابی نے رسول اللہ ﷺ کا صیغہ نقل نہیں کیا اس لیے ممکن ہے آپ کی بات سمجھنے میں غلطی لگ گئی ہو اس لیے اس تعبیر پر امر والے احکام جاری نہیں ہوں گے۔ امام غزالی اس خیال کی نفی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صحابی کا یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا صیغہ

امر ہی کی طرح ہے، اس کی مثال بلکہ دلیل دیتے فرماتے ہیں: ''ولهذا يجب ان يقبل قول الصحابي " نسخ حكم كذا " وإلا فلا فرق بين قوله " نسخ " وقوله " امر". ولذلك قال علي -رضي الله عنه- واطلق: " امرت ان اقاتل الناكثين والمارقين والقاسطين " ولا يظن بمثله ان يقول امرت إلا عن مستند يقتضي الامر''

(ابو حامد الغزالی، المستصفی، ت، عبد السلام عبد الشافی (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۹۳ء، ۱۰۴)

امام الحرمین کی اصول فقہ پر مشہور کتاب ہے: البرہان فی اصول الفقہ؛ اس کی شرح ایک معروف مالکی فقیہ الابیاری نے التحقیق والبیان کے نام سے لکھی ہے جو چھٹی ساتویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں، انہوں نے بھی تقریباً یہی بات لکھی ہے۔

امام ابو نعیم اصفہانی (م: ۴۳۰) کی معروف کتاب ہے حلیۃ الاولیاء، جس میں انہوں نے اولیائے امت کے حالات قلم بند کیے ہیں۔ اس کتاب میں ہر شخصیت کا عنوان قائم کرتے ہوئے اس کی چند اہم صفات وخصوصیات کا ذکر کرتے ہیں۔ حضرت علیؓ کے حالات کا ذکر ان کے تفصیلی اوصاف سے شروع کرتے ہیں، اس میں وہ یہ بھی فرماتے ہیں: فَقَّاءُ عيون الفتن، ووُقِي من فنون المحن، فدفعَ الناكثين، ووضع القاسطين، ودمغ المارقين. (ابو نعیم الاصبہانی، حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء (مصر: دار السعادۃ، ۱: ۶۱)

گویا پانچویں صدی کے اوائل تک حضرت علیؓ کا یہ وصف کہ وہ ناکثین، قاسطین اور مارقین سے مقابلہ کرنے والے ہیں مشہور ہو چکا تھا، اور یہ کہ یہ وصفِ کمال ہے کوئی کم زوری یا خامی نہیں ہے جس کے لیے معذرت خواہی کی جائے۔ یہاں حضرت علی کو فقاء عیون الفتن (فتنوں کی آنکھیں پھوڑنے والا) کہا گیا ہے۔ آگے خوارج کے تذکرے میں آئے گا کہ حضرت علیؓ نے خود اپنے بارے میں فرمایا ہے انا فقأت عين الفتنة، یعنی میں نے فتنے کی آنکھ پھوڑی ہے۔

بہر حال اس طرح کی اور بہت سی عبارتیں پیش کی جا سکتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ علمائے اہل السنت کے ہاں اس حدیث کا استدلال کے سیاق میں حوالہ دیا جاتا رہا ہے، جن میں فقہا و محدثین بھی شامل ہیں۔ کبھی کسی کو اس کے متن میں عجیب بات محسوس نہیں ہوئی۔

## شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی خاص رائے

شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے بھی اس حدیث کو محل استدلال میں پیش کیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی اسے قابل استدلال سمجھتے ہیں۔ شاہ صاحب کا حوالہ یہاں اس لیے دیا کہ انہوں نے جس سیاق میں یہ حدیث پیش کی ہے اور ایک خاص معاملے پر اپنا خاص موقف پیش کیا ہے، اس کا یہاں ذکر فائدے سے خالی نہیں ہوگا۔ شیعہ کی طرف سے حضرت عثمان پر جو طعن کیے گیے ہیں، ان میں سے ایک طعن یہ بھی ہے کہ حضرت عثمان نے بعض کبار صحابہ پر بعض معاملات میں سختی کی۔ پہلے تو شاہ صاحبؒ نے اس طعن کے شیعہ مزاج اور ان کے اصولوں کے مطابق جوابات دیے، اس کے بعد شاہ صاحبؒ کے ارشاد کے مطابق اہل السنت کا جو اصل جواب ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بعد میں پیش آنے واقعات کا اللہ تعالی نے وافر علم عطا فرمایا تھا۔

جن حضرات سے متعلق وہ واقعات تھے ان کو رسول اللہ ﷺ نے بطور خاص کچھ باتیں بتائیں اور کچھ ہدایات ارشاد فرمائیں۔ مثلا حضرت عثمان کو آپ نے مرض الوفات میں بلا کر تنہائی میں بات فرمائی۔ اس دوران میں حضرت عثمان کا رنگ متغیر ہو رہا تھا اور ان کی زبان سے اللہ المستعان، اللہ المستعان نکل رہا تھا۔ شاہ صاحبؒ نے اس طرح کی متعدد حدیثیں ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ حضرت عثمان کے پاس نصوص قطعیہ اور رسول اللہ ﷺ کی وصایا موجود تھیں، حضرت عثمان ان پر ثابت قدم رہے۔ اس سے آگے شاہ صاحبؒ نے جو گفت گو فرمائی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جن صحابہ پر حضرت عثمان نے سختی کی، وہ درحقیقت رسول اللہ ﷺ کے اسی دیے گئے علم کے پیش نظر تھی اور بطور امیر المؤمنین آپ کو اس کا اختیار حاصل تھا، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ماعز اسلمی، حسان بن ثابت، مسطح وغیرہ پر حد جاری کی۔ غزوۂ تبوک میں پیچھے رہ جانے والے تین صحابی جن میں بدری بھی تھے، کا بائیکاٹ فرمایا۔ حضرت ابوبکر و عمر وغیرہ نے صحابہ پر حدود نافذ کیں، اسی طرح سے حضرت عثمان نے بھی بطور امیر المؤمنین اسی طرح کے اقدامات کیے۔ جن حضرات کے خلاف اس طرح کے اقدامات ہوئے، ان کی جلالتِ قدر سے حضرت عثمان پر اعتراض نہیں ہوسکتا۔ (اگرچہ یہ حضرات بھی اپنی جگہ نیک نیت تھے)

حضرت عثمان کے آخری دور کے بارے میں ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کا دیا ہوا علم تھا۔ یہ ساری گفت گو کرنے کے بعد شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اہل السنت کے نزدیک اس معاملے میں حضرت عثمان کا معاملہ ہو بہو وہی ہے، جو حضرت علی کا ہے۔ یعنی جس طرح حضرت علی، رسول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی پیش گوئیوں کے مطابق حالات کو سمجھ کر عمل کر رہے تھے، حضرت عثمان بھی ایسا ہی کر رہے تھے؛ شاہ صاحب کے الفاظ ہیں:

وحال عثمان درین امر بہ نزد اہل سنت مثل حال حضرت امیر ست قدم بقدم، کہ اورا نیز جناب پیغمبر وصیت فرمودہ بود یا علی لا یجتمع الامۃ علیک بعدی وانک بعدی وانک تقاتل الناکثین والقاسطین والمارقین، ای علی جمع نخواہد شد امت بر ریاست تو بعد از من، و بر آئینہ جنگ خواہی کرد با عہد شکنان، و بی انصافان واز دین بیرون شوندگان، و وقتیکہ حضرت امیر سریر آرای خلافت راشدہ پیغمبر شد بقدر مقدور در تسکین فتنہ ودفع مخالفان کہ طلحہ وزبیر وام المؤمنین عائشہ صدیقہ وبعلی بن امیہ وابو موسی اشعری ودیگر صحابہ کرام بودند کوشش وسعی فرمود واز قتل وجنگ وجدال باک فرمود، ہر چند تقدیر مساعد نشد وانتظام امور خلافت صورت نہ بست۔

(شاہ عبدالعزیز دہلوی، تحفہ اثنا عشریہ فارسی (لکھنو: مطبع نامی نول کشور، ۵۰۸)

اور اہل السنت کے نزدیک حضرت عثمانؓ کا حال اس معاملے میں (یعنی رسول اللہ ﷺ کی خاص بتائی ہوئی ہدایات پر عمل کرنے میں) حضرت علیؓ والا تھا۔ حضرت علیؓ کو رسول اللہ ﷺ نے وصیت فرمائی تھی کہ امت تم پر مجتمع نہیں ہوگی (یعنی کچھ لوگ تمہاری عمل داری اور اطاعت میں نہیں آئیں گے) اور تمہیں عہد توڑنے والوں، بے انصافی کرنے والوں اور دین سے نکلنے والوں سے قتال کرنا پڑے گا۔ جب حضرت علیؓ، رسول اللہ ﷺ کی نیابت راشدہ کی مسند پر فائز ہوئے تو حضرت طلحہ، زبیر، ام المؤمنین، یعلی بن امیہ، ابو موسی اشعری اور دیگر صحابہ کو روکنے، فتنہ کو فرو کرنے کی کوشش کی اور اس مقصد کے لیے جنگ وجدال سے بھی گریز نہیں کیا، اگرچہ تقدیر مددگار نہیں تھی، اس لیے سارے علاقے خلافت میں پروئے نہیں جا سکے۔

اس کے بعد پھر شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ چوں کہ ان دونوں بزرگوں کے پاس رسول اللہ ﷺ کے صریح ارشادات متحقق تھے، اس لیے ان کے لیے کسی کی قرابت یا صحبت کے لحاظ پر رسول اللہ ﷺ کا امر فائق تھا۔

مصنف ابن ابی شیبۃ، مسند اسحاق بن راہویہ وغیرہ متعدد کتابوں میں حضرت ام سلمہؓ سے ایک روایت ہے، جسے حاکم نے المستدرک میں اور ذہبی نے تلخیص میں صحیح قرار دیا ہے۔ مسند ابی یعلی کے محقق حسین سلیم اسد نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ مرض الوفات میں رسول اللہ ﷺ بار بار پوچھ رہے تھے، علی آگئے؟ علی آگئے؟ - بظاہر آپ نے حضرت علیؓ کو کسی کام کے لیے بھیجا ہوا تھا - جب حضرت علی آئے تو تو ہمیں اندازہ ہوا کہ آپ ان سے کوئی بات کرنا چاہتے ہیں۔ چناں چہ ہم باہر دروازے کے پاس آگئے، حضرت علی رسول اللہ ﷺ پر جھکے ہوئے تھے، اور آپ ﷺ حضرت علیؓ سے سرگوشی کے انداز میں بات فرما رہے تھے[1]۔

شاہ صاحب کی بعض تعبیرات ایسی ہوسکتی ہیں جو میرے ناقص خیال میں اس قابل ہیں کہ انہیں نرم کیا جاسکتا ہے، تاہم بحیثیت مجموعی جو بات وہ فرما رہے ہیں وہ اہم ہے۔ ایک یہ کہ ان دونوں بزرگوں کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی ایسی باتیں تھیں جن پر وہ عمل کر رہے تھے اور وہ خاص انہی حالات سے متعلق تھیں۔ دوسرے یہ کہ شاہ صاحب بھی یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ ناکثین، قاسطین اور مارقین سے قتال کرنا حضرت علیؓ کو رسول اللہ ﷺ کی وصیت تھی۔

---

[1] ابن ابی شیبہ کے لفظ یہ ہیں: عن ام سلمة. قالت: والذی احلف به إن كان علیؓ لاقرب الناس عهدا برسول الله ﷺ. قالت: عُدنا رسولَ الله ﷺ يوم قبض فی بيت عائشة. فجعل رسول الله ﷺ غداة بعد غداة يقول: «جاء علی؟» مرارا. قالت: واظنه كان بعثه فی حاجة. قالت: فجاء بعدُ فظننا ان له إليه حاجة. فخرجنا من البيت فقعدنا بالباب. فكنت من ادناهم من الباب. قالت: فاكب عليه علی فجعل يساره ويناجيه. ثم قبض من يومه ذلك. فكان اقرب الناس به عهدا. (مصنف ابن ابی شیبۃ، کتاب الفضائل، فضائل علی بن ابی طالب، رقم: ۳۲۰۶۶)

## واقعۂ جمل اور حدیث نبوی ﷺ

اب تک حضرت علی کے فضائل سے متعلق عمومی حدیثیں تھیں۔ اب ایک نظر متعین واقعات کے بارے میں آنے والی حدیثوں پر ڈالی جاتی ہے۔ سب سے پہلے جمل کے واقعے پر کچھ رقم کیا جاتا ہے۔ یہ واقعہ کیسے ہوا؟ اس کی تفصیل میں جانے کا موقع نہیں ہے، لیکن اس سلسلے میں اہم بات یہ ہے کہ اس میں حضرت علیؓ کی مدمقابل بڑی شخصیات تین ہیں اور تینوں بہت عظیم شخصیات ہیں، بلکہ عظمت کے پہاڑ ہیں۔ حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر ؓطلحہ وزبیر عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں اور حضرت عمر کی مقرر کردہ شوریٰ میں سے ہیں۔ ان حضرات کا بصرہ کے قریب اجتماع ہوا، حضرت علی بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ وہیں تشریف لے گئے۔ اس بات کے امکانات تھے کہ بات چیت کے ذریعے غلط فہمیاں دور ہو جائیں، لیکن بہرحال جو ہونا تھا وہ ہو کر رہا اور فریقین کے درمیان قتال ہوا اور حضرت علی کے لشکر کو غلبہ حاصل ہوا۔ حضرت علی نے دونوں طرف سے جان کی بازی ہارنے والے حضرات کے لیے اچھے الفاظ فرمائے اور کہا کہ دونوں طرف سے شہید ہونے والے جنتی ہیں۔ یہی بات آپ نے صفین کے بعد بھی فرمائی کہ حضرت علی کے گروپ کے کسی شخص نے کہا قتلانا فی الجنۃ وقتلاہم فی النار، ہماری طرف سے مرنے والے جنت میں اور دوسری طرف سے مرنے والے دوزخ میں ہیں۔ حضرت علی نے تردید فرمائی اور فرمایا قتلانا فی الجنۃ وقتلاہم فی الجنۃ، دونوں طرف سے مرنے والے جنتی ہیں۔ بہرحال واقعات کی تفصیل میں جانا مقصود نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئیاں پیش کرنا یہاں اصل موضوع ہے۔

## حضرت عائشہ، طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم کا رجوع

ان کے حوالے سے یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ ان میں سے خاص طور پر دو کا اپنے موقف سے رجوع ثابت ہے اور یہ ان حضرات کی عظمت ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ کے بارے میں شاہ عبدالعزیزؒ اور کئی دوسروں نے لکھا ہے کہ انہیں اپنے خروج پر بعد میں ندامت رہی، بلکہ علامہ ذہبیؒ کی سیر اعلام النبلاء میں حضرت ام المؤمنین کے حالات میں ایک عبارت تو اس طرح ہے کہ:

"فَإِنَّهَا نَدِمَتْ نَدَامَةً كُلِّيَّةً. وَتَابَتْ مِنْ ذَلِكَ. عَلَى أَنَّهَا مَا فَعَلَتْ ذَلِكَ إِلاَّ مُتَأَوِّلَةً. قَاصِدَةً لِلْخَيْرِ. كَمَا اجْتَهَدَ طَلْحَةُ بْنُ عُبَيْدِ اللهِ، وَالزُّبَيْرُ بْنُ العَوَّامِ. وَجَمَاعَةٌ مِنَ الكِبَارِ -رَضِيَ اللهُ عَنِ الجَمِيْعِ"

(شمس الدین ابوعبداللہ الذہبی، سیر اعلام النبلاء، ۲: ۱۹۳)

اور حضرت عائشہ اس پر مکمل طور پر نادم رہیں اور انہوں نے اس سے توبہ کر لی تھی، علاوہ ازیں انہوں نے یہ سب کچھ اپنے خیال میں دلیل کے مطابق کیا تھا اور اس میں ان کا مقصد بھی خیر ہی تھا (اس لیے توبہ نہ بھی کرتیں تب بھی یہ غلطی ان کے لیے مؤاخذے کا باعث نہیں تھی)، جیسا کہ حضرت طلحہ، زبیر اور دوسرے بڑے لوگوں اجتہاد کیا نے کیا اللہ سب سے راضی ہو۔ حضرت عائشہ کی اس ندامت کی وجہ کچھ احادیث بھی تھیں۔ اس کی طرف بعد میں آتے ہیں۔

علامہ عبدالقاہر بغدادیؒ کی عقائد اور فرق کے تعارف پر ایک بڑی مشہور کتاب ہے الفرق بین الفرق۔ یہ اہل السنت والجماعت کے عقائد کی معتبر کتابوں میں سے ہے۔ اس میں ایک فصل ہے جس میں ان اُمور کا بیان ہے جن پر اہل سنت کا اتفاق ہے۔ (الْفَصْل الثَّالِث من فُصُول هَذَا الْبَاب فِي بَيَان الاصول الَّتِي اجْتمعت عَلَيْهَا اهل السّنة)۔ اس میں کہتے ہیں: وَقَالُوا بامامة علي فِي وقته وَقَالُوا بتصويب علي فِي حروبه بِالْبَصْرَةِ وبصفين وبنهروان وَقَالُوا بان طَلْحَة وَالزُّبَيْر تابا ورجعا عَن قتال علي. (عبدالقاہر بن طاہر بن محمد البغدادی، الفرق بین الفرق و بیان الفرقۃ الناجیۃ (بیروت: دار الآفاق الجدیدۃ، ۱۹۷۷ء، ۳۴۲) (اہل سنت اپنے وقت میں حضرت علیؓ کی امامت کے قائل ہیں، نیز وہ بصرہ، صفین اور نہروان کے مقامات پر ہونے والی لڑائیوں میں حضرت علیؓ کے صواب پر ہونے کے قائل ہیں۔ وہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ طلحہ اور زبیر تائب ہو گئے تھے اور حضرت علیؓ کے قتال سے رجوع کر لیا تھا۔) گویا عبدالقاہر بغدادی حضرت طلحہ اور زبیر کے رجوع کو اہل السنت کے اصول میں شمار کر رہے ہیں۔

معلوم ہو جانے یا یاد دہانی کے بعد غلطی سے رجوع کر لینا عظمت کی علامت ہے اور نیک اور مخلص انسانوں سے بھی غلطی ہو جاتی ہے۔ ام المؤمنین کے بارے میں کئی

احادیث موجود تھیں، لیکن ظاہر ہے اللہ کے نبی ﷺ کی پیش گوئیاں تو پوری ہونا تھیں اور پوری ہوئیں۔ حضرت عائشہ کو بعد میں اس کا احساس رہا۔

## ام المؤمنین حضرت عائشہؓ

اس حوالے سے کئی احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے خروج کو رسول اللہ ﷺ نے اچھی نظر سے نہیں دیکھا تھا۔

### ۱- حدیثِ حواب

مثلاً حدیث حواب کے نام ایک مشہور حدیث ہے کہ جب ام المؤمنین بصرہ کی طرف سفر فرما رہی تھیں، راستے میں ایک چشمے کے پاس سے گزر ہوا تو کتے بھونکنے لگے، ام المؤمنین نے پوچھا یہ کون سی جگہ ہے۔ بتایا گیا کہ یہ ماء الحواب ہے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ما اظنني إلا راجعة۔ میرا خیال ہے کہ مجھے واپس ہی ہو جانا چاہیے۔ وجہ اس کی یہ بیان فرمائی رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ ازواج مطہرات سے فرمایا کہ تم میں سے کون سی ہے جس پر حواب کے کتے بھونکیں گے [۱]۔ ام المؤمنین کے واپسی کے ارادے سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات اس انداز سے فرمائی کہ حضرت عائشہ نے اس سے نکلنے کی ناپسندیدگی سمجھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی آگے آنے والی پیش گوئیاں پوری کرنی تھیں، اس لیے بعض ساتھیوں نے عرض کیا کہ آپ تو مصالحت کرانے کے لیے تشریف لے جا رہی ہیں۔ شاہ عبدالعزیزؒ وغیرہ حضرات نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایک شخص ارد گرد کے چند بدوؤں کو لے آیا اور انہوں نے ام المؤمنین سے کہا

---

[۱] یہ حدیث کئی محدثین نے روایت کی ہے، مصنف ابن ابی شیبۃ کے لفظ یہ ہیں: لما بلغت عائشة بعض مياه بني عامر ليلا نبحت الكلاب عليها، فقالت: اى ماء هذا، قالوا: ماء الحواب فوقفت فقالت: ما اظنني إلا راجعة، فقال لها طلحة والزبير: مهلا رحمك الله بل تقدمين فيراك المسلمون فيصلح الله ذات بينهم قالت: ما اظنني إلا راجعة إني سمعت رسول الله ﷺ قال لنا ذات يوم: كيف بإحداكن تنبح عليها كلاب الحواب. (المصنف لابن ابی شیبة. كتاب الجمل. باب مسير عائشة وعلى وطلحة والزبير، رقم: ۳۷۷۷۱)

کہ اس جگہ کا نام کچھ اور ہے، اس سے حضرت عائشہ مطمئن ہو گئیں، حالاں کہ وہ جگہ حواب ہی تھی۔ متعدد علماے اہل السنت نے یہ روایت لکھی ہے، مجھے اس کی اسنادی حیثیت کا علم نہیں۔ تاہم یہ روایت حضرت عائشہؓ کی شان کے زیادہ مناسب لگتی ہے کہ انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ جگہ حواب ہے ہی نہیں، اس لیے وہ آگے جانے کے فیصلے میں زیادہ معذور نظر آتی ہیں۔

یہ حدیث بالکل صحیح ہے حتیٰ کہ علامہ البانیؒ نے بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے بھی اس کی تصحیح کی ہے۔ ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ میں اسے بخاری و مسلم کے معیار کی صحیح کہا ہے[1]۔ ہیثمی نے بھی کہا ہے رجالہ رجال الصحیح، سیوطی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ اس دور میں بھی اس حدیث پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، اس لیے زیادہ بات کرنے کی ضرورت نہیں۔

## ۲- مرسلِ طاؤس

اسی مضمون کی ایک حدیث طاؤس سے مرسلاً بھی مروی ہے، اس کی سند بھی بالکل صحیح ہے[2]۔

## ۳- حدیث ابن عباسؓ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک حدیث کے الفاظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

---

[1] احمد بن علی بن حجر العسقلانی، فتح الباری شرح صحیح البخاری (بیروت: دار المعرفۃ، ۱۳۷۹ھ)، ۱۳: ۵۵؛ ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ت، علی شیری (بیروت: دار إحیاء التراث العربی، ۱۹۸۸ء)، ۶: ۲۳۶، عبدالرحمن بن ابو بکر جلال الدین السیوطی، مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفا، ت، الشیخ سمیر القاضی (مؤسسۃ الکتب الثقافیۃ، ۱۹۸۸ء)، ۱۵۲)

[2] جامع معمر بن راشد میں ہے: اخبرنا عبد الرزاق عن معمر، عن ابن طاوس عن ابیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لنسائہ: ایتکن تنبحہا کلاب ماء کذا و کذا؟- یعنی الحواب - فلما خرجت عائشۃ إلی البصرۃ نبحتہا الکلاب فقالت: ما اسم ہذا الماء؟ فاخبروہا. فقالت: ردونی فاتی علیہا ابن الزبیر. (معمر بن ابو عمرو ابو عروۃ البصری الجامع (منشور کملحق بمصنف عبد الرزاق)، ت، حبیب الرحمن الاعظمی (کراچی: المجلس العلمی، 1403ھ)، رقم: ۲۰۳۵۳)

نے ازواج مطہرات سے ایک دفعہ [1] فرمایا: ایتکن صاحبة الجمل الاذیب یقتل حولها قتلی کثیرة وتنجو بعد ما کادت [2]۔ (تم میں سے کون بالوں والے اونٹ

---

[1] مسروق کی حضرت عائشہؓ سے ایک روایت ہے کہ سال میں (کم از کم) ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ تمام ازواج مطہرات کے ساتھ اکٹھے پورا دن گزارا کرتے تھے، اس طرح کی باتیں آپ نے اسی موقع پر ارشاد فرمائیں، مثلاً یہ ارشاد کہ میرے بعد تم میں سب سے پہلے اس کا انتقال ہوگا جس کے ہاتھ سب سے لمبے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ حواب والی یہ بات بھی اسی موقع پر ارشاد فرمائی۔ (ابوالقاسم الطبرانی، المعجم الاوسط، رقم: ۶۲۲۶۔

[2] قرطبی اپنی کتاب التذکرۃ باحوال الموتی وامور الآخرۃ میں فرماتے ہیں: وهذا حدیث ثابت صحیح رواه الإمام المجمع علی عدالته وقبول روایته الإمام ابو بکر عبد الله بن ابی شیبة. وکذلك وکیع مجمع علی عدالته وحفظه وفقهه عن عصام وهو ثقة عدل فیما ذکر ابو عمر بن عبد البر فی کتاب الاستیعاب له. عن عکرمة وهو عند اکثر العلماء ثقة عالم. وهذا الحدیث من اعلام نبوته صلی الله علیه وسلم وهو إخباره بالشیء قبل کونه. وقوله الاذیب اراد الاذب. فاظهر التضعیف والعجب من القاضی ابی بکر بن العربی کیف انکر هذا الحدیث فی کتبه. منها فی کتاب العواصم من القواصم. وذکر انه لا یوجد اصلاً. واظهر لعلماء المحدثین بإنکاره غباوة وجهلاً. وشهرة هذا الحدیث اوضح من فلق الصبح واجلی. وقد رواه ابو عمر بن عبد البر فی کتاب الاستیعاب فقال حدثنا سعید بن نصر قال: حدثنا قاسم بن اصبغ قال: حدثنا محمد بن وضاح قال: حدثنا ابو بکر ابن ابی شیبة. فذکره بسنده ال م تقدم. (ابوعبداللہ محمد بن احمد شمس الدین القرطبی، التذکرۃ باحوال الموتی وامور الآخرۃ، صادق بن محمد بن ابراہیم (الریاض: مکتبۃ دار المنہاج للنشر والتوزیع، ۱۴۲۵ھ)، ۱۰۸۱) (یہ حدیث ثابت اور صحیح ہے جسے امام ابوبکر عبداللہ بن ابوشیبہ (جن کی عدالت اور قبول روایت پر اتفاق ہے) نے وکیع سے (جن کی عدالت، حفظ اور فقہ پر اتفاق ہے جیسا کہ ابن عبدالبر نے کتاب الاستیعاب میں ذکر کیا ہے)، انہوں نے عصام سے اور انہوں نے عکرمہ (جو اکثر علما کے نزدیک ثقہ اور اہل علم ہیں) سے روایت کیا ہے۔ یہ حدیث کسی چیز کے وقوع سے پہلے خبر دینے کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی علامات میں سے ہے۔ حدیث کے لفظ "الاذیب" سے الاذب مراد ہے۔ قاضی ابو بکر بن العربی پر تعجب ہے کہ انہوں نے اپنی کتابوں میں اس حدیث کا انکار کیسے کیا جن میں سے ایک کتاب العواصم من القواصم ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث سرے موجود ہی نہیں ہے۔ انہوں نے اس حدیث کا انکار کر کے علماے محدثین کے لیے غباوت اور جہالت کا اظہار کیا ہے، جب کہ اس حدیث کی شہرت سپیدۂ سحر سے بھی روشن اور واضح ہے۔ ابن عبدالبر نے اسے الاستیعاب میں ذکر کیا ہے)

والی ہے، جس کے اردگرد بہت سے لوگ قتل ہوں گے، اور خود بھی بمشکل بچ پائے گی؟) یہ اونٹ خریدا گیا تھا اور اس کو تیار کرنے والے لوگ بنوامیہ میں سے نہیں ہیں، بلکہ یہ بنومخزوم کے لوگ تھے۔ حضرت عمرؓ نے آخری خطبات میں ایک جگہ ان کا نام لیا ہے۔ حضرت عائشہؓ کو تیار کرنے والوں میں بھی ان کا نام آتا ہے، یہ اس لیے عرض کر دیا کہ بعض لوگ ہر معاملے کی ذمہ داری صرف بنوامیہ کے لوگوں پر ہی ڈال دیتے ہیں۔

حضرت عائشہؓ کا اونٹ بہت زخمی ہوا تھا اور محمد بن ابی بکر، جو حضرت علیؓ کے ساتھ تھے، وہ آگے بڑھے اور حضرت علیؓ نے آپؓ کو بہت احترام کے ساتھ مدینہ رخصت کیا اور کسی کو یہ ہمت نہیں ہونے دی کہ حضرت عائشہؓ کے بارے میں کوئی نامناسب لفظ استعمال کرے، حتی کہ، جیسا کہ آگے ہم ذکر کریں گے، حضرت عائشہؓ کو برا بھلا کہنے پر حضرت علیؓ نے سو کوڑے لگوائے۔

ابن عباس کی اس حدیث کو بھی کئی محدثین نے روایت کیا ہے۔ طحاوی کی مشکل الآثار کی ایک روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں بھی اونٹ کے ساتھ ساتھ حواب کے کتوں کا بھی ذکر ہے۔ کئی حضرات نے ابن عباس کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں بزار کے حوالے سے یہ حدیث ذکر کر کے کہا ہے: رجالہ ثقات۔ یہی بات علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں کہی ہے بوصیری نے اتحاف الخیرۃ المہرۃ میں کہا: رواتہ ثقات

## ۴- حدیث ابورافع

حضرت ابورافعؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تمہارے اور عائشہ کے درمیان کوئی معاملہ ہوگا۔ حضرت علیؓ نے حیران پریشان ہو کر پوچھا: میں یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا جی ہاں۔ حضرت علی نے عرض کیا: یارسول اللہ پھر تو میں سب سے بدبخت انسان ہوں گا۔ (اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت علی کے دل میں حضرت عائشہ کے لیے کتنی عزت تھی کہ اس پیش گوئی پر انتہائی پریشان ہو گئے)

آپ نے فرمایا ایسی کوئی بات نہیں، البتہ جب ایسا ہو تو انہیں امن کی جگہ کی طرف لوٹا دینا[1]۔ علامہ ہیثمی اس حدیث کے بارے میں بھی فرمایا: رجالہ ثقات.

حضرت علیؓ نے یہاں جس انداز سے سوال کیا ہے کہ پھر تو میں انتہائی بد بخت ہوں گا، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت علیؓ کے دل میں حضرت عائشہؓ کے لیے کتنی عزت تھی کہ اس پیش گوئی پر انتہائی پریشان ہو گئے اور اپنی فکر پڑ گئی کہ کہیں میں غلط نہ ہوں۔

یہ بھی اندازہ ہوا کہ حضرت علیؓ کو یہ فکر رہتی تھی کہ کہیں دوسروں کے خلاف اقدام میں مجھ سے غلطی نہ ہو جائے۔ اس سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ حضرت علیؓ نے جہاں تلوار استعمال کرنے کا فیصلہ فرمایا، وہ کتنا سوچ سمجھ کر فرمایا ہوگا۔ لوگ کہتے ہیں کہ بس علی یوں ہی تلوار اٹھائے پھرتے تھے۔

یہاں امام طحاویؒ نے ایک اشکال ذکر کر کے اس کا جواب دیا ہے کہ پچھلی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بالتعیین علم نہیں تھا کہ یہ نکلنے والی کون ہوگی، جب کہ ابو رافع کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بالتعیین علم تھا کہ وہ حضرت عائشہ ہوں گی۔ طحاوی نے اس کے جواب میں یہ فرمایا ہے کہ ہوسکتا ہے رسول اللہ ﷺ کو پہلے اجمالی علم دیا گیا ہو کہ آپ کی ازواج میں کوئی ایک ایسی ہوگی، اور بعد میں آپ کو تفصیلی علم دے دیا گیا ہو کہ فلاں ہوں گی۔ اس بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ طحاوی ان تمام روایات کو ثابت سمجھ رہے ہیں۔ تاہم اصل اشکال کا جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کسی موقع پر آپ نے اجمال اور استفہام کا انداز مناسب سمجھا ہو، اور کسی موقع پر تفصیل کا انداز۔ حضرت علیؓ سے خطاب کرتے ہوئے چوں کہ انہیں ہدایت دینی تھی، اس لیے تعیین فرمانا زیادہ مناسب سمجھا ہو یا کلام کے آغاز میں آپ نے اجمال فرمایا، جب بات آگے بڑھی تو آپ نے تعیین بھی فرما دی۔

---

[1] مجمع الزوائد کے لفظ ہیں: عن ابی رافع ان رسول الله - ﷺ - قال لعلی بن ابی طالب: "إنه سيكون بينك وبين عائشة امر ". قال: انا يا رسول الله، قال: " نعم ". قال: انا اشقاهم يا رسول الله، قال: "لا. ولكن إذا كان ذلك فارددها إلى مامنها. رواه احمد والبزار. والطبرانی. ورجاله ثقات

## ۵- حدیث ام سلمہؓ

حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے امہات المؤمنین میں سے کسی کے خروج کا (بطور پیش گوئی) ذکر کیا تو حضرت عائشہؓ اس پر ہنسیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے حمیراء (عائشہؓ) خیال رکھنا کہیں تم ہی وہ نہ ہو۔ پھر آپ نے حضرت علیؓ کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا جب تمہیں ان پر اختیار ملے تو ان سے نرمی برتنا[۱]۔

## ۶- حضرت حذیفہ

حضرت حذیفہؓ، واقعۂ جمل سے پہلے انتقال کر گئے تھے، لیکن جب حضرت عثمانؓ کے واقعات ہو رہے تھے، اسی وقت حضرت حذیفہؓ نے کہہ دیا تھا کہ تمہاری ماں ایک اونٹ پر آئے گی[۲]۔ یہ بات متعدد روایات سے ثابت ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے ام

---

[۱] اس حدیث کو حاکم نے المستدرک میں اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے۔ مستدرک حاکم کے لفظ یہ ہیں: عن ام سلمة رضی الله عنها قالت: ذكر النبي ﷺ خروج بعض امهات المؤمنين. فضحكت عائشة. فقال: انظري يا حميراء. ان لا تكوني انت ثم التفت إلى علي فقال: إن وليت من امرها شيئا فارفق بها۔ ذہبی نے اس کی سند پر صرف اتنا تبصرہ کیا ہے کہ اس کے ایک راوی عبدالجبار بن الورد کی حدیث بخاری و مسلم نے روایت نہیں کی، لیکن اس سے صرف اتنا نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ حدیث شیخین کی شرط پر نہیں ہے۔ ویسے عبدالجبار بن الورد کی اکثر محدثین نے توثیق کی ہے۔ امام بخاری وغیرہ سے صرف اتنا منقول ہے کہ ان سے کبھی کبھار غلطی ہوجاتی ہے۔ خود ذہبی نے انہیں اپنی کتاب من تکلم فیہ وہو موثق میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اس لیے ان روایت اول تو صحیح ہے ورنہ حسن سے کم تو بہرحال نہیں ہے۔

[۲] مثلاً مستدرک حاکم کے لفظ یہ ہیں: عن خيثمة بن عبد الرحمن. قال: كنا عند حذيفة رضي الله عنه. فقال: بعضنا: حدثنا يا ابا عبد الله ما سمعت من رسول الله ﷺ. قال: لو فعلت لرجمتموني. قال: قلنا سبحان الله انحن نفعل ذلك، قال: ارايتكم لو حدثتكم ان بعض امهاتكم تاتيكم في كتيبة كثير عددها. شديد باسها صدقتم به، قالوا: سبحان الله ومن يصدق بهذا، ثم قال حذيفة: اتتكم الحميراء في كتيبة يسوقها اعلاجها حيث تسوء وجوهكم ثم قام فدخل مخدعا. حاکم نے اس روایت کو بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے اور ذہبی نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔

المؤمنین اور اونٹ کے آنے کا پیشگی ذکر فرمایا تھا، اسی لیے بیہقی نے معجزات رسول ﷺ پر اپنی مشہور کتاب دلائل النبوۃ میں اسے بھی معجزات میں شمار فرمایا ہے، اس لیے کہ حضرت حذیفہ اس طرح کی بات رسول اللہ ﷺ سے سن کر ہی فرما سکتے ہیں۔

## متعدد حضرات کو جمل کا پہلے سے اندازہ تھا

متعدد روایتوں میں یہ بھی آتا ہے کہ کوفے میں ایک اونٹ تھا۔ اس میں کوئی خاص بات ہوئی ہوگی تو لوگوں نے پوچھا کہ کیا یہی وہ اونٹ ہے؟ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ ابن مسعود اور حذیفہ کے درمیان مکالمہ ہوا تو حضرت حذیفہؓ نے کہا نہیں، یہ وہ اونٹ نہیں معہ بارقہ۔ اس اونٹ کے ساتھ تلواریں بھی چلیں گی[1]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی یہ پیش گوئی فی الجملہ بعض لوگوں کے ذہنوں میں تھی۔ یہ پیش گوئی پوری ہونی تھی، اس لیے حضرت عائشہؓ واپس نہیں جا سکیں، وکان امر اللہ قدرًا مقدورًا۔

حضرت عائشہؓ کو یہ امید دلائی گئی تھی کہ آپ کے جانے سے ممکن ہے صلح ہو جائے، ظاہر ہے اس سے اچھی نیت اور کیا ہو سکتی تھی۔ یہ بھی تحفہ اثنا عشریہ وغیرہ کے حوالے سے ابھی ذکر کیا گیا کہ حضرت عائشہؓ کو اس جگہ کے نام کے بارے میں بھی غلط بتایا گیا اور کہا گیا کہ یہ اس جگہ کا نام حواب نہیں ہے، جس سے حضرت عائشہ کا عذر اور واضح ہو جاتا ہے۔ بہر حال حضرت عائشہؓ کی نیک نیتی اور آپ کے عذر میں شک نہیں کرنا چاہیے۔ تاہم جو متعدد حدیثیں ذکر ہوئیں، جن میں ہر حدیث اکیلی اکیلی بھی قابل استدلال ہے، ان کے مجموعے سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ حضرت عائشہؓ کا یہ خروج حقیقتِ امر کے اعتبار سے درست نہیں تھا۔ ان کو اس پر ندامت بھی ہوئی، اور ذہبی کے الفاظ کے مطابق انہوں نے توبہ بھی کی اور ابن عمرؓ سے حضرت عائشہؓ نے شکوہ کیا کہ جب میں جا رہی تھی تو تم نے

---

[1] مثلاً مجمع الزوائد ۷: ۲۳۷ میں ہے: وعن عمیر بن سعید قال: کنا جلوسا مع ابن مسعود وابو موسی عندہ. واخذ الوالی رجلا فضربہ وحملہ علی جمل. فجعل الناس یقولون: الجمل الجمل. فقال رجل: یا ابا عبد الرحمن. ھذا الجمل الذی کنا نسمع. قال: فاین البارقۃ، رواہ الطبرانی. ورجالہ رجال الصحیح.

11

روکا کیوں نہیں؟ انہوں نے کہا کہ امی جان، میں آپ کو روک تو لیتا، لیکن میں نے دیکھا کہ آپ کے اردگرد اور لوگ جمع ہیں، اس لیے میں نے کہنا مناسب نہیں سمجھا۔ حضرت عائشہؓ کے رجوع سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ علی و عائشہ کا اختلاف ختم ہوگیا۔

حضرت علیؓ کے خلاف نکلنے والوں میں سب سے مقدس نام ام المؤمنین کا ہے۔ اگرچہ طلحہ و زبیر عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور اونچے درجے کے صحابہ میں سے ہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تعلق کے حوالے سے جو حیثیت حضرت عائشہؓ کی تھی وہ کسی اور کی نہیں تھی۔ اس لیے کئی لوگوں کو اس معاملے میں تردد حضرت عائشہؓ ہی کی وجہ سے ہوا۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ سب سے زیادہ حدیثیں بھی حضرت عائشہؓ کے خروج کے بارے میں ہیں۔ ان احادیث کے ذریعے اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کی زبان سے واضح فرمادیا کہ اس الجھے ہوئے ماحول میں حضرت علیؓ کے مقابلے میں جو بھی نکلا صحت وصواب علی ہی کے ساتھ تھا۔ جب اتنی عظیم شخصیات کا یہ معاملہ ہے تو باقیوں کا تو اور زیادہ واضح ہوگا۔

## حضرت زبیرؓ کا معاملہ

حافظ ابن حجرؒ اور دیگر محدثین نے یہ بات نقل کی ہے کہ حضرت علی اور حضرت زبیر کا جمل کے دوران میں ایک جگہ آمنا سامنا ہوا۔ حضرت علیؓ نے حضرت زبیرؓ کو ایک حدیث یاد دلائی۔ حدیث یہ تھی کہ ایک مرتبہ حضرت علی و زبیر آپس میں خوش گپیاں کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا گزر ہوا تو انہوں نے حضرت زبیرؓ سے فرمایا: لتقاتلنہ وانت ظالم لہ۔ یعنی تم حضرت علیؓ سے قتال کرو گے اور زیادتی تمہاری ہوگی۔ حضرت زبیرؓ کو یہ حدیث بھول گئی اور بھولنی ہی تھی کہ اس کے بغیر پیش گوئی پوری ہونی نہیں تھی، الا یہ کہ حضرت زبیرؓ جان بوجھ کر مخالفت کرتے، وہ بھی ظاہر ہے نہیں کر سکتے تھے۔ حضرت علیؓ نے جب یہ بات کہی تو حضرت زبیرؓ کو یاد آ گیا۔ وہ وہیں سے واپس ہو گئے۔ اس سے ان کا رجوع بھی ثابت ہوگیا اور علی و زبیر کا اختلاف بھی ختم ہوگیا۔ وہاں سے وہ نکلے ہی تھے کہ وادی السباع میں عمرو بن جرموز بدبخت نے آپ کو شہید کر دیا۔

اس حدیث کو متعدد حضرات نے متعدد طرق سے روایت کیا ہے، بعض طرق ضعیف

بھی ہو سکتے ہیں، لیکن اس روایت کے صحیح طرق بھی موجود ہیں۔ حاکم نے المستدرک میں کہا ہے کہ یہ بات کہ حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ کے لیے اس بات کا اقرار کیا تھا کئی طرق اور روایات سے ثابت ہے۔ ذہبی نے ایک طریق کے بارے میں کہا ہے "فیہ نظر" یعنی اس سند پر کلام کی گنجائش موجود ہے، لیکن حاکم ہی کی اگلی روایت کو ذہبی نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔ ابن کثیر نے البدایۃ والنہایۃ میں اس مضمون کی ایک مفصل روایت کے بارے میں کہا ہے کہ فی ہذا السیاق کلہ نظر، اس کے بعد کہا ہے فلاں طریق سے یہ حدیث محفوظ ہے۔ (ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۷: ۲۴۰) ہمارے زمانے میں شیخ البانیؒ نے بھی متعدد طرق ذکر کر کے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ شیخ البانی کا حوالہ اس لیے دیا کہ شیخ کا تعلق جس منہج فکر سے ہے، اس میں اس طرح کی روایات کو نقد کی بھٹی سے گزارنے کا رجحان زیادہ ہوتا ہے۔

(المستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ الخ، ذکر مقتل الزبیر بن العوام الخ، رقم: ۵۵۷؛ نیز تفصیل ملاحظہ ہو: الالبانی، سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، رقم: ۲۶۵۹)

حضرات صحابہ کے ان اختلافات کا ختم ہونا رحماء بینھم کے رویے اور مزاج کے زیادہ قریب ہے، بجائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ وہ اپنی بات پر ڈٹے رہے۔ ہمارے ہاں شیعہ اور سنی حضرات دونوں میں ایسے لوگ ہیں جو اس طرح کے واقعات میں اسی کوشش میں رہتے ہیں کہ آپس کے اتفاق کے بجائے اختلاف کو ہی نمایاں کیا جائے۔ مثلاً خلافت اور فدک وغیرہ کے معاملات پر ابتدا میں بعض حضرات صحابہ کا خلیفۂ اول سے کسی قدر رائے کا اختلاف ہوا، لیکن جب ہم شواہد کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ یہ اختلاف ختم ہو گیا تھا، جس معاملے میں نص سامنے آ گئی وہاں حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ وغیرہ نے صدیق اکبرؓ سے اتفاق کر لیا اور اپنی رائے کو چھوڑ دیا تھا۔ جب ہم یہ کہتے ہیں تو شیعہ حضرات اصرار کرتے ہیں کہ نہیں، اختلاف موجود رہا ہے اور اب تک موجود ہے۔ اسی طرح یہاں جب ہم کہتے کہ حضرات عائشہؓ، طلحہؓ اور زبیرؓ کا حضرت علیؓ سے اختلاف ہوا ضرور تھا، لیکن آخر میں وہ ختم ہو گیا تھا اور سب یک رائے ہو گئے تھے تو یہاں بھی بعض حضرات اہل تشیع والا طریقہ اختیار کرتے ہوئے اصرار کرتے ہیں کہ ان کا اختلاف ختم نہیں ہوا، ابھی تک معاملہ الجھا ہوا ہے۔

حضرت زبیرؓ کے بارے میں یہ تو طے ہے کہ وہ قتال چھوڑ کر چلے گئے

تھے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کا جنگ میں پلڑا بھاری ہونے کی وجہ سے حضرت زبیرؓ میدانِ جنگ چھوڑ گئے تھے، تاہم یہ عجیب توجیہ ہے۔ ایک شخص جو بدر کا ہیرو ہے، جو اپنے بدن پر بدر اور یرموک میں لگنے والے زخموں کے نشان دکھایا کرتا تھا، وہ جسے کمی دور میں خبر ملی کہ رسول اللہ ﷺ کو شہید کر دیا گیا ہے تو اکیلا ہی تلوار لے کر نکل کھڑا ہو، وہ جو حواریِ رسول ﷺ ہے، اس کے بارے میں یہ بات ناقابلِ فہم ہے۔ زبیر کوئی بزدل انسان نہیں ہے، اگر وہ اپنے آپ کو اس معاملے میں برحق سمجھ رہا ہوتا تو ڈٹ کر کھڑا رہتا۔ واپسی میں راستے میں کسی نے اس حال میں شہید کیا کہ وہ رجوع کر چکے تھے۔ (علامہ عبدالقاہر بغدادی کی الفرق بین الفرق کا حوالہ پہلے گزرا ہے۔ اسی میں درج ہے: الزبیر قتلہ عمرو بن جرموز بوادی السباع بعد مُنصَرفہ من الحرب. (جنگ سے واپسی کے بعد وادیِ سباع میں عمرو بن جرموز نے آپ کو قتل کر دیا۔ بغدادی، مصدرِ سابق، ۱۰۱)

## حضرت طلحہؓ کا معاملہ

حضرت طلحہؓ کے بارے میں ایک روایت دوسری بھی ہے کہ جس وقت وہ زخمی پڑے تھے، تو ایک شخص گزرا اور پوچھا کہ علی کے گروہ سے ہو، کہا: جی ہاں! حضرت طلحہ نے فرمایا ہاتھ بڑھاؤ، میں علی کے لیے دوبارہ بیعت کروں۔ اس کے فورا بعد ان کا انتقال ہوگیا۔ حضرت علی نے فرمایا مجھے امید تھی کہ طلحہ میری بیعت کے بغیر دنیا سے نہیں جائیں گے۔ اس روایت کو حاکم نے المستدرک میں روایت کیا ہے۔

(المستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ الخ، ذکر مناقب طلحہ بن عبید اللہ الخ، رقم: ۵۶۰۱)

لیکن اس کی سند میں کافی ضعف ہے۔ البتہ متعدد علما نے اسی موضوع پر اہل السنت کی طرف سے بحث کرتے ہوئے حضرت طلحہ کے اس واقعے کو ایک امرِ ثابت کے انداز میں ذکر کیا ہے۔ مثلاً معروف مفسر علامہ آلوسیؒ کے پوتے نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی کتاب تحفہ اثنا عشریہ کی عربی زبان میں تلخیص کی ہے، اس میں انہوں نے یہ بات لکھی ہے۔ اسی طرح خود علامہ آلوسیؒ صاحبِ روح المعانی کا ایک رسالہ ہے الاجوبۃ العراقیۃ علی الاسئلۃ اللاھوریۃ، یہ رسالہ ان لوگوں کی تردید میں لکھا گیا ہے جو خود کو کہلاتے تو سنی ہیں، لیکن حضرت معاویہؓ وغیرہ پر سب وشتم کو درست سمجھتے ہیں؛ اس میں وہ فرماتے ہیں۔

واما طلحة والزبير - رضى الله تعالى عنهما - فلم يموتا إلا على بيعة الإمام كرم الله تعالى وجهه. اما طلحة فقد روى الحاكم عن ثور بن مجزاة انه قال: مررت بطلحة يوم الجمل فى آخر رمق فقال لى: من انت؟ قلت: من اصحاب امير المؤمنين على - رضى الله عنه - فقال: ابسط يدك ابايعك. فبسطت يدى فبايعنى وقال: هذه بيعة على. وفاضت نفسه. فاتيت عليا - رضى الله عنه - فاخبرته فقال: الله اكبر. صدق الله تعالى ورسوله - ﷺ - ابى الله سبحانه ان يدخل طلحة الجنة إلا وبيعتى فى عنقه (شهاب الدين محمود بن عبدالله الالوسى، الاجوبة العراقية على الاسئلة اللاهورية، بغداد: مطبعة الحميدية، ۱۳۰۱ھ، ۳۴)

(جہاں تک طلحہ اور زبیر کا معاملہ ہے تو ان کی موت حضرت علی کی بیعت پر ہوئی ہے۔ طلحہ کے بارے میں حاکم نے ثور بن مجزاۃ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: جمل کے دن میرا گزر طلحہ پر ان کے آخری سانسوں کے عالم میں ہوا تو انہوں نے مجھ سے کہا: تم کون ہو؟ میں نے کہا: امیر المؤمنین علی کے اصحاب میں سے ہوں، تو انہوں نے کہا: اپنا ہاتھ بڑھایئے، میں بیعت کرتا ہوں؛ چناں چہ میں نے ہاتھ بڑھایا اور انہوں نے میری بیعت کی اور کہا: یہ علی کی بیعت ہے اور اس کے ساتھ ہی ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ اس کے بعد میں حضرت علی کے پاس آیا اور انہیں اس کی خبر دی تو انہوں نے کہا: اللہ اکبر! اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا۔ اللہ کی چاہت یہی تھی کہ طلحہ اس حال میں خلد آشیاں ہوں کہ میری بیعت کا قلادہ ان کی گردن میں ہو)

تاہم علامہ آلوسیؒ نے یہاں جس روایت کا حوالہ دیا ہے یہ وہی روایت ہے جس کے بارے میں یہ بتایا جا چکا ہے کہ اس میں سند کے اعتبار سے شدید ضعف ہے۔ البتہ حضرت طلحہ کے اس طرح سے دوبارہ بیعت کی یہ بات قرینِ قیاس اس لیے ہے کہ حضرت طلحہ کے زخمی ہونے کی وجہ یہ تھی کہ مروان بن الحکم نے یہ کہہ کر ان پر تیر چلایا تھا کہ (نعوذ باللہ) حضرت طلحہ بھی قاتلینِ عثمان میں سے ہے۔ چناں چہ یہ تیر آپ کے گھٹنے میں لگا اور وہی آپ کی شہادت کا سبب بنا۔ اس واقعے کو درست مان لیں تو ظاہر ہے کہ حضرت طلحہ کو جب پتا چلا ہوگا کہ جو مجھے یہاں لے کر آیا ہے، وہی مجھے مار بھی رہا ہے تو اس معاملے کو دیکھ کر رائے تو بدلی ہوگی۔ اگرچہ آج کل بعض حضرات مروان کی طرف حضرت طلحہ کو تیر مارنے

کی بات سے شدت سے انکار کرتے ہیں، ہمیں زیادہ تفصیل سے اسے دیکھنے کا موقع نہیں ملا، اس لیے ہم اس پر زیادہ اصرار تو نہیں کرتے؛ تاہم ہیثمی نے اس سلسلے کی ایک روایت کے بارے میں کہا ہے: رجالہ رجال الصحیح۔ (وعن قیس بن ابی حازم قال: رایت مروان بن الحکم حین رمی طلحة یومئذ بسهم فوقع فی عین رکبته. فما زال یسیح إلی ان مات. رواه الطبرانی، ورجاله رجال الصحیح۔ (مجمع الزوائد، کتاب المناقب، باب مناقب الزبیر بن العوام، رقم ۱۴۸۲۲)

اسی طرح ذہبی نے تلخیص المستدرک میں بھی اسے صحیح قرار دیا ہے۔

(المستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفة الصحابة، باب ذکر مناقب طلحة بن عبید الله، رقم: ۵۵۹۰)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے الاصابۃ میں اس مضمون کی کم از کم دو روایتوں کو صراحتاً سنداً صحیح قرار دیا ہے[1]۔

---

[1] الاصابة فی تمییز الصحابة میں حضرت طلحہ کے تذکرے میں ہے: وروی ابن عساکر من طرق متعددة ان مروان بن الحکم هو الذی رماه فقتله منها. واخرجه ابو القاسم البغوی بسند صحیح من الجارود بن ابی سبرة قال: لما کان یوم الجمل نظر مروان إلی طلحة فقال: لا اطلب ثاری بعد الیوم. فنزع له بسهم فقتله. واخرج یعقوب بن سفیان بسند صحیح عن قیس بن ابی حازم ان مروان بن الحکم رای فی الخیل فقال: هذا اعان علی عثمان. فرماه بسهم فی رکبته. فما زال الدم یسیح حتی مات. اخرجه عبد الحمید بن صالح عن قیس. واخرجه الطبرانی من طریق یحیی بن سلیمان الجعفی عن وکیع بهذا السند قال: رایت مروان بن الحکم حین رمی طلحة یومئذ بسهم فوقع فی عین رکبته. فما زال الدم یسیح إلی ان مات. (ابن حجر العسقلانی. الإصابة فی تمییز الصحابة. ت. عادل احمد عبد الموجود و علی محمد معوض (بیروت: دار الکتب العلمیة، ۱۴۱۵ھ، ۳: ۴۳۲) ابن عساکر نے متعدد طرق سے یہ بات روایت کی ہے کہ مروان بن حکم ہی وہ شخصیت ہے جس نے طلحہ کو تیر مار کر قتل کیا۔ ابوالقاسم البغوی نے جارود بن ابی سبرہ سے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ انہوں نے کہا: جب یوم جمل تھا تو مروان نے طلحہ کی طرف دیکھا اور کہا: میں آج کے بعد قصاص کا مطالبہ نہیں کروں گا، چناں چہ اس نے انہیں تیر مارا اور قتل کر دیا۔ یعقوب بن سفیان نے صحیح سند کے ساتھ قیس بن ابی حازم سے روایت کیا ہے کہ مروان بن حکم نے گھڑ سواروں میں دیکھا اور کہا: یہ وہ شخص ہے جس نے قتل عثمان پر مدد کی، چناں چہ انہوں نے ان کے گھٹنے میں تیر مارا جس سے خون رستا رہا اور وہ فوت ہو گئے۔ عبدالحمید بن صالح نے یہ بات قیس سے، اور طبرانی نے یحیی بن سلیمان الجعفی سے اور انہوں نے وکیع سے اس سند کے ساتھ یہ بات نقل کرتے ہوئے کہا: میں نے مروان بن الحکم کو دیکھا جس وقت انہوں نے طلحہ کو تیر مارا تو وہ ان کے گھٹنے میں لگا۔ خون رستا رہا یہاں تک کہ وہ فوت ہو گئے۔

اس بحث سے یہ واضح ہوا کہ ان تین شخصیات کا حضرت علیؓ سے اختلاف اختتام کو پہنچ گیا۔ بالخصوص حضرت عائشہؓ اور حضرت زبیرؓ کے بارے میں تو یہ بات کافی واضح ہے، یہی بات ان کی شان کے زیادہ لائق ہے کہ غلط فہمیوں میں ایک حادثہ ہوا، کچھ عاقبت نااندیش لوگوں نے اسے بڑھاوا دیا، اور آخر کار تنازعہ ختم ہوگیا۔ یاد رہے کہ اہل السنت کا یہ موقف کہ حضرت علیؓ ان جنگوں میں صواب پر تھے، ان حضرات کے رجوع پر موقوف نہیں ہے، اس کے بغیر بھی ثابت ہے۔ تاہم رجوع ثابت ہونے سے ان حضرات کے عذر اور حسن نیت کی تصویر کشی زیادہ آسان ہوجاتی ہے۔ حضرت طلحہؓ کے رجوع کا محض قرائنی طور ایک قوی امکان بنتا ہے، صریح روایت ضعیف ہے۔

## جنگِ صفین اور احادیثِ رسول ﷺ

جنگِ جمل کے بعد حضرت علیؓ کو جس جنگ کا سامنا کرنا پڑا، وہ جنگِ صفین تھی۔ یہ جنگ حادثاتی طور پر ہونے والی جنگ نہیں تھی بلکہ حضرت علیؓ کا ایک سوچا سمجھا فیصلہ تھا۔ واقعات کی تفصیل میں تو جانے کا موقع نہیں ہے مگر خلاصہ یہ ہے کہ تمام بلاد و امصار حضرت علیؓ کی بطور خلیفہ اطاعت قبول کر چکے تھے۔ صرف شام میں حضرت معاویہؓ کی طرف سے اطاعت سے اجتماعی گریز اور خود کو مدمقابل طاقت بنانے کی پالیسی موجود تھی۔ مراسلات اور سفارت کاری کے ذریعے مسئلہ حل کرنے کی کوششوں کا طویل سلسلہ چلتا رہا، آخر کار حضرت علیؓ نے لشکر لے کر اہل شام کی طرف بڑھنے کا فیصلہ کیا۔

## قتلِ عمارؓ کے بارے میں ارشادِ نبوی

حضرت عمار بن یاسرؓ کی حدیث معروف ہے، جس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، اس لیے اس کی طرف اشارہ کافی ہے۔ یہ حدیث تقریباً متواتر ہے اور متواتر نہیں تو کم از کم مشہور ضرور ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمارؓ کے بارے میں فرمایا تھا: ویح عمار تقتله الفئة الباغية. (صحیح البخاری، کتاب الجہاد فی السیر، باب مسح الغبار عن الراس، رقم ۲۸۱۲)

بعض روایات میں حضرت عمارؓ کو خطاب کر کے یہ الفاظ ہیں۔ یہ بات مختلف مواقع پر کہی گئی؛ غزوۂ خندق کے موقع پر بھی اور مسجدِ نبوی کی تعمیر کے موقع پر بھی۔ یہ بات

صحابہ میں بہت مشہور تھی۔ حضرت عمارؓ کی شہادت جنگِ صفین میں ہوئی ہے۔ آپؓ، حضرت علیؓ کے پرجوش حامی تھے۔ عبداللہ بن سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے صفین کے موقع پر عمار بن یاسر کو دیکھا کہ گندمی رنگ کے دراز قد بوڑھے ہیں، ان کے ہاتھ میں ایک نیزہ ہے، اور (بڑھاپے کی وجہ سے) ہاتھ کانپ رہا ہے اور یہ فرما رہے ہیں کہ یہ جھنڈا وہ ہے جس کے تحت میں نے رسول اللہ کے ساتھ مل کر تین مرتبہ جہاد کیا اور یہ چوتھی مرتبہ ہے۔

(مسند ابن ابی شیبۃ، ماروا عمار بن یاسرؓ عن النبی ﷺ، رقم: ۳۲۴۶؛ صحیح ابن حبان، مناقب الصحابۃؓ، ذکر البیان بأن قتال عمار کان بالرایۃ التی قاتل بھا مع رسول اللہ ﷺ، رقم: ۷۰۸۰)

بخاری کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ یدعوہم إلی الجنۃ ویدعونہ إلی النار۔ کہ عمار تو دوسرے فریق کو جنت کی طرف بلا رہے ہوں گے اور وہ اسے دوزخ کی طرف بلا رہے ہوں گے۔ (یعنی حضرت عمار جس راستے کی طرف بلا رہے ہیں وہ اپنی ذات کے اعتبار سے جنت کا راستہ ہے، کیوں کہ وہ امامِ عدل کی اطاعت کا راستہ ہے، اگرچہ ممکن ہے کسی بدنیتی کے باعث کسی کو جنت نہ ملے، جیسا کہ نبوی دور کے جہاد میں منافقین کا معاملہ تھا اور عمار کے برخلاف فریق جس راستے کی طرف بلا رہا ہے وہ اپنی ذات میں دوزخ کا راستہ ہے؛ اس لیے کہ وہ امامِ عدل کی اطاعت سے نکلنے کا راستہ ہے، اگرچہ ممکن ہے کسی عذر کی وجہ سے وہ دوزخ میں نہ جائے[1]۔ آخری وقت میں وہ اسی طرح کے ترغیبی جملے استعمال کر رہے تھے کہ چلو جنت کی طرف، چلو جنت کی فلاں نعمتوں کی طرف وغیرہ۔ مثلاً ایک روایت میں آتا ہے کہ وہ یہ کہہ رہے تھے:

---

[1] چناں چہ حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں فرماتے ہیں: فإن قیل کان قتلہ بصفین وھو مع علی والذین قتلوہ مع معاویۃ وکان معہ جماعۃ من الصحابۃ. فکیف یجوز علیھم الدعاء إلی النار؟ فالجواب انھم کانوا ظانین انھم یدعون إلی الجنۃ. وھم مجتھدون لا لوم علیھم فی اتباع ظنونھم. فالمراد بالدعاء إلی الجنۃ الدعاء إلی سببھا وھو طاعۃ الإمام. وکذلک کان عمار یدعوھم إلی طاعۃ علی وھو الإمام الواجب الطاعۃ إذ ذاک. وکانوا ھم یدعون إلی خلاف ذلک. لکنھم معذورون للتاویل الذی ظھر لھم. (ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱: ۵۴۲)

من سرہ ان تکتنفہ الحور العین فلیتقدم بین الصفین محتسبا فإنی لاری صفا لیضربنکم ضربا یرتاب منہ المبطلون والذی نفسی بیدہ لو ضربونا حتی یبلغوا بنا سعفات ھجر لعرفت إنا علی الحق وانھم علی الضلالۃ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، کتاب الجمل، باب ماذکر فی صفین، رقم: ۳۷۸۳۹)

جو یہ چاہتا ہو کہ حوریں اس سے بغل گیر ہوں اسے چاہیے کہ وہ ثواب کی امید رکھتے ہوئے آگے بڑھے، کیوں کہ میں سامنے ایسی صف دیکھ رہا ہوں کہ جس کی وجہ سے راہ پر چلنے والے شبہ میں پڑ سکتے ہیں۔

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر وہ لوگ ہمیں مارتے ہوئے ہجر کی چوٹیوں تک پیچھے دھکیل دیں تب بھی مجھے یقین رہے گا کہ ہم حق پر ہیں اور دوسرے (عملی) گمراہی پر ہیں (یعنی کسی فریق کی ظاہر کامیابی یا ناکامی، ظاہر ہار جیت کوئی معنی نہیں رکھتی، اس سے میرے اس یقین پر کوئی فرق نہیں پڑنے والا)

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ آپ یہ فرما رہے تھے: ازلفت الجنۃ وزوجت الحور العین الیوم نلقی حبیبنا محمدا ﷺ عھد إلی ان آخر زادك من الدنیا ضیح من لبن

(المستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ الخ، ذکر مناقب عمار بن یاسرؓ، رقم ۵۶۶۸)

جنت سامنے کردی گئی ہے، حوروں سے نکاح کا وقت آن پہنچا ہے۔ آج پیارے محمد ﷺ سے ملاقات ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حتمی پیشین گوئی کی تھی تمہاری آخری خوراک تھوڑا سا دودھ ہوگا۔

اس روایت کو حاکم نے المستدرک میں روایت کیا ہے۔ حاکم اور ذہبی دونوں نے اسے بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے، حتی کہ البانی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ (سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ، رقم: ۳۲۱۷) اور عملاً بھی یہ ہوا کہ تھوڑا سا دودھ پیا اور قتال میں دوبارہ شریک ہوئے اور شہید ہوگئے۔ اس طرح کی روایات خاصی تعداد میں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمار ان جنگوں میں نہ صرف حضرت علیؓ کے ساتھ تھے بلکہ جنگِ صفین میں بہت ہی جوش وجذبے کے ساتھ لڑ رہے تھے بلکہ انہیں اپنے صواب ہونے کا پورا پورا یقین تھا۔ شروع میں ہم نے حضرت عمارؓ کے حوالے سے حضرت حذیفہؓ کی اور

دیگر جو احادیث ذکر کی ہیں انہیں سامنے رکھا جائے تو حضرت عمارؓ کا حضرت علیؓ کے ساتھ ہونا اور اتنے وثوق اور شرح صدر کے ساتھ ہونا ہی حضرت علیؓ کے صواب ہونے کی کافی دلیل ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ کی یہ پیش گوئی کہ حضرت عمار کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا، اس بات کی دلیل ہے کہ عمار جس گروہ کی نمائندگی کر رہے اور ساتھ دے رہے ہیں یہ وہ گروہ ہے جس کے خلاف بغاوت ہوئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی کا گروہ جو قتال کر رہا ہے وہ بغاوت کو فرو کرنے کے لیے کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عجیب حکمت ہے کہ حضرت علیؓ کی حقانیت کی نشانی حضرت عمارؓ کو بنایا گیا۔ خود علی تو ایک حد تک صاحب معاملہ ہیں۔ وہ ایک منصب پر فائز ہو رہے ہیں۔ حضرت علیؓ کی جہاں ذاتی حیثیت ہے، وہاں آپ خاندانِ بنو ہاشم سے بھی تعلق رکھتے ہیں جو بہر حال ان امور میں اپنی عصبیت اور دعوے داری رکھتا ہے جس کا عملی اظہار بعد میں خلافتِ عباسیہ کی شکل میں بھی ہوتا ہے، لیکن عمار بن یاسرؓ تو پہلے دن سے آخر تک مکمل طور پر ایک درویش صفت انسان ہے۔ اس طرح کی ان کی کوئی سیاسی عصبیت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت علیؓ کی حقانیت واضح کرنے کے لیے چنا ہے۔ حضرت علیؓ اتنے جوش وجذبے کا اظہار کر رہے ہوتے تو اسے ممکن تھا کوئی کسی اور نظر سے دیکھتا، لیکن حضرت عمار بن یاسرؓ کا اتنے جوش وخروش اور اعتماد کا اظہار اور اس پر رسول اللہ ﷺ اور حضرت حذیفہ وغیرہ کا عمار کے لیے یہ سب کچھ کہنا اور قسم کی معنویت رکھتا ہے۔ شروع میں دیکھا جا چکا ہے کہ کس طرح حضرت حذیفہؓ جیسا رازدانِ رسول کس طرح سے دنیا سے جاتے جاتے بہت اہتمام کے ساتھ حضرت عمارؓ کا حوالہ دے کر گیا کہ یہ دیکھنا کہ عمار کدھر ہے تم بھی بس ادھر ہی رہنا۔ عمار کی زندگی کو بھی اللہ نے حق وصداقت کی نشانی بنایا اور ان کی موت کو بھی۔

حدیث کے ثبوت میں بھی کسی شک کی گنجائش نہیں ہے، حدیث کا مفہوم بھی واضح ہے اور یہ بات بھی واضح ہے کہ حضرت عمار کس فریق کے خلاف برسرِ پیکار تھے اور کس کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ تاویلوں کا راستہ کھولنا ہو تو ہر نص میں ایک سے بڑھ کر ایک تاویل کی جا سکتی ہے۔ سیدھے سادے انداز سے بات کو سمجھنا ہو تو اللہ کے نبی نے بات کو بہت واضح فرما دیا ہے۔ اس حدیث میں جتنی تاویلیں کی گئی ہیں، عموماً انہیں قابلِ توجہ نہیں سمجھا گیا اور حضرت عمارؓ کی شہادت سے ہمیشہ یہی سمجھا گیا ہے کہ حضرت معاویہؓ کی جماعت الفئۃ

الباغیۃ کا مصداق ہے اور یہ حدیث حضرت علیؓ کی حقانیت کی واضح دلیل ہے۔ اہل سنت والجماعت کی کتابوں میں یہ بات اتنی کثرت سے لکھی گئی ہے کہ اگر عبارات اکٹھی کی جائیں تو پوری کتاب تیار ہو جائے۔ جس نبی نے صحابہ کا مقام ومرتبہ بتایا اور جس کی وجہ سے صحابی، صحابی بنتا ہے اسی نے یہ بات بھی بتلائی ہے۔ جن علما نے صحابہ کے بارے میں کفِ لسان کی تلقین کی انہوں نے ہی حدیث کا یہ مفہوم بھی بیان کیا ہے، البتہ انہی علما نے یہ بھی بتایا ہے کہ بغاوت نہ تو کسی کے کفر کو مستلزم ہے نہ ہی فسق کو، نہ ہی اس کی بنیاد پر کسی بھی عظیم ہستی پر لعن طعن کرنا جائز ہوتا ہے۔ مسئلہ اتنا سادہ نہیں ہے۔ خلافتِ راشدہ کی ایک اہم پالیسی کا معاملہ ہے، اس کے درست ہونے کو تاویلوں میں الجھایا نہیں جاسکتا، تاہم مخلصین کے لیے عذر ضرور تلاش کیا جاسکتا ہے اور یہی اہل السنت کا طریقہ ہے، جیسا کہ ہم مشاجرات پر بات کرتے ہو کچھ عرض کریں گے۔

یہاں درمیان میں اہل السنت والجماعت کی عبارات پیش کرنے سے گفت گو کا تسلسل متاثر ہوگا، تاہم صرف ملا علی قاریؒ کی دو عبارتوں کی طرف توجہ دلانا مناسب ہوگا، تاکہ ایک ہی شخصیت کی دو عبارتوں سے واضح ہو سکے کہ جو حضرات صحابہ کے بارے میں کفِ لسان کی تلقین کرتے ہیں وہی اس حدیث سے حضرت علی کے مدمقابل جماعت کے باغی ہونے پر بھی استدلال کرتے ہیں: ایک عبارت میں انہوں نے ایک طرف تو یہ بتایا ہے کہ کس طرح اہل السنت مقامِ صحابیت کے احترام کا پورا پاس کرتے ہیں؛ چناں چہ انہوں نے یہاں بزرگوں کا وہ معروف قول بھی نقل کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کے نتھنوں میں لگنے والا غبار بھی عمر بن عبدالعزیز سے افضل ہے، نیز یہ کہ امت کے اولیا وعلما، کبار صحابہ کے درجات کو نہیں پہنچ سکتے اور ان دونوں جماعتوں کے افراد پر طعن جائز نہیں، لیکن بایں ہمہ حدیث کے الفاظ کو ان کے ظاہر معنیٰ پر رکھا گیا ہے اور بتایا ہے کہ اس طرح کا حکم لگانا اہل السنت کے مذکورہ مزاج کے منافی نہیں ہے۔ چناں چہ وہ فرماتے ہیں:

ولعل المراد بهذه الفتنة الحرب التي وقعت بين امير المؤمنين علي رضي الله عنه - وبين معاوية رضي الله عنه - ولا شك ان من ذكر احدا من هذين الصدرين واصحابهما يكون مبتدعا؛ لان اكثرهم كانوا اصحاب رسول الله ﷺ - اهـ. وقد قال - ﷺ: إذا ذكر اصحابي فامسكوا اي: عن الطعن فيهم. فإن رضا الله

تعالی فی مواضع من القرآن تعلق بهم. فلا بد ان یکون مآلهم إلی التقوی ورضا المولی وجنة الماوی، وایضا لهم حقوق ثابتة فی ذمة الامة. فلا ینبغی لهم ان یذکروهم إلا بالثناء الجمیل والدعاء الجزیل، وهذا مما لا ینافی ان یذکر احدٌ مجملا او معینا بأن المحاربین مع علی ما کانوا من المخالفین، او بان معاویة وحزبه کانوا باغین علی ما دل علیه حدیث عمار تقتلك الفئة الباغیة ; لان المقصود منه بیان الحکم المیز بین الحق والباطل والفاصل بین المجتهد المصیب، والمجتهد المخطئ، مع توقیر الصحابة وتعظیمهم جمیعا فی القلب لرضا الرب، ولذا لما سئل بعض الاکابر: عمر بن عبد العزیز افضل ام معاویة؟ قال: لغبار انف فرس معاویة حین غزا فی رکاب رسول الله-ﷺ- افضل من کذا و کذا من عمر بن عبد العزیز[1]۔

شاید اس فتنے سے مراد وہ جنگ ہے جو امیر المؤمنین حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان واقع ہوئی اور اس بات میں شک نہیں ہے کہ جس نے بھی ان شخصیات اور ان کے اصحاب کا ذکر (برے الفاظ میں) کیا، وہ بدعتی ہے، کیوں کہ ان میں سے اکثر لوگ اصحاب رسول ﷺ تھے اور آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہے کہ جب میرے اصحاب کا ذکر ہو تو رک جاؤ، یعنی ان پر طعن کرنے سے، کیوں کہ قرآن کے مختلف مقامات پر ان سے متعلق اللہ کی رضا کا ذکر آیا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ ان کا منتہائے مقصود تقوی، اللہ کی رضا اور جنت کا حصول ہو، نیز یہ کہ امت کے ذمے ان کے حقوق ثابت شدہ ہیں، اس لیے ستائش و دعا ہی کے ساتھ ان کا ذکر مناسب ہے۔

---

[1] ابوالحسن علی بن محمد نورالدین الملا القاری، ۱۰۱۴ھ، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح (بیروت: دارالفکر، ۲۰۰۲ء، ۸: ۳۳۹۷۔ یاد رہے کہ یہاں اس عبارت کو پیش کرنے کا مقصد صرف اس بات کا ایک نمونہ پیش کرنا ہے حضرت علی کی درستی اور دوسرے فریق کی خطا کو بیان کرنا اہل السنت کے اس اصول کے منافی نہیں ہے کہ صحابہ کے بارے میں کف لسان سے کام لیا جائے۔ یہاں دونوں باتیں ایک ساتھ کہی گئی ہیں؛ وگرنہ جس حدیث کی یہ تشریح کی گئی ہے یعنی سکون ھیبہ تستکف العرب اس کی یہ تشریح کہ یہ صحابہ کی جنگوں پر محمول ہے ضروری نہیں کہ راجح تشریح ہو۔

یہ بات اس امر کے منافی نہیں ہے کہ کوئی شخص اجمالی یا معین طور پر کہے کہ حضرت علی کے ساتھ جنگ کرنے والے مخالفین میں سے نہ تھے یا یہ کہ حضرت معاویہ اور ان کی جماعت باغی تھے، جیسا کہ اس بات پر حدیثِ عمار دلالت کرتی ہے کہ تجھے باغی جماعت قتل کرے گی؛ کیوں کہ اس سے مقصود حق و باطل کے درمیان تمیز کنندہ حکم اور مجتہدِ مصیب اور مجتہدِ مخطی کے درمیان فاصل کا بیان کرنا ہے، تاہم اس کے ساتھ اللہ کی رضا کے لیے تمام صحابہ کی توقیر و تعظیم دل میں ملحوظ رکھی جائے گی؛ یہی وجہ ہے کہ جب بعض اکابر سے یہ پوچھا گیا کہ عمر بن عبدالعزیز افضل ہیں یا معاویہ؟ تو انہوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد میں معاویہ کے گھوڑے کے نتھنے کا غبار فلاں اور فلاں یعنی عمر بن عبدالعزیز سے افضل ہے۔

دوسری عبارت وہ قابلِ ذکر ہے جس میں انہوں نے اس حدیث میں کی جانے والی تاویلوں کا رد کیا ہے۔ حضرت عمار کے بارے میں یہ حدیث مشکوۃ کے باب المعجزات میں ہے، وہاں اس حدیث کی تشریح میں ملا علی قاری کی عبارت ملاحظہ کی جاسکتی ہے[1]۔

---

[1] ملا علی قاری اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں: (تقتلك الفئة الباغية). اى: الجماعة الخارجة على إمام الوقت وخليفة الزمان. قال الطيبي: ترحم عليه بسبب الشدة التي يقع فيها عمار من قبل الفئة الباغية يريد به معاوية وقومه. فإنه قتل يوم صفين. وقال ابن الملك: اعلم ان عمارا قتله معاوية وفئته. فكانوا طاغين باغين بهذا الحديث لان عمارا كان فى عسكر على وهو المستحق للإمامة. فامتنعوا عن بيعته. وحكى ان معاوية كان يؤول معنى الحديث ويقول: نحن فئة باغية طالبة لدم عثمان. وهذا كما ترى تحريف. إذ معنى طلب الدم غير مناسب هنا لانه ﷺ - ذكر الحديث فى إظهار فضيلة عمار وذم قاتله لانه جاء فى طريق ويح. قلت: ويح كلمة تقال لمن وقع فى هلكة لا يستحقها فيترحم عليه ويرثى له. بخلاف ويل. فإنها كلمة عقوبة تقال للذى يستحقها ولا يترحم عليه. هذا وفى الجامع الصغير برواية الإمام احمد والبخارى عن ابى سعيد مرفوعا (ويح عمار تقتله الفئة الباغية يدعوهم إلى الجنة ويدعونه إلى النار) وهذا كالنص الصريح فى المعنى الصحيح المتبادر من البغى المطلق فى الكتاب كما فى قوله تعالى: {وينهى عن الفحشاء والمنكر والبغى} النحل: ۹۰ وقوله سبحانه: {فإن بغت إحداهما على الاخرى} الحجرات: ۹، فإطلاق اللفظ الشرعى على إرادة المعنى اللغوى عدول عن العدل وميل إلى الظلم الذى هو وضع الشىء فى غير موضعه. والحاصل ان البغى بحسب المعنى الشرعى والإطلاق العرفى خص عموم معنى الطلب اللغوى إلى طلب الشر الخاص بالخروج المنهى. فلا يصح ان يراد به طلب دم (حاشیہ جاری ہے!)

حضرت خزیمہ بن ثابتؓ قتال میں ذرا متوقف تھے، لیکن حضرت عمار کی شہادت کے بعد ان کا توقف بھی دور ہو گیا۔ حضرت خزیمہ بدری صحابی ہیں اور وہ ہستی ہیں جن کی اکیلے کی شہادت کو رسول اللہ ﷺ نے دو آدمیوں کی شہادت کے برابر قرار دیا تھا۔[1] اسی

---

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) خليفة الزمان، وهو عثمان رضی اللہ عنہ. وقد حكى عن معاوية تاويل اقبح من هذا حيث قال: إنما قتله على وفئته حيث حمله على القتال. وصار سببا لقتله فى المآل. فقيل له فى الجواب: فإذن قاتل حمزة هو النبى ﷺ حيث كان باعثا له على ذلك. والله سبحانه وتعالى حيث امر المؤمنين بقتال المشركين. والحاصل ان هذا الحديث فيه معجزات ثلاث: إحداها: انه سيقتل. وثانيها: انه مظلوم. وثالثها: ان قاتله باغ من البغاة والكل صدق وحق. ثم رايت الشيخ اكمل الدين قال: الظاهر ان هذا اى: التاويل السابق عن معاوية. وما حكى عنه ايضا من انه قتله من اخرجه للقتل وحرضه عليه كل منهما افتراء عليه. اما الاول فتحريف للحديث. واما الثانى فلانه ما اخرجه احد بل هو خرج بنفسه وماله مجاهدا فى سبيل الله قاصدا لإقامة الغرض. وإنما كان كل منهما افتراء على معاوية لانه رضي الله عنه اعقل من ان يقع فى شيء ظاهر الفساد على الخاص والعام. قلت: فإذا كان الواجب عليه ان يرجع عن بغيه بإطاعته الخليفة. ويترك المخالفة وطلب الخلافة المنيفة. فتبين بهذا انه كان فى الباطن باغيا. وفى الظاهر متسترا بدم عثمان مراعيا مرائيا. فجاء هذا الحديث عليه ناعيا. وعن عمله ناهيا. لكن كان ذلك فى الكتاب مسطورا. فصار عنده كل من القرآن والحديث مهجورا. فرحم الله من انصف ولم يتعصب ولم يتعسف. وتولى الاقتصاد فى الاعتقاد لئلا يقع فى جانبى سبيل الرشاد من الرفض والنصب بان يحب جميع الآل والصحب.

(ملا علی قاری، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، ۹: ۳۷۸۵، ۳۷۸۶)

[1] بعض حضرات کو یہ غلط فہمی ہو گئی کہ صفین میں شہید ہونے والے خزیمہ وہ صحابی نہیں ہیں جن کی شہادت دو کے برابر قرار دی گئی تھی، بلکہ کوئی اور ہیں، لیکن خطیب بغدادی اور حافظ ابن حجر عسقلانی جیسے حضرات نے اس رائے کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ صفین میں شہید ہونے والے وہی دو شہادتوں والے ہی ہیں۔ چناں چہ حافظ نے خطیب کا قول نقل کیا ہے: اجمع علماء السير ان ذا الشهادتين قتل بصفين مع علي۔ (ابن حجر عسقلانی، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ۲: ۲۴۰)

طرح دیگر صحابہ بھی تھے۔ حضرت علیؓ نے متوقفین کو ملامت نہیں کی۔ بعض کے اعذار بھی ہو سکتے ہیں، جیسا کہ عرض کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی بہت سارے صحابہ قتال کے لیے نہیں جاتے تھے۔ تبوک کے علاوہ کسی کو ملامت نہیں کی گئی۔

## ابن عمرؓ کا باغیوں سے قتال نہ کرنے پر افسوس

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو بھی توقف تھا، لیکن ان کے بارے میں بھی یہ بات موجود ہے کہ ان کو بعد میں افسوس رہا کہ کاش میں حضرت علیؓ کے ساتھ مل کر الفئة الباغية کے خلاف قتال کرتا[1] اور اس کی وجہ سمجھ میں آتی ہے کہ بعد میں جو واقعات کربلا، حرہ، مکے پر چڑھائی، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے قتل وغیرہ کی صورت میں سامنے آئے، وہ اس کی تائید کرتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کس قدر مصالحانہ پالیسی اختیار کی، لیکن اس کے باوجود ان کے بارے میں بھی آتا ہے واللہ اعلم! کہ ان کی موت کے پیچھے حجاج بن یوسف کا ہاتھ تھا۔

---

[1] علامہ ابن عبدالبرؒ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں لکھتے ہیں:

"وصح عن عَبْدِ اللهِ بن عمر رضی اللہ عنہما من وجوہ انہ قَالَ: ما آسی علی شیء کما آسی انی لم اقاتل الفئة الباغية مع علی رضی اللہ عنہ۔" (ابن عمرؓ سے صحیح طرق سے ثابت ہے کہ انہوں نے فرمایا: مجھے اتنا افسوس کسی بات پر نہیں، جتنا اس پر ہے کہ میں نے علیؓ کے ساتھ مل کر باغی جماعت کے ساتھ قتال نہیں کیا) (ابوعمر یوسف بن عبداللہ القرطبی ۴۶۳ھ)، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ت، علی محمد البجاوی (بیروت: دار الجیل، ۱۹۹۲ء، ۱: ۷۷)؛

علامہ ذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاء میں بھی یہ قول مختلف لوگوں کی وساطت سے نقل کیا ہے۔ ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں: "قال ابْنُ عُمَرَ حِيْنَ احْتُضِرَ: مَا أَجِدُ فِي نَفْسِي شَيْئاً إِلاَّ أَنِّي لَمْ أُقَاتِلِ الفِئَةَ البَاغِيَةَ مَعَ عَلِيِّ بنِ أَبِي طَالِبٍ۔" (ابن عمر نے جان کنی کے عالم میں کہا کہ مجھے دل میں ایک بات کا قلق ہے کہ میں نے علی کے ساتھ مل کر باغی جماعت سے قتال نہیں کیا)، الذہبی، سیر اعلام النبلاء، ۳: ۲۳۲۔ ابن عمر کا اس طرح کا قول حجاج بن یوسف کے بارے میں بھی انہی مصادر میں درج ہے۔

ان کو ایک زہر آلود نیزہ چبھویا گیا[1]۔

ابن عمرؓ نے اس پر اپنی ندامت کا اظہار کیا ہے اور اس کی وجہ یہی بنتی ہے کہ یہ سب کچھ انہوں نے دیکھا ہوگا تو انہیں احساس ہوا ہوگا کہ سارے اُس وقت ڈٹ کر علیؓ کا ساتھ دے دیتے تو اسباب کے درجے میں یہ باتیں شاید نہ ہوتیں۔ حضرت ابن عمرؓ سے متعدد طرق سے مروی ہے کہ انہوں نے الفئۃ الباغیۃ سے قتال نہ کرنے پر افسوس کا اظہار کیا۔ ابن عبدالبر وغیرہ نے کہا ہے کہ یہ بات متعدد طرق سے صحیح طور پر ابن عمرؓ سے ثابت ہے۔ ہیثمی نے ایک روایت ذکر کی ہے: عن ابن عمر قال: لم اجدنی آسی علی شیء الا انی لم اقاتل الفئۃ الباغیۃ مع علی۔ (مجھے سب سے زیادہ افسوس اس بات پر ہوا ہے کہ میں نے حضرت علیؓ کے ساتھ مل کر باغی جماعت سے قتال نہیں کیا) اس کے بعد ہیثمی فرماتے ہیں طبرانی نے اسے متعدد سندوں سے روایت کیا ہے، ان میں سے ایک کے راوی صحیح والے ہیں۔

(مجمع الزوائد، کتاب الفتن، باب فیما کان بینهم یوم صفین، رقم: ۱۲۰۵۴)

---

[1] صحیح البخاری کے الفاظ ہیں: ''حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ يَحْيَى أَبُو السُّكَيْنِ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْمُحَارِبِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُوقَةَ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، قَالَ: كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ حِينَ أَصَابَهُ سِنَانُ الرُّمْحِ فِي أَخْمَصِ قَدَمِهِ، فَلَزِقَتْ قَدَمُهُ بِالرِّكَابِ، فَنَزَلْتُ، فَنَزَعْتُهَا وَذَلِكَ بِمِنًى، فَبَلَغَ الحَجَّاجَ فَجَعَلَ يَعُودُهُ، فَقَالَ الحَجَّاجُ: لَوْ نَعْلَمُ مَنْ أَصَابَكَ، فَقَالَ ابْنُ عُمَرَ: أَنْتَ أَصَبْتَنِي قَالَ: وَكَيْفَ؟ قَالَ: حَمَلْتَ السِّلاَحَ فِي يَوْمٍ لَمْ يَكُنْ يُحْمَلُ فِيهِ، وَأَدْخَلْتَ السِّلاَحَ الحَرَمَ وَلَمْ يَكُنِ السِّلاَحُ يُدْخَلُ الحَرَمَ''۔ (زکریا بن یحیی، ابوالسکن، محمد بن سوقہ، سعید بن جبیر روایت کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ میں ابن عمر کے ساتھ تھا، جب ان کے تلوے میں نیزے کی نوک چبھ گئی اور ان کا پاؤں رکاب سے چمٹ گیا، تو میں اترا اور اس نیزے کو نکالا، یہ واقعہ منیٰ میں ہوا تھا۔ جب حجاج کو خبر ملی تو ان کی عیادت کرنے آیا، تو حجاج نے کہا: کاش ہمیں معلوم ہو جاتا کہ کس نے آپ کو یہ تکلیف پہنچائی ہے! ابن عمر نے جواب دیا کہ تو نے ہی ہمیں یہ تکلیف پہنچائی۔ حجاج نے پوچھا: کیوں کر؟ ابن عمر نے جواب دیا کہ تو ایسے دن ہتھیار لے کر آیا جس دن ہتھیار لے کر نہیں آیا جاتا تھا اور تو نے ہتھیار حرم میں داخل کیا، حالاں کہ حرم میں ہتھیار داخل نہیں کیا جاتا تھا۔)

(صحیح البخاری، ابواب العیدین، بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ حَمْلِ السِّلاَحِ فِي العِيدِ وَالحَرَمِ، رقم: ۹۶۶)

بظاہر ہیثمی جس طریق کی بات کر رہے ہیں، اس پر زیادہ سے زیادہ اعتراض مرسل ہونے کا ہو سکتا ہے اور یہ کوئی بڑا اعتراض نہیں۔ خاص طور پر جب کہ یہ بات حضرت ابن عمرؓ سے روایت کرنے والے متعدد حضرات ہیں۔ اسی مضمون کی ایک حدیث حمزۃ بن عبداللہ بن عمر نے ابن عمر سے روایت کی ہے، اس کی سند کو حاکم اور ذہبی دونوں نے بخاری اور مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ (المستدرک علی الصحیحین، تفسیر سورۃ الحجرات، رقم: ۳۷۲۲)

بظاہر تو ابن عمر جس الفئۃ الباغیۃ کی بات کر رہے ہیں، وہ واضح ہی ہے، خاص طور پر جن روایتوں میں مع علی کا لفظ بھی ساتھ آیا ہے۔ یعنی مجھے حضرت علیؓ کے ساتھ مل کر قتال نہ کرنے پر افسوس ہے۔ تاہم بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات حجاج بن یوسف کے سیاق میں انہوں نے فرمائی جب کہ اس نے عبداللہ بن زبیر کے خلاف مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی، ابن زبیرؓ کو شہید کر کے لاش کی بے حرمتی کی اور ان کی والدہ اسماء بنت ابی بکر، جو اس وقت بوڑھی خاتون تھیں، کے ساتھ بدتمیزی کی۔ (جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں موجود ہے) اگر یہ روایت لے بھی لی جائے تو اصل بات وہی نکلتی ہے جو میں نے ابھی عرض کی کہ اگر حضرت علیؓ کی خلافت کو مکمل استحکام حاصل ہو جاتا تو اس ٹولے کی یہ حرکتیں اس حد تک نہ پہنچتیں۔ بعض روایتوں سے ترجیح ہوتا ہے کہ ابن عمرؓ عبداللہ بن زبیر کو الفئۃ الباغیۃ کہہ رہے ہیں اور آج کل بعض لوگ اسی روایت کو لے کر بیٹھ گئے ہیں، گویا ان کے ہاں یا حضرت ابن زبیر صحابی نہیں ہیں یا صحابی کے لیے الفئۃ الباغیۃ کا اطلاق یہاں جائز ہو گیا ہے، لیکن جو لفظ وہاں استعمال ہوئے ہیں کہ وہ کسی طرح بھی ابن زبیر پر منطبق نہیں ہوتے۔ ویسے بھی یہ بات بڑی عجیب سی ہوگی کہ حضرت ابن عمرؓ کے حضرت علیؓ کی حمایت میں قتال نہ کرنے کو تو ایک اعلیٰ دانش مندانہ فیصلہ سمجھا جائے اور مروانیوں کی اور حجاج بن یوسف جیسے بدمعاش کی حمایت میں ابن زبیرؓ جیسے صحابی کے خلاف نہ لڑنے پر انہیں افسوس ہو رہا ہو۔ یعنی حضرت علیؓ کی حمایت میں نہ لڑنا ابن عمرؓ کا کارنامہ ٹھہرا اور حجاج بن یوسف کی حمایت میں کعبے پر چڑھائی نہ کرنا ابن عمرؓ کا قابل افسوس فیصلہ قرار پایا۔ دراصل حدیث کا تھوڑا سا بھی مطالعہ رکھنے والا جانتا ہے کہ اس دور کے واقعات کو "فتنۃ ابن الزبیر" کہہ دیا جاتا ہے، مقصد عبداللہ بن زبیر کو خارجی کہنا نہیں ہوتا، بلکہ عبداللہ بن زبیر کے خلاف بپا ہونے والی جنگ کو فتنۃ ابن

الزبیر کہہ دیا جاتا ہے؛ اس لیے حضرت ابن عمرؓ کا اظہارِ ندامت کرتے ہوئے "مع علی" کہنا یا حجاج بن یوسف کے کرتوتوں کے سیاق میں یہ بات کہنا دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے، اپنے انجام اور مآل کے اعتبار سے ایک ہی بات ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کی مراد جو بھی ہو یہ بات بہر حال ثابت ہو جاتی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کا یہ موقف کہ چوں کہ دوسری طرف مسلمان گروہ ہے، اس لیے کسی مسلمان گروہ کے خلاف کسی بھی حالت میں قتال نہیں کیا جا سکتا یا یہ کہ داخلی قتال میں الگ تھلگ رہنا ہر حالت میں اچھی بات ہے، اس موقف پر وہ آخر دم تک قائم نہیں رہے، بلکہ اس سے رجوع اور اس پر افسوس کا اظہار فرما دیا تھا۔ اس پر مزید کچھ بات ان شاء اللہ مشاجرات کی بحث میں کریں گے۔ یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ حضرت علی کے قتال اپنے وقت کے لحاظ سے حکمِ شرعی تھے۔ یہ کوئی ایسی کوئی چیز نہ تھے جسے حضرت علی کی خامی کے طور پر پیش کیا جائے یا اس میں معذرت خواہی کا راستہ اختیار کیا جائے۔ مستدرک حاکم اور بیہقی کی ایک روایت میں تو حضرت عائشہ کا ارشاد منقول ہے (جس کو حاکم نے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے، تاہم مجھے جائزہ لینے کا موقع نہیں ملا) کہ انہوں نے سورۂ حجرات کی آیت، جس میں مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان مصالحت اور اس کے ناکام ہونے کی صورت میں جماعت باغیہ سے قتال کا حکم ہے، کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس امت نے جتنا اعراض اس آیت سے کیا ہے کسی اور سے نہیں کیا[1]۔ یعنی حضرت عائشہ بھی سمجھ رہی ہیں کہ اس آیت پر کما حقہ عمل ہونا چاہیے تھا۔

علیؓ آنے والے وقتوں میں آنے والی ایک برائی کے آگے کھڑا تھا۔ اس وقت یہ

---

[1] المستدرك على الصحيحين، كتاب قتال اهل البغي، رقم: ۲۶۶۴ المستدرک کے الفاظ ہیں: عن عائشة رضي الله عنها، انها قالت: "ما رايت مثل ما رغبت عنه هذه الامة من هذه الآية: {وإن طائفتان من المؤمنين اقتتلوا فاصلحوا بينهما، فإن بغت إحداهما على الاخرى، فقاتلوا التي تبغي، حتى تفيء إلى امر الله} الحجرات: ۹؟ هذا حديث صحيح على شرط مسلم، ولم يخرجاه، بيهقي، السنن الكبرى، جماع ابواب الرعاة، باب الدليل على ان الفئة الباغية منهما لا تخرج بالبغي عن تسمية الإسلام، رقم: ۱۶۷۰۷)

باتیں سامنے نہیں تھیں، لیکن بعد میں ان امور نے جو رخ اختیار کرنا تھا، وہ ساٹھ ہجری کے بعد نظر آیا۔ لوگ کہتے ہیں یہ سیدھا سادا خاندان ہے، لیکن ایسی بات نہیں۔ اس کے افراد نے اپنی بصیرت اور فراست سے کئی سال بعد کی چیزوں کا مشاہدہ کیا، لیکن چوں کہ اللہ کے ہاں تکوینی فیصلہ تھا کہ انہوں نے مسلط ہونا تھا، اس لیے یہ امور ہو کر رہے۔ بنوامیہ کے تسلط کے بارے میں بھی احادیث موجود ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم تھا اور آپ کو اس سے ناگواری بھی ہوئی۔ وہ احادیث بھی حضرت علیؓ کے حق میں جاتی ہیں، لیکن وہ بھی ایک مستقل موضوع ہے، اگرچہ اس موضوع کی کچھ احادیث ضعیف ہیں، لیکن قابل قبول روایات بھی موجود ہیں، اور مجموعی روایات تو خصوصاً نظر انداز نہیں کی جاسکتیں۔ خیر! اثرات ونتائج کے اعتبار سے حضرت علی وغیرہ ممکنہ طور پر کیا دیکھ رہے ہوں گے؟ اس کا براہ راست تعلق حضرت علی کی پالیسیوں کے سیاسی پہلو سے ہے جو کہ ایک الگ اور مستقل موضوع ہے، جیسا کہ شروع میں عرض کیا، یہاں ضمناً چند جملے درمیان میں آگئے، اس لیے عرض کر دیے۔

اصل بات یہ ہو رہی تھی کہ حضرت عمارؓ کی شہادت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حضرت عمار کا قتال الفئۃ الباغیۃ کے خلاف ہے اور یہ درحقیقت سورہ حجرات کی اس آیت پر عمل ہے فقاتلو التی تبغی حتی تفیء إلی امر اللہ۔

## خوارج کے ساتھ قتالِ علیؓ اور احادیث رسول ﷺ

خوارج ایک گروہ تھا جس کے ظہور کی پیش گوئی رسول اللہ ﷺ نے کئی احادیث میں فرمائی ہے۔ اپنے مجموعی مضمون کے لحاظ سے یہ احادیث تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں۔ یہ لوگ بادی النظر میں بہت متقی پرہیزگار تھے۔ خود حدیث میں آتا ہے کہ تم اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں اور اپنے روزوں کو ان کے روزوں کے مقابلے میں حقیر سمجھو گے۔ مزاج اور فکری رویے کے اعتبار سے مذہبی انتہا پسند بظاہر نام قرآن کا لیتے تھے، مگر حدیث کے مطابق قرآن صرف ان کی زبان وحلق تک محدود تھا۔ خوارج کے خصائص اور اوصاف کے بارے میں آج کے دور میں ہوسکتا ہے متعدد حضرات نے تفصیل سے لکھا ہو، خصوصاً عرب دنیا میں اس پر کام ہوا ہوگا۔ یہاں خوارج کے بارے میں قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ

خوارج کے بارے میں دو قسم کی احادیث ہیں، یا یوں کہ لیجیے کہ ان کے بارے میں دو قسم کی باتیں حدیث میں آتی ہیں۔ ایک یہ کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کے لوگ مختلف زمانوں میں ظاہر ہوتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کا آخری گروہ دجال کی حمایت میں لڑے گا۔ ان خوارج کی رسول اللہ ﷺ نے مذمت بھی فرمائی اور ان سے قتال کی فضیلت بھی بیان فرمائی ہے۔ یہ حدیثیں بھی یہاں اس لیے متعلق ہیں کہ خوارج کے خلاف سب سے پہلا قتال کرنے کا شرف حضرت علی ہی کو حاصل ہوا، اگرچہ بعد میں مختلف زمانوں میں اور بھی بہت سے لوگوں نے خوارج کے خلاف قتال کیے۔

دوسری احادیث وہ ہیں جن میں ایک متعین گروہ اور اس میں مخصوص حلیے والے ایک متعین فرد کے بارے میں پیش گوئی فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ان کی سخت ترین الفاظ میں مذمت فرمائی اور ان سے قتال کرنے والی جماعت کے لیے بہت اعلیٰ الفاظ استعمال فرمائے۔ یہ حدیثیں چوں کہ ایک متعین گروہ اور متعین فرد کی نشانی کے ساتھ ہیں، اس لیے اس کا حضرت علی کے موضوع سے زیادہ تعلق ہے۔ چوں کہ دونوں قسم کی حدیثیں بہت زیادہ ہیں، اس لیے ہم ایک آدھ حدیث ذکر کرکے ان سے سمجھ میں آنے والے چند امور ذکر کرنے پر اکتفا کریں گے۔ اس سلسلے میں سب سے اہم حدیث خود حضرت علیؓ کی ہے جو ان سے بڑی تعداد میں صحابہ وتابعین نے روایت کی ہے۔ یہاں پہلے بخاری ومسلم سے مختصر روایتیں نقل کی جاتی ہیں، اس کے بعد مختلف روایات میں آنے والے مواد کے اہم حصے کو واقعاتی ترتیب سے پیش کیا جائے گا۔ سوید بن غفلہ، حضرت علی سے روایت کرتے ہیں:

إني سمعت رسول الله ﷺ يقول: سيخرج قوم في آخر الزمان، احداث الاسنان، سفهاء الاحلام، يقولون من خير قول البرية، لا يجاوز إيمانهم حناجرهم، يمرقون من الدين، كما يمرق السهم من الرمية، فاينما لقيتموهم فاقتلوهم، فإن في قتلهم اجرا لمن قتلهم يوم القيامة.

(صحیح البخاری، کتاب استتابۃ المرتدین، باب قتل الخوارج والملحدین بعد اقامۃ الحجۃ علیہم، رقم: ۶۹۳۰)

میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ عن قریب کچھ لوگ پیدا ہوں گے، نوعمر، کم عقل، باتیں دنیا کی بہترین باتوں میں سے کریں گے (دوسری روایتوں

میں آتا ہے کہ قرآن پڑھتے ہوں گے۔) لیکن ان کا ایمان (یعنی بظاہر مؤمنانہ باتیں) ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ وہ دین سے اسی طرح نکلے ہوئے ہوں گے جیسے تیر نشانے سے چوک جاتا ہے۔ جہاں بھی تم ان سے ملو، انہیں قتل کرو، اس لیے کہ ان کے قتل کرنے میں قتل کرنے والوں کے لیے قیامت کے دن بڑا اجر ہے۔ عَبیدہ سلمانی حضرت علی سے روایت کرتے ہیں:

قال: ذكر الخوارج فقال: فيهم رجل مخدج اليد، او مودن اليد، او مثدون اليد، لولا ان تبطروا لحدثتكم بما وعد الله الذين يقتلونهم. على لسان محمد صلى الله عليه وسلم. قال قلت: آنت سمعته من محمد صلى الله عليه وسلم؟ قال: إي، ورب الكعبة. إي، ورب الكعبة. إي، ورب الكعبة.

(صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، باب التحریض علی قتل الخوارج، رقم: ۱۰۶۶)

حضرت علی نے رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے خوارج کا ذکر فرمایا، اس میں یہ بھی فرمایا کہ ان میں ایسا شخص ہوگا جو ہاتھ سے ٹنڈا ہوگا۔ اگر مجھے اس بات کا ڈر نہ ہوتا کہ تم ان سے قتال کی فضیلت سن کر اپنے عمل پر ناز کرنے لگو گے تو تمہیں بتاتا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قتل کرنے والوں کے لیے محمد ﷺ کی زبان پر کیا کیا وعدے فرمائے ہیں۔ (عَبیدہ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا: ''کیا آپ نے یہ باتیں خود رسول اللہ ﷺ سے سنی ہیں؟'' حضرت علی نے (تین مرتبہ) فرمایا: ''بالکل، رب کعبہ کی قسم؛ بالکل، رب کعبہ کی قسم؛ بالکل رب کعبہ کی قسم۔''

یہ لوگ موجود تو فی الجملہ تھے، لیکن ان کا باقاعدہ ظہور اور خروج تب ہوا جب واقعۂ تحکیم کے بعد یہ لوگ إن الحکم إلا للہ کا نعرہ لگاتے ہوئے الگ ہو گئے۔ اس سے پہلے بطور ایک مستقل گروہ یا جماعت ان کا وجود نہیں تھا۔ اس کے بعد بھی ان میں سے کچھ لوگ تو آخر تک کوفے میں موجود رہے۔ حضرت علی کے سامنے بلکہ خطبے کے دوران إن الحکم إلا للہ کے نعرے لگاتے، ٹولیاں بنا کر تنقید کرتے، بلکہ حضرت علیؓ کو واجب القتل بھی کہتے، لیکن ان کے خلاف حضرت علیؓ نے کوئی کارروائی نہیں کی، بلکہ یہ فرمایا کہ جب تک تمہارے ہاتھ ہمارے ہاتھوں کے ساتھ ہیں، ہم تمہیں مال فیء میں سے دیں گے، اپنی مساجد میں تمہیں نماز

پڑھنے سے نہیں روکیں گے۔ جب باقاعدہ انہوں نے الگ سے لشکر اور جتھا بنالیا، حروراء نامی بستی پر قابض ہوکر الگ سے اپنی عمل داری اور حکومت بھی قائم کرلی، اس طرح سے بغاوت کی شرائط بھی ان میں متحقق ہوگئیں، افعالِ شنیعہ کا ارتکاب بھی شروع کردیا، تو پہلے مرحلے میں حضرت علی نے ابن عباسؓ وغیرہ کے ذریعے ان سے مذاکرات کیے، ان کے شبہات کے تسلی بخش جوابات دیے، جس کے نتیجے میں بڑی تعداد میں لوگ واپس آگئے۔ دراصل کئی لوگ ان کے ظاہری زہد اور پرہیزگاری سے متاثر ہوگئے تھے۔

صحیح مسلم کی ایک طویل روایت میں ہے کہ زید بن وہب کہتے ہیں کہ میں حضرت علی کے ساتھ خوارج کے خلاف لڑنے والے لشکر میں شامل تھا۔ حضرت علی نے فرمایا۔ اے لوگو! میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے، تمہاری قراءت ان کی قراءت کے مقابلے میں، تمہاری نمازیں ان کی نمازوں کے مقابلے میں اور تمہارے روزے ان کے روزوں کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہوں گے۔ وہ قرآن یہ سوچ کر پڑھیں گے کہ وہ ان کے حق میں ہے، حالاں کہ حقیقت میں وہ ان کے خلاف ہوگا۔ ان کی نماز ان کے حلق سے نیچے نہیں ہوگی۔ وہ دین سے ایسے ہی نکلے ہوئے ہوں گے جیسے تیر نشانے سے چوک جاتا ہے۔ ان سے لڑنے والے لشکر کو اگر معلوم ہو جائے کہ ان کے لیے نبی ﷺ کی زبان کے مطابق کیا اجر ہے تو وہ اسی پر تکیہ کرکے مزید عمل سے سستی کرنے لگ جائیں۔ اس کی نشانی یہ ہے کہ ان میں ایک آدمی ہے جس کے بازو کا اوپر والا حصہ تو ہوگا نیچے کلائی نہیں ہوگی۔ اس کے آخر میں عورت کی پستان کی طرح کا گوشت ہوگا، جس پر سفید بال ہوں گے۔ (جلیے میں اتنی تفصیل اور باریکی بذاتِ خود رسول اللہ ﷺ کا ایک معجزہ اور پیش گوئی کے بذیعہ وحی ہونے کی دلیل ہے۔ حضرت علیؓ یہ حدیث ان کے خلاف قتال شروع ہونے سے پہلے سنا رہے ہیں، جب کہ کسی کو ایسے شخص کے اس لشکر میں ہونے کا یقین نہیں تھا) حضرت علیؓ نے مزید فرمایا کہ میری امید یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اس پیش گوئی کا مصداق یہی لوگ ہیں۔ انہوں نے لوگوں میں لوٹ مار کی ہے اور خون بہایا ہے۔

(صحیح مسلم، کتاب الزکوۃ، باب التحریض علی قتل الخوارج، رقم: ۱۰۶۶)

اب ظاہر ہے حضرت علیؓ کا یہ قوی اندازہ، کہ یہ وہی لوگ ہیں، ایک دن میں تو نہیں بنا ہوگا۔ ان کی شناعت پہلے سے واضح ہو رہی ہوگی، لیکن حضرت علیؓ نے ان کے خلاف ایکشن اس خاص مرحلے پر آ کر لیا؛ اس لیے کہ، جیسا کہ پہلے عرض کیا، ایک فقیہ خلیفہ محض یہ جان کر کہ یہ برے لوگ ہیں کارروائی نہیں کیا کرتا۔ وہ کارروائی تب کرتا ہے جب تمام فقہی وقانونی وجوہات مکمل ہو کر چیزیں پختہ (mature) ہو کر سامنے آ جائیں؛ اس لیے حضرت علیؓ پر یہ اعتراض کہ فلاں لوگوں کے خلاف فلاں وقت انہوں نے کارروائی نہیں کی، درست نہیں ہے۔ انہوں نے تو اپنے خلاف نعرے لگانے والوں کے خلاف بھی کارروائی نہیں کی۔

اب جب اس جماعت کی بغاوت بھی عملاً واضح ہو گئی تو حضرت علی کے سامنے دو گروہ تھے: اہلِ شام اور یہ خوارج۔ صحیح مسلم کی اس روایت کے مطابق حضرت علی نے اپنے خطبے میں واضح کیا کہ اہلِ شام کے مقابلے میں اس نئی جماعت کے خلاف قتال کرنا زیادہ اہم ہے۔ جیسا کہ آگے ہم دیکھیں گے، لوگوں کو یہ خیال ہو رہا تھا کہ اتنے عبادت گزار لوگوں سے لڑا جائے؟ مسلم کی اس روایت میں اس کے بعد قتال کا ذکر ہے، اور اس بات کا کہ مذکورہ حلیے والا شخص لاشوں میں تلاش کیا گیا، ابتدا میں نہیں ملا، حضرت علیؓ بذاتِ خود تلاش میں لگے، بہت سی لاشیں ادھر ادھر کرنے کے بعد آخر کار اس کی لاش مل گئی۔

امام احمد کے صاحب زادے عبداللہ بن احمد نے کتاب السنۃ میں اس موضوع پر کافی روایات جمع کر دی ہیں۔ مزید روایات میں اسی پر انحصار کیا جائے گا۔ کسی اور کتاب کی روایت ہوئی تو تصریح کر دی جائے گی۔ طارق بن زیاد کہتے ہیں حضرت علیؓ نے مذکورہ حلیے کا شخص تلاش کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر اس کی لاش ان میں نہ ملی تو تم نے (واقعی) بہترین لوگوں کو قتل کیا ہوگا (جیسا کہ بادی النظر میں شبہ ہو سکتا تھا، اس لیے کہ دیکھنے میں یہ انتہائی عبادت گزار لوگ تھے۔) اور اگر وہ مل گیا تو تم نے بدترین لوگوں کو قتل کیا ہے۔ جب حضرت علی نے یہ فرمایا تو ہم رو پڑے، حضرت علیؓ نے فرمایا: تلاش کرو، چناں چہ تلاشِ بسیار کے بعد وہ مل گیا۔ (ابو عبدالرحمن عبداللہ بن احمد بن حنبل، السنۃ، ت، محمد بن سعید بن سالم القحطانی (الدمام: دار ابن القیم، ۱۹۸۶ء)، رقم: ۱۴۹۸)

حضرت ابو جحیفہؓ کی روایت ہے کہ جب ابتدا میں تلاش کے باوجود نہ ملا تو

حضرت علیؓ کو جتنا پریشان میں نے دیکھا، ویسا پریشان اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ پھر آپ نے پوچھا اس جگہ کا نام کیا ہے، بتایا گیا نہروان ہی ہے۔ آپ نے پھر (پورے وثوق سے فرمایا) تم غلط کہتے ہو کہ اس کی لاش نہیں ہے، وہ انہیں میں ہے۔ پھر تلاش کرو۔ لاشوں کو الٹ پلٹ کرنے پر اس کی لاش مل گئی۔ زید بن وہب کی روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ ہمیں حضرت علی کے چہرے پر پریشانی کے آثار نظر آئے، پھر مزید تلاش پر اس کی لاش مل گئی تو حضرت علی نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا صدق اللہ وبلّغ رسولہ، اللہ نے سچ کہا اور اللہ کے رسول نے بات صحیح پہنچائی۔ صحیح مسلم کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب لوگوں نے آکر بتایا کہ تلاش کیا پر نہیں ملا تو حضرت علی نے دو یا تین مرتبہ فرمایا ارجعوا، فواللہ ما کَذَبتُ ولا کُذبت، جاؤ جاکر مزید تلاش کرو، اس لیے کہ نہ تو میں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت میں غلط بیانی کی ہے اور نہ ہی مجھ سے جھوٹ بولا گیا، یعنی جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ غلط نہیں ہوسکتا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت علی کو یقین تھا کہ یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے یہ پیش گوئی فرمائی تھی۔ یہ بھی متعدد روایتوں میں آتا ہے کہ لاش ملنے پر حضرت علی سجدے میں گر گئے۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت علی اتنے خوش ہوئے کہ اگر خوشی کی وجہ سے روح پرواز کرسکتی ہوتی تو اس دن حضرت علی کی روح پرواز کرجاتی۔

عاصم بن کلیب کی اپنے والد سے روایت میں ہے کہ حضرت علی نے بعد میں ایک موقع پر اس بات کا حوالہ دیا کہ تم تو کہتے تھے وہ لاش ہے ہی نہیں، بعد میں تم نے گھسیٹتے ہوئے نکالی۔ حاضرین نے حضرت علی کی اس بات کی تائید کی کہ ایسے ہی ہوا تھا۔

تقریباً اسی مضمون کی حدیث حضرت ابوسعید خدریؓ بھی روایت کرتے ہیں۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید کے لفظ یہ ہیں:

فاشهد انی سمعت هذا من رسول الله ﷺ واشهد ان علی بن ابی طالب رضی الله عنه قاتلهم وانا معه، فامر بذلك الرجل فالتمس، فوجده فاتی به، حتی نظرت إلیه، علی نعت رسول الله ﷺ الذی نعت.

(صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب ذکر الخوارج وصفاتہم، رقم: ۱۰۶۴)

میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ بات سنی ہے اور میں

گواہی دیتا ہوں حضرت علی بن ابی طالب نے ان سے قتال کیا، جب کہ میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ پھر حضرت علیؓ نے اس شخص کے بارے میں حکم فرمایا تو اسے تلاش کیا گیا اور وہ مل گیا۔ میں نے اسے اسی صفت پر دیکھا جو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی تھی۔ اس حدیث سے ایک تو صفین وغیرہ میں بھی حضرت علیؓ کے صواب ہونے پر بھی اس طرح استدلال کیا گیا ہے کہ خوارج کی احادیث کی بعض روایتوں میں آتا ہے یلی قتلہم اولی الطائفتین بالحق، یعنی خوارج کو قتل کرنے کا بیڑا اس وقت کے دو گروہوں میں وہ اٹھائے گا جو حق کے بہت قریب ہوگا۔ تاہم چوں کہ صفین میں حضرت علی کے قتال پر بات ہو چکی ہے، اس لیے اس استدلال کی تفصیل سے گریز کرتے ہیں۔

بعض لوگوں نے یہاں یہ بحثیں بھی چھیڑی ہیں کہ خوارج سے قتال صرف حضرت علیؓ نے نہیں کیا، حضرت علیؓ کے بعد بھی متعدد لوگوں نے کیا ہے، لیکن شروع میں وضاحت ہو چکی ہے کہ خوارج کے بارے میں ایک تو عمومی حدیثیں ہیں جن کے مطابق خوارج سے قتال قرب قیامت تک چلتا رہے گا۔ دوسری وہ حدیثیں ہیں جن میں خوارج کی ایک متعین جماعت کا بیان ہے، جس میں ایک متعین حلیے کا شخص ہوگا۔ یہ ایک متعین قتال کے بارے میں حدیثیں ہیں۔ پہلی قسم کی حدیثیں بھی حضرت علیؓ کی فضیلت پر دلالت کرتی ہیں۔ انہوں نے نہ صرف خوارج کے خلاف قتال کیا، بلکہ سب سے پہلا قتال کیا، لیکن ہمارا اصل موضوع دوسری قسم کی حدیثیں ہیں۔

اس حدیث سے خوارج سے قتال کی فضیلت ثابت ہو رہی ہے، ظاہر ہے کہ اس طرح کے کام اصلاً امام وقت ہی کے کرنے کے ہوتے ہیں؛ اس لیے اس سے ثابت ہوا کہ حضرت علی اپنے وقت کے امام تھے۔ ایک شخص خود کو خلیفہ کہلواتا پھر رہا ہے، لیکن حقیقت میں خلیفہ ہے نہیں؛ اس کے اقدام کے لیے اس طرح کی فضیلت حاصل نہیں ہو سکتی۔ ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جس جماعت نے خوارج کی اس ٹکڑی کے خلاف قتال کیا تھا، وہ بطور جماعت اس وقت روے زمین کی بہترین جماعت تھی اور وہ وہ کام کر رہی تھی جو اس وقت کے لحاظ سے انتہائی فضیلت کا کام تھا۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ حضرت علیؓ نے خوارج کو کافر قرار نہیں دیا تھا۔ اس لیے یہ داخلی قتال ہی تھا۔ معلوم ہوا کہ داخلی قتال بھی

بعض اوقات انتہائی فضیلت کا کام ہوسکتا ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جن حضرات صحابہ نے قتال میں شرکت کرنے سے محض اس وجہ سے گریز کیا کہ یہ داخلی لڑائی ہے اور ایسی لڑائی سے الگ رہنا چاہیے، ان سے اجتہاد اور فہم نصوص میں غلطی ہوئی (جیسا کہ آگے مشاجرات کی بحث میں ہم ذکر کریں گے) کیوں کہ رسول اللہ ﷺ ایک داخلی قتال ہی کی فضیلت بیان فرمارہے ہیں۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ خوارج کے خلاف اس عظیم ترین جہاد میں شرکت کی سعادت انہیں حضرات کو حاصل ہوئی، جو پچھلے قتالوں میں بھی حضرت علی کے ساتھ تھے۔ شاید ہی کوئی ایسی مثال ہو کہ پچھلے قتالوں میں تو کوئی صاحب قصداً غیر شریک رہے ہوں، جب پتا چلا کہ یہ فضیلت والا قتال ہونے لگا ہے، تو وہ جلدی سے آکر قتال میں شریک ہوگئے ہوں۔ صحیح مسلم میں قتال خوارج سے پہلے حضرت علی کا جو خطبہ ہے جس میں وہ بتارہے ہیں کہ ان کے خلاف قتال کرنا اہل شام کے خلاف قتال سے زیادہ اہم ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خوارج کے خلاف اس قتال میں بنیادی طور پر وہ لوگ شامل تھے جو اہل شام کے خلاف حضرت علی کے ساتھ قتال میں پرجوش تھے۔ خوارج کی اس مخصوص جماعت کے خلاف قتال کی یہ عظیم فضیلت (جو عہد نبوی کے بعد کے تاریخ کے شاید ہی کسی قتال کی بیان ہوئی ہو) انہی لوگوں کے حصے میں آئی ہے جو پہلے سے حضرت علی ؓ کے ساتھ چلے آرہے تھے۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوسعید خدری ؓ نے خوارج کی حدیث سنا کر فرمایا وانتم قتلتموہ یا اھل العراق

(صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب ذکر الخوارج وصفاتہم، رقم: ۱۰۶۴)

عراقیو! یہ سعادت تمہارے حصے میں آئی ہے۔ اس زمانے میں اس طرح کے سیاق میں جس طرح اہل شام سے مراد حضرت معاویہ کی جماعت کے لوگ ہوتے تھے اسی طرح اہل عراق سے مراد حضرت علی کی جماعت کے لوگ ہوتے تھے۔ بہرحال یہ بات واضح ہے کہ اس خاص قتال کی سعادت انہی لوگوں کو حاصل ہوئی ہے جو پہلے سے حضرت علی کے گروہ کا حصہ تھے۔ حضرت علی ؓ کی صداقت کی سب سے اہم علامت اس گروہ میں مخصوص حلیے کے شخص کا پایا جانا ہے، اس لیے حضرت علی کو بھی اس کی لاش کی تلاش کا بہت اہتمام تھا۔ بظاہر لگتا ہے کہ صحابہ میں یہ بات معروف تھی کہ اس طرح کا شخص مارا جائے گا اور اس کا انتظار کیا جارہا تھا کہ کس کے

ہاتھوں مارا جاتا ہے۔ عموماً اسے "ذا الثدیة" کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں نے اس سے پہلے ہی بے پَر کی اڑائی ہوئی تھی کہ ہم نے اس حلیے کے آدمی کو قتل کیا ہے۔ جیسا کہ آگے ذکر کیا جائے گا، خود ام المؤمنین کو بھی بعض نے اس طرح کی غلط خبر دی تھی کہ ذوالثدیہ مصر میں مارا گیا ہے۔ عبداللہ بن احمد کی کتاب السنۃ کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے ذوالثدیہ کی لاش برآمد ہونے پر فرمایا تھا:

صدق الله ورسوله. من حدثني من الناس انه رآه قبل مصرعه هذا فإنه كذاب (عبداللہ بن احمد، السنۃ، سُئِلَ عَنِ الْخَوَارِجِ وَمَنْ قَالَ: هُمْ كِلَابُ النَّارِ رقم ۱۴۹۹)

(اللہ ورسول ﷺ نے سچ کہا ہے۔ جس نے اس کی اس موت سے پہلے کے بارے میں بتایا ہے کہ اس نے دیکھا ہے وہ جھوٹا ہے۔) اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کو بھی پتا تھا کہ ذوالثدیہ کے قتل سے بھی بعض لوگوں نے اس کے قتل کی خبر اڑائی ہوئی تھی۔ اس سے اس واقعے اور اس دلالت کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

## حضرت علیؓ کا قتلِ خوارج سے اپنی حقانیت پر استدلال

عبداللہ بن احمد کی کتاب السنۃ میں زر بن حبیش حضرت علی سے روایت کرتے ہیں:

انا فقأتُ عين الفتنة. ولولا انا ما قوتل اهل النهروان ولا اهل الجمل، ولولا اني اخشى ان تتركوا العمل لاخبرتُكم بالذي قضى الله عزوجل على لسان نبيكم ﷺ لمن قاتلهم مبصرا لضلالتهم وعارفا للهدى الذي نحن فيه.

(نفسِ مصدر، رقم: ۱۴۹۴)

میں فتنے کی آنکھ پھوڑنے والا ہوں، میں نہ ہوتا تو نہ اہلِ نہروان سے قتال ہوتا نہ اہلِ جمل سے۔ اگر مجھے اس بات کا ڈر نہ ہوتا کہ فضیلت سن کر مزید عمل ہی چھوڑ بیٹھو گے تو تمہیں بتاتا کہ اللہ عزوجل نے تمہارے نبی ﷺ کی زبان پر ان لوگوں کے حق میں کیا فیصلے فرمائے ہیں جنھوں نے ان کی غلط روی کی بصیرت حاصل کر کے اور جس حق پر ہم ہیں، اسے پہچان کر ان سے قتال کیا ہے۔

## قتلِ خوارج سے حضرت کی حقانیت پر حضرت عائشہؓ کا استدلال

خوارج سے قتال اور ذوالثدیہ کے قتل کا تذکرہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے

گھر میں ایسے موقع پر بھی فرمایا جب کہ وہاں ام المؤمنین حضرت عائشہ اور حضرت علی موجود تھے۔ (نفسِ مصدر، رقم: ۱۴۸۴) بیہقی کی دلائل النبوۃ کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی نے فرمایا: لقد علمت عائشة ان جيش المروة واهل النهر ملعونون على لسان محمد ﷺ۔ (احمد بن الحسین بن علی البیہقی، دلائل النبوۃ، ت، عبد المعطی قلعجی (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۸۸ء، ۶: ۴۳۴)، یعنی عائشہؓ کو اس بات کا علم ہے کہ جیش المروۃ اور اہل نہروان (خوارج) محمد ﷺ کی زبان پر ملعون ہیں۔ اہل مروۃ حضرت عثمان کے خلاف شورش بپا کرنے والوں کی ایک جماعت تھی۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عثمان کے خلاف گڑبڑ کرنے والوں کے خلاف حضرت علی کے کیا خیالات وجذبات تھے۔ بہر حال دیگر صحابہ اور حضرت عائشہ کو یہ پیش گوئی معلوم تھی، اس لیے لازمی بات ہے کہ جس طرح حضرت عمار کے بارے میں لوگوں کو تجسس تھا کہ کس کے ہاتھوں شہید ہوتے ہیں، اسی طرح ذوالثدیہ کے بارے میں بعض ذہنوں میں یہ بات ہوگی، بالخصوص حضرت عائشہؓ کے ذہن میں؛ اس لیے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد براہ راست سنا ہوا تھا۔

اسی لیے بعض لوگوں نے بہت پہلے حضرت عائشہ کو اس غلط فہمی میں رکھنے کی کوشش کی کہ وہ شخص مصر میں مارا گیا ہے، تاکہ حضرت عائشہ کا ذہن کسی اور طرف متوجہ نہ ہو، لیکن یہ چالاکی زیادہ دیر چل نہیں سکی اور حضرت عائشہؓ کو جب یقین ہو گیا کہ حضرت علی ہی کی جماعت کے ہاتھوں وہ مارا گیا ہے، تو حضرت عائشہ نے ایک مرتبہ پھر حضرت علی کی حقانیت کا اعتراف بھی کیا اور اس واقعے کو حضرت علی کی سچائی کی دلیل سمجھا۔

چناں چہ مسروق کے حوالے سے حضرت عائشہ کی یہ بات متعدد حضرات نے روایت کی ہے۔ مثلاً بیہقی کی دلائل النبوۃ میں شعبی مسروق سے روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عائشہ نے پوچھا کہ تمہیں اس ذوالثدیہ کا علم ہے جسے علی نے حروریہ (خوارج) کے ساتھ قتل کیا ہے؟ (الآجری کی الشریعۃ کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ نے پوچھا کہ تم نے اسے دیکھا ہے؟ مسروق نے کہا: دیکھا تو نہیں، بہت سے دیکھنے والوں نے مجھے بتایا ہے) حضرت عائشہ نے مسروق سے کہا کہ جب وہاں یعنی کوفے میں جانا تو ان لوگوں

کی گواہیاں قلم بند کرنا۔ میں کوفے میں واپس آیا تو وہاں لوگوں کے مختلف گروہ تھے۔ (اتنے سارے لوگوں کی گواہیاں جمع کرنا تو مشکل تھا) میں نے ہر گروہ میں سے دس دس افراد کی گواہی قلم بند کی۔ یہ سب کے سب عینی شاہد تھے، جنھوں نے اس کی لاش کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ (الآجری کی روایت میں ہے کہ میں نے ام المؤمنین سے کہا یہ سب کے سب عادل اور پسندیدہ لوگ ہیں، یعنی گئے گزرے گواہ نہیں ہیں۔) حضرت عائشہ نے پوچھا کیا انہوں نے خود دیکھا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے ان گواہوں سے یہ بات دریافت کی تھی، ان سب نے بتایا کہ ہم میں سے ہر ایک نے خود دیکھا تھا۔ اس پر ام المؤمنین نے فرمایا: اللہ فلاں پر لعنت کرے کہ اس نے مجھے بتایا تھا کہ اس نے ذو الثدیہ کو مصر میں نیل کے کنارے قتل کیا تھا۔ (اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اُس دور میں بڑی شخصیات کو اندھیرے میں رکھنے کے لیے کیا کچھ کیا گیا تھا۔) پھر حضرت عائشہ کے آنسو پھوٹ پڑے، جب آنسو تھمے تو فرمانے لگیں:

رَحِمَ اللهُ عَلِيًّا لَقَدْ كَانَ عَلَى الْحَقِّ، وَمَا كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ إِلَّا كَمَا يَكُونُ بَيْنَ الْمَرْأَةِ وَأَحْمَائِهَا.

(بیہقی، دلائل النبوۃ بَابُ مَا جَاءَ فِي إِخْبَارِهِ بِخُرُوجِهِمْ وَسِيمَاهُمْ الخ، ۶:۴۳۵)

اللہ عزوجل تعالیٰ، علیؓ پر رحم کرے، یہ پکی بات ہے کہ وہ حق پر تھے۔ میرے ان کے درمیان بس وہی معاملہ تھا جو عورت اور اس کے سسرالی رشتہ داروں کے درمیان (فطری طور پر) ہوتا ہی ہے۔

حضرت عائشہؓ کی اس بات سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ وہ حضرت علی کو حق پر سمجھتی تھیں اور خوارج کے اس واقعہ کو بھی حضرت علی کی حقانیت کی دلیل سمجھتی تھیں، وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ کے دل میں حضرت علی کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں تھی۔ جس طرح کی پرخاش کی وہ بات کر رہی ہیں، وہ فطری ہوتی ہے، اسے دشمنی نہیں کہا جاسکتا، جس طرح سوکنوں کے درمیان معاملات کا کوئی مظہر ازواج مطہرات میں نظر آئے تو اسے ان کی باہمی دشمنی نہیں کہا جاسکتا؛ البتہ چالاک لوگ بڑے لوگوں میں غلط فہمیاں پیدا کردیں، تو یہ الگ بات ہے۔ ابھی جو حضرت عائشہ کی روایت ذکر کی گئی، اسی سے ملتے جلتے مضمون کی

حدیث حاکم نے المستدرک میں بھی روایت کی ہے اور حاکم اور ذہبی دونوں نے اسے بخاری و مسلم کے معیار کی صحیح قرار دیا ہے[1]۔

یہ متعدد روایات میں آتا ہے کہ حضرت علیؓ نے اہل جمل کے بارے میں فرمایا کہ مجھے امید ہے کہ ہم اس آیت کا مصداق ہوں گے: وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ (اور ان (جنتیوں) کے دل میں جو کوئی کینہ ہوگا بھی تو ہم اسے کھینچ کر نکال ڈالیں گے، اس حالت میں یہ لوگ تختوں پر آمنے سامنے ہوں گے)۔ یعنی سب جنت میں جائیں گے، اور دلوں میں جو کدورت ہوگی وہ نکل چکی ہوگی۔ حضرت عائشہؓ کو چوں کہ جمل کے واقعے کے بعد طویل عرصہ دنیا میں رہنے کا موقع ملا، اس لیے ان کے بارے میں تو واضح طور پر کئی روایات مل گئیں کہ صرف آخرت ہی میں نہیں، دنیا میں بھی ان کا دل حضرت علی کے لیے انتہائی صاف ہو چکا تھا اور وہ ان کی حقانیت واضح کر کے دنیا سے گئی ہیں۔

## حضرت علیؓ کا خطبۂ بصرہ اور ایک اشکال

حضرت علیؓ کا بصرہ میں دیا گیا ایک خطبہ مشہور ہے، جو اس موضوع پر کافی اہمیت رکھتا ہے۔ بعض لوگ اس کے کچھ الفاظ کو اس بات کا قرینہ بناتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے بارے میں کوئی پیش گوئی موجود ہی نہیں تھی۔ حضرت علیؓ سے پوچھا گیا کہ حضرت یہ بتائیے کہ آپ کا یہ نکلنا آپ کی رائے ہے یا رسول اللہ ﷺ کا عہد ہے جو آپ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؟ حضرت علی نے جواب میں کسی عہد کی موجودگی کی نفی فرمائی۔ چناں چہ ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا:

قال: فتشهد علي رضي الله عنه قال: وكان القوم إذا تكلموا تشهدوا قال:

---

[1] المستدرک علی الصحیحین، کتاب معرفۃ الصحابۃ رضی اللہ عنہم، ذکر الصحابیات من ازواج رسول اللہ ﷺ وغیرہن رضی اللہ عنہن، فاول من نبدا بهن الصديقة بنت الصديق عائشة بنت ابي بكر رضي الله عنهما، رقم: ۶۷۴۴۔ مستدرک حاکم کی روایت میں نام بھی ہے کہ حضرت عائشہ کو یہ بتانے والے کہ ذوالثدیہ مصر میں مارا گیا ہے عمرو بن العاصؓ تھے۔ ان کی طرف سے دفاع میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ دیگر بعض روایتوں میں ''زعم لی'' کی جگہ ''کتب إلی فلان'' ہے، ہو سکتا ہے کہ حضرت عائشہ کو خط کے ذریعے یہ غلط اطلاع دی گئی ہو اور خط کسی نے جعل سازی کرتے ہوئے حضرت عمرو کے نام پر بنا لیا ہو۔

فقال: اما ان یکون عندی عهد من رسول الله ﷺ فلا والله۔ (ابوبکر محمد بن الحسین الآجری، الشریعۃ، ت، عبداللہ بن عمر بن سلیمان الدمیجی (الریاض: دار الوطن، ۱۹۹۹ء)، رقم: ۱۱۹۴)

حضرت علیؓ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور ان لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ جب کسی موضوع پر بات کرتے تھے تو اللہ کی حمد ثنا کرتے تھے، اور فرمایا کہ یہ بات کہ میرے پاس رسول اللہ ﷺ کی طرف سے عہد ہو تو اللہ کی قسم ایسا نہیں ہے۔ بعض لوگ اس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی تصویب پر دلالت کرنے والی کوئی حدیث موجود نہیں تھی۔ نیز حضرت علیؓ نے جنگ جمل اور صفین کے بعد اظہار افسوس کیا، اس سے بھی معلوم ہوا کہ ایسی کوئی حدیث موجود نہیں تھی۔ حضرت علیؓ نے تحکیم کو قبول فرمایا جس میں ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ کے خلاف فیصلہ آنے کا بھی امکان تھا، اس سے بھی معلوم ہوا کہ آپ کے لیے کوئی نص موجود نہیں ہے۔

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ تمہیدی امور کے چوتھے اور پانچویں نمبر پر پیش گوئیوں کی حیثیت واضح کر چکے ہیں۔ ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ ان احادیث سے شریعت کے عمومی ادلہ سے استدلال کا سلسلہ باطل نہیں ہوتا۔ پیش گوئی کی حدیثوں کی موجودگی کے باوجود خلفاے راشدین عمومی دلیلوں سے استدلال کرتے ہیں، سابقہ خلفا کے حوالے سے اس کی متعدد مثالیں بھی وہیں ذکر کی جا چکی ہیں۔ وضاحت سے یہ بتایا جا چکا ہے کہ جب پیش گوئی کی احادیث صحیح طریقے سے ثابت ہوں تو اس طرح کے قرائن کی وجہ سے ان احادیث کو رد نہیں کیا جاتا، بلکہ تطبیق کی کوئی نہ شکل نکال لی جاتی ہے، وگرنہ تقریباً تمام خلفا کے بارے میں آنے والی احادیث کو اس طرح کے قرائن کی بنیاد پر رد کرنا پڑے گا۔ جو اصول باقی خلفا کے بارے میں اپنایا جاتا ہے، وہی یہاں پر ہونا چاہیے۔ یہ احادیث ان حضرات کے فیصلوں کی درستی پر ضرور دلالت کرتی ہیں، لیکن بعض اوقات کسی واقعے کا کسی پیش گوئی کے تحت آنا فوری طور پر واضح نہیں ہوتا، اس وضوح میں کچھ وقت لگتا ہے۔ حضرت علیؓ کو خصوصاً جنگِ جمل کے بعد شدید افسوس ضرور ہوا اور یہاں تک فرمایا کہ کاش میں آج سے بیس سال پہلے مر چکا ہوتا۔ (ابوبکر الخلال، السنۃ، رقم: ۷۴۸)

اتنے بڑے انسانی حادثے پر حضرت علی جیسے حساس شخص کو افسوس ہونا ہی چاہیے

تھا۔ یہ اس لیے بھی تھا کہ مقابلے میں مارے جانے والوں میں طلحہ جیسے لوگ بھی شامل تھے۔ باقی بھی وہ لوگ تھے جن کے بارے میں حضرت علیؓ نے قتلاہم فی الجنۃ (ان کے مقتول بھی جنتی ہیں) فرمایا، بلکہ طبرانی کی ایک روایت کے مطابق تو حضرت علیؓ سے اظہار افسوس کے یہ کلمات صادر ہی اس وقت ہوئے جب آپؓ نے حضرت طلحہؓ کی لاش دیکھی اور آپ نے سواری سے اتر کر حضرت طلحہ کو بٹھایا اور اظہار محبت کے طور پر ان کے چہرۂ مبارک سے غبار صاف کیا (رضی اللہ عنہم جمیعا)، ہیثمی نے طبرانی کی اس روایت کو حسن قرار دیا ہے۔

(ہیثمی، مجمع الزوائد، کتاب المناقب، باب مناقب طلحہ بن عبید اللہ، رقم: ۱۴۸۲۳)

جب کہ خوارج کا معاملہ بالکل برعکس تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے خود انہیں شر قتلی (بدترین مقتول) قرار دیا تھا۔ اس افسوس کا یہ مطلب ہرگز نہیں حضرت علیؓ کو اپنے بنیادی موقف ہی میں تردد ہو گیا تھا، جیسا کہ ابھی ہم بتائیں گے کہ اس کے بعد حضرت علیؓ نے بصرہ میں جو خطبہ ارشاد فرمایا اس میں بڑی تفصیل کے ساتھ اپنے موقف کا مدلل اعادہ کیا۔ افسوس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ یہ قتال مکمل طور پر باقاعدہ پالیسی فیصلے کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ اس سے گریز کے امکانات موجود تھے۔ بہر حال محض اظہار افسوس یا اس طرح کے قرائن کو بنیاد بنا کر اتنی تعداد میں صحیح یا حسن حدیثوں کو رد کرنے کا سلسلہ شروع کر دیا جائے تو بات بہت دور تک جائے گی۔

حضرت علیؓ کے اس خطبے کے بارے میں خصوصی طور پر کچھ باتیں پیش نظر رہنا ضروری ہیں۔ ایک تو حضرت علیؓ نے یہ بات جنگ جمل کے فوراً بعد بصرہ میں فرمائی، اس لیے کم از کم بعد کی جنگوں کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ خصوصاً حضرت علیؓ کے قتالوں کے بارے میں پیش گوئیوں کی تکمیل کا عروج خوارج سے قتال اور ذو الثدیہ کی لاش کا ملنا ہے اور اس سے پورا منظر نامہ مکمل طور پر واضح ہوا۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے اگر ناکثین وغیرہ سے قتال کی بابت فرمایا تھا کہ تو ضروری نہیں کہ ناکثین کے نام بھی بتائے ہوں۔ جب تک تمام قتال مکمل نہیں ہو جاتے تب ان واقعات پر ان حدیثوں کا عملی انطباق حتمی نہیں ہوتا، بلکہ امکان ہوتا ہے کہ کل کوئی ایسا واقعہ پیش آ جائے جو اس پیش گوئی کا مصداق بننے کا اس سے زیادہ مستحق ہو۔ حضرت علیؓ کو بہت حد تک یقین تھا کہ ذا الثدیہ والے لوگ یہی ہیں، لیکن لاش نہ ملنے تک حضرت علیؓ کو پریشانی ضرور ہوئی۔

دوسری بات یہ کہ یہ فرمان کہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی عہد نہیں، بلکہ ہماری رائے ہے، حضرت علیؓ اپنی خلافت کے بارے میں فرمارہے ہیں۔ اور یہ بات تو اہل السنت کے ہاں اتفاقی ہے کہ بطور امر اور بطور وصیت کسی کی بھی خلافت منصوص نہیں ہے۔ حضرت علیؓ نے یہ ساری بات درحقیقت ایک سوال کے جواب میں فرمائی تھی۔ بعض روایات میں سوال کے لفظ یہ ہیں: اخبرنا عن مسیرك هذا الذی سرت، (الآجری، الشریعۃ، رقم: ۱۱۹۴) آپ اپنے اس نکلنے کے بارے میں بتایئے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد کی وجہ سے تھا یا محض آپ کی رائے تھی۔ اگر سوال کو اسی طرح اپنے ظاہری الفاظ پر ہی رکھیں تب بھی یہ واضح ہے کہ طلحہؓ وزبیرؓ وغیرہ کے اجتماع کی خبر پر حضرت علیؓ کا یہ فیصلہ، کہ مجھے مدینہ میں رہ کر انتظار کرنا چاہیے یا خود نکل کر ان کی طرف پیش قدمی کرنی چاہیے، حضرت علیؓ کی رائے ہی تھی۔

اگر سوال کے اسی لفظ پر اصرار کرنا ہو تو اس کا تعلق تو صرف ایک جزوی معاملے کے ساتھ ہے کہ مدینہ میں رہ کر ان کے لشکر کا انتظار کیا جائے یا خود ان کی طرف جایا جائے، باقی معاملات کے ساتھ حضرت علیؓ کے اس ارشاد کا کوئی تعلق بنتا ہی نہیں ہے۔ اگر مجموعۂ روایات سے بات کو سمجھنا ہو اور صحیح طریقہ یہی ہے تو پھر جیسا کہ پہلے عرض کیا عدم نص یا عدم عہد کا تعلق خود خلافت کے ساتھ ہے، یعنی حضرت علیؓ فرمانا یہ چاہتے ہیں کہ خلافت منصوص نہیں بلکہ رائے ہے۔ چناں چہ خود مذکورہ بالا روایت ہی میں پورا سوال یہ ہے: عن الحسن قال: دخل عبد الله بن الكوا وقيس بن عباد على علی ﷺ بن ابی طالب بعد ما فرغ من قتال الجمل فقالا له: اخبرنا عن مسيرك هذا الذی سرت: رايا رايته حين تفرقت الامة واختلفت الدعوة إنك احق الناس بهذا الامر فإن كان رايا رايته اجبناك فی رايك، وإن كان عهدا عهد إليك رسول الله ﷺ فانت الموثوق المامون على رسول الله ﷺ فيما تحدث عنه (نفس مصدر)

حسن بصری کہتے ہیں کہ عبداللہ بن الکواء اور قیس بن عباد جمل سے فراغت کے بعد حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا کہ ہمیں بتایئے اپنے اس نکلنے کے بارے میں، کیا آپ کی وہ رائے تھی جو آپ نے افتراقِ امت کے وقت اختیار کی کہ آپ ہی اس امر [خلافت] کے زیادہ حق دار ہیں۔ اگر رائے ہوگی تو ہم آپ کی رائے کو اختیار کریں گے

اور اگر رسول اللہ ﷺ کا کوئی عہد (وصیت) ہوگی تو رسول اللہ ﷺ سے جو آپ نقل کریں گے اس میں آپ قابلِ اعتماد اور قابلِ اطمینان ہیں۔

اس روایت کے اندر سوال کا اگلا جملہ ہی متعین کر رہا ہے کہ سوال حضرت علیؓ کے خلافت کے سب سے زیادہ حق دار ہونے کے بارے میں ہے، بلکہ حضرت علیؓ کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید بعض لوگوں کے ذہنوں میں غلطی پیدا کر دی گئی تھی کہ آپ رسول اللہ کے وصی ہیں اور رسول اللہ ﷺ آپ کے بارے میں وصیت کر کے گئے تھے کہ میرے فوراً بعد خلیفہ علیؓ ہوں گے۔ حضرت علیؓ اس کی بھی تردید کر رہے ہیں اور آج کے وقت میں اپنی خلافت کا صحیح اور واجب الاطاعت ہونا بھی بیان کر رہے ہیں۔ چناں چہ اسی روایت میں حضرت علیؓ کے جواب کے آغاز ہی میں ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اس طرح کا عہد ہوتا (یعنی خلافت بلافصل کا) تو میں ابوبکرؓ کی خلافت کو کبھی نہ چلنے دیتا۔ حضرت علیؓ سے سوال کرنے والے دو شخص ہیں: ایک ابن الکواء دوسرے قیس بن عباد۔ قیس کے صاحب زادے اسود کی روایت میں لفظ یہ ہیں:

إن رسول الله ﷺ لم يعهد إلينا عهدا ناخذ به فى الإمارة. ولكن شيء رايناه من قبل انفسنا. فإن يك صوابا فمن الله. وإن يك خطا فمن قبل انفسنا. (ابوعبداللہ نعیم بن حماد المروزی، کتاب الفتن (قاہرہ: مکتبۃ التوحید، ۱۴۱۲ھ رقم ۱۹۷)

اس میں حضرت علیؓ صراحتاً بتا رہے کہ میرے بعد کس کو امیر بنانا ہے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ نے کوئی عہد نہیں فرمایا تھا۔ یہ وہی بات ہے جو اہل السنت کا مذہب ہے اور یہی بات باقی خطبے سے سمجھ میں آ رہی ہے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کا عہد ہوتا تو میں پہلوں کی اطاعت نہ کرتا۔ یہاں حضرت علیؓ کا پورا خطبہ پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، اس لیے کہ حضرت علیؓ اس میں اپنا مقدمہ بہت خوب صورتی سے پیش کر رہے ہیں۔ اس میں حضرت علیؓ کا جو اصل موضوعِ خطاب ہے اس کو نظر انداز کر کے بات کو کچھ کا کچھ بنا دیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ خطبہ تشیع اور نصب دونوں کی جڑ کاٹتا ہے۔ اس میں اس بات کا بھی برملا اظہار ہے کہ خلافت منصوص چیز نہیں ہے، نہ رسول اللہ ﷺ ہی نے کسی کے خلیفہ بلافصل ہونے کی وصیت یا عہد فرمایا تھا۔ اس میں اس بات کا بھی برملا اظہار ہے کہ

پہلے خلفا کی خلافت درست تھی اور حضرت علیؓ نے ان کی اطاعت کی۔ اسی میں اس بات کا بھی اظہار ہے کہ میں نے جب پہلوں کی اطاعت کی تو اب جب باقاعدہ طریقے سے میری باری آئی ہے تو جس طرح پہلوں کی اطاعت کی گئی میری بھی کی جانی چاہیے۔ الآجری کی الشریعۃ سے ہم یہاں پہلے اس خطبے کا جامع متن پیش کرتے ہیں، پھر ایک آدھ مزید بات دوسری روایتوں سے نقل کرتے ہیں[1]:

---

[1] الآجری، الشریعۃ، رقم: ۱۱۹۴۔ روایت کے لفظ یہ ہیں: عن الحسن قال: دخل عبد الله بن الكواء وقيس بن عباد على علي رضي الله عنه بن ابي طالب بعدما فرغ من قتال الجمل فقالا له: اخبرنا عن مسيرك هذا الذي سرت: رايا رايته حين تفرقت الامة واختلفت الدعوة إنك احق الناس بهذا الامر. فإن كان رايا رايته اجبناك في رايك وإن كان عهدا عهد إليك رسول الله ﷺ فانت الموثوق المامون على رسول الله ﷺ فيما تحدث عنه قال: فتشهد علي رضي الله عنه قال: وكان القوم إذا تكلموا تشهدوا قال: فقال: اما ان يكون عندي عهد من رسول الله ﷺ فلا والله ولو كان عندي عهد من رسول الله ﷺ ما تركت اخا تيم بن مرة ولا ابن الخطاب على منبره ولو لم اجد إلا يدي هذه ولكن نبيكم ﷺ نبي رحمة لم يمت فجاة ولم يقتل قتلا. مرض ليالي واياما واياما وليالي فياتيه بلال فيؤذنه بالصلاة. فيقول مروا ابا بكر فليصل بالناس. وهو يرى مكاني فلما قبض رسول الله ﷺ نظرنا في امرنا فإذا الصلاة عضد الإسلام وقوام الدين فرضينا لدنيانا من رضي رسول الله ﷺ لديننا فولينا الامر ابابكر رضي الله عنه. فاقام ابو بكر رحمه الله بين اظهرنا. الكلمة جامعة والامر واحد لا يختلف عليه منا اثنان. ولا يشهد احد منا على احد بالشرك. ولا نقطع منه البراءة. فكنت والله آخذ إذا اعطاني واغزو إذا اغزاني واضرب بيدي هذه الحدود بين يديه فلما حضرت ابابكر الوفاة ولاها عمر رحمه الله فاقام عمر بين اظهرنا الكلمة جامعة والامر واحد لا يختلف عليه منا اثنان ولا يشهد احد منا على احد بالشرك ولا نقطع منه البراءة فكنت والله آخذ إذا اعطاني واغزو إذا اغزاني واضرب بيدي هذه الحدود بين يديه فلما حضرت عمر رضي الله عنه الوفاة ظن انه إن يستخلف خليفة فيعمل ذلك الخليفة بخطيئة إلا لحقت عمر في قبره فاخرج منها ولده واهل بيته وجعلها في ستة رهط من اصحاب رسول الله ﷺ كان فيها عبد الرحمن بن عوف فقال: هل لكم ان ادع نصيبي منها على ان اختار لله ولرسوله واخذ ميثاقنا على ان نسمع ونطيع لمن ولاه امرنا فضرب بيده يد عثمان فبايعه فنظرت في امري فإذا طاعتي قد سبقت بيعتي وإذا الميثاق في عنقي لعثمان فاتبعت عثمان رحمه الله لطاعته حتى اديت له حقه.

حسن بصری کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن الکواء اور قیس بن عباد جمل سے فراغت کے بعد حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا کہ ہمیں بتایئے اپنے اس نکلنے کے بارے میں، کیا آپ کی یہ ایسی رائے تھی جو آپ نے افتراقِ امت کے وقت اختیار کی کہ آپ ہی اس امر [خلافت] کے زیادہ حق دار ہیں۔ اگر رائے ہوگی تو ہم آپ کی رائے کو اختیار کریں گے اور اگر رسول اللہ ﷺ کا کوئی عہد (وصیت) ہوگی تو رسول اللہ ﷺ سے جو آپ نقل کریں گے اس میں آپ قابلِ اعتماد اور قابلِ اطمینان ہیں۔ چناں چہ حضرت علیؓ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی، اور ان حضرات کا طریقہ یہ تھا کہ جب بات کرتے تھے تو پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتے تھے۔ پھر فرمایا کہ میرے پاس (خلافت بلافصل) کے باب میں رسول اللہ ﷺ کا کوئی عہد ہو تو اللہ کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہے۔ اگر میرے پاس رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اس طرح کا عہد ہوتا تو میں کبھی بھی بنو تیم کے شخص (حضرت ابوبکر) اور خطاب کے بیٹے کو آپ ﷺ کے منبر پر نہ رہنے دیتا اگرچہ اس مقصد کے لیے میرا اکیلے کا ہاتھ ہوتا۔ (یعنی میرا کوئی مددگار نہ بھی ہوتا تب بھی اکیلا ان کے خلاف کھڑا ہوجاتا)۔ بات یہ ہے کہ تمہارے نبی ﷺ رحمت والے نبی ہیں۔ ان کا اچانک انتقال نہیں ہوا (کہ کوئی کہہ دے عہد کرنا چاہتے ہوں گے لیکن وقت نہیں ملا) نہ ہی وہ قتل ہوئے، بلکہ کئی دن بیمار رہے۔

اس دوران بلال انہیں نماز کے وقت کے بارے میں مطلع کرنے کے لیے آتے رہے تو آپ فرما دیتے ابوبکر سے کہو وہ نماز پڑھا دیں۔ میری موجودگی رسول اللہ ﷺ کے سامنے تھی (یعنی میری خلافت بلافصل کی اگر وصیت کرنا چاہتے تو کرسکتے تھے)۔ جب رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوا تو ہم نے اپنے معاملے میں غور کیا تو ہم نے دیکھا کہ نماز اسلام کا بازو اور دین کی اساس ہے۔ تو ہم نے اپنی دنیا (انتظامی معاملات) کے لیے اسی کو پسند کرلیا، جسے رسول اللہ ﷺ نے ہمارے دین کے لیے پسند کیا تھا۔ چناں چہ ہم نے حضرت ابوبکرؓ کو اپنے امور کا ذمہ دار (خلیفہ) بنالیا۔ حضرت ابوبکر اس حالت میں ہمارے درمیان موجود رہے کہ بات اکھٹی تھی، اور معاملہ ایک تھا، ابوبکر پر ہم میں سے دو آدمیوں کا اختلاف نہیں تھا (یعنی ایک مرتبہ خلیفہ بنالیے گئے تو سب نے ان کی اطاعت

کی) ہم میں سے کوئی کسی کو مشرک نہیں کہتا تھا اور کسی سے براءت کا اظہار نہیں کرتا تھا۔ اللہ کی قسم جب وہ مجھے دیتے تھے تو لے لیتا تھا، جب جہاد پر بھیجتے تو چلا جاتا تھا، ان کے سامنے اپنے ان ہاتھوں سے حدود بھی جاری کرتا تھا (یعنی یہ وقت مکمل اطاعت کے ساتھ گزارا)۔ جب حضرت ابوبکرؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو وہ یہ ذمہ داری حضرت عمرؓ کو سونپ گئے۔ حضرت عمرؓ بھی ہمارے درمیان اس حالت میں رہے کہ بات اکھٹی تھی، معاملہ ایک تھا، اور ہم میں سے کوئی بھی دو آدمی ان پر اختلاف نہیں کر رہے تھے۔ کوئی کسی کو مشرک نہیں کہتا تھا نہ ہی براءت کا اظہار کرتا تھا۔ وہ بھی جب مجھے دیتے تھے لے لیتا تھا، جب جہاد پر بھیجتے تھے چلا جاتا۔ (نہ کچھ مانگنے پر اصرار نہ کسی مہم میں کمانڈری کا مطالبہ، بلکہ مکمل سرِ تسلیم خم) ان کے سامنے حدود بھی جاری کرتا تھا۔

پھر جب حضرت عمرؓ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے سوچا کہ اگر وہ کسی کو اپنا ولی عہد اور نائب بنائیں گے اور وہ کوئی غلطی کرے گا تو انہیں بھی قبر میں اس کا وبال پہنچے گا (اس لیے کسی کو ولی عہد بنانے سے گریز کیا اور) اپنے گھر والوں اور خاندان کے لوگوں کو اس معاملے سے الگ رکھا اور خلافت کا معاملہ رسول اللہ ﷺ کے چھے صحابہ کے درمیان دائر کر دیا جن میں عبدالرحمٰن بن عوف بھی شامل تھے۔ عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ کیا یہ ممکن ہوگا کہ میں خلافت میں اپنے استحقاق سے اس شرط پر دست بردار ہو جاؤں کہ اللہ ورسول کے لیے تم میں سے کسی کا انتخاب کر دوں؟ چناں چہ انہوں نے ہم سے اس بات پر عہد لیا کہ جس کو وہ یہ ذمہ داری سونپیں گے ہم اس کی بات سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔ پھر انہوں حضرت عثمانؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا، یعنی ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر میں نے اپنے معاملے میں غور کیا تو مجھے نظر آیا کہ میری طاعت میری بیعت سے مقدم ہو چکی ہے اور میری گردن میں حضرت عثمانؓ کے لیے بیعت موجود ہے (یعنی پہلے ہی میں عہد کر چکا تھا کہ عبدالرحمٰن جس کا انتخاب کریں گے اس کی اطاعت کی جائے گی) چناں چہ حضرت عثمانؓ کی بھی اطاعت کی یہاں تک ان کا حق بھی ادا کیا۔

گویا حضرت علیؓ یہ فرما رہے ہیں کہ ابتدا ہی سے میں اپنی اطاعت کرانے کا مطالبہ لے کر کھڑا نہیں ہوا، بلکہ جس جس کے ہاتھ پر بیعت ہوتی رہی، اس کی بے مثال

اطاعت کرنے کے بعد اپنی باری پر اور اپنی صحیح طور پر منعقد ہونے والی بیعت کے بعد ہی اپنی اطاعت کروانا چاہتا ہوں۔ یہ تقریباً وہی استدلال ہے جو پہلے ہم امام احمدؒ سے حضرت علیؓ کی خلافت پر نقل کر چکے ہیں۔ (دیکھیے: ''سیاسی حالات کی عمومی پیشین گوئیاں'' کے تحت ذیلی عنوان: ''خاندانِ نبوت کی اطاعت وقیام میں اسوہ اور امام احمد کا ایک ارشاد'')

ایک روایت میں حضرت علیؓ کا یہ ارشاد بھی اسی خطبے میں مروی ہے ''پھر کیا وجہ ہے کہ ابوبکر اور عمر کی بیعت تو نبھائی جائے اور میری بیعت توڑی جائے، حالاں کہ مجھے امید ہے کہ میں ان میں سے کسی سے کم نہیں ہوں گا''۔ یعنی جن اصولوں پر ان کی اطاعت ضروری تھی، انہی اصولوں پر میری اطاعت بھی ضروری ہے۔ اسی روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کی کارکردگی کی تعریف بھی فرمائی[1]۔

ایک مرتبہ پھر یاد دہانی ضروری ہے کہ یہ ساری بات جنگِ جمل کے فوراً بعد ہو رہی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر جنگ جمل میں حضرت علیؓ کی کا اظہارِ افسوس کہیں منقول ہے تو اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے بنیادی موقف سے دست بردار ہو گئے تھے۔ یہ بندۂ خدا اپنا سابقہ ریکارڈ دکھا کر اپنا مقدمہ بڑی معقولیت کے ساتھ پیش کر رہا ہے، لیکن اس سے کوئی ہم دردی پیدا ہونے کے بجائے اور اسے سمجھنے کی کوشش کرنے کے بجائے اس کے حق میں آنے والی صحیح احادیث کی نفی کے لیے بعض لوگ ایک آدھ جملے کی تلاش میں ہیں۔

---

[1] عبد الله بن احمد، السنۃ، رقم: ۱۳۲۹۔ روایت کے لفظ یہ ہیں: فحمد الله واثنی علیه وذکر النبی ﷺ وما عالج من الناس ثم قبضه الله عز وجل إلیه ثم رای المسلمون ان یستخلفوا ابا بکر رضی الله عنه فبایعوا وعاهدوا وسلموا. وبایعت وعاهدت وسلمت. ورضوا ورضیت. وفعل من الخیر وجاهد حتی قبضه الله عز وجل. رحمةُ الله علیه. واستخلف عمر رضی الله عنه فبایعه المسلمون وعاهدوا وسلموا. وبایعت وعاهدت وسلمت. ورضوا ورضیت. ففعل وفعل من الخیر حتی ضرب الإسلام بجرانه رحمة الله علیه. فما بال ابی بکر وعمر یوفی لهما بیعتهما وما بال بیعتی تنکث. فوالله إنی لارجو ان لا اکون دون امر منهما.

## مشاجراتِ صحابہؓ اور مقامِ صحابہؓ کا مسئلہ

اہل السنت والجماعت کا یہ عمومی رخ بھی ہے اور احادیث سے بھی یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت علیؓ کی خلافت ایک جائز، منعقد خلافت اور خلافتِ راشدہ تھی۔ آپ کے قتال کے فیصلوں سمیت آپ کے بنیادی پالیسی کے فیصلے شرعی طور پر درست اور صواب تھے۔ اب سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ دوسری طرف جو حضرات تھے وہ بھی تو آخر صحابہ ہی تھے، پھر ان کے بارے میں اور ان کے ان اقدامات کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟ اس بارے میں بھی اہل السنت والجماعت کی اعتدال پر مبنی ایک گائیڈ لائن موجود ہے جسے نصوص سے بھی ثابت کیا جا سکتا ہے، تاہم یہاں ہم زیادہ تفصیل میں نہیں جائیں گے۔

اس بات میں اہل السنت کی دو رائیں نہیں ہیں کہ انسانوں میں مجموعی فضیلت کا حامل سب سے بڑا طبقہ انبیاء و رسل علیہم الصلوۃ والتسلیم کا ہے۔ ان کے بعد کائنات کے خوش قسمت ترین افراد وہ ہیں جنھوں نے براہ راست کسی نبی یا رسول کا دور پایا، اس پر ایمان لایا، اس کے زمانے میں اس کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوئے اور اس کی مدد کی وغیرہ وغیرہ۔ جتنے اعلیٰ مقام کے حامل نبی کی صحبت کسی کو میسر آئی، اتنی ہی بڑی سعادت کا مالک بنا۔ ہمارے نبی محمد مصطفی ﷺ سید الانبیاء، افضل الانبیاء اور خاتم الانبیاء ہیں، اس لیے اس کائنات میں ایمان کے ساتھ آپ کی صحبت پانے سے بڑی سعادت کوئی نہیں ہو سکتی؛ اس لیے انبیا کے بعد جس طبقے کا سب سے اونچا مقام ہے، وہ اللہ کے آخری نبی کے صحابہ کا طبقہ ہے۔ صحابۂ کرام کے بارے میں عمومی اور بعض افراد یا بعض طبقاتِ صحابہ کے بارے میں خصوصی نصوص موجود ہیں، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، نہ ہی یہ کوئی ایسا مسئلہ ہے جسے اس گفت گو کے مخاطبین کو قائل کرنے کی ضرورت ہو۔

سوال یہاں یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا کسی صحابی سے کوئی غلط عمل سرزد ہونا ممکن ہے؟ اگر ممکن ہے تو اس عمل اور عمل کرنے والے کے بارے میں کیا رائے اور رویہ اختیار کیا جائے گا؟ اور الصحابۃ کلہم عدول والے اصول پر اس کا اثر مرتب ہوگا یا نہیں؟ اس معاملے میں پہلے عہدِ رسالت سے دو مثالوں پر نظر ڈال لینا مناسب ہوگا، اس کے بعد مسئلے کی تفہیم

آسان ہو جائے گی۔ ایک مثال قرآنی واقعے سے لی جائے گی اور ایک حدیث سے۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ پر تہمت کا واقعہ پیش آتا ہے۔ بنیادی طور پر یہ منافقین کی کارستانی تھی، لیکن، جیسا کہ ہم جانتے ہیں، بعض مخلص صحابہ بھی، جو منافق ہرگز نہیں تھے، اپنی سادگی اور قلتِ فہم کی وجہ سے اس سنگین معاملے کا حصہ بن گئے۔ شاعرِ رسول حضرت حسان بن ثابت، حضرت ابوبکر صدیق کے قریبی رشتہ دار مسطح بن اثاثہ اور رسول اللہ ﷺ کی سالی حمنہ بنت جحش کا نام خاص طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔ کئی روز کی پریشانی کے بعد اللہ تعالیٰ نے سورۂ نور کی آیات اتار دیں۔

ان آیات میں جہاں ام المؤمنین کی اس الزام سے براءت اور ان کی پاک دامنی واضح طور پر بتائی گئی ہے، وہیں جو کچھ سرزد ہوا اس پر قرآن نے واضح حکم لگایا اور آئندہ کیا کرنا چاہیے وہ بھی بتایا۔ قرآن نے بتایا کہ اللہ اس ابتلا میں بھی خیر ہی پیدا فرمائیں گے۔ جو لوگ اس معاملے میں شریک ہوئے ان میں ایک تو وہ ہے جو اس سارے معاملے کا مرکز و سرچشمہ تھا، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ مِنْھُمْ لَہٗ عَذَابٌ عَظِیْم، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے عذابِ عظیم کی وعید بیان فرمائی، لیکن اس سے کم درجے میں جو لوگ شریک تھے، اگرچہ وہ مؤمن ہی تھے، قرآن نے ان کی غلطی بھی لگی لپٹی رکھے بغیر بیان فرمائی اور بتایا:

یہ جو تمہیں میں سے ایک گروہ اس بہتان میں شریک تھا ان میں سے جس شخص نے اک (بہتان طرازی) میں جتنا حصہ لیا ہے اس کے مطابق وہ گناہ گار ہے۔

(لِکُلِّ امْرِءٍ مِنْھُمْ مَا اکْتَسَبَ مِنَ الْاِثْم) (النور ۲۴:۱۱)

اہلِ ایمان کی ذمہ داری تھی کہ وہ یہ الزام سنتے ہی اپنے جیسے اہلِ ایمان کے بارے میں حسنِ ظن رکھتے اور اس بات کو واضح بہتان قرار دیتے۔

(لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَذَا إِفْكٌ مُبِينٌ) (النور ۲۴:۱۲)

گویا جنھوں نے ایسا نہیں کیا وہ ایک ذمہ داری ادا کرنے سے قاصر رہے یا یہ کہ اس موقع پر انہیں کیا کرنا چاہیے اسے درست طور پر سمجھنے سے وہ قاصر رہے۔

اگر اس طرح کے الزام کو ثابت شدہ ماننا تھا تو ضروری تھا کہ وہ حسب قاعدۂ قرآنیہ چار گواہ لے کر آتے۔ چار گواہ تو درکنار یہاں تو ایک گواہ بھی ممکن نہیں تھا کہ واقعہ سرے سے ہوا ہی نہیں تھا۔ چوں کہ مقررہ ثبوت ان کے پاس نہیں، اس لیے یہ سب اللہ کے قانون میں جھوٹے ہیں۔

فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَئِكَ عِنْدَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ. النور ۲۴: ۱۳

یہ جھوٹ کس درجے کا ہے؟ اس کی تفصیل خود سورۂ نور ہی کی آیت نمبر چار اور پانچ میں بیان ہوئی ہے کہ اگر چار گواہوں کے بغیر عام پاک دامن خاتون پر کوئی الزام لگاتا ہے (حرم رسول ﷺ کا معاملہ تو اس سے کہیں زیادہ نازک ہے) تو اس کی سزا کا ایک حصہ یہ ہے کہ شریعت کا قانون اس کی زبان کا اعتبار ختم کر دے گا اور اب قاضی اس کی گواہی قبول کر کے اس کی بنیاد پر کوئی فیصلہ صادر نہیں کرے گا اور اس طرح کی الزام تراشی کرنے والے اللہ کی نظر میں فاسق ہیں۔ ہاں ہر گناہ کی طرح یہاں بھی توبہ کی گنجائش ہے، اگر وہ توبہ کر لیں تو فاسق نہیں رہیں گے، بلکہ فقہا کی ایک جماعت کی تفسیر کے مطابق گواہی بھی قابلِ قبول ہوگی۔

بذاتِ خود ان کا گناہ اتنا سنگین تھا کہ ہو سکتا تھا کہ یہ اللہ کے بڑے عذاب کا شکار ہو جاتے، لیکن چوں کہ اللہ کا فضل اور اس کی رحمت شاملِ حال تھی، اس لیے ایسا نہیں ہوا۔ یعنی تمہارا عمل اپنی ذات میں عذابِ عظیم ہی کا موجب تھا، تاہم ایک عارض کی وجہ سے وہ تاثیر تمہارے حق میں ظاہر نہیں ہوئی۔ یہاں تعبیر کا فرق قابلِ توجہ ہے کہ سرشنے کے لیے تو فرمایا کہ اس کے لیے عذابِ عظیم ہے اور باقیوں کے لیے فرمایا کہ اگر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی تو عذابِ عظیم ہوتا جو درحقیقت اگرچہ شناعتِ فعل کے اعتبار سے عذاب کا اثبات ہے، لیکن واقعاتی اعتبار سے عذاب کی نفی ہے کہ کام تو تم نے سنگین عذاب والا کیا تھا، لیکن اللہ کے فضل اور رحمت سے تم عذاب کا مورد نہیں بنے۔ تم اپنے خیال میں اسے معمولی بات سمجھ رہے تھے، لیکن اللہ کے ہاں بڑی سنگین بات تھی۔ آخر میں ایک بار پھر اللہ تعالیٰ نے وہی بات دہرائی کہ تمہاری ذمہ داری تھی کہ سنتے ہی یہ کہہ دیتے کہ اس طرح کی بات کرنے کی ہمارے لیے کوئی گنجائش موجود نہیں، یہ بہتانِ عظیم ہے۔

یہ سب باتیں قرآن آئندہ کے بارے میں نہیں کہہ رہا، آئندہ کی بات تو اگلی

آیت سے شروع ہورہی ہے یَعِظُکُمُ اللّٰہُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِہٖ اَبَداً۔ یہ سب کچھ اب تک جو ہوا اس کے بارے میں ہے کہ یہ لوگ گناہ کے مرتکب ہوئے، عذاب الٰہی کو دعوت دینے والا کام کیا، یہ لوگ جھوٹے ہیں، یہ لوگ اپنی ذمہ داری میں کوتاہی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ یہ بات کہنے کی پوری گنجائش موجود ہے کہ یہ مخلصین جو قذف میں شریک ہوئے، وہ محض سادگی میں ہوئے۔ ام المؤمنین کے ساتھ کوئی ذاتی پرخاش وغیرہ اس کا باعث نہیں تھا۔ بادی النظر میں انہوں نے سمجھا ہوگا کہ فلاں بڑی ہستی سے اتنا بڑا گناہ سرزد ہوا، تو اس ایشو کو اٹھانا تو چاہیے۔ ان کی سادگی کو استعمال کرنے والے بھی ہوں گے، لیکن ان کی نیت کی صفائی کے باوجود اپنی ذات میں اس فعل کی حیثیت کیا ہے؟ اس کے بارے میں قرآن نے کوئی لچک نہیں رکھی۔ جو کچھ ان سے ہوا وہ ان کی سنگین غلطی تھی۔ نیت خراب نہ ہونے کا اثر اخروی نتائج میں تو لازماً مرتب ہوتا ہے، دنیوی حکم میں ایسا ہونا ضروری نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان حضرات پر حدِ قذف بھی جاری کی گئی۔ تاہم عنداللہ بہت سی باتوں میں اللہ کے فضل اور رحمت کی وجہ سے غلطی کی سنگینی کے کئی اثرات ان پر مرتب نہیں بھی ہوئے۔

یہاں قرآن جن کے بارے میں جو کچھ کہہ رہا ہے وہ مخلص صحابہ ہیں، منافقین نہیں ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات کوئی غلطی اپنی ذات کے اعتبار سے سنگین نتائج کی موجب ہوتی ہے، لیکن کسی خاص صورتِ حال میں یا کسی خاص شخص کے حق میں وہ نتیجہ مرتب نہیں ہوتا، جیسا کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تمہارا عمل اپنی ذات کے اعتبار سے تو موجبِ عذاب تھا۔ ان آیات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ و رسول، صحابہ سمیت کسی کی بھی غلطی کے لیے سخت الفاظ بھی استعمال کرسکتے ہیں۔ اس لیے پیشین گوئیوں کی حدیثوں میں کہیں سخت الفاظ نظر آئیں تو ان میں اچنبھے کی کوئی بات نہیں۔

اب اگلا اور یہاں اصل متعلقہ سوال یہ ہے کہ غلطی تو افک میں حصہ لینے والے مؤمنین کی سنگین ہے، لیکن کیا اس غلطی کی وجہ سے انہیں برا بھلا کہنا بھی شروع کردیا جائے، انہیں طعن و تشنیع کا نشانہ بنالیا جائے؟ خود قرآن کریم، رسول اللہ ﷺ کے اپنے اسوہ اور صحابہ کرام کے طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ ہرگز نہیں۔ خود قرآن کی انہی آیات میں ہے کہ جب حضرت ابوبکر صدیق نے مسطح بن اثاثہ پر خرچ کرنے کا سلسلہ بند کرنے کا ارادہ

کیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کرتے ہوئے یہ خرچ جاری رکھنے کا حکم دیا اور کہا کہ ابوبکرؓ جیسے اہلِ فضل کو چاہیے کہ وہ عفو اور درگزر سے کام لیں۔ جب اللہ دوسروں کو عفو کا حکم دے رہا ہے تو ظاہر ہے خود تو وہ سب سے زیادہ معاف کرنے والے ہیں، اس لیے اللہ نے بھی انہیں یقیناً معاف کر دیا ہوگا، بلکہ یہ آیاتِ براءت سن کر نہ معلوم ان مخلص صحابہ پر کیا گزری ہوگی! ناممکن ہے کہ انہیں اپنی غلطی پر شدید ندامت نہ ہوئی ہو، اور یہی توبہ ہے، پھر حد بھی جاری ہوگئی، لہٰذا گناہ تو ان سے صادر ہوا، لیکن وہ اس سے پاک صاف ہو چکے۔ قیامت تک جب تک اس واقعے کا ذکر آئے گا، یہی کہا جائے گا کہ ان حضرات سے یہ غلطی سرزد ہوئی، لیکن اس کے علاوہ اس واقعے کے بعد خود عہدِ رسالت میں یا عہدِ صحابہ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اس غلطی کا انہیں طعنہ دیا گیا ہو، اس کی بنیاد پر انہیں سب وشتم کا نشانہ بنایا گیا ہو، ان کو فاسق وغیرہ قرار دیا گیا ہو، ان پر لعن طعن کی گئی ہو۔

اس واقعے سے سب سے زیادہ اذیت اٹھانے والی تو خود حضرت عائشہؓ ہیں۔ ایک باغیرت خاتون کے لیے اس طرح کا واقعہ کتنی اذیت کا باعث بنتا ہے؟ یہ صرف وہی جان سکتا ہے جس پر گزری ہو۔ خود ام المؤمنین کا بیان کردہ واقعہ صحیح بخاری وغیرہ میں ہم پڑھتے ہیں تو گریہ قابو کرنا مشکل ہو جاتا ہے، اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ خود ام المؤمنین کس اذیت سے گزری ہوں گی! اس کے باوجود صحیح بخاری میں ہی آتا ہے کہ عروہ نے ام المؤمنین کے سامنے حضرت حسان بن ثابتؓ، جو اس افک میں شریک تھے، کو برا بھلا کہا تو حضرت عائشہؓ نے منع کر دیا۔ وجہ یہ بیان فرمائی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا اپنی شاعری کے ذریعے دفاع کیا کرتے تھے۔ (صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب حدیث الإفك، رقم: ۴۱۴۵)

گویا ام المؤمنین یہ سبق دے رہی ہیں کہ کسی کی بس غلطی کو لے کر نہیں بیٹھ جایا کرتے، اگر اس نے اچھے کام کیے ہوں تو انہیں بھی مدنظر رکھا جاتا ہے۔ یہ تو قرآن کا بھی بیان کردہ اصول ہے کہ نیکیاں برائیوں کے ازالے کا ذریعہ بن جاتی ہیں، تو حسان بن ثابتؓ کی جہاں ایک غلطی ہے وہیں مدافعتِ رسولؐ جیسی نیکیاں بھی ان کے کھاتے میں موجود ہیں۔ اس خاص واقعے میں اس یقین کے باوجود کہ ان کا عمل سراسر غلط تھا، کبھی ہمارے دل میں ان تینوں حضرات کے احترام میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی ہوگی۔

دوسری مثال ہم ذکر کر سکتے ہیں حضرت ماعز اسلمی کی۔ بعض صحابی ایسے ہیں جو محض ایک واقعے کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں۔ اگر وہ واقعہ نہ ہوتا تو شاید ان کا نام بھی کسی کو معلوم نہ ہوتا۔ جیسے عبداللہ بن زید بن عبد ربہ اذان کے خواب کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں۔ ماعز اسلمی کا ذکر شاید صرف زنا کے صدور کے حوالے سے ہی ہوتا ہے۔ ان سے یہ سنگین گناہ سرزد ہوتا ہے، خود آکر اقرار کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے اعراض کے باوجود بار بار اقرار کرتے ہیں، جب جرم پورے طور پر ثابت ہوجاتا ہے تو رسول اللہ ﷺ رجم کرنے کا حکم فرماتے ہیں۔ اب ماعز اسلمیؓ سے جو کچھ سرزد ہوا، تھا تو وہ گناہ ہی؛ جب واقعے کا ذکر ہوگا تو یہی کہا جائے گا کہ انہوں نے زنا کیا، اس فعل کو کوئی اور رنگ نہیں دیا جاسکتا، یہی فقہا و محدثین وغیرہ کہتے چلے آئے ہیں، لیکن کیا اس بنیاد پر ان پر سب وشتم بھی جائز ہوجائے گا؟ ظاہر ہے کہ ہرگز نہیں۔ یہ صرف ہماری عقیدت کا معاملہ نہیں، خود ماعزؓ کے جرم کا ثبوت تسلیم کرکے رجم کا حکم صادر کرنے والے نبی کی تعلیم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ماعز نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر وہ ایک بڑی جماعت کے درمیان تقسیم کردی جائے تو ان کے گناہ بخشوانے کے لیے کافی ہوجائے۔ (صحیح مسلم کے الفاظ ہیں: لقد تاب توبة لو قسمت بين امة لوسعتهم (کتاب الحدود، باب من اعترف علی نفسہ بالزنی، رقم ۱۶۹۵)

دو شخصوں نے ماعز اسلمیؓ کے بارے میں نامناسب جملے کہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو ایک مردار پھولے ہوئے گدھے کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اس میں سے کچھ کھاؤ، انہوں نے عرض کیا اسے کیسے کھایا جاسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا تم نے اپنے بھائی کی عزت کے حوالے سے جو ابھی بات کی، وہ اس گدھے کا معمولی حصہ کھانے سے زیادہ گھناؤنا کام تھا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، وہ (ماعز) تو اس وقت جنت کی نہروں میں ڈبکیاں لگا رہا ہے۔

سنن الدارقطنی کے الفاظ ہیں: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّهُ الْآنَ لَفِي أَنْهَارِ الْجَنَّةِ يَنْغَمِسُ فِيهَا (سنن الدارقطنی، کتاب البیوع، کتاب الحدود والدیات وغیرہ، رقم: ۳۴۴۲)

صحابہؓ کے بارے میں یہ اہل السنت کا طریقہ نہیں کہ روافض کی طرح کچھ کو تو معصوم قرار دے کر پوجا جائے اور کچھ پر سب وشتم کی جائے۔ اہل السنت کے نزدیک

احترام صحابہ درحقیقت حب رسول کا تکملہ ہے۔ اس لیے اس نبی سے محبت رکھنے والے گناہ بھی کر بیٹھیں، تب بھی ہمارے نزدیک وہ محترم ہیں کہ وہ ہمارے نبی سے نسبت رکھتے ہیں۔ اہل السنت کے ہاں قرآن وسنت کی روشنی میں صحابہ کے بارے میں معتدل طرز عمل یہ ہے کہ قذف جیسا گناہ، جس کی سنگینی سورۂ نور کی آیتوں سے واضح ہورہی ہے، سرزد بھی حرم رسول ﷺ کے بارے میں ہوا (یہ آیات براءت کے نزول سے پہلے کی بات ہے، وگرنہ اب یہ الزام دہرانا کفر ہے۔) اس سے زیادہ سنگینی کس غلطی کی ہوسکتی ہے۔ جرم، قذف زنا جیسا شنیع ہو، ثبوت کا معیار اتنا اعلی ہو کہ اللہ کے نبی نے حد جاری کرنے کا حکم جاری کیا ہو، اس سے بڑا گناہ کیا ہوسکتا ہے اور اس سے بڑھ کر ثبوت کس قاضی کے فیصلے سے ہوسکتا ہے، لیکن ایک صحیح سُنّی جہاں غلط کام کو غلط ہی کہے گا، وہ یہ مانے گا کہ ان قاذفین سے سنگین غلطی سرزد ہوئی تھی، ماعز اسلمی سے گناہ کا صدور ہوا تھا، وہیں وہ حسان بن ثابت، مسلح، حمنہ بنت جحش اور ماعز اسلمی کی ذات کے بارے میں بے احترامی کا تصور بھی نہیں کرے گا، وہ اللہ کے نبی کے ساتھی ہونے کے ناتے، اللہ کے نبی کے مداح ہونے کے ناتے ان سے پیار ہی کرے گا؛ اس لیے کہ ایک صحیح سُنّی فعل پر حکم لگاتے ہوئے فعل کو دیکھتا ہے، ذات پر حکم لگاتے ہوئے ذات کو۔ کسی کی ذات کا دائرہ اس کے ایک آدھ غلط فعل سے بعض اوقات بہت وسیع ہوتا ہے، اس ذات میں کسی غلطی کے ساتھ ساتھ اس سے ہزاروں گنا بھاری اچھائیاں بھی موجود ہوتی ہیں۔

اب آیئے اصل سوال کی طرف کہ اگر کسی صحابی کی طرف کسی غلط فعل کی نسبت ہورہی ہو تو کیا کرنا چاہیے؟ تو اس سلسلے میں انتہائی اختصار کے ساتھ چند باتیں عرض ہیں

۱۔ یہ بات درست ہے کہ اہل السنت کے نزدیک انسانوں میں سے معصوم صرف انبیا ہی ہیں، انبیا کے علاوہ کوئی انسان معصوم نہیں ہوتا؛ اس لیے ہر انسان سے غلطی اور گناہ کا صدور ممکن ہے۔ اگرچہ تفصیل کا موقع نہیں تاہم عام غیر انبیا کے درجات کے تفاوت سے اس امکان میں بھی بہت زیادہ کمی بیشی ہوسکتی ہے، حتی کہ خود صحابہ کے اندر بھی۔ جس چیز کی نسبت ہم بآسانی ماعز اسلمیؓ کی طرف کر لیتے ہیں، حضرت ابوبکر صدیق کے حوالے سے اس کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔ وہاں اس طرح کے فعل کا امکان اتنا مضمحل ہوگا کہ تقریباً

کالعدم ہی ہوگا۔ وہ معصوم تو نہیں، لیکن صدیق اکبر اور تقریباً اس پائے کے دوسرے صحابہ، معصومیت کے نیچے جو بلند ترین مقام ممکن ہے، انہیں اس پر فائز کہا جاسکتا ہے۔

۲۔ کسی بھی انسان کی طرف غلط فعل کی نسبت سامنے آنے پر سب سے پہلی ذمے داری ہم پر یہ عائد ہوتی ہے کہ ہم یہ جانچیں کہ یہ نسبت ثابت بھی ہے یا نہیں۔ صحابہ کرام کے مقام و مرتبے کی وجہ سے یہ ذمے داری اور زیادہ بڑھ جاتی ہے؛ اس لیے سب سے پہلے تو صحابی کی طرف ایسی کسی بات کے ثبوت کو دیکھنا ضروری ہے کہ وہ کس درجے کی ہے۔

۳۔ اگر نسبت درست ہو تو جہاں ہوسکے اس کے لیے کوئی عذر، کوئی تاویل تلاش کرلینی چاہیے۔ بعض اوقات ایک کام اپنی ذات میں تو غلط ہوتا ہے، لیکن کسی عذر کی وجہ سے اس پر وہ حکمِ اخروی جاری نہیں ہوتا جس کا وہ عمل اپنی ذات میں مستحق ہوتا ہے۔ قبلہ سے رخ ہٹا کر نماز پڑھنا گناہ ہے، لیکن اگر کسی شخص کو قبلہ معلوم نہیں ہے، اس نے اندازہ لگا کر ایک طرف رُخ کر کے نماز پڑھی تو امرِ واقعہ میں تو اس کی نماز غیرِ قبلہ کی طرف ہے، لیکن اسے غیرِ قبلہ کی طرف نماز پڑھنے کا گناہ نہیں ہوگا۔ امام بیہقی نے محمد بن سیرین سے نقل کیا ہے کہ اگر تمہارے بھائی کی کوئی بات تم تک پہنچے تو اس کا عذر تراشنے کی کوشش کرو، اگر کوئی عذر سمجھ میں نہ آئے تو کہ دو کوئی عذر ہوگا۔ (شعب الایمان للبیہقی، کتاب حسن الخلق، فصل فی ترک الغضب الخ، رقم: ۷۹۸۹: روایت کے الفاظ یوں ہیں: عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، قَالَ: إِذَا بَلَغَكَ عَنْ أَخِيكَ شَيْءٌ فَالْتَمِسْ لَهُ عُذْرًا. فَإِنْ لَمْ تَجِدْ لَهُ عُذْرًا. فَقُلْ: لَهُ عُذْرٌ)

امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں اگر تم تک تمہارے بھائی کی نامناسب بات پہنچے تو ایک عذر تلاش کرو، وہ نہ بنے تو دوسرا، یہاں تک کہ ستر عذر تک تلاش کرو، پھر بھی کوئی عذر نہ بنے تو کہ دو شاید کوئی اس کا کوئی ایسا عذر ہو جو میری سمجھ میں آسکا ہو۔ (نفسِ مصدر، کتاب حسن الخلق، فصل فی ترک الغضب الخ، رقم: ۷۹۹۱: روایت کے الفاظ یوں ہیں: قَالَ جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ: إِذَا بَلَغَكَ عَنْ أَخِيكَ الشَّيْءُ تُنْكِرُهُ فَالْتَمِسْ لَهُ عُذْرًا وَاحِدًا إِلَى سَبْعِينَ عُذْرًا. فَإِنْ أَصَبْتَهُ وَإِلَّا قُلْ: لَعَلَّ لَهُ عُذْرًا لَا أَعْرِفُهُ) اگر عام آدمی کے بارے میں حتی الامکان حسنِ ظن رکھنے کا یہ اصول ہے تو برگزیدہ شخصیات کے بارے میں بطریقِ اَولیٰ ہوگا۔

۴۔ اگر کسی وجہ سے التماسِ عذر (عذر تلاش کرنا) ممکن نہ ہو تو یہ حسنِ ظن رکھنا چاہیے

کہ انہوں نے توبہ کرلی ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کردیا ہوگا، جیسا کہ نصوص میں بعض واقعات میں اللہ کے معاف کرنے کی بھی تصریح ہے اور بعض واقعات میں توبہ کرنے کی بھی تصریح ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں بندوں پر حکم ان کی مجموعی حالت کے اعتبار سے لگتا ہے، اگر کسی سے کچھ گناہ سرزد ہو بھی جائیں، لیکن اس پر حسنات کا غلبہ ہو تو امید ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان حسنات کی وجہ سے سیئات کالعدم ہو جائیں گی۔ صحابہ کرام کے بارے میں بھی یہ گمان رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان کی حسناتِ کثیرہ کو سیئات پر غالب فرمائیں گے۔ چناں چہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

اس کا جواب جمہور علما کے نزدیک یہ ہے کہ صحابہ کرام سے اگرچہ کوئی کبیرہ بڑا گناہ بھی سرزد ہوسکتا ہے، اور ہوا بھی ہے، مگر ان میں اور عام افرادِ امت میں ایک فرق ہے کہ گناہِ کبیرہ وغیرہ سے کوئی شخص ساقط العدالۃ یا فاسق ہو جاتا ہے اب اس کی مکافات توبہ سے ہوسکتی ہے۔ جس نے توبہ کرلی یا کسی ذریعہ سے یہ معلوم ہوگیا کہ اس کی حسنات کی وجہ سے حق تعالیٰ نے اس کا یہ گناہ معاف کردیا وہ پھر عدل اور متقی کہلائے گا۔ اور جس نے توبہ نہ کی وہ ساقط العدالۃ فاسق قرار دیا جائے گا۔ اب توبہ کے معاملے میں عام افرادِ امت اور صحابہ کرام میں ایک خاص امتیاز یہ ہے کہ عام افرادِ امت کے بارے میں اس کی ضمانت نہیں ہے کہ انہوں نے توبہ کی یا نہیں اور نہ یہ معلوم ہے کہ اس کی حسنات نے سب سیئات کا کفارہ کردیا۔ مگر صحابہ کا معاملہ ایسا نہیں۔ اول تو ان کے حالات جاننے والے جانتے ہیں کہ وہ گناہ سے کتنے ڈرتے اور بچتے تھے، اگر کوئی گناہ سرزد ہوگیا تو اس کی توبہ صرف زبانی کرنے پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ کوئی اپنے آپ کو بڑی سے بڑی سزا کے لیے پیش کردیتا ہے، کوئی اپنے آپ کو مسجد کے ستون سے باندھ دیتا ہے، جب تک قبولِ توبہ کا اطمینان نہیں ہو جاتا ان کو صبر نہیں آتا۔

صحابہ کرامؓ کی اس خوف وخشیت کا تقاضا یہ ہے کہ ان حضرات سے توبہ کرنے کا اظہار بھی نہیں ہوا ہم ان کے بارے میں بھی یہی ظن رکھیں کہ انہوں نے ضرور توبہ کرلی ہوگی۔ دوسرے ان کے حسنات اور سوابق اتنے عظیم اور بھاری ہیں کہ ان کے مقابلے میں عمر بھر کا ایک آدھ گناہ حق تعالیٰ کے وعدے کے مطابق معاف ہی ہو جانا چاہیے۔ وعدہ یہ ہے:

إن الحسنات یذھبن السیئات

وہ چند آیات ذکر کرنے کے بعد مزید لکھتے ہیں:

اس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کریم نے اس بات کی ضمانت دے دی کہ حضرات صحابہ سابقین وآخرین میں سے کسی سے بھی عمر بھر میں کوئی گناہ سرزد ہوگیا تو وہ اس پر قائم نہ رہے گا، توبہ کرلے گا، یا پھر نبی کریم ﷺ کی صحبت ونصرت اور دین کی خدمات عظیمہ اور ان کی بے شمار حسنات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو معاف کردے گا۔ اور ان کی موت اس سے پہلے نہ ہوگی کہ ان کا گناہ معاف ہوکر وہ صاف بے باق ہوجائیں۔ اسی لیے ان میں سے کسی کو بھی ساقط العدالۃ یا فاسق نہیں کہا جاسکتا۔ مگر یہ سب تفصیل ان کے حکمِ اخروی کے بارے میں ہے، حکم دنیوی کے بارے میں اسی سے متصل مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

صدورِ گناہ کے وقت اس (صحابی) پر تمام وہی احکام نافذ ہوں گے جو دوسرے مسلمانوں پر ہوتے ہیں۔ حدِ شرعی یا تعزیری سزائیں جو عام مسلمانوں کے لیے ہیں وہ ان پر جاری کی جائیں گی۔ اور صدورِ گناہ کے وقت اس عمل کو فسق بھی کہا جائے گا، جیسا کہ آیت إن جاءکم فاسق بنبا سے معلوم ہوتا ہے، مگر چوں کہ ان کی توبہ یا معافی بنص قرآن معلوم ہوچکی ہے اس لیے ان کو کسی بھی وقت ساقط العدالۃ یا فاسق نہ کہا جائے گا۔ کما حققہ الآلوسی فی روح المعانی تحت آیۃ إن جاءکم فاسق (مفتی محمد شفیع، مقام صحابہ، ۵۹)

مفتی اعظمؒ نے کسی قدر فسق کے اطلاق کے لیے جو استدلال کیا ہے اور اسے علامہ آلوسیؒ سے نقل کیا ہے، مجھے آیت کی اس تفسیر سے اختلاف ہے، یعنی آیت سے جتنا فسق حضرت مفتی صاحبؒ ثابت فرمارہے ہیں میرے نزدیک اتنا بھی اس سے ثابت نہیں ہورہا۔ تاہم بحیثیت مجموعی ان عبارتوں اور اس طرح کی اہل السنت والجماعت کی بہت سی عبارتوں سے واضح ہوتا ہے کہ اہل السنت صحابہ کے بارے میں جس حسنِ ظن اور ان کے ذکرِ خیر اور ان کے بارے میں کف لسان کے قائل ہیں، اس کا مطلب کیا ہے اور یہ حسنِ ظن کس راہ سے ہے؟ صحابہ کے ساتھ حسنِ ظن یا الصحابۃ کلہم عدول کا یہ مطلب اہل السنت کے نزدیک کبھی بھی نہیں رہا کہ ان سے غلطی کا صدور نہیں ہوسکتا، ثابت شدہ غلطی کا انکار کردیا جائے یا ثابت شدہ غلطی کا علمی مواقع پر بھی ذکر نہ کیا جائے۔

اگر غلطی ثابت شدہ نہیں ہے تو اس کا انکار کیا جائے گا، اگر ثابت شدہ ہے لیکن بادی النظر میں غلطی لگنے کے باوجود اس کی کوئی توجیہ ایسی بنتی ہے، جس سے وہ غلطی، غلطی نہ رہے تو توجیہ کی جائے گی، وگرنہ غلطی کو تسلیم کر کے مذکورہ بالا طریق کار کے مطابق حسنِ ظن سے کام لیا جائے گا اور اس خاص غلطی کو تسلیم کرنے اور علمی ضرورت کے تحت بیان کرنے کے باوجود سب وشتم اور برا بھلا کہنے سے گریز کیا جائے گا، جیسا کہ ماعز اسلمی، حسان بن ثابت اور مسطح بن اثاثہ وغیرہ کی مثالوں میں عرض کیا۔

مفتی اعظمؒ ابن تیمیہؒ کی طویل عبارتوں کا خلاصہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اور جب سلف صالحین کا اہل السنت والجماعت کا اصول یہ پڑ گیا جو اوپر بیان کیا گیا ہے تو اب یہ سمجھیے کہ ان حضرات کے قول کا حاصل یہ ہے کہ بعض صحابہ کی طرف جو بھی گناہ یا برائیاں منسوب کی گئی ہیں ان میں بیشتر حصہ تو جھوٹ اور افترا ہے اور کچھ حصہ ایسا ہے جس کو انہوں نے اپنے اجتہاد سے حکمِ شرعی اور دین سمجھ کر اختیار کیا۔ مگر بہت سے لوگوں کو ان کے اجتہاد کی وجہ اور حقیقت معلوم نہیں، اس لیے اس کو گناہ قرار دیا۔ اور کسی معاملہ میں یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ وہ خطا اجتہادی نہیں بلکہ حقیقتاً گناہ ہی ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ ان کا وہ گناہ بھی معاف ہو چکا ہے۔ یا اس وجہ سے کہ انہوں نے توبہ کر لی (جیسا کہ بہت سے ایسے معاملات میں ان کی توبہ قرآن وسنت میں منقول وماثور ہے) اور یا ان کی دوسری ہزاروں حسنات وطاعات کے سبب معاف کر دیا گیا اور یا اس کو دنیا میں کسی مصیبت وتکلیف جتلا کر کے اس گناہ کا کفارہ کر دیا گیا۔ اس کے سوا اور بھی اسباب مغفرت کے ہو سکتے ہیں۔

علامہ آلوسیؒ، جن کی تفسیر کا حوالہ اوپر مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے دیا، انہوں نے اپنے ایک رسالے میں یہ بات مزید وضاحت کے ساتھ فرمائی ہے۔ انہیں پتا چلا تھا کہ ہندوستان میں کچھ لوگ سُنّی کہلانے کے باوجود حضرت معاویہ اور بعض دوسرے صحابہ پر سب وشتم کرتے ہیں تو انہوں نے الاجوبۃ العراقیۃ علی الاسئلۃ اللاہوریۃ کے نام سے ایک رسالہ لکھا۔ اس میں یہ سوال اٹھایا ہے کہ صحیح روایات، بلکہ صحیحین کی روایات سے ثابت ہے کہ بعض صحابہ سے بڑے بڑے گناہ سرزد ہوئے، پھر ان کی عدالت کا اصول کیسے قائم کر لیا گیا؟ اس کا جواب دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

واجیب بانه لیس مرادنا من کون الصحابة - رضی الله تعالی عنهم - جمیعهم عدولا انهم لم یصدر عن احد منهم مُفسق اصلا ولا ارتکب ذنبا قط. فإن "دون إثبات ذلك خرط القتاد". فقد کانت تصدر منهم الهفوات ویرتکبون ما یُحتّون علیه. وإنکارُ ذلك مکابرة صرفة وعنادٌ محض وجهلٌ بموارد الآیات والاحادیث: بل مرادُنا انهم لم ینتقلوا من هذه الدار إلی دار القرار إلا وهم طاهرون مطهرون تائبون آیبون ببرکة صحبتهم للنبی - ﷺ - ونصرتهم إیاه وبذل انفسهم واموالهم فی محبته وتعظیمهم له اشد التعظیم سرا وعلانیة. کما یدل علی ذلك الکتاب وتشهد له الآثار. (الوسی، الاجوبۃ العراقیۃ، ۲۳)

اس کا جواب یہ ہے کہ تمام صحابہ کو ہمارے عادل کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان میں سے کسی سے کبھی کوئی باعثِ فسق بات صادر نہیں ہوئی یا اس نے کبھی کوئی گناہ نہیں کیا، کیوں کہ اس بات کو ثابت کرنا کانٹے چننے سے بھی مشکل کام ہے۔ ان سے لغزشوں اور قابلِ حد امور کا صدور بھی ہو جاتا تھا۔ اس کا انکار محض ضد، عناد اور آیات واحادیث کے محل سے جہالت کی بات ہے، بلکہ ہماری مراد یہ ہے کہ وہ لوگ نبی کریم ﷺ کی صحبت کی برکت، ان کی نصرت، آپ کی محبت میں اپنے جان ومال کے انفاق اور خفیہ وعلانیہ طور پر آپ کی نہایت تعظیم کے باعث پاک صاف اور تائب بن کر دنیا سے آخرت کی طرف منتقل ہوئے ہیں، جیسا کہ اس پر کتاب وسنت شاہد ودال ہیں۔

بات کو مرتکز رکھنے اور تسلسل کو برقرار رکھنے کے لیے ہم نے عموماً عبارات نقل کرنے سے گریز کیا ہے۔ جو اکابر علماے اہل السنت حضرات صحابہ کے بارے میں بدگمانی اور بدزبانی کے خلاف کتابیں لکھ رہے ہیں، وہ اپنی انہیں کتابوں میں مسئلے کو اس انداز سے منقح کر رہے ہیں کہ واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہ ہرگز نہیں کہنا چاہتے کہ کسی صحابی سے غلط فعل سرزد ہو ہی نہیں سکتا، یا ان کی طرف غلط فعل کی نسبت کرنا کسی بھی حالت میں جائز نہیں ہے، بلکہ وہ وہی بات کہنا چاہ رہے ہیں جو اوپر پانچ نمبروں میں ہم نے ذکر کی ہے کہ یا تو اس فعل کی نسبت صحیح نہیں، یا اس میں تاویل ہوگی یا وہ مغفور ہے پھر آگے مغفرت کی

مختلف وجوہ بیان کی گئی ہیں۔ حضرت مفتی اعظمؒ ہی نے اپنی اسی کتاب مقامِ صحابہ میں ایک جگہ عنوان ہی یہ قائم کیا ہے کہ ''صحابہ معصوم نہیں مگر مغفور و مقبول ہیں''۔ کسی صحابی کا غلط فعل بھی ثابت ہو تب بھی فعل پر تو وہی حکم لگایا جائے گا، جو دلیلِ شرعی کا مقتضا ہے، لیکن صحابی کی ذات پر بالخصوص اس کے اخروی معاملے پر کوئی غلط حکم نہیں لگایا جائے گا۔ متعدد تجربات سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ بہت سے ذہنوں میں یہ بیٹھ گیا ہے کہ صحابہ کے لیے مغفرت کا ذکر بھی ان کی شان کے خلاف ہے؛ اس لیے ان چند عبارتوں کو نقل کرنا مناسب معلوم ہوا۔ ابن تیمیہؒ ہی کی بات نقل کرتے ہوئے مفتی اعظمؒ لکھتے ہیں:

اور عشرہ مبشرہ کے علاوہ کسی معین ذات کے متعلق اگرچہ ہم یہ نہ کہہ سکیں وہ جنتی ہے، جنت ہی میں جائے گا مگر یہ بھی تو جائز نہیں کہ ہم کسی کے حق میں بغیر کسی دلیلِ شرعی کے یہ کہنے لگیں کہ وہ مستحق جنت کا نہیں ہے کیوں کہ ایسا کہنا تو عام مسلمانوں میں سے بھی کسی کے لیے جائز نہیں جن کے بارے میں ہمیں کسی دلیل سے جنتی ہونا بھی معلوم نہ ہو۔ ہم ان کے بارے میں یہ شہادت نہیں دے سکتے کہ وہ ضرور جہنم میں جائے گا پھر افضل المؤمنین اور خیار المؤمنین (صحابہ کرام) کے بارے میں یہ کیسے جائز ہو جائے گا۔ اور ہر صحابی کے پورے اعمال ظاہر و باطنہ کی اور حسنات و سیئات اور ان کے اجتہادات کی تفصیل کا علم ہمارے لیے بہت دشوار ہے اور بغیر علم و تحقیق کے کسی کے متعلق فیصلہ کرنا حرام ہے اسی لیے مشاجراتِ صحابہ کے بارے میں سکوت کرنا بہتر ہے۔ اس لیے کہ بغیر علمِ صحیح کے کوئی حکم لگانا حرام ہے۔ (مقامِ صحابہ، ۱۰۲)

یہاں ایک مرتبہ پھر ابن تیمیہ اور مفتی اعظمؒ سے اختلاف کی جسارت کروں گا کہ بالتعیین جنتی ہونے کی صراحت صرف دس صحابہ کے بارے میں نہیں اس کا دائرہ اس سے وسیع ہے۔ ان دس کی خصوصیت یہ ہے کہ ایک ہی حدیث میں انہیں نام لے کر جنتی کہا گیا ہے، وگرنہ اور بھی متعدد صحابہ کو بالتعیین آپ ﷺ نے جنتی قرار دیا ہے۔

اس آخری عبارت سے یہ بھی واضح ہوا کہ مشاجرات کے بارے میں سکوت کا مطلب کیا ہے، وگرنہ ایسی بے شمار عبارات ہیں جن میں سکوت کی تلقین کرنے والے حضرات ہی نے ایک فریق کو بڑی صراحت کے ساتھ حق پر قرار دے کر دوسرے فریق کے عمل کو خطا قرار دیا ہے۔ پہلے ذکر ہوا ہے کہ ہمارے بھائی مفتی محمد مجاہد شہید رحمہ اللہ نے

اس موضوع پر ایک مفصل فتوی لکھا تھا، جس میں انہوں نے اس نوع کی کافی عبارات جمع کردی تھیں۔ خود مشاجرات صحابہ کے معاملے میں حضرت مفتی اعظمؒ نے اس کتاب مقام صحابہ میں حضرت علیؓ کے برحق ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔

صحابہ کرامؓ کے بارے میں کف لسان کا مطلب یہ ہے کہ ان کی طرف غیر ثابت شدہ غلطی منسوب نہیں کی جائے گی، جہاں غلطی ثابت ہو وہاں اس کی وجہ سے ان کی تفسیق، تضلیل وغیرہ نہیں کی جائے گی، اس غلطی کی وجہ سے انہیں سب وشتم کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا، ان پر لعن طعن نہیں کیا جائے گا۔ یہ حکم عام تھا، مشاجرات صحابہؓ کے سیاق میں اس کو ذکر کرنے کی ضرورت ہی اس لیے محسوس ہوئی کہ یہاں چوں کہ مد مقابل فریق سے خطا کا صدور مسلمہ سا امر ہے، اس لیے شدت جذبات میں یا گروہ بندی میں غلطی کرنے والے حضرات کے بارے میں سب وشتم اور لعن وتفسیق کا راستہ کھل سکتا تھا۔ کف لسان غلطی ہی کی صورت میں درکار ہوتا ہے، کارناموں میں تو کف لسان نہیں ہوتا، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ جتنی کسی کی غلطی ہے اس کا بھی ذکر نہ کیا جائے، بالخصوص جہاں نصوص نے کسی خاص غلطی کا درجہ متعین کردیا، وہاں اس نص کے مقتضا ہی کو مانا جائے گا، لیکن مذکورہ تشریح کے مطابق کف لسان کے ساتھ؛ وگرنہ کل کوئی یہ بھی کہے گا کہ ماعز اسلمی سے زنا کے صدور اور ان پر حد جاری ہونے کا ذکر کرنا بھی عظمتِ صحابہؓ کے منافی ہے، قذف عائشہؓ میں شریک ہونے والوں کے بارے میں قرآنی تعبیرات نا قابلِ ذکر ہیں۔ ایک صاحب کہنے لگے کہ حضرت علیؓ کی تصویب میں درجن بھر حدیثیں سننے کے بعد دوسری طرف کے صحابہ کے بارے میں کوئی شخص اچھا گمان کیسے رکھ سکتا ہے۔ ان کے سوال کے مطابق تو ماعز اسلمیؓ، حسانؓ، اثاثہؓ اور حمنہؓ کے بارے میں یا حسن ظن کی کوئی گنجائش نہیں ہونی چاہیے یا قذف اور زنا کی شناعت کی نصوص، بالخصوص قذف عائشہؓ کے بارے میں آیات کو حذف کردینا چاہیے۔ اہل السنت کا طرز اعتدال یہ ہے کہ فعل کی غلطی اور فاعل پر حکم کو منتفی نہ کیا جائے۔ اس طرح کے اشکالات کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ اہل السنت والجماعت کا پورا نقطہ نظر سامنے نہیں ہوتا، وگرنہ کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

## غدر کے فہم کے لیے اہم اصول

اوپر تیسرے نمبر پر ہم نے عذر تلاش کرنے کی بات کی، بعض اوقات عذر کی بات بلاوجہ کی تاویل لگ رہی ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں عقل عام اور کامن سینس کا ایک اصول بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے، جس سے مواقف کی غلطی کا عذر سمجھنا مزید آسان ہوجاتا ہے۔ وہ یہ کہ کوئی خاص واقعہ، خصوصاً گہما گہمی اور جذبات کی حساسیت والا واقعہ ہورہا ہو، اس وقت کی صورتِ حال اور ہوتی ہے اور بعد میں جب اس کا تجزیہ کیا جاتا ہے تو بات اور ہوتی ہے۔ بعد میں جب تجزیہ کیا جارہا ہوتب صحیح معاملے تک رسائی بعض اوقات آسان ہوچکی ہوتی ہے، تاریخ معاملات کو بہت حد تک واضح کرچکی ہوتی ہے، لیکن واقعات ہونے کے دور میں بعض اوقات حالات کی دھول میں بہت سی چیزیں کئی سمجھ دار اور مخلص لوگوں کی نظروں سے بھی اوجھل رہ جاتی ہیں۔ ماضی میں ہمارے بعض حکم رانوں خصوصاً آمروں کے بعض اقدامات کے بارے میں اب تقریباً مسلمہ سا معاملہ ہے کہ وہ غلط تھے، لیکن جب وہ کام ہورہے تھے تو ہوسکتا ہے ہمیں بعض مخلص ہی نہیں سمجھ دار شخصیات ان اقدامات کے ساتھ کھڑی نظر آئیں۔ آج اگر میں اس معاملے کو درست طریقے سے سمجھ رہا ہوں تو اس کی وجہ یہ ضروری نہیں کہ میری سمجھ بوجھ ان سے بڑھ کر ہے بلکہ عین حالات کے دوران اور بعد کا فطری فرق ہے۔

اُس طرح کی صورتِ حال میں ممکن ہے میں اس سے بھی بڑی غلطی کرجاؤں۔ اس شخصیت کے اخلاص یا اس کی سمجھ بوجھ پر سوال اٹھانے کی بجائے مجھے چاہیے کہ انہیں اسی صورتِ حال میں رکھ کر دیکھوں اور ان کے موقف کی غلطی کے باجود ان کے عذر کو بھی مدِ نظر رکھوں۔ عہدِ رسالت میں اس کی ایک مثال صلح حدیبیہ کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے پورے شرحِ صدر کے ساتھ یہ صلح فرمائی، لیکن صحابہ کے لیے یہ انتہائی حیران کن تھی۔ رسول اللہ ﷺ ہدی ذبح کرکے واپسی کا فرمارہے ہیں لیکن صحابہ کو ایسا کرنے کی ہمت ہی نہیں ہورہی تھی۔ مشرکین کے مطالبے پر آپ ﷺ حضرت علی کو ڈرافٹ کے ایک لفظ کو مٹانے کا فرمارہے ہیں لیکن ان سے یہ کام نہیں ہو پارہا۔ سب سے زیادہ جذباتی ہمیں حضرت عمرؓ

نظر آتے ہیں۔ وہ کبھی رسول اللہ ﷺ سے جذباتی انداز میں سوال کر رہے ہیں کہ جب ہم حق پر ہیں وہ باطل پر ہیں تو پھر اپنے دین کے معاملے میں ہم کم زوری کیوں دکھا رہے ہیں، کیا آپ نے خود ہی یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم بیت اللہ کے پاس جائیں گے اور طواف کریں گے؟ کبھی اسی انداز سے سوال وجواب اور بحث حضرت ابوبکرؓ سے کر رہے ہیں۔ دونوں جگہ سے ایک ہی جواب ملتا ہے (جو رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر میں کمال مناسبت کی دلیل بھی ہے) جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کا نصرت جو وعدہ ہے وہ ہر قیمت پر پورا ہو کر رہے گا، آپ اللہ کے نبی ہیں ہمیں ہر قیمت پر ان کا دامن تھامے رکھنا ہے[1]۔

---

[1] صحیح البخاری، رقم: ۲۷۳۱، کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع اهل الحرب۔ اس طویل روایت میں متعلقہ لفظ یہ ہیں: فقال عمر بن الخطاب: فاتيت نبي الله ﷺ فقلت: الستَ نبي الله حقا. قال: بلى. قلتُ: السنا على الحق. وعدوُّنا على الباطل. قال: بلى. قلت: فلم نُعطى الدنية في ديننا إذا؛ قال: إني رسول الله. ولستُ اعصيه. وهو ناصري. قلتُ: اوليس كنتَ تحدثنا انا سنأتي البيت فنطوف به؛ قال: بلى. فاخبرتُك انا نأتيه العام. قال: قلتُ: لا. قال: فإنك آتيه ومطوف به. قال: فاتيت ابا بكر فقلت: يا ابا بكر اليس هذا نبي الله حقا؛ قال: بلى. قلتُ: السنا على الحق وعدونا على الباطل؛ قال: بلى. قلت: فلم نعطى الدنية في ديننا إذا؛ قال: ايها الرجل إنه لرسول الله. وليس يعصى ربه. وهو ناصره. فاستمسك بغرزه. فوالله إنه على الحق. قلتُ: اليس كان يحدثنا انا سنأتي البيت ونطوف به؛ قال: بلى. افاخبرك انك تأتيه العام؛ قلتُ: لا. قال: فإنك آتيه ومطوف به. - قال الزهري: قال عمر -: فعملت لذلك اعمالا. قال: فلما فرغ من قضية الكتاب. قال رسول الله ﷺ لاصحابه: قوموا فانحروا ثم احلقوا. قال: فوالله ما قام منهم رجل حتى قال ذلك ثلاث مرات. فلما لم يقم منهم احد دخل على ام سلمة. فذكر لها ما لقي من الناس. فقالت ام سلمة: يا نبي الله. اتحب ذلك. اخرج ثم لا تكلم احدا منهم كلمة. حتى تنحر بدنك. وتدعو حالقك فيحلقك. فخرج فلم يكلم احدا منهم حتى فعل ذلك نحر بدنه. ودعا حالقه فحلقه. فلما راوا ذلك قاموا. فنحروا وجعل بعضهم يحلق بعضا حتى كاد بعضهم يقتل بعضا غما.

اب آج اگر کوئی کہے کہ صلح حدیبیہ کی افادیت اور اس کے نتائج پر میں کئی گھنٹے تقریر کرسکتا ہوں، لہذا میری سمجھ بوجھ اور رسول اللہ ﷺ کے فیصلے پر اعتماد کی سطح زیادہ ہے تو جواب میں یہی کہا جائے گا کہ آج اس انداز سے یہ بات کہنا آسان ہے۔ اس موقع پر اُن حالات میں جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے یہ انہی کا حصہ تھے جنہیں اللہ نے اس مقصد کے لیے منتخب کیا تھا۔ مدینے سے اللہ کے نبی کے ایک خواب کی بنیاد پر چلے ہیں۔ منافقین کے طعنوں کو نظر انداز کر کے چلے ہیں۔ راستے میں لبیک اللھم لبیک کی صداؤں اور بیت اللہ کے طواف اور افعال عمرہ کے تصور سے جذبات کی سطح کیا ہو رہی ہوگی، اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ پھر ابھی کل ہی کی تو بات ہے کہ درخت کے نیچے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر بہت جوش وجذبے کے ساتھ جان نثاری کی آخری حد تک جانے کی بیعت کر رہے تھے، اب یک دم ایسی یک طرفہ صلح کہ جس فریق کو ہم یقیناً باطل سمجھتے ہیں ان کی ہر بات مانے چلے جارہے ہیں اور اس کے ساتھ یہیں سے احرام سے ختم کر کے واپسی کا فیصلہ۔ تھوڑی دیر کے لیے خود کو اس خاص ماحول میں تصور کریں، پھر دیکھیں اس صلح کی مستقبل کی افادیت کتنی سمجھ میں آتی ہے۔ آج اس کی افادیت پر گھنٹوں تقریر کرلینا آسان معاملہ ہے۔

لہٰذا اس وقت حضرت عمر کو جو تحفظات یا اشکالات تھے اپنی ذات کے اعتبار سے وہ درست نہیں تھے بلکہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر جو فرما رہے تھے وہی درست تھا لیکن اس کی بنیاد پر حضرت عمر کی تنقیص کرنا ہرگز درست نہیں۔ حضرت عمر اس خاص ماحول میں نہ صرف یہ کہ معذور تھے بلکہ ان خیالات کا منشا بھی اچھا ہی تھا۔ اسی طرح صلح سے جن صحابہ میں خفگی پیدا ہوئی اس کا منشا بھی ایمان کی کمی نہیں ایمانی جذبات ہی تھے۔ حضرت عمر کو بعد میں اگرچہ اپنے اس طرز عمل پر بہت افسوس ہوا، لیکن یہ ان کی حساس طبیعت اور کمال ایمان کی علامت ہے وگرنہ ان حالات میں ایسی بات سرزد ہونا کوئی گناہ نہیں تھا۔ اب دونوں طریقے غلط ہوں گے۔ یہ کہنا کہ حضرت عمر کے تحفظات میں جان تو لگ رہی ہے، کل تک جان نثاری کی بیعت اور آج اتنا جھک کر صلح، یہ تو نعوذ باللہ یوٹرن لگ رہا ہے، یہ بھی غلط ہے۔ یہ کہنا بھی غلط ہوگا کہ حضرت عمر کے رسول اللہ ﷺ پر ایمان میں نعوذ باللہ کمی واقع ہوگئی تھی، یا یہ کہ مجھے اس صلح کی حکمتیں سمجھ میں آرہی ہیں جو حضرت عمر کو نہیں

آرہی تھیں۔ حاصل یہ کہ کسی معاملے میں کسی کے عذر کو سمجھنے کے لیے اس شخص کو اسی ماحول میں رکھ کر دیکھنا ضروری ہوتا ہے، اس سے عذر بآسانی سمجھ میں آجاتا ہے۔

## حضرت علیؓ سے محاربہ کرنے والوں کا مقام

اب یہاں خصوصیت کے ساتھ دو فریقوں پر کسی قدر مستقلا بات کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک وہ حضرات جو حضرت علیؓ کے مدمقابل آئے اور ان سے حضرت علیؓ کی جنگیں ہوئیں۔ دوسرے وہ حضرات جو حضرت علیؓ کی مدد کے لیے میدان میں نہیں آئے، بلکہ الگ تھلگ رہے۔

حضرت علیؓ کے تین بڑے قتالوں میں سے جنگِ نہروان کے بارے میں تو واضح ہی ہے کہ وہاں مدمقابل خوارج تھے۔ وہاں رسول اللہ ﷺ نے محض ان کے قتل کو غلط یا برا قرار نہیں دیا، بلکہ خود ان لوگوں کو مخلوق میں سے بدترین لوگ قرار دیا ہے۔ جمل اور صفین کے بارے میں کسی قدر بات کرنے کی یہاں ضرورت ہے۔

اس سے پہلے یہ اصول ذہن میں رکھیں کہ کسی کام کے درست ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ ہمیشہ اصولِ شریعت کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجیے کہ دیکھنے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ بعینہ اسی طرح کی صورتِ حال میں اگر کوئی اور یہ کام کرے تو ہم اسے درست کہیں گے یا نہیں۔ اگر صورتِ حال ایسی ہو کہ مسلمانوں کا ایسا خلیفہ موجود ہے جس کی خلافت منعقد ہو چکی ہے۔ اس کے خلیفہ ہونے یا نہ ہونے پر کوئی سوال موجود نہیں ہے، وہ خلیفہ جائر نہیں عادل ہے، وہ اس منصب کا اہل ہے، اس کی اہلیت پر بھی سوال موجود نہیں ہے، بلکہ اس سے زیادہ اہل کوئی موجود ہی نہیں ہے۔ اب کچھ لوگوں کو اس کی کسی پالیسی یا کچھ پالیسیوں سے اختلاف ہو جاتا ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ خلیفہ تو جائز اور عادل ہے لیکن اس کی فلاں پالیسی درست نہیں ہے تو انہیں کیا کرنا چاہیے۔ وہ خلیفہ سے بات چیت کر کے اسے قائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، بالکل درست طریقہ ہے، وہ اسے نصیحت کرتے ہیں، بہت اچھی بات ہے، وہ اس کی پالیسیوں پر زبان سے تنقید کرتے ہیں، یہ بھی قابلِ گوارا ہے، لیکن اگر اس سے آگے بڑھ کر خلیفۂ عادل سے اجتہادی اختلاف رکھنے

والے اپنا اجتہاد نافذ کرانے کے لیے گروہ اور جتھا بنا لیتے ہیں، تاکہ خلیفۂ وقت کو اپنی بات منوانے پر مجبور کر سکیں، اس مقصد کے لیے خلیفہ کی رٹ چیلنج کرتے ہیں، کچھ علاقے جو خلافت کا حصہ اور اسی کے ماتحت تھے انہیں خلافت سے الگ کر کے اس پر اپنی متوازی حکومت قائم کر لیتے ہیں، اپنا متوازی لشکر قائم کر لیتے ہیں تو کسی کے نزدیک بھی امامِ عادل سے اپنے مطالبات یا اپنے اجتہادات منانے کا یہ طریقہ درست نہیں ہوگا، خواہ ایسا کرنے والوں کی اجتہادی صلاحیت کتنی بھی اعلیٰ کیوں نہ ہو۔ یہ اصول زید، عمرو، بکر وغیرہ سب کے لیے ہے، چناں چہ خلفاے ثلاثہ کے دور میں بھی اگر کسی بڑے سے بڑے صحابی کا اجتہاد خلیفۂ وقت کے اجتہاد سے مختلف ہوا تو انہوں نے یہ طریقہ اختیار نہیں کیا۔ اگر کچھ لوگ اپنے اجتہاد کی تنفیذ کے لیے اس طرح کا طریقہ اختیار کرتے ہیں تو امامِ عادل کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ اس کے سدِّ باب کے لیے مناسب کارروائیاں کرے۔ اس مقصد کے لیے اسے فوجی آپریشن یا قتال کا فیصلہ کرنا پڑے تو اسے اس کا بھی اختیار حاصل ہے، جس کی تفصیلات فقہا نے اپنی کتابوں میں لکھی ہیں۔ یہ اصول بہت واضح اور مسلمہ ہو چکا ہے۔

حضرت علیؓ کی خلافت اہل السنت کے نزدیک منعقد ہو چکی ہے۔ وہ خلیفۂ راشد اور امامِ عادل ہیں، اس وقت میں ان سے زیادہ علم اور دینی فضیلت رکھنے والا کوئی اور نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے انہیں قضا کا سب سے بڑا عالم قرار دے رکھا ہے، جس کا مطلب یہ کہ وہ صرف شرعی اصولوں ہی کو نہیں جانتے تھے کسی خاص امرِ واقعہ پر منطبق کرنے کا فن بھی سب سے زیادہ جانتے ہیں۔ قصاصِ عثمان کے حوالے سے بعض حضرات کو شبہ ہو جاتا ہے کہ شاید حضرت علیؓ کی پالیسی درست نہیں ہے، یا اسی سے ملتا جلتا ایک آدھ اشکال اور ہو جاتا ہے۔ (یہ چند ایک شبہات بھی قلتِ تامل یا غلط فہمی پر مبنی ہیں، جو ایک الگ موضوع ہے) یہ حضرت علیؓ کی بہت بڑی کرامت اور آپ کی عظمت ہے کہ آپ کی اتنی شدید مخالفت ہوئی کہ پورا دورِ خلافت پریشانی میں گزرا، بعد میں بھی آپ کو تنقید اور سب وشتم کا نشانہ بنایا گیا لیکن قصاصِ عثمان جیسے ایک آدھ معاملے کے علاوہ آپ کی گورننس پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکا۔ سوال یہ نہیں کہ کسے اجتہاد کا حق حاصل تھا کسے نہیں، سوال یہ بھی نہیں کہ کس کا اجتہاد زیادہ وزنی تھا، سوال تو اپنے اجتہاد کی تنفیذ کے طریقۂ کار

کا ہے۔ بطور مفروضہ مان لیتے ہیں کہ جنھیں یہ شبہ ہوا تھا ان کا مقام اجتہاد، حضرت علیؓ سے بھی بلند تھا، تب بھی سوال یہ ہے کہ اصول کیا کہتا ہے کہ انہیں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہیے؟ وہی جو اوپر ذکر کیا۔ ہمارا موضوع تو حضرت علیؓ ہیں، اس لیے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ انہوں نے اگر کسی چیز کی روک تھام کی کارروائی کا فیصلہ کیا تو کیوں کیا؟ کوفے میں خوارج نے حضرت علیؓ کے خلاف بڑی بڑی باتیں کیں، لیکن حضرت علیؓ نے انہیں برداشت کیا، کوئی کارروائی ان کے خلاف نہیں کی۔ یہاں بھی ان حضرات کی طرف سے اپنا متبادل اجتہاد صرف خلیفہ کے سامنے نہیں، سرِ عام بیان کیا جاتا، اپنی دلیل کی روشنی میں خلافت کی پالیسی پر تنقید کی جاتی تو ضرور گوارا کیا جاتا اور کوئی کارروائی نہ ہوتی۔ مگر یہاں اہلِ جمل ہوں یا اہل صفین وہ اپنی بات منوانے کے لیے اس سے آگے نکل جاتے ہیں، اس لیے بقول مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ بالاجماع ان حضرات کا یہ طریقہ خطا پر مبنی تھا اور حضرت علیؓ کا حق پر۔ ایسے موقع پر حضرت علیؓ کو بطور خلیفہ عادل ان تمام کارروائیوں کا اختیار حاصل تھا، جو انہوں نے کیں، اور یہی بات احادیث مبارکہ سے ثابت ہوئی کہ حضرت علیؓ کے خلاف کوئی بھی نکلا، اللہ کے نبی ﷺ نے اسے ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا، ناپسندیدگی کے اظہار کے انداز الگ الگ رہے۔

اسی کے ساتھ یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہیے کہ جب نارمل حالت میں ہم کسی معاملے پر سوچنے بیٹھتے ہیں تو درست رائے اور نتیجے تک پہنچنا بہت آسان ہوتا ہے، لیکن جہاں حالات انتہائی الجھے ہوئے ہوں، پروپیگنڈے کی گرد میں کچھ دیکھنا مشکل ہو، نت نئی افواہیں ہوں، کچھ لوگوں کا مفاد ہی شخصیات کو ایک دوسرے کے مدمقابل لانے سے وابستہ ہو، ایسے ماحول میں انتہائی فہیم، انتہائی مخلص اور انتہائی دیانت دار شخص کے لیے بھی درست فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسی صورتِ حال میں اگر کسی سے درست فیصلہ نہ ہو سکے، تو اس کے عذر اور مجبوری کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔

جمل میں حضرت علی کے مدمقابل حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور حضرت ام المؤمنین نمایاں شخصیات ہیں۔ جمل میں حضرت علی صواب پر تھے۔ دوسرے فریق سے اگرچہ غلطی ہوئی ہے، جیسا کہ دلائل اور احادیث سے ثابت ہو چکا کہ غلطی ہوئی ہے اور یہی

اہل السنت کا عمومی رخ ہے، مگر ان حضرات کے عذر اور ان کی مجبوری کو سمجھنا اور ان کے دیگر کمالات، مناقب اور کارناموں کو مدنظر رکھنا بھی ضروری ہے، اور ان کی نیت پر اعتراض کرنا بھی غلط ہے۔ خصوصاً جنگِ جمل چوں کہ فتنۂ قتلِ عثمان کے بہت جلدی بعد ہوا ہے، اس لیے ان حضرات کا یہ عذر بھی بہت واضح ہے کہ حالات تھے ہی اتنے گرد آلود کہ کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ خود جنگِ جمل کے واقعات میں بھی بہت ابہامات موجود ہیں۔ یہ درست ہے کہ حضرت زبیر، حضرت طلحہ وغیرہ نے ایک بڑا لشکر جمع کیا تھا، لیکن ان کا پورا پلان کیا تھا؟ شاید اس کا تعین کرنا مشکل ہو۔

اسی طرح حضرت علی بھی یہ سوچ کر کہ بجائے اس کے کہ اتنی بڑی جماعت مدینہ منورہ کی طرف پیش قدمی کرے، خود اپنا لشکر لے کر ان کی طرف روانہ ہوئے، لیکن اس کے باوجود اس جنگ کو ایک حادثہ کہنا ممکن ہے، اور اس بات کے امکانات موجود تھے کہ فریقین بات چیت سے مسئلہ حل کر لیتے، اس لیے یہاں حالات کے ابہام کا فائدہ بہت واضح انداز میں حضرت زبیر وطلحہ وغیرہ کو دیا جانا ضروری ہے۔ پھر خود جیسا کہ تفصیل سے ذکر کیا جا چکا کہ حضرت زبیرؓ اور حضرت عائشہؓ سے رجوع بھی ثابت ہے۔ اس طرح کے الجھے ہوئے حالات میں نیک جذبے کے ساتھ کوئی قدم اٹھانے میں غلطی بھی ہو گئی تو حقیقت کا ادراک ہونے اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات یاد آنے پر اپنی رائے سے مڑ گئے۔ اس سے بڑھ کر خلوص اور عظمت کیا ہو سکتی ہے؛ اس لیے یہ تو درست ہے کہ اس خاص معاملے میں ان سے فیصلہ غلط ہوا، لیکن اس کی وجہ سے انہیں کسی بھی قسم کی ملامت کا نشانہ بنانا دنیا و آخرت کا خسارہ ہے۔ خود حضرت علی نے اہلِ جمل کے بارے میں فرمایا کہ میں اور وہ اس آیت کا مصداق ہوں گے وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ (اللہ تعالیٰ اہلِ جنت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ دنیا میں ان کے دلوں میں کوئی کدورت ہوگی بھی تو ہم ان کے دلوں سے نکال لیتے ہیں اور وہ جنت میں بھائی بھائی بن کر ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوئے ہیں ہوں گے۔) جو روایات ہم نے اپنے اس خطاب میں ذکر کیں ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا ہی میں ان کے دل ایک دوسرے کے بارے میں صاف ہو چکے تھے۔

چناں چہ علامہ آلوسی الاجوبۃ العراقیۃ میں مذکورہ روایت کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''وھذا ونحوہ یدل علی انھما - رضی اللہ تعالی عنھم - لم یذھبا إلا طاھرین مطھرین۔'' (یہ اور اس طرح کی دیگر روایات بتاتی ہیں وہ دونوں (طلحہ و زبیرؓ) دنیا سے پاک صاف ہوکر گئے ہیں۔ (الالوسی، الاجوبۃ العراقیۃ، ۳۶)

حضرت عائشہ کے بارے میں ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ وہ دنیا سے حضرت علیؓ کی حقانیت کا اعلان کر کے گئی ہیں۔ نیز علامہ آلوسیؒ اپنے مذکورہ رسالے میں لکھتے ہیں:

جب حضرت علیؓ کو جنگ میں غلبہ حاصل ہوا تو آپ ام المؤمنین کے پاس تشریف لائے اور کہا: ''اللہ آپ کی مغفرت کرے''۔ حضرت عائشہؓ نے کہا ''اور آپ کی بھی؛ میرا مقصد صرف اصلاح احوال تھا''۔۔۔ تین دن کے بعد دوبارہ حضرت علیؓ ان سے ملاقات کے لیے گئے تو حضرت عائشہؓ نے حضرت علیؓ کو خوش آمدید کہا اور ان کی بیعت کی۔ اسی دوران میں حضرت علیؓ کو پتا چلا کہ دو آدمی حضرت عائشہؓ کو برا بھلا کہہ رہے ہیں تو حضرت علیؓ نے قعقاع بن عمرو کو حکم دیا کہ دونوں کے کپڑے اتار کر انہیں سو سو کوڑے لگائے جائیں۔۔۔ (نفس مرجع، ۳۱)

اس لیے جمل کے موقع پر اختلاف ضرور ہوا، اور اس کا نتیجہ جنگ کی صورت میں بھی ظاہر ہوا، لیکن یہ اختلاف ان عظیم شخصیات کی زندگی ہی میں ختم ہو چکا تھا۔ ابتدا میں بعض شخصیات سے سوچنے اور فیصلہ کرنے کے پراسس میں غلطی ہوئی، اب اس پر اعتراض کرنے کی سرے سے کوئی گنجائش باقی ہی نہیں رہی۔

علامہ آلوسی نے اپنے مذکورہ رسالے میں اس کے بعد واقعۂ صفین کا ذکر کیا ہے۔ واقعہ ذکر کرنے کے بعد وہ فرماتے ہیں:

واھل السنۃ إلا من شذ یقولون إن علیا کرم اللہ تعالی وجھہ فی کل ذلك علی الحق لم یفترق عنہ قید شبر وإن مقاتلیہ فی الوقعتین مخطئون باغون ولیسوا کافرین -خلافا للشیعۃ- ولا فاسقین خلافا للعمرین اصحاب عمرو بن عبید من المعتزلۃ ولمن شذ من اھل السنۃ. ولا ان احد الفریقین. من علی کرم اللہ وجھہ ومقاتلیہ. لا بعینہ فاسق خلافا

للواصلية اصحاب واصل بن عطاء المعتزلي. اما ان الحق مع علي كرم الله وجهه فغني عن البيان. واما كون المقاتل باغيا فلان الخروج على الإمام الحق بغي وقد صح انه - صلى الله عليه وسلم - قال: »ويح عمار تقتله الفئة الباغية« وقد قتله عسكر معاوية (نفس مرجع، ۳۸)

سوائے چند شاذ لوگوں کے، باقی اہل السنت کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان تمام [جنگوں] میں حق پر تھے، وہ حق سے ایک بالشت برابر بھی ادھر ادھر نہیں ہوئے اور یہ کہ دونوں واقعوں [جمل اور صفین] میں حضرت علیؓ سے قتال کرنے والے غلطی کرنے والے باغی تھے۔ یہ حضرات کافر نہیں تھے، جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں، نہ ہی فاسق تھے جیسا کہ عمرو بن عبید معتزلی یا بعض شاذ اہل السنت کہتے ہیں۔ یہ بات بھی [اہل السنت نہیں کہتے] کہ ایک فریق غیر متعین طور پر خلط فاسق تھا جیسا کہ واصل بن عطاء معتزلی کے پیروکار کہتے ہیں [یعنی اہل السنت کے نزدیک کسی بھی فریق کو متعین طور پر یا غیر متعین طور پر فاسق کہنا درست نہیں]۔ جہاں تک [اہل السنت کے مذہب کے پہلے حصے کا] تعلق ہے کہ حق حضرت علیؓ کے ساتھ تھا تو [یہ اتنا واضح ہے کہ] اسے بیان کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ باقی رہی یہ بات کہ آپ سے قتال کرنے والا باغی تھا تو اس وجہ سے کہ امام برحق کے خلاف خروج کرنا بغاوت ہے اور یہ صحیح حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عمار کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی اور حضرت عمار کو حضرت معاویہ کے لشکر نے قتل کیا۔

## محض بغاوت کی وجہ سے کفر، فسق یا لعنت کا اطلاق درست نہیں

اس کے بعد علامہ آلوسیؒ نے الفئۃ الباغیۃ والی حدیث میں کی جانے والی تاویلوں کی تردید کرنے کے بعد یہ ثابت کیا ہے کہ بغاوت کی وجہ سے کسی کا کفر ثابت نہیں ہوتا۔ اس کی سب سے پہلی دلیل سورۂ حجرات کی آیت ہے، جس میں جہاں الفئۃ الباغیۃ کے خلاف قتال کا حکم دیا گیا ہے، وہیں دونوں جماعتوں کو مؤمن قرار دیا ہے۔ ایک مضبوط دلیل انہوں نے یہ دی ہے کہ حضرت حسنؓ نے حضرت معاویہؓ سے صلح کی ہے، جس سے پتا چلتا ہے کہ وہ مقابل فریق کو کافر نہیں سمجھتے تھے۔ درمیان میں انہوں نے شیعوں کے متعدد

اعتراضات کے جواب دیے ہیں، اس کے بعد ایک واقعے سے علامہ الوسیؒ نے استدلال کیا ہے کہ حضرت معاویہؓ نے بھی حضرت علیؓ سے قتال اور بغاوت پر ندامت کا اظہار کیا ہے۔ غالباً اس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اہل صفین پر بھی فاسق کا اطلاق درست نہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو کسی کو فاسق کہتا ہے دلیل اس کے ذمے ہوتی ہے، لہذا یہاں بھی مدعی کے ذمے دلیل ہوگی کہ باغی فاسق بھی ہوتا ہے، جب کہ ایسی کوئی نص موجود نہیں ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے فسق کی نفی اور انداز سے کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

اب رہا یہ شک کہ جب حضرت معاویہ کا کردار باغیانہ تھا (کردار باغیانہ تھا یہ اردو مترجم کا ترجمہ ہے اصل فارسی عبارت یہ ہے ''آمدیم باین کہ چوں اورا باغی ومتغلب می دانند پس چرا لعن اورا نمی کنند'' یعنی اب ہم اس سوال کی طرف آتے ہیں کہ جب اہل السنت حضرت معاویہ کو باغی ومتغلب سمجھتے ہیں تو ان پر لعنت کیوں نہیں کرتے'') اور وہ ناحق غلبہ حاصل کرنے والے تھے تو (اہل السنت) ان پر لعن کیوں نہیں کرتے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک گناہ کبیرہ کے مرتکب پر لعن جائز نہیں اور چوں کہ بغاوت بھی کبیرہ گناہ ہے، اس لیے اس پر لعن منع اور ناجائز ہے۔

(شاہ عبدالعزیز، تحفہ اثنا عشریہ (اردو)، ۳۶۰)

لیکن میرے نزدیک یہ مقدمہ ہی محل نظر ہے کہ ہر بغاوت کبیرہ گناہ ہوتی ہے، یا کسی بھی کبیرہ کا ارتکاب کرنے سے آدمی مطلقاً فاسق ہوجاتا ہے۔ اس بات کی تفصیل میں جانے سے بات دوسری طرف نکل جائے گی، لیکن ایک بات یہاں قابل ذکر ہے کہ باغی اگرچہ غلطی پر ہو اس کے پاس تاویل ہوتی ہے، اور تاویل چاہے بذات خود غلط ہو، لیکن اس کے نتیجے میں متعدد احکام میں تخفیف ضرور ہوتی ہے، حتی کہ کفر جیسے حکم میں بھی تاویل سے تخفیف ہوجاتی ہے؛ اس لیے کہ فقہا کی ذکر کردہ تفصیل کے مطابق اگر کچھ لوگ جتھا بنا کر امام برحق کی طاعت سے نکل جائیں اور کسی جگہ پر اپنی عمل داری قائم کرلیں تو اگر تو ان کی کوئی تاویل نہیں ہے تو وہ لصوص اور قطاع الطریق یعنی ڈاکو اور خالص مفسدین فی الارض کہلائیں گے، اگر ان کی تاویل ہے تو اگر اپنے علاوہ کو کافر بھی کہتے ہیں تو وہ خوارج ہیں اور اگر اپنے علاوہ کو کافر نہیں کہتے، تاہم تاویل رکھتے ہیں۔

یعنی ایسی وجہ رکھتے ہیں جس کی بنیاد پر وہ سمجھتے ہیں کہ شاید وہ حق پر ہیں

(اگرچہ امرِ واقعہ میں ان کا ایسا سمجھنا درست نہ ہو) تو وہ باغی کہلائیں گے[1]۔

اس سے معلوم ہوا کہ امامِ عادل کی طاعت سے جتھا بنا کر نکلنے کی صورتوں میں سے شناعت میں سب سے کم صورت بغاوت کی ہے۔ اگرچہ حضرت علیؓ نے جنگ کے بیش تر ظاہری احکام خوارج اور بغاۃ پر ایک جیسے لاگو کیے اور حضرت علیؓ کو فقہا نے اس باب میں اسوہ قرار دیا ہے، لیکن نصوصِ نبویہ اور خود حضرت علیؓ کے ارشادات کی روشنی میں دیکھیں تو خوارج کے لیے جس طرح کے سخت الفاظ استعمال ہوئے ہیں، وہ بغاۃ کے لیے استعمال نہیں ہوئے، بلکہ حضرت علیؓ نے دونوں طرف کے مقتولین کو جنتی قرار دیا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ نصوص کو بھی فاسق ہی کہہ سکتے ہیں کافر نہیں، خوارج بھی راجح قول کے مطابق فاسق ہی ہیں کافر نہیں، تو باغی جس کی شناعت ان دونوں سے کم ہے، اس پر بھی فاسق کا اطلاق کریں گے تو فرق کیا رہ جائے گا؟ اس لیے مجھ ناچیز کی رائے میں باغی پر فاسق کے اطلاق کا اصول ہی محلِ نظر ہے۔

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مدِ مقابل فریق کے مجتہد ہونے سے یہاں امام کے لیے حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یعنی دوسری طرف کے حضرات نے اجتہاد کیا تھا اس سے حضرت علی کی پوزیشن اور ان کے اقدام کی حیثیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس لیے کہ یہاں عام طور پر جس کو اجتہاد کہا جاتا ہے اس کے لیے ٹھیٹھ فقہی اصطلاح ''تاویل'' ہے۔ اور تاویل کی موجودگی بغاوت کے تحقق میں مانع نہیں ہوتی، بلکہ حنفیہ کی اصطلاح کے مطابق باغی بنتا ہی تاویل (اجتہاد) سے ہے۔

نیز یہاں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ حضرت معاویہؓ کی جماعت پر

---

[1] چناں چہ ابن عابدین کے الدر المختار پر حاشیہ رد المحتار میں ہے: (قولہ: وبغاۃ) ھم کما فی الفتح قوم مسلمون خرجوا علی إمام العدل ولم یستبیحوا ما استباحہ الخوارج من دماء المسلمین وسبی ذراریھم اھ والمراد خرجوا بتاویل وإلا فھم قطاع کما علمت. وفی الاختیار: اھل البغی کل فئۃ لھم منعۃ یتغلبون ویجتمعون ویقاتلون اھل العدل بتاویل یقولون: الحق معنا ویدعون الولایۃ. اھ (ابن عابدین محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز عابدین، رد المحتار علی الدر المختار (بیروت: دار الفکر، ۱۹۹۲ء، ۴: ۲۶۲)

بغاۃ والا حکم تب تک تھا، جب تک حضرت حسنؓ نے ان سے صلح نہیں کی تھی۔ صلح کے بعد حضرت معاویہؓ مسلمانوں کے جائز حکمران بن گئے؛ اس لیے اب ان پر بغاوت کا اطلاق نہیں ہوگا۔ چناں چہ شاہ عبدالعزیزؒ لکھتے ہیں:

یہاں پر یہ بھی جان لینا چاہیے کہ بعض جاہل امامیہ انتہائی عناد و تعصب کی بنا پر کہتے ہیں کہ اہل سنت حضرت عثمان غنی کے بعد حضرت معاویہ کو امام مانتے ہیں۔ یہ قول انتہائی بے شرمی اور شوخ چشمی پر مبنی ہے اور اس کو منہ پر جھوٹ بولنا کہتے ہیں۔ ورنہ معمولی پڑھا لکھا فارسی خواں (اس زمانے میں ہندوستان کے پڑھے لکھے لوگ عموماً فارسی پڑھنے والے ہوتے تھے، خود تحفہ اثنا عشریہ بھی فارسی میں ہے، بظاہر لگتا ہے کہ مولانا جامی کی کتاب اس زمانے میں متداول ہوگی، اس لیے اس کا حوالہ دیا کہ شیعوں کا یہ اعتراض ایک متداول و معروف کتاب کے بھی خلاف ہے) جس نے اہل سنت کے مولانا عبدالرحمان جامی کا مرتبہ عقائد نامہ فارسی پڑھا یا دیکھا ہے، یقین سے جانتا ہے کہ اہل سنت سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ حضرت معاویہ حضرت علی کی ابتدائے امامت سے لے کر حضرت حسن کے معاملۂ امامت حوالہ کرنے تک، حق پر نہیں تھے، بلکہ باغی جیسا کردار ادا کر رہے تھے۔ اس لیے کہ امام وقت کی اطاعت چھوڑ بیٹھے تھے، امام حسن نے جب امامت سپرد کی تو اس وقت وہ بادشاہ ہوئے[1]۔ حاصل یہ کہ حضرت علیؓ سے قتال کرنے والے تمام گروہ غلطی پر تھے، لیکن اہل جمل و صفین کو فاسق کہنا درست نہیں، ان پر لعن طعن اور سب و شتم کرنا جائز نہیں، ایک خاص معاملے میں جو غلطی ان سے ہوئی ہے اس کے بیان سے تجاوز نہیں کیا جائے گا۔

بہر حال ہماری گفت گو کا اصل موضوع اہل جمل و صفین نہیں، بلکہ حضرت علی اور ان کی خلافت احادیث نبویہ کی روشنی میں ہے۔ احادیث سے یہ بات ثابت کی جا چکی ہے

---

[1] شاہ عبدالعزیز، مرجع سابق، ۳۶۰۔ باغی کے ساتھ "جیسا" کا لفظ مترجم نے زائد کر دیا ہے اصل فارسی میں شاہ صاحب کی تعبیر یوں ہے: "اہل سنت قاطبۃً اجماع دارند بر آن کہ معاویہ بن ابی سفیان از ابتدای امامت حضرت امیر بغایت تفویض حضرت امام حسن باو از بغاۃ بود کہ اطاعت امام وقت نداشت، و بعد از تفویض حضرت امام بدو از ملوک شد۔" یعنی تمام اہل السنت کا اجماع ہے کہ حضرت حسن کی تفویض تک معاویہ بن ابی سفیان باغیوں میں سے تھے۔

کہ رسول اللہ ﷺ نہ صرف حضرت علی کے داخلی قتالوں کی تصویب فرمارہے ہیں بلکہ ان کی بعض جگہ تحسین بھی فرمارہے ہیں؛ اس لیے داخلی جنگوں کو حضرت علی کی خلافت کا عیب اور نقص شمار کرنا درست نہیں ہے۔

## متخلفین کا نقطۂ نظر

اب تھوڑی سی بات ان حضرات صحابہ کے بارے میں بھی مناسب معلوم ہوتی ہے، جو کسی طرف سے بھی جنگ میں شریک نہیں ہوئے۔ جو لوگ کسی طرف سے بھی جنگ میں شریک نہیں ہوئے، ان کا معاملہ ظاہر ہے کہ ان حضرات کے مقابلے میں بہت اہون ہے جو آپ کے مقابلے میں برسرِ پیکار تھے؛ کیوں کہ ان کی اگر کوئی کوتاہی فرض کی جاسکتی ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ امامِ عادل کی نصرت سے وہ محروم رہے۔ جب ہم یہ ثابت کرچکے ہیں کہ مقاتلین کو برا بھلا کہنا درست نہیں، تو یہ حضرات تو بالکل ہی قابلِ ملامت نہیں ٹھہرتے؛ کیوں کہ کفار کے خلاف بھی جہاد فرضِ عین تب ہوتا ہے، جب کہ یا تو امام نفیرِ عام کردے یا کسی کو متعین طور پر جانے کا حکم دے دے۔ اہل بغی کے قتال میں بطریقِ اولی یہ بات ہوگی۔ یہ کہیں ثابت نہیں ہے کہ حضرت علی نے کسی کو بطور حکمِ امیر المؤمنین متعین طور پر قتال میں شریک ہونے کا پابند کیا ہو یا عمومی حکم جاری کیا ہو کہ سب کا نکلنا ضروری ہے۔ آپ نے افراد سے جو بات کی وہ بھی عموماً ترغیب ہی کے انداز میں تھی، اور عمومی خطابات بھی اسی نوعیت کے ہوتے تھے۔

اس لیے ان میں سے اکثر پر اعتراض سرے سے بنتا ہی نہیں ہے۔ نہ معلوم کس کس کے کیا اعذار ہوں گے! البتہ بعض حضرات کا پیچھے رہنا بطور رائے تھا۔ بعض کی رائے ہوسکتا ہے کہ پالیسی کی نوعیت کی ہو۔ یعنی جب بغاوت کی شرائط متحقق ہوجائیں تو امامِ عادل کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ سمجھانے بجھانے اور ازالۂ شبہات کی کوشش کے بعد قتال کا فیصلہ کرے، لیکن وہ حتمی طور پر قتال کا پابند نہیں ہوجاتا، بلکہ اس نے حالات و واقعات دیکھ کر فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ قتال کرنا بہتر پالیسی ہوگی یا نہ کرنا۔ ہوسکتا ہے کچھ حضرات کا یہ خیال ہو کہ اگرچہ مخالف فریق کا طرزِ عمل درست نہیں ہے، اس کے باوجود ان سے قتال کے بجائے

کوئی اور پالیسی اختیار کرنا بہت زیادہ بہتر ہوگا۔ اس رائے کا براہ راست حکمِ شریعت سے تعلق نہیں ہے، اس لیے یہاں اس پر بات کرنے کی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ ہم نے شروع میں عرض کیا ہے کہ حضرت علی کی پالیسیوں کے سیاسی مضمرات وغیرہ یہ الگ موضوع بحث ہے؛ تاہم قتال سے پیچھے رہنے والے حضرات میں ایک جماعت ایسی بھی تھی جو باقاعدہ اپنی ایک خاص رائے کے تحت قتال سے پیچھے رہی اور حضرت علی کی ترغیب کے باوجود انہوں نے اپنی اس رائے کی بنیاد پر معذرت کرلی۔ ان حضرات کی رائے میں چوں کہ نصوص کا حوالہ اور شرعی پہلو بھی آتا ہے؛ اس لیے ان کے موقف کو ذرا سمجھنے کی ضرورت ہے۔

اس لیے بھی کہ آج کل بعض لوگ ان کی رائے کی بطور خاص بڑی تمجید کرتے ہیں کہ دیکھیں جی، یہ سارا ماحول دنگے فساد کا تھا، اس لیے بڑے بڑے صحابہ نے خود کو اس لیے الگ رکھا، سب سے بہتر دانش مندانہ انداز انہی کا تھا، حضرت علی جو قتال کرتے پھر رہے تھے، وہ بس ویسے ہی لگے ہوئے تھے (بلکہ سبائیوں کے بہکاوے میں آئے ہوئے تھے یا ان کے ہاتھوں مجبور تھے)۔ گویا براہ راست حضرت علی کے اقدامات کی تنقیص تو مشکل ہے، یہ کام بالواسطہ طریقے سے کرو۔

جہاں تک حضرت علی کی خلافت کے انعقاد کا تعلق ہے تو اس کا انکار تو خود مقاتلین سے ثابت نہیں، تو توقف کرنے والوں کے بارے میں یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ وہ حضرت علی کی خلافت کے منکر تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ نہ معلوم کتنے حضرات تو ذاتی اعذار کی وجہ سے قتال کا حصہ نہیں بنے ہوں گے[1]، یا بالتعیین تشکیل نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے ضروری نہیں سمجھا ہوگا؛ تاہم متوقفین صحابہ کی ایک جماعت کا ایک خاص نقطۂ نظر تھا۔

---

[1] بعض فقہاے حنفیہ نے سب متخلفین کے تخلف کو عدمِ قدرت پر محمول کیا ہے، چناں چہ سرخسی لکھتے ہیں: والذی روی ان ابن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ لزم بیتہ، تاویلہ انہ لم یکن لہ طاقۃ علی القتال، وھو فرض علی من یطیقہ، بہت سے صحابہ کے بارے میں یہ وجہ بھی درست ہے، لیکن سب پر اس کا اطلاق بظاہر درست معلوم نہیں ہوتا۔ صحیح تعبیر عذر کی ہے، یعنی وہ عذر کی وجہ سے پیچھے رہے۔ من جملہ دیگر اعذار کے ایک عذر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ انہیں قتال کی رائے سے اتفاق نہیں ہے، اس لیے کہ دوسری طرف بھی مسلمان ہیں۔

وہ یہ کہ کسی بھی مسلمان گروہ کے لیے کسی بھی حالت میں کسی دوسرے مسلمان گروہ کے خلاف قتال کرنا جائز نہیں ہے اور اگر دو مسلمان گروہوں کے درمیان قتال ہو رہا ہو تو کسی بھی حالت میں ان میں سے کسی کی حمایت یا مخالفت میں قتال میں حصہ لینا جائز نہیں ہے۔ ان حضرات کا مستدل ان احادیث کا عموم تھا جن میں دورِ فتن میں قتال سے الگ تھلگ رہنے کا حکم دیا گیا ہے یا مسلمانوں کی باہمی جنگ کی مذمت بیان کی گئی ہے[1]۔ مثلاً: حضرت ابوبکرؓ قتال سے اس لیے الگ رہے، بلکہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق احنف بن قیس کو بھی قتال میں

---

[1] ان حضرات کی یہ بات کہ وہ حضرت علیؓ کی خلافت کا انکار نہیں کر رہے، اپنی اس خاص رائے کی وجہ سے قتال میں شرکت سے معذرت کر رہے ہیں، خود ان اہلِ توقف کی روایات سے واضح ہے۔ اس کے علاوہ ابن العربی بھی لکھتے ہیں: قالت العثمانية: تخلف عنه من الصحابة جماعة. منهم سعد بن ابي وقاص ومحمد بن مسلمة. وابن عمر. واسامة بن زيد وسواهم من نظرائهم. قلنا: اما بيعته فلم يتخلف عنها. واما نصرته فتخلف عنها قوم منهم من ذكرتم. (ابوبکر ابن العربی، العواصم من القواصم (بیروت: دار الجیل، ۱۹۸۷ء)، ۱۵۰۔) اسی طرح قاضی ابوبکر باقلانی بڑی تفصیل سے بتاتے ہیں کہ ان اہلِ تخلف نے کیا دلیل پیش کی، ساتھ ہی اس طرف متوجہ کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ آپ امام نہیں ہیں، چناں چہ فرماتے ہیں: قيل لهم ليس في جميع القاعدين ممن اسميناه او اضربنا عن ذكره مَن طعَنَ في إمامته واعتقدَ فسادَها. وإنما قعدوا عن نصرته على حرب المسلمين لتخوفهم من ذلك وتجنب الإثم فيه. وظنّهم موافقة العصيان في طاعته في هذا الفعل، فلذلك احتجوا عليه في القعود ورووا له فيه الاخبار. وقال منهم قائل: لا اقاتل حتى تأتيني بسيف له لسانٌ يعرف المؤمن من الكافر. ويقول هذا مؤمن وهذا كافر فاقتله. ولم يقل إنك لست بإمام واجب الطاعة وقال له محمد بن مسلمة بعد مراجعته ومعارضته: إن رسول الله ﷺ عهد إلي إذا وقعت فتنة بين المسلمين ان اكسر سيفي واتخذ مكانه سيفا من خشب وفي خبر آخر ان اغمد سيفي وامتسك في بيتي حتى تأتيني ميتة ماضية او يد خاطئة. فاحذر يا علي لا تكن انت تلك اليد الخاطئة. ولم يقل له: لستَ بإمام مفروض الطاعة وكذلك قال له اسامة بن زيد: قد علمتَ يا علي انك لو دخلتَ بطن اسد لدخلتُ معك فيه ولكن لا مواساة في النار. ولم يقل إنك لست بإمام وإنما خاف من قتل المسلمين. وليس هذا من القدح في الإمامة بسبيل. (ابوبکر الباقلانی، تمہید الاوائل فی تلخیص الدلائل، ۵۵۴)

شریک ہونے سے اس لیے روکا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب دو مسلمان تلواریں لے کر ایک دوسرے کے مدمقابل ہوں تو قتل کرنے والا اور قتل ہونے والا دونوں دوزخی ہیں۔

اس طرح کی بھی متعدد روایات ہیں کہ خود حضرت علیؓ کے سامنے بعض صحابہ نے لڑائی میں عدم شرکت کا یہ عذر پیش کیا کہ مدمقابل فریق بھی مسلمان ہے، اور فتنہ میں ترک قتال اور الگ تھلگ رہنے کی کوئی حدیث پیش کی، کسی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے حالات میں لکڑی کی تلوار بنانے کا حکم دیا تھا، چناں چہ میں نے لکڑی کی تلوار بنالی ہے۔ کسی نے لڑائی سے شرکت کرنے سے یہ کہہ کر معذرت کرلی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ قتال تب تک کرنا ہے، جب تک لوگ کلمہ نہ پڑھ لیں، جب کلمہ پڑھ لیں تو قتال نہیں کیا جائے گا۔ یعنی یہاں مدمقابل چوں کہ کلمہ گو ہیں اس لیے قتال نہیں کریں گے۔ اس طرح کے مکالمات سے اتنی بات تو واضح ہے کہ حضرت علی یہ سمجھتے تھے کہ یہ ان نصوص کو جس موقع پر فٹ کررہے ہیں، اس موقع کے بارے میں یہ نصوص نہیں ہیں۔ وگرنہ تو نص سن کر خود حضرت علی بھی ان کی بات کے قائل ہوجاتے۔

اصل بات یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ ایسی نصوص موجود ہیں جن میں مسلمانوں کے باہمی قتال میں شرکت سے منع کیا گیا ہے، لیکن جس طرح سے ان حضرات نے ان نصوص کو عام سمجھا ہے، بعد میں اس تشریح کا کوئی بھی قائل نہیں رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان استدلالات کو مان لینے سے بعض ایسے محذورات لازم آتے ہیں کہ دنیا میں کوئی بھی شاید ان کا قائل نہیں ہوگا۔ مثلاً حضرت ابوبکرہؓ نے جس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے احنف بن قیس کو قتال میں حصہ لینے سے منع کیا ہے، اسے اگر مان لیا جائے تو مطلب یہ بنے گا کہ اس جنگ میں دونوں طرف سے شریک ہونے والے خواہ وہ مقتول ہوں یا قاتل دوزخی ہیں، جب کہ دنیا میں کوئی بھی مسلمان اب ایسا نہیں ہوگا کہ جو اس بات کا قائل ہو کہ جمل وصفین کے سارے شرکا اور تمام مقتولین نعوذ باللہ دوزخی تھے۔ خود حضرت علی نے فریقین کے مرنے والوں کو جنتی قرار دیا۔ یہی حال باقی نصوص کا ہے، ان کے اپنے محامل ہیں، جس کی تفصیل کی طرف جانے سے بات دوسری طرف نکل جائے گی؛ چناں چہ اس بات پر کم از کم اہل السنت کا اتفاق موجود ہے اور کوئی اختلاف کہیں نظر نہیں آتا کہ اگر امام عادل موجود ہو اور کچھ لوگ

اس کی طاعت سے نکل جائیں اور باغی کی شرائط متحقق ہو جائیں تو امام کو ان کے مسلمان ہونے کے باوجود ان کے خلاف قتال کا فیصلہ کرنے کا اختیار ہے اور اگر امام ایسا فیصلہ کرے تو اصل حکمِ شرعی یہی ہے کہ اس کے کہنے سے باغی گروہ کے خلاف قتال کیا جائے گا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جن نصوص کو ان بعض صحابہ نے قتال سے عذر کے طور پر پیش کیا، ان کے بارے میں اتنی بات پر تو اتفاق ہو گیا ہے کہ یہ خاص صورت اس میں داخل نہیں ہے، اور اس حد تک ان احادیث میں تخصیص اتفاقی ہو چکی ہے۔ ویسے بھی ان حدیثوں کو اگر اپنے عموم پر لیں تو یہ نص قرآنی کے خلاف ہو جاتی ہیں؛ اس لیے کہ قرآن جن کے بارے میں کہہ رہا ہے فقاتلوا التی تبغی یہ مؤمنین ہی کا ایک طائفہ ہے، لہذا ''بغی'' کے پائے جانے کی صورت میں کسی مسلمان گروہ سے قتال کرنا خود نص قرآنی سے ثابت ہے؛ اس لیے صحیح یہی ہے کہ چوں کہ اس خاص وقت میں حالات میں الجھاؤ بہت زیادہ تھا، اس طرح کی صورتِ حال سے پہلی دفعہ واسطہ پڑ رہا تھا، اس میں کوئی بھی شک نہیں کہ مسلمانوں کے خلاف قتال ایک تکلیف دہ امر ضرور ہے، جس کا سب سے زیادہ اظہار خود حضرت علی کے قتالِ بغاۃ میں نپے تلے انداز سے ہوتا ہے؛ اس لیے فوری طور پر یا غلبۂ حال میں تمام نصوص کی طرف توجہ نہ جانے کی وجہ سے ان چند حضرات سے ان نصوص کے فہم میں غلطی ہوئی اور ان نصوص کو عموم پر محمول نہ کرنے پر بعد کے ادوار میں اتفاق ہو گیا ہے، بلکہ خود قرن اول میں بھی، بقول حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، جمہور کی رائے یہی تھی کہ یہ حدیثیں اپنے عموم پر محمول نہیں[1]۔ چوں کہ انہوں نے اگرچہ غلطی کی، لیکن نیک نیتی سے رائے قائم کرنے کی کوشش کی، اس لیے وہ قابلِ طعن وملامت بھی نہیں، اور حالات کی گرد بیٹھنے کے بعد ان کی رائے کو اختیار کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں بنتی۔ اگر یہ بات درست ہے، اور یقیناً درست ہے

---

[1] چناں چہ حافظ فرماتے ہیں: واحتج به من لم ير القتال فی الفتنة وهم كل من ترك القتال مع علی فی حروبه كسعد بن ابی وقاص وعبد الله بن عمر ومحمد بن مسلمة وابی بكرة وغيرهم وقالوا يجب الكف حتی لو اراد احد قتله لم يدفعه عن نفسه ومنهم من قال لا يدخل فی الفتنة فإن اراد احد قتله دفع عن نفسه وذهب جمهور الصحابة والتابعين إلى وجوب نصر الحق وقتال الباغين وحمل هؤلاء الاحاديث الواردة فی ذلك على من ضعف عن القتال او قصر نظره عن معرفة صاحب الحق۔ (ابن حجر، فتح الباری، ۱۳: ۳۴)

کہ یہ حدیثیں اپنے عموم پر محمول نہیں اور مسلمانوں کا کوئی نہ کوئی باہمی قتال ایسا ضرور ہے جو مستثنیٰ اور جائز ہے، تو اس کا سب سے زیادہ حق دار خلیفۂ راشد کا قتال ہوگا۔

اگر حضرت علیؓ کا قتال اس میں داخل نہیں تو بعد میں کسی اور کا باغیوں کے خلاف قتال کرنا بھی اس میں داخل نہیں ہونا چاہیے اور ان تمام قتالوں پر وہی مذکورہ استدلال لاگو کر کے ان سے پیچھے رہنے والوں کی تمجید کرنی چاہیے، بلکہ فقہ کی کتابوں سے احکام البغاۃ کا باب ہی نکال دینا چاہیے۔ حیرت کی بات ہے کہ سید احمد شہیدؒ سکھوں کے علاوہ مسلمانوں سے بھی قتال کریں، ملا عمر اپنے مخالف مسلمانوں کے خلاف قتال کریں تو اس سے اختلاف کرنے والوں کی تمجید تو نہ کی جائے اور حضرت علی کے قتال کے بارے میں اسی مرجوح استدلال کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا جائے جو ہر اس جائز اور نیک سے نیک حکم ران کے خلاف پیش ہو سکتا ہے جو اپنی حکومت کی رٹ منوانے کے لیے کسی بھی درجے میں طاقت کا استعمال کرے۔ جیسا کہ ہم نے اس بحث کے شروع میں عرض کیا، کسی موقف کی درستی کو جانچنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اب اگر اسی طرح کی صورتِ حال ہوتی ہے تو اس موقف سے استدلال کتنا وزنی ہوگا۔ فرض کر لیں آپ کو یا آپ کی کسی محبوب ترین ہستی کو جو علم، تقویٰ دیانت وغیرہ ہر اعتبار سے بہت اونچے مرتبے پر فائز ہیں، انہیں امیر المؤمنین بنا دیا جاتا ہے، بالکل جائز طریقے سے، اس وقت کے مروجہ دستور کے بالکل مطابق۔

اب کچھ لوگ ان امیر المؤمنین کے خلاف باقاعدہ لشکر تشکیل دے کر ان کی رٹ کو چیلنج کر دیتے ہیں اور آپ کے وہ امیر المؤمنین آخر کار اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ نپا تلا ہی سہی، طاقت کا استعمال کرنا پڑے گا۔ ایسے میں کچھ دانش مند اسی طرح کے استدلالات لے کر آپ کے امیر المؤمنین کی پولیس اور فوج کے افسران کے پاس پہنچ جاتے ہیں، جی دیکھیں آپس کی لڑائی بھڑائی اچھی بات نہیں ہوتی، صلح صفائی سے مسئلے حل ہونے چاہییں، بس جاؤ سب اپنے اپنے گھروں میں بیٹھو، اپنی بندوقوں کو کند کر دو، اپنے ذہن سے لڑائی کا خیال نکال دو۔ ایسے دانش مندوں کے بارے میں صرف یہ کہنے کے بجائے کہ مخلص اور نیک نیت ہونے کی باوجود چوں کہ بات کی تہہ تک نہیں پہنچ پائے اس لیے معذور ہیں، اس کے بجائے ان حالات میں ان ''دانش مندوں'' کے موقف کی تمجید کی جائے اور کہا جائے

کہ کرنے کی بات تو انہوں نے ہی کی ہے، یہ ہیں صحیح صلح پسند لوگ، تو سوال یہ ہے کہ آج اگر اس طرح کی صورت حال ہو، اور آپ کے کسی محبوب امیر المؤمنین کے برعکس اس موقف کو اس طرح تجرید کے ساتھ پیش کیا جائے تو آپ کے خیال میں کتنا درست ہوگا، اور دنیا کا کون سا فقیہ اس انداز فکر کو درست قرار دے گا؟ (اور اب حالیہ دنوں میں تو "پیغام پاکستان" وغیرہ کے نام سے تمام مکاتب فکر کے نمائندہ اور جلیل القدر علما کی طرف سے جدید مسلم ریاست کے خلاف ہتھیار اٹھانے والوں کے خلاف بھی فوجی اقدام کی حمایت کی گئی ہے۔ متوقفین کا بیانیہ مان لیا جائے تو یہ بیانیہ بھی غلط ٹھہرے گا)

اس طرح کے موقف کو درست مان لینے اور ان نصوص کو عموم پر محمول کرنے کا عملی نتیجہ کیا ہوگا؟ اسی کو حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، ابن جریر طبریؒ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قال الطبری لو کان الواجب فی کل اختلاف یقع بین المسلمین الهرب منه بلزوم المنازل و کسر السیوف لما اقیم حد ولا ابطل باطل ولوجد اهل الفسوق سبیلا إلی ارتکاب المحرمات من اخذ الاموال وسفك الدماء وسبی الحریم بان یحاربوهم ویکف المسلمون ایدیهم عنهم بان یقولوا هذه فتنة وقد نهینا عن القتال فیها وهذا مخالف للامر بالاخذ علی ایدی السفهاء۔ (ابن حجر، فتح الباری، ۱۳: ۳۴)

طبری کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے درمیان واقع ہونے والے ہر اختلاف میں اگر اس بات کو واجب قرار دے دیا جائے کہ گھروں میں بیٹھ کر اور تلواریں توڑ کر اس اختلاف سے راہ فرار اختیار کی جائے (جیسا کہ بعض نے سمجھا) تو کوئی حد قائم نہ ہو سکے، کسی باطل کو ختم نہ کیا جا سکے اور اہل فسق مال لوٹنے، خون بہانے اور عزتیں لوٹنے جیسے محرمات کا کھلا راستہ پالیں، اس طرح سے کہ وہ تو مسلمانوں سے برسر پیکار ہوں گے اور مسلمان اپنے ہاتھ روک لیں گے کہ [چوں کہ دوسرا فریق بھی مسلمان ہے اس لیے] یہ "فتنہ" ہے اور ہمیں فتنے میں قتال سے منع کیا گیا ہے۔

پھر خوارج کے خلاف قتال کے بارے میں تو حضرت علی کے یہ مہربان مجتہدین بھی مانتے ہیں کہ وہ بہت اعلیٰ کارنامہ ہے، حالاں کہ متوقفین صحابہ کا مذکورہ بالا استدلال تو

اس کے بھی خلاف جاتا ہے، اس لیے کہ کہیں ثابت نہیں ہے کہ حضرت علی نے خوارج کو کافر قرار دیا ہو، بلکہ اس کے برعکس عدم تکفیر کے اقوال ملتے ہیں[1]۔

اس لیے جس طرح حضرت علی کے مقابلے میں قتال کرنے والوں کو معذور سمجھ کر ان پر طعن سے گریز کیا جاتا ہے، ان کے موقف کی حضرت علی کے مقابلے میں تمجید نہیں کی جاتی، یہی معاملہ اہل توقف کا بھی ہے۔ توقف کی اس رائے کی تمجید کرنے والے تاثر تو یہ دے رہے ہوتے ہیں کہ وہ عظمتِ صحابہ کا فرض انجام دے رہے ہیں، لیکن حقیقت میں صحابہ کے دو بڑے فریقوں کو بیک وقت مطعون کر رہے ہوتے ہیں کہ وہ اتنی بڑی دانش مندی سے محروم ہی رہے۔ یہ دیکھیں کتنی خوب صورت صلح صفائی کی باتیں کر رہے تھے، لیکن ان دونوں فریقوں کو نعوذ باللہ سمجھ نہیں آ گیں۔ جس طرح سے یہ صحابہ غلبۂ احتیاط کی وجہ سے مسلمانوں کے خلاف قتال سے ہچکچاہٹ کا شکار تھے، اس سے اللہ تعالی کی یہ تکوینی حکمت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے کہ اگر اللہ تعالی نے حضرت علی جیسی جلیل القدر شخصیت اور خلیفۂ راشد سے قتال بغاۃ کا نمونہ قائم نہ کروا دیا ہوتا، تو بہت سے نیک طبیعت لوگوں کے لیے اس مسئلے کو مسئلہ شرعیہ سمجھنا ہی مشکل ہو جاتا، کوئی بھی حکومت کسی بھی حالت میں اندرونی طور پر طاقت کا استعمال نہ کر پاتی یا کم از کم اس کا شمار بھی خاصے اختلافی مسائل میں ہوتا۔

پھر متخلفین کی یہ آرا کب تک باقی رہیں؟ یہ الگ سوال ہے؛ اس لیے کہ تین واقعے بعد میں ایسے پیش آئے جو بہت سوں کی رائے میں تبدیلی پیدا ہونے کا ذریعہ بن سکتے ہیں: ایک تو حضرت عمار کی شہادت، جس پر تفصیل سے بات ہو چکی؛ چناں چہ حضرت خزیمۃ بن ثابت پہلے قتال کے معاملے میں متردد تھے، حضرت عمار کی شہادت کے بعد انہوں نے قتال میں حصہ بھی لیا اور شہید بھی ہوئے۔ دوسرا بڑا واقعہ قتال خوارج کا خاص

---

[1] اس کے علاوہ حضرت علی کے قتال کے فیصلوں میں کیڑے نکالنے والے یہی لوگ خاندان بنو امیہ کے متعدد حکم رانوں کے کارناموں میں یہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے فلاں فلاں موقع پر خوارج سے لڑائی کی اور بغاوت کو بزور طاقت فرو کیا، یہاں آ کر یہ استدلالات ان کو کیوں بھول جاتے ہیں؟ کیا اس دور تک وہ تلواریں ایجاد ہو چکیں تھیں جو مسلم و غیر مسلم کے درمیان تفریق کرنے کی صلاحیت رکھتی تھی یا اب یہ صحابہ کے اقوال نہیں رہے تھے کسی اور کے بن گئے تھے؟

معرکہ ہے جس میں ذوالثدیہ مارا گیا تھا۔ ان سے قتال کرنے والی جماعت کے لیے رسول اللہ ﷺ کے بہت اچھے الفاظ منقول ہیں۔ یہ بتایا جا چکا ہے کہ خود ام المؤمنین نے اس کو حضرت علی کے برحق ہونے کی دلیل سمجھا۔ تیسرے بعد میں پیش آنے والے یزید کے اور خاندانِ مروان کے کرتوت؛ چناں چہ متخلفین میں ایک بڑا نام، بلکہ جنھیں رئیس المتخلفین کہا جاسکتا ہے، وہ ابن عمرؓ ہیں؛ ان کے بارے میں بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ انہیں بھی بعد میں افسوس ہی رہا کہ میں نے الفئۃ الباغیۃ کے خلاف قتال کیوں نہ کیا۔

جن لوگوں نے حضرت علی کے حق میں جانے والی ہر روایت میں تاویل کرنے کا تہیہ کیا ہوا ہے، ان کی اس تاویل پر بھی بات ہو چکی ہے کہ حضرت ابن عمر کو اس بات پر افسوس تھا کہ حجاج بن یوسف کے ساتھ مل کر حضرت عبد اللہ بن زبیر کے خلاف ''جہاد'' کیوں نہ کرسکا، لیکن تھوڑی دیر کے لیے اس تاویل کو مان لیتے ہیں، تو کم از کم یہ بات تو ثابت ہو جاتی ہے کہ حضرت ابن عمرؓ صلح کل والے بیانیے اور نظریے پر قائم نہیں رہے تھے، بلکہ حجاج بن یوسف جیسے ''عادل'' کے ساتھ مل کر قتال کرنے کے قائل ہو گئے تھے؛ تو تخلف والے نظریے کی اساس تو بہر حال ختم ہوگئی۔ حقیقت یہ ہے کہ جوں جوں وقت گزرتا گیا، گرد بیٹھتی گئی، رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئیاں سامنے آتی گئیں، دلائل پر غور بڑھتا گیا تو حضرت کے خلاف قتال کرنے یا ان کی حمایت سے تخلف کو مطلوب شرعی سمجھنے کی رائے تقریباً ختم ہوتی گئی، تا آنکہ حضرت علی کی اصابت پر اہل السنت کا تقریباً اتفاق ہو گیا۔ متعدد مسائل میں ہوا کہ ابتدا میں تو دلائل میں ابہام کی وجہ سے صحابہ میں کچھ اختلاف ہو گیا، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک رائے پر اتفاق ہوتا چلا گیا اور دوسری رائے تقریباً متروک ہوگئی، جیسے ربا الفضل کے جواز کی رائے یا متعۃ النساء کے محدود جواز کی رائے؛ چناں چہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

إلّا انّ اهل العصر الثانی من بعدهم اتّفقوا علی انعقاد بیعة علیّ ولزومها للمسلمین اجمعین، وتصویبِ رایه فیما ذهب إلیه. وتعیین الخطإ من جهة معاویة ومن کان علی رایه. وخصوصا طلحة والزّبیر لانتقاضهما علی علیّ بعد البیعة له فیما نقل مع دفع التّاثیم عن کلّ من الفریقین کالشّان فی المجتهدین وصار ذلك إجماعا من اهل العصر الثّانی علی احد

قولی اهل العصر الاوّل کما هو معروف. ولقد سئل علیّ رضی الله عنه عن قتلی الجمل وصفّین فقال: والّذی نفسی بیده لا یموتن احد من هؤلاء وقلبه نقیّ إلّا دخل الجنّة یشیر إلی الفریقین نقله الطّبریّ وغیره فلا یقعن عندك ریب فی عدالة احد منهم الخ[1]

مگر یہ کہ دوسرے دور اور اس کے بعد کے دور والے اس بات متفق ہو گئے کہ حضرت علی کی بیعت منعقد تھی اور وہ تمام مسلمانوں پر لازم تھی [یعنی کسی کا یہ کہنا درست نہیں کہ چوں کہ فلاں نے حضرت علی کی بالفعل بیعت نہیں کی؛ اس لیے اس پر یہ منعقدہ بیعت لازم نہیں اور اس پر حضرت علی کی اطاعت لازم نہیں] اور یہ کہ جو رائے اختیار کی اس میں حضرت علی صواب تھے اور حضرت معاویہ اور ان جیسی رائے رکھنے والوں کی خطا متعین ہے، خصوصاً حضرت طلحہ و زبیر، کیوں کہ روایت کے مطابق وہ بیعت کرنے کے بعد حضرت کے خلاف معرکہ آرا ہو گئے تھے؛ تاہم کسی فریق کو گناہ گار نہیں کہا جائے گا، جیسا کہ مجتہدین میں ہوتا ہے۔ یہ پہلے دور کے دو قولوں میں سے ایک پر دوسرے دور کا اجماع ہے۔ جیسا کہ معروف ہے (یعنی ایسا ہوتا رہتا ہے)

حضرت علی سے جمل اور صفین کے مقتولین کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے ان میں جو شخص بھی صاف دل ہونے کی حالت میں فوت ہوا وہ جنت میں ضرور جائے گا۔ حضرت علی فریقین کے مقتولین کی بات کر رہے تھے (صرف ایک فریق کی نہیں) اس لیے ان میں سے کسی کی عدالت میں شبہ نہیں ہونا چاہیے۔

ایک مرتبہ پھر یاد دہانی کرانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہماری اس گفت گو کا اصل موضوع وہی ہے جو بالکل شروع میں ہی عرض کر دیا ہے۔ ہمارا اصل موضوع خود حضرت علی کی خلافت اور احادیث نبویہ ہے۔ حضرت علیؓ سے قتال کرنے والے یا ان کا ساتھ نہ دینے

---

[1] عبدالرحمن بن محمد بن خلدون، دیوان المبتدا والخبر فی تاریخ العرب والبربر ومن عاصرہم من ذوی الشان الاکبر، ت، خلیل شحادہ، والامر الثالث شان الحروب الواقعة فی ال إسلام بین الصحابة والتابعین (بیروت: دار الفکر، ۱۹۸۸ء، ۱: ۲۶۸)

والے حضرات براہ راست موضوع نہیں ہیں؛ تاہم جن کے پیش نظر حضرت علی کی ذات یا ان خلافت کی پوزیشن کو کم زور کر کے پیش کرنا ہوتا ہے، ان میں ایسی جرات بہت کم ہوتی ہے کہ وہ براہ راست حضرت علی کو موضوع بحث بنا سکیں؛ اس لیے وہ عموماً بالواسطہ بات کرتے ہیں، جس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جو ان جنگوں سے الگ تھلگ رہے، ان کے موقف کو اس طرح سے تعظیم کے ساتھ پیش کیا جائے کہ دیکھنے میں لگے کہ اصل دانش مندانہ راستہ تو یہی تھا۔ حضرت علی جو تلوار اٹھائے رہے، وہ اپنی ذات میں تو کوئی دانش مندانہ طرز عمل نہیں تھا، بس حضرت علی کی جلالتِ شان کی وجہ سے اس کے بارے میں لب کشائی نہیں کر سکتے۔

جب کہ اہل السنت کا عمومی رخ یہ ہے کہ حضرت علی سے قتال کرنے والے صحابہ ہوں یا مذکورہ رائے کے ساتھ ان سے تخلف کرنے والے؛ سب کا احترام واجب ہے، انہیں سب وشتم کرنا ناجائز ہے، ان کے دیگر مناقب وکمالات یا کارنامے جو بھی ثابت ہوں انہیں بیان کیا جائے گا، اللہ کے نبی سے نسبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھی جائے گی؛ لیکن ان خاص معاملات میں ان کی رائے کی تمجید کرنے کے بجائے ان کے لیے عذر تلاش کیا جائے گا؛ اس لیے کہ حق حضرت علی ہی کے ساتھ تھا، ان کی رائے صواب تھی، فقہائے امت نے اس خاص باب میں ان کے طرز عمل کو اہم نمونہ تسلیم کیا ہے۔

نہ چاہنے کے باوجود بھی بات کسی قدر لمبی ہوگئی، پھر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بحث کا اختتام شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی کتاب تحفہ اثنا عشریہ کے ایک اقتباس پر کیا جائے۔ اقتباس کا پس منظر یہ ہے کہ شاہ صاحب شیعہ کے مختلف طبقات یا فرقے بیان فرما رہے ہیں۔ شیعہ اصل میں کسی کی پارٹی اور اس کے حمایتی کو کہتے ہیں۔ مثلاً شیعانِ اہل شام تھے اور کچھ شیعان علی تھے۔ یہاں شیعانِ علی یعنی حضرت علی کے حمایتیوں یا ان کی حمایت کے نام لیواؤں کی بات ہو رہی ہے۔ شیعان علی میں سب سے پہلا طبقہ وہ ہے جسے شاہ صاحب مخلص شیعہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ درحقیقت اہل السنت کے امام اور مقتدا ہیں۔ شاہ صاحب ان کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ حضرت علی کے حامی ہونے کے باوجود دیگر کبار صحابہ وامہات المؤمنین کے حق کو پہچانتے تھے، جن صحابہ سے جنگ وجدل کرتے تھے ان کے بارے میں سینے کو کینے سے محفوظ رکھتے تھے۔ جس طرح

حضرت علی کی حمایت میں ان کے ہم قدم تھے، اسی طرح اس معاملے میں (دیگر صحابہ کا حق پہچاننے میں) بھی وہ حضرت علی کے ہم قدم تھے۔ اس کے بعد شاہ صاحب نے تفضیلی، غالی اور تبرائی شیعوں کا ذکر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ تبرائیوں کی طرف سے شیعانِ مخلصین کو بھی برا بھلا کہا جاتا ہے، اس کی مزید تفصیل کرتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں:

ان شیعان اولی: (یعنی شیعانِ مخلصین) کی حالت واقعی قابل رحم ہے کہ شیعوں کے تمام گمراہ فرقوں اور خارجیوں دونوں کی لعنت وملامت کا نشانہ بنے اور سب کے ساتھ مخالفت اختیار کی۔ گویا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وراثت میں مسکنت اور غربتِ عظمیٰ انہی کے نصیب میں آئی اور جنگ وجدال اور مجاہداتِ شاقہ کے لئے ان کے صحیح وارث یہی قرار پائے۔ در حقیقت یہ حدیث ان ہی کے حال پر ٹھیک منطبق ہوئی اور ان کے انجام کا پتا دیتی ہے۔

إن الدين بدا غريبا وسيعود غريبا فطوبىٰ للغرباء. والحمد للہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کتاب میں آگے چل کر یہ بات کھلے گی کہ شیعانِ اولیٰ میں مہاجرین وانصار کی اس جماعت کا شمار ہے جن میں سے اکثر سعادت مآب جناب مرتضیٰؓ کی ہم رکابی میں باغیوں اور قرآن میں تاویل کرنے والوں کے مقابلہ میں جنگ لڑ چکے تھے! ایسے ہی جناب رسول اللہ ﷺ اور خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم کی رفاقت میں منکرین قرآن سے لڑائیوں میں شریک رہے تھے اور ان میں سے بعض ایسے تھے جو انتہائی پرہیزگاری اور احتیاط سے کام لیتے ہوئے اور اہل کلمہ اور اہل قبلہ کے قتال سے گریز کرتے ہوئے چند عذر پیش کر کے گوشہ نشینی اختیار کر چکے تھے اور جن کے سب عذر حضرت علیؓ نے قبول فرمائے تھے اور باوجود اس گوشہ نشینی کے انہوں نے آپؓ کے مناقب وفضائل کو پھیلانے اور آپؓ کی محبت پر لوگوں کو ابھارنے اور آپؓ کی عزت وتعظیم کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ چناں چہ انہوں نے اپنے عمل سے اس آیت کی ترجمانی فرمائی:

ليس على الضعفاء ولا على المرضى ولا على الذين لا يجدون ما ينفقون حرج إذا نصحوا لله ورسوله ما على المحسنين من سبيل

(ترجمہ: ''نہیں ہے ان ضعیفوں، مریضوں اور ان لوگوں پر جو خرچ کے لیے کوئی مال نہیں رکھتے کوئی حرج، جب کہ وہ اللہ اور رسول کے خیر خواہ ہوں اور نیکوں پر کوئی الزام نہیں'')

آگے چل کر قارئین کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ بیعتِ رضوان کے حاضرین میں تقریباً آٹھ سو حضرات نے جنگِ صفین میں دادِ جان نثاری دی اور تین سو نے جامِ شہادت نوش کیا۔

ان کے علاوہ دوسرے صحابہ و تابعین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے جو خدمات دین و خلافت کی انجام دیں، نہ کسی زبان کو اس کے بیان کا یارا ہے نہ کسی قلم کو یہ تاب کہ ان کو رقم کر سکے، لیکن چوں کہ دورِ خلافت ختم ہو چکا تھا اور خاتم الخلفاء حضرت امیرؓ کا جامِ حیات لبریز ہو چکا تھا، اس لیے دنیاوی طور پر یہ قربانیاں بارآور نہ ہو سکیں، بجز اس کے کہ وہ حضرات ثوابِ آخرت اور جنت میں درجاتِ بلند کے حق دار ٹھہرے جو مجملہ دو بھلائیوں کے ایک بھلائی ہے۔

(شاہ عبدالعزیز، تحفہ اثنا عشریہ، ۳۰)

---

لہ اگرچہ واقعاتی امور کی تفصیل میں جانا ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ تاہم شاہ عبدالعزیزؒ نے یہاں ایک بڑی غلط فہمی دور کر دی ہے۔ عام طور یہ تاثر کہ دونوں طرف صحابہ تھے، کچھ اس انداز سے دیا جاتا ہے کہ شاید اس وقت موجود صحابہ کو قدرت نے مکمل طور پر دو حصوں میں تقسیم کر کے آدھا آدھا بانٹ دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ بات تو درست ہے کہ دونوں طرف صحابہ تھے، مگر صفین میں دونوں طرف صحابہ کی تعداد اور مرتبہ و مقام دونوں کے اعتبار سے زمین و آسمان کا فرق تھا۔ شاہ صاحب نے یہاں جو اعداد ذکر کیے ہیں وہ کچھ کم و بیش ہو سکتے ہیں، لیکن یہ اپنی جگہ ایک حقیقت ہے کہ اس وقت کے افاضلِ صحابہ کی ایک بڑی تعداد حضرت علیؓ کے ساتھ تھی یا آپ کی ذہناً حامی تھی۔ جس طرح حضرت علیؓ کی حمایت میں جانے والی ہر بات کو الجھانے کی بعض لوگوں نے کوشش کی ہے، تعداد کے معاملے کو بھی الجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ چوں کہ اس وقت یہ ہمارا موضوع نہیں، اس لیے یہاں اس پر زیادہ بات نہیں ہو سکتی، تاہم اتنا عرض ہے کہ امام بخاری کے شیخ خلیفہ بن خیاط اپنی سند کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰن بن ابزی سے روایت کرتے ہیں کہ ہم حضرت علیؓ کے ساتھ بیعۃ الرضوان والوں میں سے آٹھ سو افراد تھے، جن میں سے تریسٹھ شہید ہوئے (ابوعمرو خلیفہ بن خیاط، تاریخ خلیفہ بن خیاط، ت اکرم ضیاالعمری (دمشق، بیروت: دارالقلم، موسسۃ الرسالۃ ۱۸۴) حضرت ابن عباسؓ جب خوارج کے ساتھ بات چیت کرنے کے لیے گئے تو وہ ان سے سب سے پہلی بات یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ تم حضرت علیؓ کے لشکر سے الگ کیوں ہوئے ہو؟ تو ابن عباس نے ان سے یہ سوال کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہیں رسول اللہ ﷺ کے چچازاد اور داماد اور مہاجرین و انصار پر کیا اعتراض ہے؟ (بیہقی، السنن الکبریٰ، ت محمد عبدالقادر عطا، کتاب قتال اہل البغی، باب لا یبدأ الخوارج بالقتال الخ، ۸: ۳۱۰) اس سے معلوم ہوا کہ اس وقت تک بھی حضرت علیؓ کی جماعت کا مرکزی حصہ مہاجرین و انصار پر مشتمل تھا۔ خیر! حدیثی اور تاریخی روایات تو اور بھی بہت سی پیش کی جا سکتی ہیں، مگر یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے خوارج کی ایک مخصوص جماعت کے خلاف قتال کرنے والی جماعت کی جو فضیلت احادیث سے سمجھ میں آتی ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس وقت روئے زمین پر حضرت علیؓ کا ساتھ دینے والی اس جماعت سے بہتر کوئی جماعت نہیں تھی۔ یہ بات بظاہر بعید لگتی ہے کہ اس جماعت کو یہ فضیلت اس صورت میں حاصل ہو کہ آپ اپنے ساتھ چند سبائی قسم کے لوگوں کو ساتھ لے کر پھر رہے ہوں۔

# دفاع

# حضرت حسین رضی اللہ عنہ

حضرت مولانا عبدالجبار سلفی مدظلہم

ٹوٹا یزیدیت کی شبِ تار کا فسوں
آئی حسینیت کی سحر کربلا کے بعد (سید نفیس الحسینی)

# دفاعِ حضرت حسین رضی اللہ عنہ

حامیانِ یزید کی طرف سے اٹھائے جانے والے اعتراضات کا تحقیقی جائزہ

مؤلف
حافظ عبدالجبار سلفی

مرتب
محمد عثمان حسن

ناشر
ادارہ مظہر التحقیق
متصل جامع مسجد ختم نبوت کھاڑک، ملتان روڈ لاہور

# فہرست


| | | |
|---|---|---|
| ۱ | دفاع حضرت حسین رضی اللہ عنہ | ۲۴۶ |
| ۲ | عرضِ مرتب | ۲۴۷ |
| ۳ | غرضِ پیش کش | ۲۵۲ |
| ۴ | ابو یزید کی فنکاری اور ایک سید کی ضرب کاری | ۲۵۳ |
| ۵ | احباب کی دل آزاری | ۲۵۵ |
| ۶ | حقیقتِ حال | ۲۵۵ |
| ۷ | ایک نکتہ | ۲۵۵ |
| ۸ | دوسرا نکتہ | ۲۵۶ |
| ۹ | ہمارے عقائد | ۲۵۶ |
| ۱۰ | اعلانِ برأت | ۲۵۷ |
| ۱۱ | حقیقت کیا ہے؟ | ۲۵۷ |
| ۱۲ | بے اعتدالی کا طوفان اور ایک پڑھا لکھا جانور | ۲۵۸ |
| ۱۳ | دفاعِ صحابہ کرنے والوں پر معروف اعتراض | ۲۶۲ |
| ۱۴ | ایک خواب | ۲۶۲ |
| ۱۵ | آغازِ کتاب ..... دفاعِ حضرت حسین رضی اللہ عنہ | ۲۶۶ |
| ۱۶ | مقامِ اہل بیتؓ | ۲۶۷ |
| ۱۷ | حمایت یزید پر چند کتب کے نام | ۲۶۸ |
| ۱۸ | ابو یزید محمد دین بٹ | ۲۷۰ |
| ۱۹ | حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی توہین | ۲۷۱ |
| ۲۰ | عظیم الدین صدیقی | ۲۷۱ |

| | | |
|---|---|---|
| ۲۱ | عظیم الدین صدیقی مولانا عبداللہ صاحب کے استاذ ہیں | ۲۷۲ |
| ۲۲ | عزیر احمد صدیقی (آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا) | ۲۷۳ |
| ۲۳ | نذیر احمد شاکر | ۲۷۳ |
| ۲۴ | محمود احمد عباسی | ۲۷۴ |
| ۲۵ | افراط وتفریط کے شکار دو گروہ | ۲۷۴ |
| ۲۶ | امام اوزاعیؒ کا ایک قندیل ہدایت ارشاد | ۲۷۵ |
| ۲۷ | واقعہ کربلا کے متعلق غیر معتبر کتب | ۲۷۶ |
| ۲۸ | تبصرہ نجیبؒ | ۲۷۷ |
| ۲۹ | بغداد کے بھکاری اور موجودہ دور کے یزیدی | ۲۷۸ |
| ۳۰ | اختلاف کافر ہونے میں ہے، فاسق ہونے میں نہیں | ۲۷۹ |
| ۳۱ | حامیانِ یزید | ۲۷۹ |
| ۳۲ | حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ کی شان میں غیر مؤدبانہ جملہ | ۲۸۰ |
| ۳۳ | بددیانتی کی ایک بدترین مثال | ۲۸۲ |
| ۳۴ | تبصرہ | ۲۸۳ |
| ۳۵ | محمود احمد عباسی کے شیعوں سے مراسم | ۲۸۳ |
| ۳۶ | دوسری خیانت | ۲۸۴ |
| ۳۷ | حامیانِ یزید میں تحمل نہیں ہوتا | ۲۸۶ |
| ۳۸ | ''خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ و یزید'' اہل علم کی نظر میں | ۲۸۷ |
| ۳۹ | یزید پر ننھیالی خاندان کے مسیحی اثرات | ۲۸۹ |
| ۴۰ | بحث حدیث قسطنطنیہ | ۲۹۱ |
| ۴۱ | تبصرہ | ۲۹۲ |
| ۴۲ | مغفرت کی بشارت خاص ہے، عام نہیں | ۲۹۳ |

| | | |
|---|---|---|
| ۴۳ | حدیث ''مغفور لہم'' کے حقدار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں، یزید نہیں | ۲۹۵ |
| ۴۴ | شارحین حدیث کیا فرماتے ہیں؟ | ۲۹۶ |
| ۴۵ | مہلب نے بنوامیہ کی حمایت لی ہے۔ علامہ قسطلانیؒ | ۲۹۷ |
| ۴۶ | ضروری توضیح | ۳۰۱ |
| ۴۷ | یزید کے نام پر ''ترحم'' کی علامت | ۳۰۳ |
| ۴۸ | حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور یزید پر ترحم | ۳۰۶ |
| ۴۹ | ایک یزیدی کی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی شان میں توہین | ۳۰۹ |
| ۵۰ | حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان حامی..... ایک بصیرت افروز جملہ | ۳۱۰ |
| ۵۱ | ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی ژاژ خائی | ۳۱۲ |
| ۵۲ | ''سیرت امیر معاویہ'' پر تبصرہ | ۳۱۴ |
| ۵۳ | حق اور باطل | ۳۱۶ |
| ۵۴ | مولانا عطاالمنعم شاہؒ اور حضرت معاویہؓ | ۳۱۹ |
| ۵۵ | ایک مکتوب اور اس کا جواب | ۳۲۳ |
| ۵۶ | تبصرہ | ۳۲۵ |
| ۵۷ | یزید کو صالح قرار دینے والے کے پیچھے نماز مکروہ ہے | ۳۲۵ |
| ۵۸ | یزیدی وکلاء کی تضاد بیانیاں | ۳۲۶ |
| ۵۹ | کیا یزید تابعی تھا؟ | ۳۲۸ |
| ۶۰ | ماہنامہ ''نقیب ختم نبوت'' کی چنگاریاں | ۳۳۲ |
| ۶۱ | ایک یزیدی سپاہی کی سفاکیت | ۳۳۴ |
| ۶۲ | بُغض کی گھاتیں | ۳۳۵ |
| ۶۳ | حامیان یزید علامہ ابن تیمیہؒ کی نظر میں | ۳۳۷ |
| ۶۴ | صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دُعا | ۳۳۷ |

| | | |
|---|---|---|
| ۶۵ | حضرت ابوایوب انصاریؓ اور یزید | ۳۳۸ |
| ۶۶ | جواب | ۳۳۸ |
| ۶۷ | اسلاف کے نوشتے | ۳۳۹ |
| ۶۸ | آغا سید سیدین کی ایک کتاب | ۳۴۲ |
| ۶۹ | دو مخطوط کے جوابات | ۳۴۶ |
| ۷۰ | تبصرہ | ۳۴۷ |
| ۷۱ | دوسرا مکتوب اور اس کا جواب | ۳۴۸ |
| ۷۲ | تبصرہ | ۳۴۹ |
| ۷۳ | مولانا ضیاء الرحمن فاروقی اور مسئلہ یزید | ۳۵۱ |
| ۷۴ | فسق یزید کی تشہیر کیوں؟ | ۳۵۲ |
| ۷۵ | ایک تلخ حقیقت | ۳۵۴ |
| ۷۶ | ابن زیاد کا اعتراف کہ ''یزید فاسق'' ہے | ۳۵۶ |
| ۷۷ | ایک شیعی رسالے کا تازہ اقتباس | ۳۶۰ |
| ۷۸ | باپ کے متعلق بیٹے کا بیان | ۳۶۱ |
| ۷۹ | علامہ تفتازانیؒ کے متعلق غیر مؤدبانہ لب ولہجہ | ۳۷۰ |
| ۸۰ | تبصرہ | ۳۷۱ |
| ۸۱ | علامہ تفتازانی مقام صحابہ رضی اللہ عنہم اور مذکورہ، مثال | ۳۷۳ |
| ۸۲ | علامہ تفتازانی کے خلاف اصل پروپیگنڈا یزیدیوں کی جانب سے ہوتا ہے | ۳۷۵ |
| ۸۳ | شرعی مسئلہ | ۳۷۶ |
| ۸۴ | ڈھکو صاحب کی ایک نرالی تحقیق | ۳۷۷ |
| ۸۵ | تبصرہ | ۳۷۸ |

| | | |
|---|---|---|
| ۸۶ | تبصرہ | ۳۷۹ |
| ۸۷ | اہل سنت پر یزید کی حمایت کا الزام | ۳۸۰ |
| ۸۸ | تبصرہ | ۳۸۰ |
| ۸۹ | یزید کے نقش پاء پہ کون چل رہا ہے؟ | ۳۸۱ |
| ۹۰ | تبصرہ | ۳۸۱ |
| ۹۱ | مخالفین معاویہ رضی اللہ عنہ کا علمی تعاقب | ۳۸۲ |
| ۹۲ | نوٹ | ۳۸۳ |
| ۹۳ | یزیدیوں کا ایک پمفلٹ | ۳۸۴ |
| ۹۴ | عقیدہ اور تاریخ | ۳۸۹ |
| ۹۵ | حامیانِ یزید سے ایک سوال | ۳۹۰ |
| ۹۶ | ''خارجی فتنہ'' کی جدید اشاعت، یزیدی حلقوں میں فکری تھرتھلی | ۳۹۱ |
| ۹۷ | دو نئے یزیدی پمفلٹوں کی تقسیم | ۳۹۳ |
| ۹۸ | تبصرہ | ۳۹۴ |
| ۹۹ | تبصرہ | ۳۹۶ |
| ۱۰۰ | حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کرامت | ۳۹۷ |
| ۱۰۱ | واقعۂ کربلا' حقیقت اور افسانے (ایک نیا پمفلٹ) | ۴۰۲ |
| ۱۰۲ | کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ یزید نے پڑھائی؟ | ۴۰۵ |
| ۱۰۳ | مولانا محمد علی جوہر کا ایک شعر | ۴۰۶ |
| ۱۰۴ | طبقاتی تقسیم اور یزیدیوں کا شمار | ۴۰۸ |
| ۱۰۵ | الرد علی المتعصب العنید کے اردو تراجم | ۴۰۸ |
| ۱۰۶ | حضرت حسن رضی اللہ عنہ و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی صلح کن شرائط کے تحت ہوئی تھی؟ | ۴۰۹ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۰۷ | ایک مکتوب | ۴۰۹ |
| ۱۰۸ | تبصرہ | ۴۱۰ |
| ۱۰۹ | دوسرے اعتراض کا جواب | ۴۱۱ |
| ۱۱۰ | کیا حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ کو اپنا خلیفہ بننے کی وصیت کی تھی؟ | ۴۱۵ |
| ۱۱۱ | تبصرہ | ۴۱۸ |
| ۱۱۲ | حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ حضرت حسنؓ کی صلح اور شرائط | ۴۲۰ |
| ۱۱۳ | حامیانِ یزید فتنۂ انکارِ حدیث کی دہلیز پر | ۴۲۲ |
| ۱۱۴ | ایک حدیث اور شارحینِ حدیث کا فیصلہ | ۴۲۴ |
| ۱۱۵ | نظری تطہیر کی ضرورت | ۴۲۵ |
| ۱۱۶ | خواجہ حسن نظامی کی کتاب ''یزید نامہ'' | ۴۲۸ |
| ۱۱۷ | خواجہ حسن نظامی کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں بے ادبی | ۴۳۰ |
| ۱۱۸ | حضرت علی ہجویریؒ کا یزید کے لیے بدعائیہ جملہ | ۴۳۸ |
| ۱۱۹ | علیہ ما یستحق کی مختصر تشریح | ۴۳۸ |
| ۱۲۰ | ماہنامہ الاحرار ملتان کا یزید نمبر | ۴۴۱ |
| ۱۲۱ | تبصرہ | ۴۴۳ |
| ۱۲۲ | تبصرہ | ۴۴۵ |
| ۱۲۳ | یزیدی فتنے کا بانی | ۴۴۸ |
| ۱۲۴ | مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی کی ایک کتاب ''سیرت حسین رضی اللہ عنہ'' | ۴۵۱ |
| ۱۲۵ | حکیم صاحب کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مشورہ | ۴۵۵ |
| ۱۲۶ | حکیم صاحب کا یزید کو مشورہ | ۴۵۶ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۲۷ | ضد اور تکبر سے صلاحیت سلب ہو جاتی ہے | ۴۵۷ |
| ۱۲۸ | بعض بریلوی علماء کی بے رہ روی | ۴۵۸ |
| ۱۲۹ | مولانا ابوالحسن ندویؒ اور حضرات حسنینؓ | ۴۶۱ |
| ۱۳۰ | خلاصہ | ۴۶۳ |
| ۱۳۱ | یزیدی اقلیت | ۴۶۴ |
| ۱۳۲ | الٰہی انتقام | ۴۶۶ |
| ۱۳۳ | حامیانِ یزید کا شکوہ | ۴۶۷ |
| ۱۳۴ | حامیانِ یزید کی ایک ناکام چال | ۴۷۰ |
| ۱۳۵ | اہل مدینہ کی برائی چاہنے والوں کا انجام | ۴۷۱ |
| ۱۳۶ | کتاب ''سیاسۃ معاویہ'' جھوٹ کا پلندہ ہے | ۴۷۴ |
| ۱۳۷ | فخر اہل سنت مولانا محمد نافع، عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم کے مخلص پہریدار | ۴۷۵ |
| ۱۳۸ | مسئلہ یزید اور مولانا محمد نافع مدظلہ | ۴۷۶ |
| ۱۳۹ | ''ناقدین امیر معاویہؓ'' نامی کتاب پر ایک نظر | ۴۷۷ |
| ۱۴۰ | حضرت قاضی صاحبؒ کے ساتھ بخل | ۴۸۰ |
| ۱۴۱ | ''ناقدینِ امیر معاویہؓ'' نامی کتاب، یزیدیت کی آخری ہچکیاں | ۴۸۱ |
| ۱۴۲ | تبصرہ | ۴۸۲ |
| ۱۴۳ | تنقیح عبارت | ۴۸۲ |
| ۱۴۴ | ہم نے ''الاجابۃ الکافیۃ'' کا جواب کیوں نہیں لکھا؟ | ۴۸۶ |
| ۱۴۵ | یزیدیوں کا سپاہ صحابہ پر توہین صحابہ کا الزام | ۴۸۷ |
| ۱۴۶ | تبصرہ | ۴۸۸ |
| ۱۴۷ | حامیانِ یزید کے چند اعتراضات | ۴۸۹ |

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# دفاع حضرت حسین رضی اللہ عنہ

ہمارے مخدوم و مخدوم زادہ حضرت مولانا صاحبزادہ قاضی ظہور الحسینی اظہرؒ سربراہ خدام اہل سنت کے حکم پر مخدوم محترم مولانا عبدالجبار سلفی مدظلہم نے ''یزیدی فتنہ'' کے نام سے اگست ۲۰۰۹ء کو ماہنامہ ''حق چار یار'' لاہور کی اشاعت میں پہلی قسط شائع کی۔ اس کے بعد پچاس قسطیں تسلسل کے ساتھ شائع ہوتی رہیں۔ اس ''یزیدی فتنہ'' کو ''دفاع حضرت حسینؓ'' کے نام پر آپ نے اگست ۲۰۱۴ء کو کتابی شکل میں شائع کیا۔ فقیر راقم کے سامنے اس کا ستمبر ۲۰۱۴ء کے دوسرے ایڈیشن کا نسخہ ہے۔

اس موقع پر مجھے کھلے دل سے خروج محبت پیش کرنا ہے حضرت مولانا عبدالجبار سلفی مدظلہم کی علم دوستی کو کہ آپ نے حضرت امام اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کی کتاب خارجی فتنہ جلد اوّل و دوم اور کشف خارجیت اور زیر نظر اپنی کتاب ''دفاع حضرت حسینؓ'' کی مکمل اور فائنل کمپوزنگ مہیاء کر کے ممنون احسان کیا۔ ان کی اس سخاوت، جود و احسان سے متذکرہ چار کتابیں اس مجموعہ میں شامل اشاعت ہوگئیں۔ پڑھے پڑھائے پروف، لکھی لکھائی چار کتابوں کی فائلیں کیا ملیں، ہماری تو عید ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ اس پر ان کو دارین کی فوز و فلاح نصیب فرمائیں۔ آمین!

کراراً، مراراً، نہاراً، جہاراً اظہار تشکر کے ساتھ۔

(ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# عرضِ مرتب

جب بچہ ماں کی آغوش میں آنکھ کھولتا ہے تو اس کی پہلی درسگاہ وہی عشق و محبت کی ممتا ہوتی ہے جس میں تربیت کے پہلے مرحلے میں داخل ہوتا ہے، اسی طرح ایک انجان یا جاہل انسان کا ظہور اصلی علمی دنیا میں ہوتا ہے جس میں وہ صحیح معنوں میں انسانیت کا جام پی کر جینے کے قابل ہوتا ہے۔

میں نے جب شعور کی آنکھ کھولی تو اپنے گھر کے آنگن میں علمِ دین کو بس بقدرِ ضرورت ہی پایا، اسکول کی تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ حفظِ قرآن مجید کی بمشکل اجازت ملی اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں نے اعوان ٹاؤن (لاہور) میں ہی ایک درسگاہ میں یہ سعادت حاصل کرلی اس کے بعد درسِ نظامی کرنے کو جی چاہا، اس کی بھی اجازت کافی غور وخوض کے بعد ملی مگر وہ بھی اس صورت میں کہ عالم کا کورس مسلکِ اہل حدیث کے کسی مدرسہ سے کرنا ہوگا۔ میرے بڑے بھائی جان نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اور میری رضا لیے بغیر مجھے جامعہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ میں داخل کروادیا۔ اور میں ''سنگ باش برادر خود مباش'' کا ورد کرتے رہ گیا۔ باہر میرے دوستوں نے میرا تمسخر اڑانا شروع کردیا کہ یہ ''وھابی'' ہوگیا ہے اور گھر کے اندر پہلے سے عائد پابندیوں میں مزید اضافہ ہوگیا۔ حیران تھا کہ جوں جوں تعلیم کا سلسلہ آگے بڑھے گا تو مستقبل میں میرا فکری دائرہ کونسا ہوگا؟

مدرسہ میں مجھے مسلکِ تشدد پہ اُکسایا جاتا اور گھر کے دائیں بائیں جو دوست احباب ملتے وہ طعن وطنز کے زہر آلود جملے کستے اور میں زہر آشام ہوکر رہ جاتا۔ ساتھ کالج کی تعلیم کا سلسلہ بھی جاری تھا، کبھی خیال آتا کہ درسِ نظامی کا کورس

چھوڑ کر یکسو ہو جاؤں مگر اس میں بھی خود مختار نہ تھا اور کبھی حنفی المسلک مدرسہ میں بزور سینہ داخلہ لینے کا عزم کرتا مگر گھر والوں کے سامنے سینے میں دم خم نہ پا کر دم سادھ کر رہ جاتا اور میری مثال اس شخص کی بن جاتی جو گھٹا ٹوپ اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مار کر روشنی کی ایک کرن کو ترس رہا ہو۔ اسی تذبذب میں میری راتیں، دن میں اور دن، راتوں میں کٹ رہے تھے۔ ان حالات میں مجھے رہبر کی ضرورت تھی، مگر رہبر خشک کی نہیں، ایسے رہبر کی جو مجھے اپنا دوست بھی سمجھے اور شاگرد بھی اور میں ان کے سامنے اپنے دل کے سارے ارمان نکال سکوں۔

۲۰۰۴ء کی بات ہے کہ ایک دوست کے ہمراہ مولانا عبدالجبار سلفی سے ملاقات ہوگئی اور پہلی ملاقات میں ہی مجھے گوہر مقصود مل چکا تھا، ایک کے بعد دوسری، اور پھر یکے بعد دیگرے میری ان سے ملاقاتیں شروع ہوگئیں۔ میں نے ایک دن مشورہ لیا کہ میرے گھر والوں نے مجھے زبردستی ایک ایسے ادارے میں داخل کروادیا ہے جہاں میری طبیعت آمادہ نہیں تھی، میں بہت پریشان ہوں، میرے اندر بغاوت کے جذبات پرورش پا رہے ہیں، میں کیا کروں؟ مولانا سلفی صاحب نے ساری کہانی سننے کے بعد کہا کہ تم اسی مدرسہ میں پڑھتے رہو اور پریشانی خود پہ مسلط نہ کرو، البتہ میرے پاس روزانہ آنے کی کوئی ترتیب نکال لو، سن کر بڑا حیران ہوا کیونکہ یہ مشورہ میرا فہم ناقص قبول کرنے کو تیار نہ تھا، بہرکیف اسی مشورے پر عمل کرنے کی ٹھان لی اب میں مدرسہ سے واپسی پر مولانا صاحب کے ہاں آجاتا، اور میرے ذہن میں جتنے سوالات اور خیالات ہوتے ان کے تشفی بخش جوابات حاصل کرتا۔

آپ یقین کریں کہ گرمی ہو یا سردی، حالات موافق تھے یا مخالف میں استاذ محترم کے ہاں پورے تسلسل اور مستقل مزاجی سے حاضر ہوتا رہا۔ استاذ محترم میری وقت بے وقت کی آمد پر کبھی پیشانی پر سلوٹ تک نہ لائے، کھانے، چائے اور اپنے مطالعے کی ترتیب میں مجھے شریک کیا، مسئلہ رفع یدین، فاتحہ خلف الامام، آمین

بالجہر، مسئلہ تقلید، طلاقِ ثلاثہ، اور رکعاتِ تراویح جیسے جملہ مسائل میں استاذ محترم کے سامنے رکھتا اور جوابات پاکر اپنے باطن کو روشن کرتا۔

ایک عجیب بات جو میں نے محسوس کی وہ یہ کہ میرے بعض اساتذہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا نام تک بے ادبی سے لیتے تھے مگر استاذ محترم کی مجلس میں آکر جب اہل حدیث مسلک کے مرحومین یا موجود علماء کا ذکر آتا تو استاذ جی پورے ادب و احترام حتیٰ کہ ترحم کے ساتھ نام لیتے۔ مثلاً، مولانا محمد ابراہیم میرؒ، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ، مولانا محمد زبیر علی زئی، وغیرہ وغیرہ۔ اور میرے سوال کرنے پر استاذ محترم بتاتے کہ جب ہم ادب و احترام سے ان حضرات کے نام نہیں لیں گے تو سچ بات ان کے متبعین تک کیسے پہنچائیں گے؟ اور استاذ جی بتاتے کہ اہل سنت کے باہمی اختلافات ذکر کرتے ہوئے اسلوب اور ہونا چاہیے اور فرقہائے باطلہ مثل شیعیت، قادیانیت اور منکرین حدیث وغیرہم کیساتھ اسلوب مختلف ہونا چاہیے میرا استاذ محترم سے تعلق دس سال کے عرصہ پر محیط ہے، میں درجۂ اولیٰ میں ان کے زیر سایہ آیا تھا۔

آج بحمد اللہ تعالیٰ میں نے جامعہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کرلی ہے اور اس طویل عرصہ میں ترکِ تقلید کا خالص اور مخصوص ماحول ملنے کے باوجود ایک سیکنڈ کے لیے بھی امام اعظم ابوحنیفہؒ یا دیگر فقہائے امت کی بے ادبی کا کوئی جھونکا میرے اعتقادی وفکری دامن کو ہلا نہ سکا، یہ اللہ تعالیٰ کا لطفِ عظیم اور استاذ جی کی مسلسل شفقت کا نتیجہ ہے۔

میں نے استاذ جی کو عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حوالہ سے نہایت حساس پایا ہے۔ دیوانگی کی حد تک اور پورے وجد میں آکر شانِ صحابہ رضی اللہ عنہم بیان کرتے ہیں اور دشمنانِ صحابہ کا تعاقب تو کرتے ہی ہیں، اگر کوئی اپنا مداہنت کا شکار ہوکر شیعیت کی طرف داری کرتا ہے تو ان کے خلاف بھی بلا خوف لومۃ لائم استاذ جی کا قلم حرکت میں آجاتا ہے اور پھر علم و تحقیق کے دریا بہا دیتا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ فرقہائے باطلہ کا تعارف، تعریف، طریقۂ تردید اور اُن کے رکیک ایرادات سے آگاہی مجھے استاذ محترم

کے ہاں سے ہی ہوئی ہے، وگرنہ جامعہ میں تو سوائے احناف پر گرجنے برسنے کے اور کوئی سمت نہ دکھائی جاتی تھی۔ میں نے اپنی تعلیم کے دوران مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کی جملہ کتب خرید کر پڑھنا شروع کیں تو استاذ جی نے مجھے منع کر دیا اور کہا کہ ابھی آپ مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ کی تحقیقات پڑھو، چنانچہ میں نے اپنی بساط کے مطابق مولانا اوکاڑویؒ کے افادات وتجلیات کا مطالعہ شروع کر دیا، چند سال بعد میں نے پھر مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کی کتب پڑھنے کی اجازت چاہی تو استاذ محترم نے فرمایا نہیں، اب آپ مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب کی کتب پڑھو۔

چنانچہ حضرت علامہ صاحب کی آثار الحدیث، آثار التشریع اور دیگر کتب پڑھ کر پھر مولانا محمد سرفراز صفدرؒ کی کتب پڑھنے کا ارادہ کیا تو استاذ جی نے روک دیا اور فرمایا کہ اب تم مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ کی کتب مطالعہ میں رکھو۔

چنانچہ علامہ اعظمیؒ کی کتب کا مطالعہ شروع کر دیا، اس دوران مجھ سے وقتاً فوقتاً امتحان لیا جاتا رہا پھر ایک دن اچانک استاذ جی نے فرمایا کہ اب تم مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کی کتب پڑھ سکتے ہو چنانچہ ان کی کتب کا مکمل سیٹ خرید کر پڑھنا شروع کیا تو پھر اس حکمت کی تہہ تک پہنچا کہ استاذ جی نے ابتداءً مجھے یہ کتب پڑھنے کی اجازت کیوں نہ دی تھی؟ دراصل مولانا محمد امین صفدرؒ ایک عام اور سادہ ذہن میں گفتگو جمانے کا ملکہ رکھتے تھے، اور مشکل ترین ابحاث کو موم بنا کر پیش فرما دیتے تھے اور حضرت علامہ صاحب منجھے اور نہایت گہرے علم کے ساتھ اپنا مدعا پیش کرتے ہیں۔

علامہ اعظمیؒ کی بحث میں محدثانہ شان کے نشیب وفراز قاری کو نہایت متاثر کرتے ہیں، اور حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ ابتداءً دلائل کا انبار لگاتے ہیں، اور جہاں پہنچ کر اپنے حق میں نتیجہ نکالتے ہیں، تب تک ایک عام آدمی پچھلی بحث بھول چکا ہوتا ہے۔ چنانچہ ترتیب وار مختلف کتب پڑھنے کے بعد جب آخر میں حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کی تحقیقات پڑھیں تو میری ''غیر مقلدیت'' کا

بت پاش پاش ہوگیا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک، بلاشبہ اعتدال کی اس منزل تک پہنچانے میں حضرت مولانا عبدالجبار سلفی کی پوری پوری راہنمائی شامل ہے۔

جب سے استاذ جی کی صحبت میں آیا ہوں میں نے ہمیشہ انہیں تحقیق و جستجو میں منہمک پایا ہے، شیعیت کا رد اور عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم کا دفاع استاذ جی کا محبوب ترین موضوع ہے اور اس عنوان پر کام کرنے والے ماضی کے معروف سنی علماء کرام کا جب بھی ذکر آتا ہے، آبدیدہ ہو جاتے ہیں خصوصاً امام اہل سنت علامہ عبدالشکور فاروقی لکھنویؒ ، قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسینؒ اور علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب پر تو جان چھڑکتے ہیں۔

استاذ محترم نے فسق یزید کے حوالہ سے ماہ نامہ ''حق چار یارؓ'' میں ایک تحقیقی مضمون لکھا تھا جو پچاس قسطوں تک چلا گیا، اور شاید مزید پچاس قسطوں میں بھی مکمل نہ ہوتا کہ اچانک ایک شیعہ عالم کے ساتھ تحریری مباحثہ شروع ہوگیا جو تادم سطور جاری ہے جس کی وجہ سے ''یزیدی فتنہ'' مضمون کو مکمل کر دیا گیا، اسی شاندار مقالہ میں نہایت دلچسپ ابحاث آگئی ہیں جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں، راقم نے ان پچاس قسطوں کو جمع کر کے نظر ثانی کی، بعض نامکمل حوالہ جات استاذ جی سے مکمل کروائے، تکرار کو حذف کیا، اور اکا دکا مقامات سے لفظی ترمیم کے بعد اسے کمپوزر کے سپرد کر دیا، اب طباعت کے جملہ مراحل سے گزر کر یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ استاذ محترم کی عمر، اور صحت میں برکت عطا فرمائے اور حوادثات زمانہ و شرور اعداء سے ان کی حفاظت فرمائے اور اس ناکارہ کو بھی تادم آخر مذہب اہل سنت والجماعت پر قائم و دائم رکھے۔ آمین ثم آمین!

محمد عثمان حسن سلفی حنفی

(فاضل جامعہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ)

مین بازار اعوان ٹاؤن، ملتان روڈ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# غرضِ پیش کش

میری مطالعاتی زندگی کا ابھی آغاز تھا کہ ایک تپتی دوپہر میں ردی خریدنے والے کے پاس پرانی اخبارات میں چھپی کتاب ''خلافتِ معاویہ و یزید'' نظر پڑی، موضوع سے کلیتاً دلچسپی اور علمی شعور نہ ہونے کے باوجود میں نے محض کتاب سے عشق کی بنیاد پر یہ خرید لی اور مطالعہ شروع کر دیا، اس سے قبل میں نے یزید کی مذمت میں جذباتی اور اُبالی قسم کی باتیں سن رکھی تھیں اور علم و تحقیق کا جگنو تب نہیں چمکا تھا، چنانچہ فوراً تاثر لے بیٹھا اور مصنف کتاب جناب محمود احمد عباسی کو اپنی کچ مچ تحریر میں خط بھی لکھ دیا، لفافے پر کتاب کا دیا ہوا، اڈریس نوٹ کر کے پھر فوراً لیٹر بکس میں ڈالنے ہی والا تھا کہ برادرِ کبیر کی نظر پڑ گئی اور انہوں نے میری معصومیت پر مسکراتے ہوئے کہا کہ جن صاحب کو آپ خط پوسٹ کر رہے ہیں وہ تو آپ کی پیدائش سے بھی پہلے فوت ہو چکے ہیں۔ خط تو اسی وقت چاک کر دیا مگر یہ کتاب اب مستقل میرے سامنے رہنے لگی، پھر آہستہ آہستہ جب شعوری زندگی میں داخل ہوا اور علماء متقدمین و متاخرین کی کتب پڑھنے کا موقع ملا تو پتہ چلا کہ محمود احمد عباسی کی کتاب تو نری حماقتوں کا مجموعہ ہے، اس وقت علامہ ابن جوزیؒ کی تصنیف ''الرد علی المتعصب العنید'' اور قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کی کتاب ''خارجی فتنہ'' عباسی صاحب کی کتاب سے پیدا ہونے والے زہر کا تریاق ثابت ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے مجھے مسلکِ اعتدال نصیب فرما دیا۔

اس کے بعد تو پھر طرفین کی تقریباً ہر کتاب پڑھی، یزید کی مذمت اور محبت میں اٹھنے والی ہر آواز سننے کے بعد میرا نظریہ مزید پختہ ہو گیا کہ اہل سنت ہی حق پر ہیں، یزید کو کافر کہہ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین کرنے والے اور دوسری طرف یزید کو مومنِ کامل کہنے والوں کے درمیان جب اسلامی اور حقیقی فکر کو پرکھا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ مذکورہ دونوں طبقے اعتدال اور توازن چھوڑ کر دماغی توازن کھو بیٹھے ہیں۔

اور علماء اہل سنت نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم و اہل بیت کا دفاع کچھ اس جذبے سے کیا کہ اس کی برکت سے سچ اور میانہ روی ان کا امتیازی نشان ٹھہرا۔ یزید کو کافر کہہ کر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ازواج مطہرات کی توہین کرنے والے بنیادی طور پر بغضِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مریض ہیں اور اپنے دیگر صریح کفریہ عقائد کی بناء پر علی الاتفاق دائرہ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں۔ دوسری طرف یزید کی حمایت کرنے والے اگرچہ گمراہی وسرکشی میں اول الذکر طبقے جیسے تو نہیں، تاہم شرف صحابیت کی یہ بھی کم شناسائی رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اہل سنت کو آباد رکھے کہ انہی کے دم قدم سے اسلام کی بہاریں ہیں۔ اعتقادی مسائل سے لے کر فقہی احکامات تک کہیں بھی یہ شدت یا تعصب کا شکار نہیں ہوئے اور پورے حوصلہ و متانت کے ساتھ چودہ صدیوں سے یہ دنیا میں اسلام کی خدمت کرتے چلے آرہے ہیں۔

ان کی ہر بات سچائی پر مبنی ہوتی ہے اور بتقاضائے بشریت کبھی یہ اعتدال کی پٹڑی سے دائیں بائیں ہوتے بھی ہیں تو حقیقتِ حال سے مطلع ہونے کے بعد وہ رجوع کرنے میں دیر نہیں لگاتے۔ ان کے رجوع ناموں پر تو ایک مستقل کتاب لکھی جاسکتی ہے مگر یہاں ہم اپنے موضوع سے متعلقہ صرف ایک مثال پیش کرتے ہیں..... اگرچہ اس مثال کو رجوع یا مرجوع نہیں کہا جاسکتا کیونکہ یہ ایک بددیانتی اور خیانت سے اظہار برأت ہے، مگر پھر بھی کسی درجہ میں یہ اپنے اندر صداقتوں کے کئی دیپ جلائے ہوئے ہے۔

## ابو یزید کی فنکاری اور ایک سید کی ضربِ کاری

لاہور کے سید مٹھا بازار میں ابو یزید محمد دین بٹ نام کے ایک صاحب گزرے ہیں یزید سے محبت اور فریفتگی ان کی کنیت سے ظاہر ہے، انہوں نے ایک کتاب ''خلافتِ رشید ابن رشید'' کے نام سے لکھی تھی جس میں یزید کی منقبت اسی انداز میں کی گئی ہے جس رنگ میں اہل سنت حضرت حسین رضی اللہ عنہ یا دیگر صحابہ کرام کی منقبت بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے کتاب شائع کرنے کا منصوبہ مخفی رکھ کر معاصر علماء

کرام سے یزید کے متعلق استفسار کیا کہ اس کے متعلق ہمارا نظریہ کیا ہونا چاہیے؟ کچھ حامیانِ یزید نے تو بٹ صاحب کی نیت کو بھانپ لیا کہ ان کا ارادہ کتاب لکھنے کا ہے، انہوں نے یزید کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے، اور کچھ سادہ طبع بزرگ ابو یزید کی یزیدی اور شاطرانہ جال میں آگئے اور انہوں نے ایک لایعنی اور بے مقصد موضوع میں الجھنے کی بجائے ابو یزید کو عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم پر توجہ مرکوز رکھنے کا مشورہ دیا اور شیعی افکار سے بھی مطلع کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ابو یزید بٹ صاحب نے مدحِ یزید میں کتاب لکھ ڈالی اور خیانت یہ کی کہ بعض جید علماء کرام کے خطوط میں از خود اضافہ کر کے بطور تقریظ و تصدیق کتاب کے ساتھ شائع کر دیں۔ اس وقت پاکستان میں تحریک تنظیم اہل سنت کا طوطی بول رہا تھا، کتاب میں مولانا سید نور الحسن شاہ بخاریؒ اور مولانا عبدالستار تونسویؒ کے خطوط بھی شائع ہوئے جن سے بظاہر یزید کی تعریف کا پہلو نکلتا تھا، چنانچہ سنی حلقوں میں ایک اضطرابی کیفیت پیدا ہوگئی۔ اور شیعوں نے الگ اودھم مچایا، ان حالات میں مولانا سید نور الحسن شاہ بخاریؒ نے ایک مضمون سپردِ قلم فرمایا جس کا عنوان ''لعنت اللہ علی الکاذبین'' رکھا گیا اور مذکورہ جلی عنوان کے ساتھ یہ مضمون ہفت روزہ ''خدام الدین'' لاہور میں بابت ۲۷ راگست ۱۹۶۵ء شائع ہوا تھا، وہ مکمل مضمون یہاں ملاحظہ فرمائیں، شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

مجھے متعدد مقامات سے یہ اطلاع ملی ہے کہ بعض مقررین اپنے جلسوں میں حضرات علمائے دیوبند کے خلاف عموماً اور راقم اور رفیقِ محترم مناظرِ اعظم حضرت مولانا عبدالستار صاحب تونسوی مدظلہ کے خلاف خصوصاً کہتے پھرتے ہیں کہ ① یہ یزید کے حامی ہیں ② حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مخالف ہیں ③ انہیں مظلوم، شہید اور صحابی نہیں سمجھتے نیز انہوں نے ④ ''رشید ابن رشید'' کتاب لکھی ہے ⑤ لکھی نہیں تو لکھوائی ہے ⑥ لکھائی نہیں تو اس کی تصدیق و تائید کی ہے..... اس قسم کے خرافات کی سند میں وہ ''خلافتِ رشید ابن رشید'' کتاب بھی منبر پر دکھاتے پھرتے ہیں، حالانکہ یہ کتاب حکومت کی طرف سے ضبط شدہ ہے اور اس کی اشاعت ممنوع اور جرم ہے۔

## احباب کی دل آزاری:

بفضلہٖ تعالیٰ ہر جگہ علمائے دیوبند اور تنظیم اہل سنت سے وابستہ و متعلق حضرات موجود ہیں ہمارے خلاف اس قسم کی ایمان سوز اور اشتعال انگیز باتیں سن کر ان کی دل آزاری ہوئی اور انہوں نے پریشان و مضطرب ہو کر ہم سے رجوع کیا اور حقیقتِ حال دریافت کی لہٰذا میں اعلان کرتا ہوں کہ ہم جمیع مبلغین و اراکین تنظیم اہل سنت:

① ..... نہ یزید کے حامی ہیں

② ..... نہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے مخالف ہیں

③ ..... نہ انہیں شرفِ شہادت و صحبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم جانتے ہیں

④ ..... اور نہ ہی ہم نے ''خلافتِ رشیدا ابن رشید'' کتاب لکھی ہے

⑤ ..... نہ لکھائی ہے

⑥ ..... اور نہ اس کی تصدیق و تائید کی ہے

## حقیقت حال:

درحقیقت یہ سارا دینی کام اور تبلیغی میدان میں ہمارے شکست خوردہ حریف مقابل حضرات کا غلط پروپیگنڈا ہے جو ان شریفوں نے تقریر و بیان اور تبلیغ و خطاب کے میدان میں شکستِ فاش کھا کر ہمارے خلاف شروع کر رکھا ہے۔ کل تک یہ غلط پروپیگنڈا، الزام و افتراء اور سب و تبرا کی یہ ناپاک مہم ہمارے اکابر و اسلاف کے خلاف برپا رہی، شکر ہے کہ آج اُن حضرات کا تو دامن پاک ہوا اور اسٹیج پر انہیں گالیاں دینے کی بجائے ہمارے خلاف الک دبہتان کا طوفان اٹھا رکھا ہے۔

## ایک نکتہ:

اگر عامۃ المسلمین یہ نکتہ بخوبی سمجھ لیں تو ہم سمجھیں گے ہمیں اپنے خلاف اس مہم کا اجرا مل گیا کہ اگر ان اہلِ باطل کے پاس حق ہوتا تو یہ سٹیج پر مسلکِ حقہ کی حمایت میں ہمارے دلائل و براہین کا علمی جواب دیتے نہ کہ اس میدان سے راہِ فرار اختیار

کر کے ہمارے بزرگوں کو نشانہ سب وشتم اور ہدف طعن وتبرا بناتے ان کی تکفیر توہین کرنے یا ہمارے خلاف بہتان طرازی و افترا پردازی کرتے۔ کیا ہمارے کسی بزرگ نے یا ہم میں سے کسی نے ان شریفوں کے بزرگوں یا خود ان شریفوں کا نام بھی کبھی اپنی کسی تقریر میں لیا ہے؟ یا ان کے ذاتی کردار کی کوئی نشاندہی کی ہے؟ جن کے پاس حق ہے وہ حق بیان کرتے رہیں گے اور اہل باطل اہل حق کی پگڑی اچھالنے میں معروف ومنہمک رہیں گے۔

دوسرا نکتہ:

یہ شریف اپنے بیان میں مخلص ہوتے تو کتاب اور کتاب کے مصنف کے خلاف گوہر افشانی فرماتے۔ کیا مسلمان بھائی اس نکتہ کو سمجھنے کی کوشش نہیں کریں گے کہ یہ لوگ کتاب کے مصنف کا تو نام تک نہیں لیتے۔ مضامین مندرجہ کے خلاف ایک حرف زبان پر نہیں لائے۔ اور کتاب ہاتھ میں لے کر پھیپھڑے اور گلے کا سارا زور راقم اور حضرت تونسوی مدظلہ، کے خلاف لگا دیتے ہیں جن کا کتاب سے کوئی واسطہ ہے نہ مصنف سے کوئی تعلق۔ کیا یہ صورتحال اس حقیقت کا کافی ثبوت نہیں کہ یہ لوگ دیہات میں جا کر، جہاں کے اکثر غیر تعلیم یافتہ اور سادہ لوگ حقیقت حال تک نہیں پہنچ سکتے اور گمراہ کن پروپیگنڈے کا جلد شکار ہو جاتے ہیں، اس کتاب کو ہمارے خلاف محض ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہے ہیں اور یہ بے چارے دلائل کے میدان میں بری طرح مار کھا کر اس طرح ہم سے اپنی شکست کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔

ہمارے عقائد:

میں واضح طور پر اعلان کرتا ہوں کہ ہم سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے مقابلے میں نہ یزید کے حامی ہیں اور نہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے مخالف، ہم آپ رضی اللہ عنہ کے اعداء و مخالفین کو ملعون و مردود سمجھتے ہیں۔ درحقیقت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کی شخصیت میں موازنہ و تقابل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یزید، حسین رضی اللہ عنہ کی خاک پا کو بھی نہیں پہنچ

سکتا اور لاکھ یزید بھی جمع ہوں تو مرتبہ میں ایک یزید کے برابر نہیں ہوسکتے۔ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نہ صرف حضور علیہ السلام کے صحابی ہیں بلکہ حضور علیہ السلام کے لختِ قلب و جگر ہیں آپ رضی اللہ عنہ کی محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے اور آپ رضی اللہ عنہ سے بُغض وعداوت حضور علیہ السلام سے بُغض وعداوت ہے۔ ہمارا یقین ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ مظلومیت کا پیکر ہیں اور دشتِ کربلا میں انتہائی بے دردی وسنگ دلی سے شہید کیے گئے۔

## اعلانِ برأت:

میں غیر مبہم الفاظ میں اعلان کرتا ہوں کہ ہم نے کتاب ''خلافتِ رشید ابن رشید'' کی قطعاً کوئی تصدیق وتائید نہیں کی، نہ اس کے مضامین ومندرجات سے ہمارا کوئی تعلق ہے۔ اس میں جو باتیں صحیح ہیں، صحیح ہیں اور جو مسلکِ حقہ اہل سنت والجماعت کے خلاف ہیں ہم اُن سے بری وبے زار ہیں۔

## حقیقت کیا ہے؟

حقیقت صرف اس قدر ہے کہ اس کتاب کے مصنف محمد دین صاحب بٹ نے کتاب کی اشاعت سے ایک مدت پہلے مسلک کے اکابر علماء سے ایک مکتوب کے ذریعے یزید کی ذات سے متعلق استفسار کیا، واضح ہو کہ اس مکتوب میں کتاب کی تصنیف واشاعت کا تذکرہ تو کیا اشارا تک نہ تھا، جن علماء سے استفسار کیا گیا وہ نہ صرف تنظیمی تھے اور نہ صرف دیوبندی تھے ان میں تنظیمی، غیر تنظیمی، غیر دیوبندی، دیوبندی مثلاً مولانا عبدالستار صاحب تونسوی، مولانا ابوالاعلیٰ صاحب مودودی، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب ناظمِ اعلیٰ جمعیۃ اہل حدیث مغربی پاکستان (گوجرانوالہ) اور مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب (کراچی) بھی شامل تھے۔ علماء کرام نے اس مکتوب کا جواب بٹ صاحب کو لکھ دیا۔ بٹ صاحب نے چھبیس (۲۶) علماء کرام کے جوابات ان سے اجازت لیے بغیر اپنی کتاب میں شائع کردیئے، ان میں ایک جواب میرا بھی ہے بٹ صاحب نے اُن جوابات کو علماء کرام کی اجازت کے بغیر تو شائع کیا مگر خیانت

نہیں کی اور دیانت داری سے لکھ دیا کہ علماء کی یہ تحریریں میرے مکتوب کے جواب میں ہیں۔ انہوں نے اپنا وہ مکتوب بھی ان جوابات کے شروع میں نقل کر دیا۔ بٹ صاحب نے محض لوہے کا دوکاندار ہو کر تو دیانت کو ہاتھ سے نہ جانے دیا مگر شرع محمدی کے ان ٹھیکیداروں نے بایں جبہ و دستار معبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمارے خلاف بد دیانتی، دروغ بافی، غلط بیانی، بہتان طرازی اور افتراء پردازی کا بدترین مظاہرہ کیا اس پر سوائے اس کے میں کیا عرض کر سکتا ہوں کہ لعنت اللہ علی الکذبین۔

سید نور الحسن بخاری
صدر تنظیم اہل سنت پاکستان

(ہفت روزہ ''خدام الدین'' لاہور ۲۷ راگست ۱۹۶۵ء)

## بے اعتدالی کا طوفان اور ایک پڑھا لکھا جانور:

فکری و نظریاتی بے اعتدالی نے ایسے ایسے طوفان کھڑے کیے کہ الامان والحفیظ! آپ یقین کریں کہ جب ملتان سے مولانا عطاء المنعم شاہ بخاریؒ کو یزید کی فکر کھائے جا رہی تھی۔ تو انہی دنوں اُن کے برادر نسبتی عبدالمنان شاہد صاحب کبھی شیعوں سے پیسے لے کر صحابہ رضی اللہ عنہم کے خلاف کتابیں لکھ رہے تھے اور کبھی مرزائیوں کے ہاتھوں فروخت ہو رہے تھے۔ یہ عجیب و غریب مجموعۂ اضداد تھے۔ انہوں نے شاہد زعیم فاطمی کے نام سے دو حصوں پر مشتمل ایک کتاب '' پردہ اٹھتا ہے'' لکھی تھی، جس میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم، سمیت امت کے تمام اسلاف کی نہایت بھونڈی تحقیر و تذلیل اور کردار کشی کی گئی ہے۔ اس پر تو ہم آگے تبصرہ کریں گے۔ پہلے ذرا ضیاء الحق قاسمی مرحوم کا ایک چشم کشا مضمون پڑھیے۔ ضیاء الحق قاسمی معروف مزاح نگار عطاء بہاء الحق قاسمی کے بڑے بھائی اور مولانا الحق قاسمی مرحوم کے بیٹے تھے۔ حیدر آباد سندھ میں ادویات کا کام کرتے رہے، پھر کراچی جا کر پبلشنگ کے کاروبار سے وابستہ ہو گئے ایک ماہ نامہ ''ظرافت'' کے نام سے نکالا کرتے تھے اور بہترین شاعر و مزاح نگار تھے، انہوں نے اپنی یادداشتوں میں عبدالمنان شاہد کو '' پڑھا لکھا جانور'' قرار دیا ہے، ان کا مضمون ملاحظہ ہو

''عبدالسنان شاہد ایک جید عالم دین کا بیٹا ہے، خود بھی عالم ہے۔ عربی، اردو، پنجابی، سرائیکی اور فارسی میں شعر کہتا ہے درس قرآن اور درس حدیث دیتا ہے، لاہور میں اس سے میری دوستی ہوگئی مگر اس کے کرتوت دیکھ کر یہ دوستی ٹوٹ گئی اس کو چوری کرنے کی بری عادت تھی، کسی دوست کو بھی معاف نہیں کرتا تھا، لاہور کی ایک مسجد کے امام صاحب نے اس کو قرآن شریف کا ایک نایاب قلمی نسخہ دکھایا، مولوی صاحب تھوڑی دیر کے لیے مسجد سے اُٹھ کر اپنے حجرے میں گئے اور یہ وہ قیمتی نسخہ لے کر وہاں سے رفو چکر ہوگیا۔ مولوی صاحب نے اس کے خلاف تھانے میں چوری کی رپٹ لکھوادی، ایک سال بعد شاہد لاہور آیا مولوی صاحب کو خبر ہوئی اور انہوں نے تھانے والوں کو اس کی آمد کے بارے میں بتایا، یہ خود ہی تھانے پہنچ گیا اور تھانیدار سے کہا مجھے علم ہوا ہے کہ مولوی صاحب نے میرے خلاف آپ کے تھانے میں رپٹ لکھوائی ہے حالانکہ مولوی صاحب نے یہ قرآن کا نسخہ مجھے خود تحفے کے طور پر دیا تھا، تھانیدار نے کہا اچھا تو پھر لے آیئے وہ نسخہ۔ شاہد وہاں سے نکلا اور غائب ہوگیا، مولوی صاحب اس کو آج تک نہیں پکڑوا سکے۔

قادیانی فرقے کے کچھ لوگوں کو معلوم ہوا کہ شاید ایک پڑھا لکھا بے اصول آدمی ہے۔ انہوں نے اسے کچھ رقم ادا کر کے علمائے اہل سنت کے خلاف ایک کتاب لکھوالی، جو کسی وجہ سے شائع نہ ہوسکی ایک عرصے کے بعد شاہد حیدر آباد میں میرے پاس آیا اور کہا کہ آج تک آپ نے مجھ پر بہت مہربانیاں کی ہیں مگر میں نے ہمیشہ آپ کو دھوکہ دیا۔ اب اس زندگی سے میں تنگ آچکا ہوں اور نیکی کی زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں..... آپ میری شادی کرادیں اور کچھ چھوٹا موٹا کاروبار کرادیں۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو کوئی شکایت نہ ہوگی۔ میں حافظ قرآن ہوں اور قاری ہوں، کاروبار کے ساتھ لوگوں کو دینی تعلیم بھی دیا کروں گا۔ میں نے اُسے اپنے پاس رکھ لیا اور ایک نیک شریف گھرانے میں اپنی ضمانت پر اس کی منگنی بھی کرادی۔ میرے پاس ایک خالی دوکان تھی اس میں اس کو سٹیٹ ایجنسی کھلوا دی، منگنی اور دکان پر میرا خاصہ پیسہ خرچ ہوا۔ دکان کے افتتاح کے دوسرے روز دو تین عرب طلبہ ایک کرایہ کا مکان تلاش کرتے ہوئے شاہد کے پاس آئے شاہد نے اُن سے پوری گفتگو عربی میں

کی، وہ لڑکے بہت متاثر ہوئے۔ شاہد ایک خالی مکان پر لے گیا اور باہر ہی سے بتایا کہ یہ مکان کرائے کے لیے خالی ہے۔ انہوں نے کہا اندر سے دکھا دیں تو شاہد نے کہا مالک مکان دفتر گیا ہوا ہے، کل صبح آپ کو اندر سے دکھا دیا جائے گا۔ آپ کچھ رقم بیعانہ کے طور پر مجھے دے جائیں میں مالک مکان سے بات طے کرلوں گا۔ وہ لڑکے شاہد کو ایک ہزار روپے دے گئے، وہ بہت خوش تھے خاص طور پر شاہد کی عربی دانی پر..... شاہد ایک ہزار روپے لے کر فرار ہوگیا اور میرے نام ایک رقعہ چھوڑ گیا کہ وہ بری عادتیں ترک نہیں کرسکتا، معذرت قبول کریں اور لڑکی والوں سے بھی معذرت۔ عرب لڑکوں سے میں نے ایک سو روپیہ لیا ہے، آپ ان کو دے دیں۔ عرب لڑکے آئے تو میں نے ان کو بتایا کہ شاہد چلا گیا ہے یہ ہے آپ کا دیا ہوا سو روپیہ..... انہوں نے کہا نہیں جناب ہم نے ایک ہزار روپیہ دیا تھا، شاہد یہاں بھی فتنہ کھڑا کرگیا بہرحال ان لڑکوں کو کچھ دے دلا کر میں نے خلاصی پائی۔ اس بات کو ۲۰ سال گزر چکے ہیں پھر شاہد حہ ملا۔ سنتے ہیں کہ وہ کبھی ہندوستان چلا جاتا ہے اور کبھی دوسرے ممالک میں اس کا کاروبار جاری وساری ہے، دیکھیں کب گرفت میں آتا ہے۔ آج سے پندرہ سال پہلے میں اپنے بچوں کے ساتھ لاہور میں کار پر جارہا تھا تو راستے میں شاہد نظر آیا، مگر ہمیں دیکھ کر اُس نے دوڑ لگا دی اور ہجوم میں غائب ہوگیا، اللہ رحم کرے اس پڑھے لکھے جانور پر۔

(مجھے یاد آیا، صفحہ نمبر ۱۷، قاسمی پبلی کیشنز، بنگلوز اسکیم، کراچی)

مولانا مجاہد الحسینی چودھری حبیب احمد کی جماعت اسلامی کے رُخ اور کردار پر لکھی جانے والی ایک کتاب متعلق اپنے طویل انٹرویو میں انکشاف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ''اصل میں یہ انہوں نے نہیں لکھی تھی بلکہ ہمارے ایک دوست عبدالمنان شاہد نے لکھی تھی وہ حضرت سید عطاء المنعم کے برادر نسبتی تھے۔ جب میں جالندھر میں مدرس تھا تو وہ زیر تعلیم تھے اور ہماری گہری دوستی تھی۔ قیام پاکستان کے بعد وہ اپنے نانا مولانا سید محمد شریف مہت پوری کے ساتھ لائل پور آگئے تھے اِدھر سے میں بھی لاہور سے لائل پور میں آگیا تو جب انہوں نے یہ کتاب لکھی تو ساری معلومات یہیں بیٹھ کے مجھ سے لی تھیں میں نے سمجھا کوئی تحقیقی کتاب لکھنا چاہتا ہے، وہ اچھا ادیب اور شاعر تھا، اس کے

ذاتی احوال ناگفتنی ہیں۔ انہوں نے چوہدری حبیب کو مسودہ دے دیا، یہ بھی بتادوں کہ ایوب خاں کے دور میں یہ کتاب چھپوا کر اُس نے مربعے حاصل کیے تھے۔ میں نے از راہِ تفنن کہا کہ بھئی اگر یہ بات تھی تو مربع تو آپ (شاہد) کو ملنے چاہئیں تھے۔

(قومی ڈائجسٹ لاہور صفحہ ۲۸، اکتوبر ۲۰۰۹ء)

سید عطاء المنعم شاہ بخاریؒ کے مذکورہ برادر نسبتی کے کردار و اعمال کا آپ نے جائزہ لیا، تعجب ہے کہ اس قماش کے یہ صاحب اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتوں پر تھوکنے کا شوق فرماتے رہے اور بار بار اپنا چہرہ ہی بگاڑتے رہے انہوں نے ایک متنازعہ ترین کتاب ''سیدنا علی ابن ابی طالب اور ان کے سیاسی حریف'' لکھ کر روافض سے پیسے بٹورے اور بعد ازاں ''پردہ اٹھتا ہے'' کے نام سے ایک ایسی کتاب لکھی کہ جس کے مندرجات پڑھ کر اُبکائیاں آتی ہیں۔

جس کتاب کی طرف ضیاء الحق قاسمی مرحوم نے اپنے مضمون میں اشارا دیا ہے کہ ایک کتاب شاہد نے مرزائیوں کے کہنے پر لکھی تھی، مگر وہ چھپ نہ سکی، غالباً وہ یہی کتاب ہے جو چھپ گئی تھی۔ یہ کتاب پڑھ کر تو اندازہ ہوتا ہے کہ عبدالمنان شاہد نے مرزائیوں اور شیعوں سے مشترکہ ٹھیکہ طے کر کے اپنا ایمان برباد کیا، کیونکہ اس کی ایک جلد مکمل اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے اور دوسری علماء اہل سنت کی تحریص پر مبنی ہے۔ پہلا حصہ ۲۴۷ صفحات پر اور دوسرا ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کے بعد عبدالمنان شاہد کو ایران بھی لے جایا گیا تھا، جہاں وہ اپنے ایک بھانجے کے ہمراہ شیعیت کے ٹکڑوں پہ پلتے رہے تھے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

باعثِ تعجب یہ ہے کہ ایک ہی خاندان میں افراط و تفریط کی اس سے بدتر مثال شاید ہی کہیں مل سکے کہ ایک طرف یزید کی منقبت اور دفاع کا سلسلہ جاری تھا اور اسی گھرانے کا ایک فرد اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عدمِ ایمان پر کتابیں لکھ رہا تھا۔ اور اس سے بڑھ کر تعجب یہ کہ عبدالمنان شاہد کے خلافِ اسلام اور واضح کفریہ نظریات کا ان کی طرف سے کوئی تعاقب نہ ہوا اور نہ آج ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔

## دفاعِ صحابہ کرنے والوں پر معروف اعتراض:

برصغیر پاک و ہند میں جب کبھی دفاعِ صحابہ پر کوئی تحریک وجود میں آئی تو شیعہ لوگوں نے سب سے پہلا پروپیگنڈا ان کے خلاف یہ کیا کہ یہ یزید کے حمایتی ہیں، اور اہل بیت کے دشمن ہیں، جبکہ یہ سو فیصد جھوٹ ہے جو شیعوں نے یہودی دماغ لے کر نہایت غور و خوض سے پھیلایا تھا، وگرنہ پاک و ہند میں حضرت مجدد الف ثانیؒ سے لے کر خاندانِ حضرت شاہ ولی اللہؒ تک، امام اہل سنت علامہ عبدالشکور لکھنویؒ سے لے کر تنظیم اہل سنت تک، پھر تحریک خدام اہل سنت اور سپاہ صحابہ رضی اللہ عنہم تک کسی دیوبندی، بریلوی یا اہل حدیث نے قطعاً کبھی یزید کی حمایت نہیں کی، ہاں البتہ محمود احمد عباسی سے متاثرہ گنے چنے افراد اس شیعی پروپیگنڈے کی تقویت کا سبب ضرور بنے جنہوں نے دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے جذبہ سے سرشار ہو کر خاندانِ اہل بیت کی تنقیص اور یزید کی حمایت ضروری سمجھی، لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ان کی تردید و تنقید پر سب سے بڑا سرمایہ علمی بھی علماء اہل سنت نے ہی چھوڑا۔ جس کی تفصیل آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

## ایک خواب:

کتاب کی تکمیل کے لیے کام جاری تھا کہ ایک رات نہایت دلکش خواب دیکھا، خواب گو شرعی حجت نہیں ہوتے مگر مبشرات میں سے ضرور ہوتے ہیں۔ اپنے قابل قدر دوست جناب شبیر احمد خان میواتی کے اصرار پر یہ خواب یہاں درج کر رہا ہوں۔

''ایک شب خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم پر کہیں میری تقریر ہو رہی ہے، اتنے میں سفید لباس اور سرخ رومال میں ملبوس ایک بزرگ جلسہ گاہ میں داخل ہوئے اور میرے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا کہ شانِ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور فسقِ یزید بیان کرو، میں نے جب نگاہ اٹھا کر پیچھے دیکھا تو مولانا سید عطاء المحسن شاہ بخاریؒ تھے۔ میں حسن ظن کی بنیاد پر سمجھتا ہوں کہ ان حضرات نے غلط فہمیوں اور عدم تحقیق کی بنیاد پر جو نظریہ قائم کیا تھا، وفات سے پہلے وہ اس سے رجوع کر چکے

تھے۔ بہرحال یہ کوشش غلط فہمیوں کے ازالہ کے لیے بروئے کار لائی گئی ہے، اعتدال سے ہٹ کر یزید کی مخالفت اور حمایت دونوں رفض و بدعت کی تقویت کا موجب ہیں، اس سلسلہ میں شیخ الحدیث مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب مدظلہ (دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک) کی ایک بات سے آپ یقیناً محفوظ ہوں گے۔

''میرے والد بزرگوار مولانا سید قدرت اللہ شاہؒ فرمایا کرتے تھے کہ علاقہ سوات میں اس مسئلہ پر مناظرہ منعقد ہوا کہ یزید پر لعنت کرنا جائز ہے یا نہ؟ حضرت مولانا اخوند درویزہؒ بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں، وہ فرماتے تھے:

لَعنَتَ مَکْرَہَ پہ یزید چہ لَہ رِفضہ شے بعید

یزید پر لعنت نہ کریں تاکہ آپ روافض سے جدا ہو جائیں۔

اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ قابل لعنت نہیں، بلکہ رفض و بدعت کے جراثیم سرایت ہونے کا خدشہ ہے، چنانچہ اس کا تجزیہ تو آج ہمیں بھی ہو رہا ہے جو لوگ محبت اہل بیت اور نفرتِ یزید کا معیار روافض کے جذبات بنائے ہوئے ہیں، وہ کم نصیب دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نام تک نہیں لیتے ان کی تمام تر ہمدردیاں اور رواداریاں شیعوں کے ساتھ ہوتی ہیں۔ حال ہی میں شیعوں کے معروف رسالہ ماہ نامہ ''پیام'' میں ایک بریلوی اور ایک دیوبندی عالم کے مضامین ان کی تصویروں کے ساتھ چھپے ہوئے ہیں۔

(''پیام'' اسلام آباد، خاتونِ جنت نمبر، مارچ اپریل ۲۰۱۴ء)

میں حیران ہوں کہ ان دوستوں میں ایسی کونسی حُب اہل بیت عُود کر آئی ہے کہ روافض ان سے خوش ہیں۔ حالانکہ روافض کے ہاں حُب اہل بیت رضی اللہ عنہم، بُغض صحابہ رضی اللہ عنہم کے بغیر ناقابل اعتبار ہے۔ اور شیعہ مذہب میں اُسی سنی کو محب اہل بیت سمجھا جاتا ہے جو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرے نہ کرتا ہو اور شیعوں کے کفریہ عقائد کی تردید نہ کرتا ہو۔ چنانچہ وہ سنی جسے شیعہ محب اہل بیت قرار دیتے ہیں وہ سنی حلقوں میں شیعوں کی صفائی دیتے نظر آتے ہیں اور ان کے صریح کفریہ عقائد و اعمال کو نہایت خفیف کر کے سنی حلقوں میں پھیلاتے ہیں اور اپنی قبر و حشر سے بالکل

بے پرواہ ہو جاتے ہیں۔ اہل بیت اور صحابہ کی تقسیم ہی شیعیت اور شیعیت کی کوکھ سے جنم لینے والی ناصبیت کی پیدا کردہ ہے، وگرنہ اہل سنت تو دونوں کو اپنی آنکھوں کا نور، دل کا سرور اور مصدر ایمان و ایقان سمجھتے آرہے ہیں، مولانا ڈاکٹر علی شاہ مدظلہ، سوات میں ہونے والے اس مناظرہ کی روداد میں مزید فرماتے ہیں کہ ''ہمارے اکوڑہ خٹک کے رئیس خوشحال خاں خٹک جو پشتو کے بڑے شاعر گزرے ہیں وہ بھی اپنے علماء کرام کی ایک جماعت کے ساتھ اسی مناظرہ کے لیے سوات گئے۔

مناظرہ کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا اس کے فوراً بعد خوشحال خاں کھڑے ہوئے اور با آواز بلند فرمانے لگے کہ ریحانۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صفائی کا میں وکیل ہوں، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں یزید کا وکیل صفائی کون ہوگا؟ تاکہ اس کے بعد مدلل طریقے سے مناظرہ شروع کریں۔ چاروں طرف خاموشی ہی خاموشی تھی کسی کو یہ جرأت نہ ہوسکی کہ وہ مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ کے پیش نظر ریحانۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں یزید کی وکالت سے اللہ تعالیٰ کی لڑائی کا چیلنج قبول کرسکے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں (اور) تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کرام اولیاء اللہ ہیں

(زیدا کابر علماء اہل سنت کی نظر میں ص ۲۶ طبع جدید شاہ نفیس اکادمی لاہور)

چند سال قبل تحریک خدام اہل سنت والجماعت پاکستان کے مرکزی امیر صاحبزادہ مولانا قاضی محمد ظہور الحسین اظہر اور کچھ دیگر اہل علم نے راقم الحروف کو حکم دیا کہ حامیانِ یزید کی تردید، ان کے نئے و پرانے دلائل و رذائل، اور کتب کے تبصرہ و تعارف پر قسط وار مضمون کا آغاز کریں چنانچہ تعمیل حکم میں ''یزیدی فتنہ'' کے نام سے پہلی قسط ماہ نامہ ''حق چار یار'' لاہور اگست ۲۰۰۹ء میں شائع ہوئی اور پھر یہ مقالہ متواتر پچاس قسطوں پر پھیلتا ہوا مارچ ۲۰۱۴ء میں اس لیے مکمل کرنا پڑا کہ اب جامعۃ الکوثر اسلام آباد کے ایک شیعہ مدرس سے مباحثہ شروع ہوگیا تھا اور تادم سطور اس کی بھی آٹھ قسطیں شائع ہوچکی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا بے حد و انتہا شکر ہے کہ ذاتِ کریم نے ان پانچ سالوں میں مقام سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ اور فسقِ یزید کے متعلق اسلافِ امت کا معتدل نظریہ پیش کرنے کی سعادت نصیب فرمائی۔ اور حضرتِ امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ساتھ سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بھی پورا پورا دفاع کرنے کا حوصلہ عطا فرمایا، ہم اس پر اپنے رب کریم کا لامحدود شکر ادا کرتے ہیں۔ جب ان مضامین کو کتابی شکل میں شائع کرنے کا فیصلہ ہوا تو عزیزم محمد عثمان حسن بہت کام آئے، انہوں نے پچاس قسطوں کا ازسرِ نو مطالعہ کیا، اصل کتب سے حوالہ جات کا تقابل کر کے ضروری مقامات پر کمی بیشی کی، مکررات کو حذف کیا، پروف ریڈنگ بھی خود ہی کی، اور اب اسے ''دفاعِ حضرت حسین رضی اللہ عنہ'' کے نام سے ادارہ مظہر التحقیق لاہور سے شائع کروایا جا رہا ہے۔ زیرِ نظر اڈیشن کے لیے انگلینڈ میں مقیم پاکستانی احباب نے دریا دلی کا مظاہرہ کیا۔ اس کے اخراجات برداشت کیے اور انہوں نے ازخود اس کی خواہش ظاہر کی۔ قبل ازیں مدینہ منورہ سے الحاج محمد اسماعیل سلیمان بدات کے تعاون سے اڈیشن چھپ چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کے اس جذبۂ صادقہ کو اپنی بارگاہ میں قبول و منظور فرمائے اور کتاب ہذا کو مکفوف البصر لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائے اور ہم سب کو صحابہ کرامؓ و اہل بیت عظامؓ کی غلامی کا جذبہ نصیب فرمائے۔ آمین!

تاریک شب میں سحر پیدا کر
جو دین کے کام آئے وہ سر پیدا کر
قلت کو اگر بدلنا ہو کثرت سے
تو محمدؐ کے صحابہؓ کا جگر پیدا کر

عبدالجبار سلفی
ادارہ مظہر التحقیق متصل جامع مسجد ختم نبوت
کھاڑک ملتان روڈ، لاہور
۱۱ رمضان المبارک ۱۴۳۵ھ
۱۰ جولائی ۲۰۱۴ء بوقت صبح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# آغاز کتاب

یہ زمانہ روشنی کا زمانہ کہلاتا ہے، مگر حصولِ دین کے اعتبار سے بالکل تاریکی اور ضلالت کا دور ہے..... اسلافِ امت کہ جنہوں نے اپنے علم وعمل، زہد وورع، تقویٰ وطہارت نیز کتاب وسنت کی روشنی میں اپنے بے لاگ تبصروں اور تجزیوں سے عالمِ انسانیت میں تحیر انگیز اور عدیم النظیر انقلاب برپا کر دیا تھا۔ آج ان کی علمی وتحقیقی خدمات پر اعتماد کی بجائے ان کو اپنی جہالت، غباوت، شقاوت اور یبوست کی بھینٹ چڑھایا جارہا ہے۔ اہل حق کہ جن کی تحقیقات، تضاد، اختلاف، ابہام اور التباس سے ماوریٰ نہایت صاف، نکھری اور واضح ہوتی ہیں، ان پر تشکیک کی سیاہ چادریں چڑھا کر حق وصداقت کا مذاق اڑایا جارہا ہے۔ جھوٹ اس قدر عام ہوگیا ہے کہ سچ منہ چھپائے پھرتا ہے اور سچوں کی کسی بات پر اہل زمانہ کان دھرنے کو تیار نہیں۔

زمانہ اس قدر قائل ہوا ہے فیض جھوٹوں کا
جو سچ کہتے ہیں، ان کی ایک بھی مانی نہیں جاتی

وطنِ عزیز پاکستان کے موجودہ حالات متحمل نہیں ہیں کہ فروعی مسائل کو موضوع سخن بنا کر شبابِ خامہ کو انگڑائی دی جائے لیکن جب کوئی شخص یا طائفہ آخذ شریعت اور مزاج سلف پر اپنی قلبی واردات کو مسلط کر دے تو زبان وقلم سے قیامتیں جنم لیتی ہیں، اس لیے ابوالحجیوں کا بیچ چوراہے بھانڈا پھوڑنا بھی اہل حق کا فرض منصبی ہے..... اس وقت بعض وابستگانِ اہل سنت کہ جن کا طغرۂ امتیاز اعتماد علی السلف تھا، دن بدن عدمِ اعتماد علی السلف کے مریض بنتے جارہے ہیں۔ مشائخ اہل سنت کی علمی ونظریاتی املاک تخت وتاراج ہونے کو دکھائی دے رہی ہیں.....

اگر اہل حق نے آگے بڑھ کر اس بے راہروی کا سدباب نہ کیا اور پھیلتے ہوئے اس سرطان کا بروقت علاج نہ کیا تو خاکم بدہن یہ مکروہ مناظر تاریخ کی لوح پر

نقش ہو کر رہ جائیں گے۔ زوالِ فہم کی اس سے بدتر مثال اور کیا ہوگی کہ قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ کو بھی سر چھپانے کے لیے کچھ گھروندے نصیب ہو گئے ہیں اور عقل و شعور سے عاری، تدبر و دانش سے محروم علم و عمل سے تہی دامن لوگ جن کی کھوپڑیاں کسی مچھل کدے سے کم نہیں۔ اِٹھلا اِٹھلا کر اور چلا چلا کر یزید کی تعریف و توصیف میں ارض و سماء کے قلابے ملا کر داغ دھبے دور کرنے کی کوششِ ناروا کر رہے ہیں مگر سچ ہے کہ

خونِ ناحق بھی چھپانے سے کہیں چھپتا ہے؟
کیوں وہ بیٹھے ہیں میری نعش پہ دامن ڈالے

بحمداللہ کہ ہم تو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کے نیچے دبے ہوئے ہیں۔ ہماری ساری تگ و تاز اور مشقِ سخن کا خلاصہ فقط یہی ہے کہ

مختصر سی میری کہانی ہے
جو بھی ہے اُن کی مہربانی ہے

کوچۂ یزید کے مست موالی طبقے کا دلائل و براہین اور عباراتِ اکابر کی روشنی میں تفصیلی جائزہ لینے کا ارادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد شاملِ حال رہی تو فطرتِ سلیمہ اہل السنت والجماعت کے نظریے کو قبول کرنے میں دیر نہیں کرے گی۔ ان شاء اللہ!

## مقامِ اہل بیتؓ

اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم ، اہل السنت والجماعت کی آنکھوں کا نور ہیں۔ ان کی محبت ہمارے ایمان کا حصہ ہے اور ان میں سے کسی ایک کے ساتھ بغض و عداوت حرمان نصیبی ہے۔ امام محمد بن ادریس الشافعیؒ نے کیا خوب فرمایا کہ:

آل النبیؐ ذریعتی وھم الیہ وسیلتی
ارجوا بھم اعطی غدا بید الیمین صحیفتی

(الصواعق المحرقۃ، مصر، ص ۱۸۰)

ترجمہ: ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آل کی محبت میرے لیے مغفرت کا ذریعہ ہے اور یہ

اللہ تعالیٰ کے ہاں میرا وسیلہ ہیں، میں اس بات کا امیدوار ہوں کہ ان انفاسِ طاہرہ کی برکت سے کل قیامت کے دن میرا نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں عنایت کیا جائے گا۔''

حضرت امام عالی مقام سیدنا حسین رضی اللہ عنہ خاندانِ اہل بیت کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی عظمت و منقبت پر کئی ایک فرامین آبِ وحی سے دُھلی زبان نے ارشاد فرمائے ہیں۔ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم جیسی مقدس و مطہر اور مصفیٰ و مزکیٰ جماعت کے ایک فرد بزرگ پر حریصِ دنیا، متمنیٔ بادشاہت اور باغی مملکت جیسے الزامات وہی شخص لگا سکتا ہے، جسے اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی پاس نہ ہو۔ بے شمار آیات قرآنی اور احادیث نبویہ نے ایسے تمام خرافات و سفایات کو بیت عنکبوت کی طرح تار تار کیا ہے حضرت حسین رضی اللہ عنہ، جن کا بچپن راکب دوشِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم بن کر گذرا، رُخ انورِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کا شرف حاصل ہوا، لعاب مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی تحنیک ملی، جن کے کانوں میں حبیب پروردگار کی اذان گونجی، جن کی پرورش خاتونِ جنت کے شیر اطہر سے ہوئی۔ ان کو اگر ایک فاسق و فاجر اپنی بیعت پر مجبور کرے تو وہ کل شیء یرجع الی اصلہ کے مصداق بن کر طاغوتی طاقت سے کیوں نہ ٹکراتے؟

## حمایت یزید پر چند کتب کے نام

حمایت یزید پر وطنِ عزیز میں لاتعداد کتب و رسائل چھپے ہیں، جن میں کھوٹے سکوں کی مدد سے یزید کی وکالت کی گئی ہے۔ چند ایک کے نام یہ ہیں:

۱.....خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ و یزید.....محمود احمد عباسی

۲.....حیات سیدنا یزید..... مولانا عظیم الدین صدیقی

۳.....خلافت رشیدا ابن رشید.....ابو یزید محمد دین بٹ

۴.....خلافت راشدہ.....حکیم فیض عالم صدیقی

۵.....امیر المؤمنین یزید اکابر اسلام کی نظر میں.....عظیم الدین صدیقی

۶.....اسلام کے اچھے نام۔ معاویہ رضی اللہ عنہ و یزید.....محمد فاروقی النعمانی

۷.....دو مظلوم بھائی.....بوانا میاں خاں

۸.....واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر.....مولانا عطاء اللہ بندیالوی

۹.....واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر.....مولانا عتیق الرحمن سنبھلی

۱۰.....سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور امیر یزید.....حسن محمد، نوکھر کی، گوجرانوالہ

۱۱.....مظلوم کربلا.....مولانا محمد حسین نیلوی

۱۲.....امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ.....حکیم عبدالرحمن خلیق

۱۳.....تحقیق شہادت حسین رضی اللہ عنہ، شیعہ کتب سے.....حکیم فیض عالم صدیقی

۱۴.....سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور امیر یزید.....مولانا حسن محمد

۱۵.....سیرت امیر المومنین سیدنا یزید.....ابوالارشاد محمد اسماعیل جاروی السلفی

۱۶.....فضیلت جہاد اور امیر المومنین یزیدؒ.....ابومحمد ادریس ہاشمی

۱۷.....واقعہ کربلا پر تحقیقی نظر.....خالد گرجاکھی

۱۸.....یزید بن معاویہ۔شخصیت و کردار.....خالد گرجاکھی

۱۹.....آئینہ کربلا (پنجابی، منظوم).....حکیم باغ علی

۲۰.....اصحاب رسولؐ اور حقیقت کربلا.....ابو یزید محمد دین بٹ

۲۱.....حضرت حسینؓ و امیر یزید.....اسحاق قلبی

ان تمام کتب کے اندر حقائق کو مسخ کرنے کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے اور غیر معتبر مورخین کی عبارت کو کتاب و سنت، آثار صحابہ رضی اللہ عنہم، فہم اسلاف اور اجماع امت کے مقابل لاکھڑا کیا گیا ہے.....عبارات میں قطع و برید اور حوالہ جات میں تحریف و خیانت اس ٹولے کا اوڑھنا بچھونا ہے..... پہلے بطور نمونہ مداحین یزید کی کتب سے چند اقتباسات پیش کیے جارہے ہیں۔ اس کے بعد مفسرین و محدثین، مورخین و مفکرین اور اکابرین امت کا نظریہ پیش کیا جائے گا تاکہ قارئین موازنہ کر کے نتیجے پر پہنچ سکیں کہ حق کس ساتھ ہے اور کانٹے کس کے دامن میں ہیں!

## ابو یزید محمد دین بٹ

کتاب ''خلافت رشید ابن رشید'' کے مؤلف ابو یزید محمد دین بٹ نے اپنی کتاب میں جگہ جگہ یزید کے نام پر ''رضی اللہ عنہ'' لکھ کر یوں سرخیاں جمائی ہیں۔

① .....صحابہ کرام رضی اللہ عنہم امیر المؤمنین یزید کے حامی تھے۔ (ص ۱۰۲)

② .....صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا امیر ہرگز فاسق نہیں ہوسکتا۔ (ص ۱۰۳)

③ .....امیر المؤمنین یزید کے محاسن۔ (ص ۱۳۱)

④ .....سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا مقصد حصولِ خلافت تھا۔ (ص ۱۹۲)

⑤ .....دونوں بزرگ (سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ) خلافت کو اپنا خاندانی حق سمجھ کر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دوسرے مسلمانوں کے سمجھانے اور منع کرنے کے باوجود بھی اپنی ضد پر قائم رہے۔ (ص ۱۹۳)

اس کتاب پر ایک یزیدی مولانا سید اظہار الحق سہیل شاہ صاحب (ٹوبہ ٹیک سنگھ) نے چند عربی اشعار تحریر کیے ہیں، جن میں سے ایک یہ بھی ہے۔

اسلم روح سیدنا یزیدا امیر المومنین باالحق الصواب

میں سیدنا یزید کی روح پر سلام بھیجتا ہوں، جو کہ امیر المؤمنین ہیں اور حق بات یہی ہے۔

(خلافت رشید ابن رشید، ناشر بٹ آئرن مرچنٹ، لاہور، ص ۲۴۰)

بوانا میاں خاں یوں یزید کی مداح سرائی کرتے ہیں:

''بعض عجمی پیروؤں نے اپنے بڑوں کی خفت مٹانے کے لیے اور مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی خاطر امیر المومنین یزید کو مطعون اور بدنام کرنا شروع کر دیا پھر دنیا جہاں کی جھوٹی اور موضوع روایات محض اسے بدنام کرنے کے لیے گھڑی گئیں اور ناکردہ گناہ بھی اس غریب کے سر تھوپے گئے حالانکہ وہ ایک خوش اخلاق، نیک اطوار، مجاہد حکمران اور مومنین کرام وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا متفقہ امیر تھا۔ ایک ہزار سال سے امیر یزید کو خواہ مخواہ بدنام کیا جارہا ہے۔'' (بوانا میاں، دو مظلوم بھائی، ص ۱۴۔۱۵)

## حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی توہین

حکیم فیض عالم صدیقی یوں رقمطراز ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ آپ (حضرت حسین رضی اللہ عنہ) برسام کے مریض تھے اور اس مرض کے مریض اول تو مرجاتے ہیں، ورنہ پاگل ہوجاتے ہیں اور اگر بچ بھی نکلیں تو ان کی زبان لکنت آمیز ہوجاتی ہے اور ذہن کما حقہ سوچنے سمجھنے کی قوتوں سے محروم ہوجاتا ہے۔''

(خلافت راشدہ، بکس اینڈ بکس لاہور، صفحہ ۱۲۴)

مولانا محمد علی جوہرؒ (مدفون بیت المقدس فلسطین) کا مشہور شعر ہے:

قتلِ حسینؓ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اس شعر نے یزیدیت کی دکھتی رگ کو دبایا ہے اور آج تک یزیدیوں کے سینے پر سانپ لوٹ رہے ہیں چنانچہ یہی حکیم فیض عالم لکھتے ہیں:

''آج جوہر زندہ ہوتے تو ان سے دریافت کیا جاتا کہ حضرت! کربلا سے پہلے اسلام کہاں مُردہ تھا؟ اور کربلا کے بعد کس قدر زندہ ہوا۔ کیا کربلا کے واقعے کے بعد امویوں سے سلطنت چھن گئی۔ کیا یزید مرگیا؟ جوہر مرحوم کو اس قدر بھی معلوم نہ ہوسکا کہ اس وقت کے مسلمانوں نے حسین کے قتل کو پرکاہ جتنی وقعت نہیں دی تھی۔''

(خلافت راشدہ، ناشر بکس اینڈ بکس لاہور، صفحہ ۱۲۴)

## عظیم الدین صدیقی

کراچی کے عظیم الدین صدیقی نے اپنی کتاب ''حیات سیدنا یزید'' کی ابتداء ان اشعار سے کی۔

ہر آن راہبر تھی ہدایت یزید کی — کیوں راشدہ نہ ہوگی خلافت یزید کی
کیا مصلحت تھی پوچھیے ابن حسینؓ سے — تسلیم کی ہے جس نے خلافت یزید کی
مانو نہ مانو مگر دنیا نے مان لی — دانش معاویہؓ کی خلافت یزید کی
تسلیم کی ہے متفقہ طور سے انیس — اہل عرب وعجم نے سیادت یزید کی

''حیات سیدنا یزید'' طبع دوم میں یہ نظم حذف کر دی گئی ہے، اور یہ اشعار درج کیے گئے ہیں۔

بدی کے ساتھ جو ذکرِ یزید کرتے ہیں
کہو انیس کہ یہ ہے طریق بولہبی
زبانِ طعنہ و تشنیع کھولنے والے
منافقین ہیں، یا ہیں شکار بے خبری

## عظیم الدین صدیقی مولانا عبداللہ صاحب کے استاذ ہیں

مولانا محمد عبداللہؒ (سابق خطیب لال مسجد اسلام آباد) نے کتاب ''حیات سیدنا یزید'' کی اشاعت کے بعد مصنف کو خط لکھا تھا..... خط کا مضمون یہ ہے۔

محترم السید الاستاذ المکرم، محمد عظیم الدین صدیقی صاحب

سلام مسنون..... خط ملا..... آج ہی شیخ القرآن سے بات کی کتاب ''حیات سیدنا یزیدؒ'' ان کو ابھی تک نہیں ملی۔ تبصرہ اور رائے کی درخواست بھی کی، انہوں نے قبول فرمالیا..... ویسے بھی وہ حضرت امیر یزیدؒ کے بارے میں وہی عقیدہ رکھتے ہیں جو ہمارا ہے لیکن وہ بھی میری ہی طرح برملا اظہار بوجوہ نہیں کرتے..... یہ مجبوری نامعلوم ہماری کب تک چلے گی؟ کوئی آنے والا نہیں ہے ورنہ دستی کتب مزید منگواتا.....

والسلام

محمد عبداللہ

خطیب مرکزی جامعہ مسجد، اسلام آباد

مولانا محمد عبداللہ صاحبؒ کا یہ مکتوب ''حیات سیدنا یزید'' طبع دوم میں موجود ہے..... تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے، ابھی حال ہی میں ''لال مسجد'' اسلام آباد کا جو اندوہناک سانحہ پیش آیا، اس میں مولانا عبداللہ صاحبؒ کے شہید فرزند غازی عبدالرشیدؒ کا بارہا بیان اخبارات میں آیا کہ ہم ''شہداء کربلا کی پیروی میں یزیدیت سے بغاوت کر رہے ہیں۔''

## عزیر احمد صدیقی (آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا)

یہ بھی کراچی کے جلے بھنے یزیدی تھے۔ اپنی زندگی کی آخری کتاب ''انمٹ نقوش'' میں خود کو ''سابق رافضی'' لکھا..... رافضیت کو چھوڑا تو خارجیت کی گود میں آ گرے، گویا ''آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا'' کے مصداق ہوئے۔ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور امام عالی مقام سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا نام تک سننا گوارا نہیں کرتے تھے جگہ جگہ یزید کے نام پر ''رحمۃ اللہ'' والہانہ انداز میں لکھتے ہیں:

''حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسینؒ (خلیفہ مجاز شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ) نے جب خارجیت و یزیدیت کا تعاقب کیا تو عزیر احمد صاحب کے دماغ میں سوئے ہوئے کنپچوے پھڑک اٹھے، چنانچہ ان الفاظ میں اپنا غصہ نکالا۔

''چکوال کے کوئی قاضی جی ہم پر غرا رہے ہیں۔ یہ تحفظ ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم کے وارث بن گئے ہیں۔ یہ قاضی جی اور ان کے چوہے پاکستان میں اسی سنت کی خدمت میں مصروف ہیں'' (اہل بیت رسول، صفحہ ۸۶۔۸۸)

حضرت قاضی صاحبؒ کے عالی ظرف کو داد دیجیے کہ اسکا جواب اس جملے میں دیا۔

''عزیر احمد صاحب کو اللہ تعالیٰ ہی ہدایت دے سکتے ہیں''

(میاں طفیل محمد کی دعوت اتحاد کا جائزہ، ناشر تحریک خدام اہل سنت، چکوال، صفحہ ۹۳)

کہہ رہا تھا شور دریا سے سمندر کا سکوت
جس میں جتنا ظرف ہے وہ اتنا ہی خاموش ہے

## نذیر احمد شاکر

''وکلائے یزید'' میں سے ایک وکیل نذیر احمد شاکر بھی ہیں، سب یزیدیوں کی تان بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ پہ آ کر ٹوٹتی ہے۔ چنانچہ شاکر صاحب اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دکھاوے کے لیے بیعت عامہ کے دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی، مگر دل میں ان سے بیر (بغض) رکھتے تھے'' (شمائل علی، مکتبہ جاء الحق کراچی ص ۱۲۱)

یہ کتاب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی توہین پر مشتمل ہے۔ محقق اہلسنت مولانا محمد نافع کی ضخیم اور تحقیقی کتاب ''سیرت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' اسی کے جواب میں لکھی گئی ہے۔

## محمود احمد عباسی

پاکستان میں فتنہ خارجیت و یزیدیت کے بانی مبانی یہی حضرت تھے۔ جن حضرات کا پہلے تعارف گذر چکا، وہ سب کے سب بالواسطہ یا بلاواسطہ عباسی صاحب کے شاگرد ہیں۔ کتاب ''خلافت معاویہؓ و یزید'' انہی کی تصنیف ہے۔ اس کے جواب میں مولانا قاری محمد طیبؒ نے ''شہید کربلا اور یزید'' لکھی، جب کہ قاضی اطہر مبارک پوری نے ''سیدنا علیؓ و حسین رضی اللہ عنہما'' لکھ کر حق وصداقت کو آشکارا و ہویدا کیا..... عباسی صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں:

''جس شخص کا ایمان قرآن پر نہ ہو وہ البتہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو سید الشہداء کہہ سکتا ہے، ان کی شہادت قتل فی سبیل اللہ کی نہ تھی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے شہنشاہ حکومت کی خواہش ضرور کی۔ مگر ناکام رہے۔'' (رسومات محرم اور تعزیہ داری، کراچی، صفحہ ۵۹-۶۰)

## افراط وتفریط کے شکار دو گروہ

یزید کے مسئلہ پر دو گروہ افراط وتفریط کا شکار ہوئے ہیں۔ ایک گروہ نے اس حد تک شدت اختیار کی کہ یزید کو کافر قرار دے کر گالیاں تک دینا اپنا معمول بنا لیا اور دوسرے گروہ نے اس حد تک تائید اور وکالت کی کہ یزید کی محبت میں منصب صحابیت تک کا لحاظ نہ رکھ سکے، اور رفتہ رفتہ خلیفہ چہارم سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی جاہلانہ تنقید کا نشانہ بنایا، بنیادی طور پر یہ دونوں گروہ سلف صالحین کی راہ سے بھٹک گئے ہیں۔ دین میں کوئی مسئلہ یا کوئی موضوع ایسا نہیں ہے جس کے متعلق اسلاف نے کلام نہ کیا ہو۔ پھر اسلاف سے کوئی رائے لیے بغیر ایسے عناوین پر تحقیق کر کے اس کو حرف آخر قرار دینا اور پوری ڈھٹائی سے اس کو اجماع امت اور تعامل امت کے مقابلہ میں لا کھڑا کرنا حماقت ہے۔

## امام اوزاعیؒ کا ایک قندیل ہدایت ارشاد

امام اوزاعیؒ جو امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کی طرح خود مجتہد اور صاحب مذہب تھے، کا ارشاد ہے۔

اصبر نفسک علی السنة، وقف حیث وقف القوم، وقل لما قالو، وکف عما کفوا، واسلک سبیل سلفک الصالح، فانه یسعک ماوسعهم۔

(شرح اصول اہل السنۃ والجماعۃ جلد نمبر ۱، ص ۱۵۴)

ترجمہ: ''جی لگا کر (اہل) سنت کی راہ پر لگے رہو۔ ان پہلوں کے قدم جہاں رک گئے ہوں وہاں تم بھی رک جاؤ، جس بات کے وہ قائل ہوئے، تم بھی قائل ہو جاؤ اور جس بات سے وہ خاموش اور کنارہ کش رہے ہوں، تم بھی اس سے کنارہ کش ہو جاؤ۔ چلو تو ان اپنے سلف صالحین کی راہ پر چلو، اس لیے کہ گنجائش کا جو دائرہ ان کے لیے ہے وہی تمہارے لیے بھی ہے''

ایک مجتہد اور راسخ العلم کا یہ قول طبع مستقیم اور ذوق سلیم رکھنے والوں کے لیے فانوس اور شمع فروزاں کی حیثیت رکھتا ہے۔ بہرکیف جو گروہ حامیانِ یزید کا ہے، انہوں نے اپنی کم فہمی کی وجہ سے شیعہ، سنی اختلاف کی وجہ اور بنیاد یزید کو سمجھا ہے چونکہ شیعہ مذہب کے ہاں ''یزید'' نام ایک گالی کی حیثیت اختیار کر چکا ہے اور یزید کے والد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے، اس لیے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے کسی قدر بڑھ کر ان کے دلوں میں بغض معاویہ ہوتا ہے۔ حامیانِ یزید کہتے ہیں کہ اگر یزید کے فسق و فجور کا نظریہ رکھا جائے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید کا دروازہ کھلتا ہے۔ آگے چلنے سے پہلے ہم اس کا جواب دیتے چلیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سینے پر صحابیت کا تمغہ لگا ہوا ہے، ان نادان حامیوں کو سوچنا چاہیے کہ ان کی عظمت و منقبت کے لیے شرف صحابیت کیا کم ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات والا بابرکات کو یزید جیسے کمبخت کا سہارا دینا پڑے؟

نوٹ: ہم نے یہاں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی اتباع میں یزید کو کم بخت لکھا ہے، کیونکہ آپؒ نے یزید کو کمبخت قرار دیا ہے۔ (بہشتی زیور، حصہ ۸، ص ۷۴)

وکلاء یزید نے نہ صرف یہ کہ شیعہ وسنی اختلافات کی بنیادی وجوہات جاننے کی کوشش نہیں کی ہے، بلکہ یہ عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی نا آشنا ہیں۔ وگرنہ یزید کے دفاع میں امام عالی مقام سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور خلیفۂ راشد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر تنقید کے نشتر چلانا اور تحقیر آمیز جملے لکھنا کہاں کی دانشمندی ہے؟

''مسئلہ یزید'' کے متعلق راہِ اعتدال اختیار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ واقعۂ کربلا کے متعلق غیر معتبر کتابوں کا تخم مٹا دیا جائے اور معتبر ومستند کتابوں سے عوام الناس کو آشنا کروایا جائے۔ اس وقت مارکیٹ میں غیر معتبر کتابوں کا ایک انبار دکھائی دیتا ہے۔ سادہ لوح لوگ ان کو پڑھ کر اتنی گمراہی نہیں پھیلاتے، جتنا اَن پڑھ واعظین اپنی خطابت کا جادو دکھانے کے لیے برسرِ منبر حقائق کا خون کرتے ہیں۔

## واقعہ کربلا کے متعلق غیر معتبر کتب

تاریخ اور سوانح نگاری بہت اہم مگر مشکل موضوع ہے، اس کے لیے بہت جگر سوزی اور عرق ریزی کی ضرورت ہوتی ہے۔ واقعات کی تہہ تک پہنچنے کے لیے نہایت تحقیق وجستجو درکار ہوتی ہے۔ واقعہ کربلا کے متعلق بعض واعظین اپنے وعظوں میں اور بعض اپنی کتابوں میں ایسی ایسی داستانیں بیان کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے یہ خود معرکۂ کربلا میں موجود تھے اور عینی شاہد یہ واقعہ بیان کر رہا ہے۔ کیونکہ ان کی بیان کردہ یا تحریر کردہ باتوں کا وجود دنیا کی کسی کتاب میں نہیں ہوتا۔ ایسی کتابیں بعد میں دردِ سر بن جاتی ہیں۔ مطلب

پرست لوگ ان کے مواد کو بطور سند وحوالہ پیش کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں موجود کتابوں کی پوری فہرست دینا اور ان پر تبصرہ کرنا باعثِ طوالت ہے۔ تاہم چند ایک کتابوں کے نام یہ ہیں:

① اوراقِ غم.....مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد (حزب الاحناف، لاہور)

② خاکِ کربلا.....صاحبزادہ افتخار الحسن

③ فاطمہ کا لعل.....مفتی حبیب سیالکوٹی

④ شہادت نواسۂ سید الابرار.....مولوی عبدالسلام

⑤ باراں تقریریں.....نوری قصوری

⑥ شہید ابن شہید.....صائم چشتی فیصل آبادی

⑦ شامِ کربلا.....مولانا محمد شفیع اوکاڑی

⑧ خطباتِ محرم.....مولانا جلال الدین امجدی

⑨ شاہ نامۂ کربلا.....اقبال دائم

مندرجہ بالا کتب رطب و یابس، جھوٹ، من گھڑت افسانے اور فرضی داستانوں کا مجموعہ ہیں۔ مسئلہ یزید پر شیعوں جیسا لہجہ اختیار کرنے والی اکثریت کا تعلق بریلوی مسلک سے ہے۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْقِلُوْنَ۔ اس طرح یزید کی ترجمانی کرنے والا طبقہ یا مسلک اہل حدیث سے تعلق رکھتا ہے یا پھر وہ لوگ دیوبندی مسلک میں پائے جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے ہم سمجھتے ہیں کہ تینوں مسالک کے اکابر اور ذمہ دار محقق علماء کو اپنے اپنے مسلک کی تطہیر کرنے کی ضرورت ہے۔ عدمِ اعتماد علی السلف کی یہ کیفیت بن چکی ہے کہ یزیدی ٹولہ برملا علماء اہل سنت کو شیعی پروپیگنڈے کا شکار کہہ کر قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ کے چہروں سے داغ دھبے دُور کرنے کی ناکام کوشش کر رہا ہے۔

چنانچہ مولانا عطاء اللہ بندیالوی لکھتے ہیں:

''کچھ نیک دل علماء نے اپنی تحریروں میں یزید کی طرف فسق کی جو نسبت کی ہے تو اس کی وجہ یہ تھی کہ تاریخ کی مستند کتب ان تک نہ پہنچ سکیں اور مدت کے شیعی پروپیگنڈے نے اپنا کام کر دکھایا، ان علماء نے تحقیق و جستجو کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ دوسرے علمی اور اہم مشاغل کی وجہ سے وہ اس طرف توجہ نہ دے سکے۔ آپ یہ پڑھ کر یقیناً حیران ہوں گے کہ ماضی قریب کے نامور مورخ اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مصنف علامہ شبلی نعمانی کو البدایہ والنہایہ اور مستدرک حاکم دستیاب نہ ہو سکیں۔'' (واقعہ کربلا اور اس کا پسِ منظر ص ۲۲)

تبصرہ

بندیالوی صاحب اور دیگر یزیدی وکلاء خود کو آسمان میں تھگلی لگانے کا بڑا ماہر

سمجھتے ہیں۔ ان فکری بیماروں کا مبلغ علم دیکھیے کہ بندیالوی صاحب کا دعویٰ ہے ''اکابر اہل سنت کو کتب تاریخ میسر نہ آسکیں'' اور دعوے پر دلیل یہ ہے کہ ''علامہ شبلی نعمانیؒ کو مستدرک حاکم دستیاب نہ ہوسکی.....'' ہم یزیدی وکلاء سے نہیں، ارباب علم و دانش سے پوچھتے ہیں کہ خدارا بتایئے، کیا مستدرک حاکم تاریخ کی کتاب ہے؟ اور باوجودیکہ علامہ شبلی نامور مورخ اور سیرت نگار ہیں۔ کیا آپ کا شمار اکابر اہل سنت میں ہے؟

باقی رہی بات ''البدایہ والنہایہ'' کی جس کے حوالوں کو توڑ موڑ کر اور قطع و برید کر کے قاتلانِ اہل بیتؓ کے منہ سے کالک مٹانے کی کوشش کی جاتی ہے، ہم آگے چل کر ایک جھلک سلیم الفطرت قارئین کو دکھائیں گے کہ بانی فتنۂ یزید محمود احمد عباسی نے اپنی کتاب ''خلافت معاویہؓ و یزید'' میں کہاں کہاں خیانت کا ارتکاب کر کے علم و تحقیق کو بٹہ لگایا ہے تعجب ہے کہ اکابرین اہل سنت نے شیعی پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر عقیدۂ امامت تو قبول نہیں کیا، تحریف قرآن کے قائل نہیں ہوئے، مسئلہ فدک، مسئلہ بنات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر کئی ایک نزاعی مسائل جو شیعہ و سنی کے مابین شہرہ آفاق ہیں، ان میں یہ حضرات شیعی پروپیگنڈے سے متاثر نہیں ہوئے بلکہ خم ٹھونک کر شیعیت کے افکار کے فضائے آسمانی میں چیتھڑے بکھیر کر رکھ دیئے ہیں۔ شیعی پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر ماتم، تبرا اور تعزیہ و تابوت جیسی رسومات کے تو علماء اہل سنت مؤید نہ ہوئے، لے دے کے یزید ہی رہ گیا تھا، جس کے متعلق ہمارے اسلاف کو معتبر کتب نہ مل سکیں کہ وہ کوئی اپنی رائے قائم کر سکتے، نتیجتاً وہ شیعہ کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو گئے؟

## بغداد کے بھکاری اور موجودہ دور کے یزیدی

حضرت قاضی تنوخی نے ''نشوار المحاضرہ'' میں لکھا ہے کہ جس زمانہ میں بغداد (عراق) کے اندر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق مناظرہ و مباحثہ کا بازار گرم تھا، ایک فریق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں دلائل دیتا اور دوسرا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں، یوں اہل بغداد دو آراء میں منقسم ہو گئے تھے، بغداد کے بھکاریوں نے یہ منصوبہ بنایا کہ ایک گروہ دریائے دجلہ کے پل کے ایک سرے پر

کھڑے ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب سناتا اور دوسرا گروہ پل کے دوسرے سرے پر کھڑے ہو کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب سناتا رہتا، جب شام ڈھلتی تو دن بھر کی آمدنی کو دونوں فریق مل بیٹھ کر آپس میں بانٹ لیتے۔

ہمیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ خارجیوں اور رافضیوں نے بھی آپس میں گٹھ جوڑ کر کے یہ سکیم تیار کر رکھی ہے۔ ایک گروہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شان میں مبالغہ آرائی کی انتہائی حد تک پہنچ گیا اور دوسرا گروہ یزید کی منقبت میں رطب اللسان ہے۔ یہ خود ساختہ واقعات پر مشتمل کتب لکھ کر مارکیٹ میں فروخت کر رہے ہیں اور پھر رقم آپس میں بانٹ لیتے ہیں۔

''فسقِ یزید'' کا مسئلہ اہل سنت کے ہاں کبھی بھی اختلافی نہیں رہا، اہل سنت کے کبار علماء کرام جو یگانہ روزگار اور فرید اعصار بن کر مطلع فضل و کمال پر چمکے اور دمکے، انہوں نے ببانگ دہل یزید کو فاسق قرار دیا ہے۔

## اختلاف کافر ہونے میں ہے، فاسق ہونے میں نہیں

حکیم الاسلام شارح علوم قاسمی مولانا قاری محمد طیبؒ کا ارشاد ہے۔

''اختلاف اگر ہے تو یزید کی تکفیر میں ہے، تفسیق میں نہیں، اور امام احمد بن حنبلؒ جب کہ یزید کے کفر تک کے بھی قائل ہو گئے تو فسق کے تو بطریق اولیٰ قائل تسلیم کیے جائیں گے۔ اس لیے یزید کے فسق پر اتفاق علماء کے ساتھ ایک امام مجتہد کی مہر بھی لگ جاتی ہے''

(شہید کربلا اور یزید صفحہ نمبر ۱۴۰)

بعض آئمہ اور اہل تحقیق کے ہاں یزید کی تکفیر کا مسئلہ بھی زیر بحث آیا ہے، مگر یہ جمہور کا مسلک نہیں ہے، لیکن اس سے کم از کم یزید کے فسق و فجور کی مکمل تائید و تصدیق ہو جاتی ہے۔ بہر حال یزید کو فاسق سمجھنے کا نظریہ ''اعتدال انگیز'' ہے۔ کافر سمجھنے کا نظریہ خیال انگیز ہے، جب کہ مومن کامل سمجھنے کا نظریہ نرا اشتعال انگیز بلکہ ''فتنہ انگیز'' ہے۔

## حامیانِ یزید

حامیانِ یزید کا کام بس ''بھس میں چنگاری'' ڈالنا ہی رہ گیا ہے..... ان

کی بلا سے نتیجہ کچھ بھی نکلے، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے والدِ گرامی، خلافتِ راشدہ کے چوتھے تاجدار سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تنقید و تنقیص کے نیزے زہر بجھی اَنی کی طرح اہل سنت کے دل میں گڑتے رہیں، انہیں اس کی کوئی پرواہ نہیں۔

بُلبل نے آشیانہ چمن سے اُٹھا لیا
اس کی بلا سے بوم بسے یا ہما رہے

یہ محض ہمارا دعویٰ نہیں، مبنی برحقیقت بات ہے کہ یزید کی بلا اُجرت وکالت کرنے والوں کے دل و دماغ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت اور ادب و احترام سے خالی ہوتے ہیں..... کراچی کے نذیر احمد شاکر نے ''شمائل علی رضی اللہ عنہ'' کے نام سے کتاب لکھ کر نہایت خطرناک زہر پھیلایا ہے۔ جس کا تریاق حضرت مولانا محمد نافع صاحب مدظلہم کی کتاب ''سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' ہے۔ چنانچہ آپ اپنی کتاب میں ایک جگہ حاشیہ میں لکھتے ہیں:

''پاکستان میں ایک کتاب کراچی میں نذیر احمد شاکر کی جانب سے شائع ہوئی ہے، جس میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حددرجہ تحقیر و تنقیص کی گئی ہے اور آنجناب رضی اللہ عنہ کے مقام و مرتبہ کو گرانے کے لیے بڑی بیباکی کے ساتھ واقعات کی قطع و برید کی گئی ہے اور انہیں نہایت قبیح شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد حضرات حسنین شریفین رضی اللہ عنہما کے ساتھ ان کو قلبی عناد ہے، جیسا کہ اس کے مندرجات سے ظاہر ہے، قیام پاکستان کے بعد یہ لوگ کراچی سے نمودار ہوئے ہیں۔ ان دو ہر فرقوں، ''نواصب'' اور ''روافض'' کا تقابل بڑا خطرناک اور عبرتناک ہے۔
(سیرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، صفحہ نمبر ۱۸)

## حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ کی شان میں غیر مؤدبانہ جملہ

اس واقعہ میں اختلاف ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پیدائش خانہ کعبہ کے اندر ہوئی یا نہیں؟ انکار اور اثبات کے تاریخی دلائل سے تجزیہ ہوتا چلا آ رہا ہے اور مشقِ سخن آج بھی جاری ہے..... لیکن اس پر بحث کرتے ہوئے ادب و احترام کا دامن ہاتھ

سے چھوڑ دینا یہ اہل سنت کا شیوہ نہیں ہے۔ حکیم محمود احمد ظفر صاحب درجنوں کتب کے مصنف ہیں، انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مولود کعبہ نہ ہونے پر بحث کرتے ہوئے آپ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد کے متعلق نہایت نازیبا اور گھٹیا جملہ لکھا ہے، کم از کم راقم الحروف تو اس کو نہاں خانہ ضمیر کے کسی گوشہ میں جگہ دینے کے لیے تیار نہیں، حکیم صاحب رقمطراز ہیں:

''اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے تو پھر بھی یہ کوئی فخر کی بات نہیں، کیونکہ اس وقت کعبہ کے اندر ایک بت خانہ بنا ہوا تھا۔ اس میں بعض روایات کے مطابق ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے۔ ہوسکتا ہے ابوطالب اپنی بیوی فاطمہ بنت اسد کو دردِ زہ سے خلاصی کے لیے بتوں کے سامنے لے گئے ہوں، وگرنہ کوئی تک نہیں کہ ایک عورت بچے کی پیدائش کے لیے کعبہ جائے اور وہاں غلاظت پھیلائے''

(حکیم محمود احمد ظفر، سیدنا علی رضی اللہ عنہ شخصیت و کردار، ص ۴۸، ۴۹)

کیا اس کے متبادل کوئی جملہ حکیم صاحب کو نہ مل سکا تھا؟ اندازہ کیجیے، فاطمہ بنت اسد کو والدۂ علی رضی اللہ عنہ ہونے کی کیا سزا دی جارہی ہے؟ یہ ہے وہ اندر کا بُغض اور یزید کی محبت جو بہرحال سینے سے نکل آتی ہے..... جہاں تک ہمارا خیال ہے۔ محققین کے ایک معتد بہ طبقہ نے آپ کی پیدائش خانہ کعبہ میں تسلیم کی ہے، ہاں البتہ اس کی بنیاد پر اہل تشیع جو اُن کو فضیلت دیتے ہیں اور باقی اصحابؓ کی تنقیص کرتے ہیں یہ سراسر حماقت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قبل بھی حکیم بن حزام وغیرہ کعبہ میں پیدا ہو چکے تھے۔ یہ والدہ اور مولود دونوں کے لیے ایک فعلِ غیر اختیاری ہے، اس کو کھینچ تان کر خوامخواہ بے ادبی پر اُتر آنا خارجیت کے بھرے میں آجانے کا پتہ دے رہا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ لکھتے ہیں:

''ولادت کے وقت آپ کی جو شرافت و بزرگی ظاہر ہوئی وہ یہ ہے کہ آپ خانہ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے۔ حاکم نے حکیم بن حزام کے تذکرہ میں مصعب کے اس قول یعنی حکیم بن حزام سے پہلے اور بعد کوئی خانہ کعبہ کے اندر نہیں پیدا ہوا، کی تردید کرتے ہوئے

لکھا ہے کہ مصعب نے اس بیان میں غلطی کی..... کیونکہ فاطمہ (بنت اسد) کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خانہ کعبہ کے اندر جننا تواتر کو پہنچ گیا ہے۔"

(ازالۃ الخفاء عن خلافت الخلفاء حصہ سوم، ص ۲۷۴، مطبوعہ، حمیدیہ سٹیم پریس، لاہور)

ازالۃ الخفاء کے حوالے سے مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنی مایۂ ناز کتاب "المرتضیٰ" میں بھی یہی بات لکھی ہے، نیز فقیہہ الامت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کا ارشاد ہے۔

"ولایت دیکھیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی، ان کی پیدائش خانہ کعبہ کے اندر ہوئی۔ ان کی والدہ زیارت کے لیے آئی تھیں، یہ پیدا ہو گئے۔"

(ملفوظات فقیہہ الامت، جلد دوم، حصہ نمبر ۱۰، صفحہ ۵۴)

قارئین کرام! ہم اس حقیقت سے پردہ اٹھانا چاہتے ہیں کہ حامیانِ یزید کا آخری سٹاپ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر تنقید ہے، پھر اس کے بعد اگلا "خارجیت" کا سفر شروع ہو جاتا ہے۔ کسی اور موقع پر ہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مولودِ کعبہ ہونے یا نہ ہونے پر طرفین کے دلائل یکجا کر دیں گے تاکہ اُن میں تقابل کر کے کسی نتیجہ تک پہنچا جا سکے، اس وقت ہمیں اختلاف انداز تحریر اور لب ولہجہ سے ہے۔ ہماری جس محبت وعقیدت کے مستحق حضرات ثلاثہ رضی اللہ عنہم ہیں، بالکل اسی عقیدت کے مستحق سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ہیں، کیونکہ شرف صحابیت کے اعتبار سے سارے برابر ہیں، ہاں! البتہ "کمال" کے اعتبار سے فرق ضرور ہے۔

## بددیانتی کی ایک بدترین مثال

بانی فتنہ یزید محمود احمد عباسی نے اپنی کتاب "خلافتِ معاویہ و یزید" میں بددیانتی کے جو ریکارڈ قائم کیے ہیں، وہ اہل تحقیق سے مخفی نہ ہیں..... تعجب تو بعض "علماء کرام" پر ہے جو عباسی صاحب کے چکمے میں آ گئے اور آج تک اُن کے مشن کے ترجمان بنے ہوئے ہیں۔ عباسی صاحب ایک جگہ علامہ ابن کثیرؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"کان من صلحاء الحنابلۃ و کان یزار" (البدایہ والنہایہ ج ۱۲ ص ۳۲۸)

''یعنی وہ حنبلی صالحین میں سے اور مرجع عوام تھے۔''

انہوں نے امیر یزید کے حسنِ سیرت اور اوصاف پر مستقل تصنیف کی۔

''وله'' مصنف فی فضل یزید بن معاویه الی فیه باالغرائب والعجائب۔

(''خلافت معاویہ ویزید'' صفحہ نمبر ۵۵)

ترجمہ: اور ان کی تصنیف میں سے فضیلت یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک کتاب ہے، جس میں سے بہت سے عجیب وغریب حالات بیان ہیں۔

## تبصرہ

عباسی صاحب نے یہاں دھوکہ دہی کی انتہاء یہ کی کہ شیخ عبدالمغیث کی کتاب پر حافظ ابن کثیرؒ کی تائید ثابت کی، لیکن ''الغرائب والعجائب'' سے آگے علامہ ابن کثیرؒ کی عبارت شیرِ مادر سمجھ کر پی گئے۔ اس کے آگے الفاظ یہ ہیں:

وقد رد علیه ابو الفرج ابن الجوزی فاجاد و اصاب۔

''(یعنی) اس کتاب (جو شیخ عبدالمغیث نے حمایت یزید میں لکھی) کا رد علامہ ابوالفرج ابن الجوزی نے کیا ہے۔ پس انہوں نے نہایت اچھا اور صحیح رد کیا۔''

غور کیجیے! علامہ ابن کثیرؒ یزید کی توصیف میں لکھی جانے والی کتاب کی تعریف نہیں کر رہے بلکہ اس کے رد میں جو علامہ ابن جوزیؒ نے کتاب لکھی، اس کی تعریف کر رہے ہیں۔ اس کتاب کا نام علامہ ابن جوزیؒ نے ''الرد علی المتعصب العنید المانع عن ذم یزید'' رکھا..... اس کتاب کا ذکر شیعہ مجتہد محمد حسین ڈھکو (فاضل نجف اشرف عراق) نے بھی کیا ہے۔ (سعادت الدارین فی مقتل الحسین، ص ۱۶۵)

## محمود احمد عباسی کے شیعوں سے مراسم

شیعہ، سنی اختلاف کی بنیاد فقط یزید کو قرار دے کر اس کی مدح وتوصیف میں آسمان وزمین کے قلابے ملانے والے یہ نام نہاد محققین، دشمنانِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ کس حد تک گہرے مراسم رکھتے ہیں؟ عباسی صاحب کے ایک گھر کے بھیدی جناب حکیم سید محمود احمد برکاتی کا تبصرہ ملاحظہ کیجیے:

''دوسرا تاثر میرا یہ ہے کہ وہ (عباسی) اپنی تحریر کے سلسلے میں مخلص نہیں تھے۔ زبان وقلم سے ردشیعیت کے باوجود اہل تشیع سے اُن کے گونا گوں مراسم تھے۔ ایک بار میں پہنچا تو چند نامور شیعہ اہل قلم ان کے یہاں بیٹھے تھے، اور بڑا پُرتکلف ناشتہ کر رہے تھے اور بہت اپنائیت کی باتیں ہو رہی تھیں۔ اُن کے جانے کے بعد از خود صفائی کہنے لگے کہ ان لوگوں سے وطن ہی سے مراسم ہیں۔ بڑی محبت کرتے ہیں۔ میرا بڑا لحاظ کرتے ہیں۔ میں نے ''جی'' کہہ کر بات ٹال دی کہ مجھے اس سے کیا دلچسپی؟ اسی طرح ایک بار انتخابات میں انہوں نے ایک شیعہ امیدوار کو ووٹ دیا اور میرے سامنے ایک صاحب کے سوال کے جواب میں اس کی وجہ یہ بتائی کہ اس کے خاندان سے قدیم مراسم ہیں اور میں اسے اہل سمجھتا ہوں۔''

(ماہنامہ انوار مدینہ بھکر بابت مارچ ۱۹۸۶ء، باہتمام مولانا محمد عبداللہ صاحب)

## دوسری خیانت

شیعوں کو اپنے گھر بلا کر ناشتے کروانے والے حامیانِ یزید کے سربراہ عباسی صاحب کا ایک اور کرتب ملاحظہ ہو۔ حافظ ابن کثیرؒ کی مندرجہ ذیل عبارت پیش کرتے ہیں:

وقد كان يزيد فيه خصال محمودة من الكرامه والحلم والفصاحته والشعروس الرأى فى الملك وكان ذاجمال حسن المعاشرة

''یزید کی ذات میں قابل ستائش صفات، حلم وکرم و فصاحت اور شعر گوئی وشجاعت وبہادری کی تھیں، نیز معاملاتِ حکومت میں عمدہ رائے رکھتے تھے اور معاشرت کی خوبی وعمدگی بھی اُن میں تھی۔'' (خلافت معاویہ ویزید، ص ۴۹)

عباسی صاحب نے حُبِّ یزید سے مغلوب ہو کر ''البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۲۳۰'' سے یہ عبارت دی ہے، لیکن اس عبارت کا اگلا حصہ بالکل ہضم کر گئے، اس سے آگے یہ الفاظ ہیں:

وكان فيه ايضاً اقبال على الشهوات وترك بعض الصلوات فى بعض الاقات واماتتها فى غارب الاوقات۔

ترجمہ: ''اور نیز یزید میں شہوات نفسانیہ میں انہماک اور بعض اوقات بعض نمازوں کا ترک کرنا پایا جاتا تھا اور نمازوں کو بے وقت پڑھنا تو اکثر رہتا تھا۔''

قارئین کرام! دیکھا آپ نے ''میٹھا میٹھا ہپ ہپ، اور کڑوا کڑوا تھو تھو'' کا حیرت انگیز منظر! یزیدی ٹولے کے ''کرم خوردہ دماغ'' اور خستہ حالی و بدحالی کی ایک نہیں، کئی مثالیں ہیں، جو اس سفر میں ہم وقفے وقفے سے پیش کرتے رہیں گے۔

ہم نے اپنا موقف پیش کرتے ہوئے لکھا تھا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی محبت کی آڑ میں یزید کا دفاع کرنے والا بُغضِ علی رضی اللہ عنہ سے اپنا دامن بچا جائے، یہ مشکل ہے۔ اس ضمن میں ہم نے بطورِ مثال کچھ عبارات پیش کیں۔ نیز ناصبیت و خارجیت کے مدار المہام محمود احمد عباسی کے متعلق اُنہی کے ایک سابق عقیدت مند کے حوالہ سے لکھا کہ عباسی صاحب کے اہل تشیع سے کس قدر گہرے مراسم تھے۔ عباسی صاحب کی فکری پارٹی کا تعارف ہم پہلے کرا چکے ہیں۔ ان لوگوں نے صرف یزید کو بچانے کی خاطر حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما اور پھر اس سے آگے محدثین کرام رحمہم اللہ تک کے گریبانوں میں اپنا ہاتھ ڈالا۔ امیر المومنین فی الحدیث امام بخاریؒ کے متعلق محمود احمد عباسی کے تاثرات کیا تھے؟ دل پہ ہاتھ رکھ کر پڑھیں۔ ڈاکٹر عبداللہ دامانوی رقم طراز ہیں:

''یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے جنتی ہونے کا نظریہ پاک و ہند میں سب سے پہلے محمود احمد عباسی نے پیش کیا۔ یہ شخص کٹر ناصبی عقائد کا حامل تھا اور اس نے اپنی کتاب ''خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ و یزید'' اس زمانے میں تحریر کی کہ جب وہ چینی سفارت خانے میں ملازم تھا۔ میں بھی جب اس کی اس تحقیق جدید سے متاثر ہوا تھا تو اس سے ملاقات کے لیے اس کے گھر گیا اور میں نے دورانِ گفتگو اس سے کہا کہ آپ نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے سر کے متعلق لکھا ہے کہ اس کے متعلق تمام روایات وضعی ہیں۔ جبکہ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک ابن زیاد کے سامنے پیش کیا گیا۔ عباسی صاحب نے کہا۔

ہاں! ''بخاری گدھے نے یہ بات لکھی ہے'' (معاذ اللہ)

(ماہنامہ ''محدث''، جنوری ۲۰۱۰ء صفحہ نمبر ۷۲)

اخلاقیات کا یہ عالم اور ان کے جبڑوں میں سے اتنا تعفن اٹھ رہا ہے کہ گفتگو تک کا سلیقہ نہیں رکھتے تھے لیکن عظیم الدین صدیقی صاحب انہی عباسی صاحب کو ''شیخ الاسلام'' اور ''امام اہل سنت'' لکھتے ہیں: انا للہ وانا الیہ راجعون!

(حیات سیدنا یزید، صفحہ ۱۴۶)

## حامیانِ یزید میں تحمل نہیں ہوتا

ہم اپنے دعوے میں کس حد تک مائل بہ سچائی ہیں؟ تجربہ شرط ہے۔ ہم نے آج تک کسی یزیدی کو صبر و تحمل کے زیور سے آراستہ نہیں دیکھا۔ غصہ میں بڑبڑانا، آنکھوں کو پیشانی پر رکھنا، گفتگو میں گرمی، جذباتی پن، اشتعال اور لہجے میں درشتگی ان کی فطرت ہوتی ہے۔ متانت وہاں ہوتی ہے جہاں سچائی ہو، چہرے پر شرافت اس کے برستی ہے جو پیکر علم و آشتی ہو۔ اور جن کے گرد رعونت کی فلک بوس فصیل کھنچی ہو۔ وہاں رواداری نہیں ہوتی۔ عباسی صاحب کے پنجاب میں ایک فکری ترجمان حکیم فیض عالم صدیقی تھے۔ غیظ و غضب میں لتھڑی اور انصاف کش قسم کی ایک عبارت ملاحظہ کریں۔ حکیم صاحب لکھتے ہیں:

''سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی موت کے متعلق میں اپنی تالیفات ''عترت رسول'' اور ''حسن بن علی رضی اللہ عنہ'' میں بدلائل ثابت کر چکا ہوں کہ کثرت جماع، ذیابیطس، اور تپ محرقہ سے ہوئی۔ آپ کہاں شہید ہوئے؟ اور کس نے آپ کو شہید کیا تھا؟''

(خلافتِ راشدہ صفحہ نمبر ۱۱۴، مطبوعہ، بکس اینڈ بکس، ٹمپل روڈ، لاہور)

قارئین کرام! صرف آپ کے خفتہ ضمیر کو بیدار کرنے کی غرض سے مذکورہ عبارات دی گئیں ہیں، وگرنہ یزیدیت کے کوڑے دان میں اتنا گند موجود ہے کہ سڑاند کے بھبھکوں سے سانس لینا مشکل ہو جائے۔ حکیم فیض عالم صاحب جہلم کے رہنے والے تھے۔ کہتے ہیں جس علاقے کا ہرن ہوتا ہے وہیں کے شکاری کے ہاتھ چڑھتا ہے۔ چنانچہ حکیم صاحب کو جہلم ہی میں ان کے گھر ۱۹۸۳ء میں بعض افراد نے قتل کر دیا۔

گزشتہ سطور میں ہم نے حکیم محمود احمد ظفر صاحب کا ایک جملہ پیش کیا تھا، جو انہوں نے سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ کے متعلق لکھا، جو یقیناً بے ادبی پر مبنی ہے۔ حکماء کی یہ ''حکیمانہ'' عبارتیں جتنی دلفگار ہیں، اتنی ہی اخلاقی زوال اور فکری افلاس کا نقطۂ انتہاء بھی ہیں۔ اس سے بڑھ کر نیرنگیٔ روزگار کا تماشا ملاحظہ ہو کہ ماہ نامہ نقیب ختم نبوت ملتان کے کارپردازان نے مارچ ۱۹۹۰ء کی اشاعت میں پرچے کے ٹائٹل پر حکیم فیض عالم صدیقی کو ''شہدائے ناموسِ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' میں شامل کر دیا۔ کیا صحابہ رضی اللہ عنہم پر زہریلے طنز کرنے والے بھی اُن کی ناموس کے محافظ ہوتے ہیں؟ خدا جانے خارجیت اور یزیدیت کا یہ بھونچال کب تھمے گا؟

## ''خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہ و یزید'' اہل علم کی نظر میں

جب عباسی صاحب کا پیمانۂ شوق چھلک رہا تھا اور وہ خاندانِ نبوت سے عداوت کر کے یزید کے ساتھ رشتۂ محبت استوار کر رہے تھے۔ تو کوئی ذی شعور اور ذی فہم اُن کے چکمہ میں نہ آیا۔ البتہ نذیر احمد شاکر، عزیر احمد صدیقی، حکیم فیض عالم صدیقی، ابو یزید محمد دین بٹ اور مولوی عظیم الدین صدیقی جیسے کودن طبع کچے گھڑے پر بیٹھ کر تحقیق کا دریا عبور کرنے کی ناکام کوشش کرتے رہے۔ اہل علم نے اس کتاب کو کس نظر سے دیکھا؟ مسلمانوں کے دینی و علمی اور ثقافتی فکر و نظر کے حوالے سے چار مراکز، جو ترجمان کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اُن کی آراء کا نمونہ ملاحظہ ہو۔

① : دارالعلوم دیوبند ② : دارالمصنفین اعظم گڑھ

③ : ندوۃ المصنفین دہلی ④ : ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور۔

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ نہایت مصنفانہ تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اندازہ یہ ہوتا ہے کہ مصنف کتاب (محمود عباسی) کے ذہن میں کچھ نظریات پہلے سے قائم شدہ موجود تھے۔ جن کے مؤیدات کی ضرورت تھی۔ سو مفید مطلب تاریخی ٹکڑوں کا مل جانا کوئی عجیب بات نہ تھی کیونکہ دنیا میں ہر فن کی طرح

تاریخ میں بھی مختلف اقوال موجود ہیں۔ اس لیے جو حضرات ذہن کو خالی کر کے تاریخ سے نظریات اخذ کرنے کے عادی ہیں، انہیں موافق مطلب اقوال کا مل جانا تعجب انگیز نہیں لیکن اس کا نام تاریخی ریسرچ نہیں اسے نظریاتی ریسرچ کہنا چاہیے۔''

(شہید کربلا اور یزید، ص ۸)

شاہ معین الدین ندوی صاحب لکھتے ہیں:

''اگر مصنف ''خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ و یزید'' غیر جانبدار اور اعتدال و توازن کے ساتھ ان واقعات کا جائزہ لیتے تو کم از کم کسی اہل علم کو ان پر اعتراض کرنے کا موقع نہ ملتا۔ مگر وہ بنی امیہ خصوصاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کی مدافعت اور حمایت میں اتنا آگے بڑھ گئے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو ملزم بنانے میں باک نہیں کیا ہے۔ انہوں نے واقعات پر جس طرح بحث کی ہے اور اس سے جو نتائج نکالے ہیں، اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ خطا کار اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید برحق نظر آتے ہیں۔ جو نہ صرف جذباتی حیثیت سے قابل اعتراض بلکہ تاریخی حیثیت سے بھی غلط ہے۔'' (معارف، دسمبر ۱۹۵۹ء، اعظم گڑھ)

مولانا سعید احمد اکبر آبادی کا تبصرہ ملاحظہ ہو:

''ہمارا تاثر یہ ہے کہ مصنف کا انداز فکر اور انداز تحریر دونوں جارحانہ ہیں۔ بنو اُمیہ کے دور حکومت کو اسلام کا سب سے زیادہ روشن اور تابناک عہد کہنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کی حکومت کو جمہور امت کے مسلک کے خلاف خلافت کہنا، یزید کے ورع و تقویٰ کا دعویٰ کرنا حدیث ''الملک العضوض'' پر کلام کرنا یہ سب چیزیں اس بات کی غمازی کر رہی ہیں کہ مصنف کسی خاص دائمی تحریک کے زیر اثر پہلے سے ایک خاص خیال قائم کر چکا ہے اور پھر اس کی تائید کے لیے مواد تلاش کر رہا ہے۔ یعنی اس نے تحقیق کے میدان میں قدم بالکل غیر جانبدار ہو کر نہیں رکھا۔''

(مجلہ ''برہان'' دہلی، نومبر ۱۹۵۹ء)

باوجودیکہ ''ادارہ ثقافت اسلامیہ'' لاہور میں آزادانہ رائے کی آڑ میں سلف بیزاری پھیلانے والوں کی کثرت رہی ہے مگر اس ادارہ سے بھی کتاب ''خلافت معاویہ و یزید'' پر یوں تبصرہ شائع ہوا:

''جو لوگ اسے تحقیق کا شاہکار قرار دے رہے ہیں انہوں نے یہ نہ سوچا کہ جو شخص آنکھ بند کر کے ہر تاریخ کو جھوٹ کا طومار قرار دے سکتا ہے۔ جو ہر بڑے مصنف پر کم فہمی، تعصب اور نادانی کا الزام لگا سکتا ہے لیکن اپنے مطلب کے حوالے نہایت ڈھٹائی کے ساتھ اسی جھوٹ کے طومار سے دیتا ہے۔ جو اپنے مقصد کے خلاف تمام مستند کتب تاریخ کو صرف غلط قرار دیتا ہے لیکن حسب ضرورت آغا خانی تک کے حوالے دینے سے نہیں چوکتا۔ اس کی تحقیقات کو کس طرح درست مانا جا سکتا ہے؟ انہوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ جو شخص ''لارنس'' کو محقق کا خطاب دے سکتا ہے وہ خود کس قسم کا محقق ہوگا؟ کون نہیں جانتا کہ لارنس ایک دریدہ دہن، یا وہ گو اور شاتم رسول صلی اللہ علیہ وسلم مستشرق ہے۔'' (''ثقافت'' فروری ۱۹۶۰ء، لاہور)

## یزید پر ننھیالی خاندان کے مسیحی اثرات

خلیفہ دوم حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے مایہ ناز دور خلافت میں جب شام کا علاقہ فتح کیا تو آپ کی دور رس نگاہ بصیرت ایسے جانباز کی تلاش میں تھی جو وہاں اپنے سیاسی تدبر سے مسیحی شاطرانہ چالبازیوں کا مقابلہ کرے۔ چنانچہ ملک شام کا انتظام سپرد کرنے کے لیے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی نظر عالی نے جس ذات کا انتخاب کیا وہ سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔

آپ شام کے گورنر بنا دیئے گئے تو آپ نے وہاں کے ایک مشہور قبیلہ ''بنو کلب'' کی ایک خاتون ''میسون'' سے نکاح کیا۔ میسون کا خاندان رومیوں کے اثر و رسوخ کی وجہ سے عیسائیت اختیار کیے ہوئے تھا۔ ''میسون'' خود مسلمان ہوگئیں تھیں۔ یہ ایک نہایت پاکباز اور شریف النفس خاتون تھیں۔ جیسا کہ علامہ ابن کثیرؒ نے انہیں ''کانت حازمة عظیمة الشان جمالاً وعقلاً ودیناً'' لکھا، یعنی وہ ایک محتاط،

خوش صورت اور عقل و دین کے اعتبار سے بلند درجہ کی حامل تھیں لیکن ''میسون'' کے اعزو اقرباء بدستور عیسائی مذہب پر رہے ہیں۔ اسی میسون کے بطن سے یزید پیدا ہوا۔ بچہ فطرتاً اپنے ددھیال کی نسبت ننھیال سے زیادہ مانوس ہوتا ہے۔ بچپن میں نانا، نانی، اور خالہ کا نام بچوں کی زبان پر ہوتا ہے۔ اب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نانا، امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، نانی ام المؤمنین ہیں، خالاؤں میں سیدہ رقیہ و ام کلثوم اور زینب ہیں..... دوسری جانب یزید کے ننھیال میں عیسائی تہذیب وتمدن ہے اور بس!

اور یہ حقیقت بھی اظہر من الشمس ہے کہ یزید نے ابن زیاد کو جو گورنر بنایا تو وہ ایک عیسائی مشیر ''سرجون بن منصور'' کے کہنے پر بنایا، تاکہ وہ اس متعصب شخص کے ذریعے خاندانِ نبوت کے خون سے ہولی کھیل سکے، اور مسیحی دنیا دور بیٹھی اس کا نظارا کرتی رہے۔

''سرجون بن منصور'' کون تھا؟ علامہ جہشیاریؒ نے اپنی کتاب ''کتاب الوزراء'' میں تفصیل لکھی ہے۔ انہی کے حوالے سے برصغیر کے نامور مورخ اور محقق قاضی اطہر مبارکپوریؒ لکھتے ہیں:

''سرجون بن منصور رومی مسیحی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دیوان خراج کا کاتب تھا۔ یہ شخص حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک شام کے دیوان خراج کا منتظم اعلیٰ رہا اور اس کے ماتحت نصرانی عملہ کی ایک بڑی جماعت تھی۔ اس لیے اس کا اثر ورسوخ بڑھا اور یزید کا مشیر بھی بن گیا اور وہ اپنے عُمال و امراء کے عزل ونصب میں اس سے مشورہ کرنے لگا۔ اسلامی معاملات خصوصاً مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی میں امن وصلاح کی بات (سرجون) کیسے کرسکتا تھا۔ وہ ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کی قدیم رومی پالیسی کا آدمی تھا، چنانچہ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے مسلمانوں کا بدلہ لینے کے لیے ایسے موقع کو غنیمت سمجھا۔ جس میں ایک عرب کی سب سے بڑی طاقت (بنوامیہ) ہو اور دوسری طرف خاندان رسالت اور اس کے طرفدار دینی جذبہ کے ساتھ ہوں اور جب یزید نے اس سے مشورہ کیا تو اس نے ایسا مشورہ دیا جو اس کی مسیحی پالیسی کے عین مناسب تھا اور جس کی ایک بے دین نصرانی سے توقع تھی۔ علامہ جہشیاری کی مشہور ومعروف کتاب ''الوزراء والکتاب'' میں ہے:

ولما اتصل بیزید مسیر الحسین رضی اللہ عنہ الی الکوفۃ شاور سرجون بن منصور فیمن یولی العراق۔

ترجمہ: ''اور جب حسین رضی اللہ عنہ کے کوفہ پہنچ جانے کی خبر یزید کے پاس پہنچی تو اس نے سرجون بن منصور رومی سے مشورہ کیا کہ کس شخص کو عراق کا گورنر بنائے؟''

اس تصریح کے بعد یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ حادثہ کربلا میں یزید نے کس فکر و ذہن کے مشورہ پر عمل کیا؟ اور اسے کس نے ایسے آدمی کو عراق کی گورنری کا مشورہ دیا جو پہلے ہی سے عصبیت و طرفداری میں مشہور تھا۔ (علی و حسین رضی اللہ عنہما صفحہ نمبر ۱۷۶،۱۷۷)

بذریعہ ڈاک ہمیں شیعہ مذہب کا ماہانہ رسالہ ''افکار العارف'' کا تازہ شمارہ موصول ہوا۔ اس میں ایک مضمون نگار کا شذرہ ملاحظہ ہو۔

''یزیدی گروہ وہ ہے جن کو یزید پر لعنت کرنا بُرا محسوس ہوتا ہے۔ یہ لوگ یزید کو جنتی ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں کو چونکہ بروز محشر یزید کے باپ اور دادا سے بخشش کروانا ہے اور شافع محشر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنا نہیں کرنا۔ لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کے خون میں ہاتھ رنگین کرنے والوں کا دامن پکڑے ہوئے ہیں۔'' (ماہنامہ ''افکار العارف'' لاہور، صفحہ نمبر ۶، جنوری ۲۰۱۰ء)

قارئین کرام! ملاحظہ کریں، حب اہل بیت کی آڑ میں معاویہ رضی اللہ عنہ دشمنی اور دوسری جانب حُب معاویہ کی آڑ میں یزید کی حمایت اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شان میں تنقیص، یہی وہ رافضیت و خارجیت کی گمراہ کن شاہراہیں ہیں، جہاں سے اسلاف اہل سنت نے بڑے اعتدال کے ساتھ ہمیں نکالا ہے۔

## بحث حدیث قسطنطنیہ

حدیث قسطنطنیہ اور ''مغفور لہم'' کے الفاظ پر ہم نے کافی آگے جا کر بحث کرنی تھی لیکن چند ایک خطوط نے ابھی سے ہی اُدھار چُکا دینے پر مجبور کیا۔ دو خطوط کوئٹہ سے، ایک لاہور سے اور آخری کراچی سے موصول ہوا۔ مضمون تقریباً سب کا ایک ہے اور آخری مکتوب نگار کا لب ولہجہ بہ نسبت پہلے تین کے قدرے دھیما ہے اس

لیے اس مکتوب کا مضمون پیش کر کے ہم تبصرہ کریں گے۔ راقم کے نام اس خط میں مکتوب نگار رقمطراز ہیں:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گذارش ہے کہ مؤقر ماہنامہ ''حق چار یارؓ'' میں آپ کے مضامین کا ایک سلسلہ ''فتنہ یزید'' (یزیدی فتنہ) جاری ہوا ہے۔ مضمون کے عنوان سے میں ذرا ذہنی انتشار کا شکار ہوں۔ میں دین کا ایک مبتدی ہوں اور کم علم، کم عقل اور کم تجربہ ہوں اور آپ جیسے جید علمائے کرام سے دینی علوم، مومنانہ فراست و عقل حاصل کرتا رہتا ہوں، میں نے سنا ہے کہ یزید کے بارے میں حدیث شریف میں پیش گوئی آئی ہے کہ وہ روم پر جہاد کرنے والے لشکر کا امیر ہونے کے سبب ''مغفورلہم'' میں ہے۔ یعنی اس کی مغفرت ہو چکی ہے تو جس کی مغفرت ہو چکی ہو وہ فتنہ کیسے بن گیا؟ کیا اس کی مغفرت کا وعدۂ الٰہی (نعوذ باللہ) ختم ہو گیا؟ یا حضور ﷺ کی پیش گوئی غلط تھی؟ یہ حدیث کسی ناصبی کی روایت ہے؟ اور بالکل ہی موضوع ہے؟ ازراہ کرم میری الجھن کا ازالہ فرما کر میرے ایمان کی حفاظت کا سامان فرمائیں۔

والسلام

احقر ابوعمیر صدیقی عفی عنہ..... کراچی

تبصرہ

مکتوب نگار کون ہیں اور کس شعبے سے متعلق ہیں؟ ہم نہیں جانتے۔ انہوں نے اپنی کنیت اور لقب تو دیا ہے، مگر نام نہیں لکھا۔ خدا جانے اس میں کیا حکمت کارفرما تھی؟

بہرحال ہمارا مقصد چونکہ مفہوم اور مقصد سے ہے اس لیے اسی پر ہی توجہ مرکوز رکھیں گے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت کا اختتامی جملہ ہے۔

قال النبی ﷺ اول جیش من أمتی یغزون مدینۃ قیصر مغفور لھم۔

(بخاری جلد اوّل صفحہ نمبر ۴۱۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

ترجمہ: ''آپ ﷺ نے فرمایا میری اُمت کا پہلا لشکر جو قیصرِ رُوم کے دارالخلافہ (قسطنطنیہ) پر حملہ کرے گا اس کے گناہ بخشے جائیں گے۔''

حامیانِ یزید نے اس روایت کی بنیاد پر بلاسوچے سمجھے یا جان بوجھ کر ایک کہرام مچا رکھا ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ چونکہ یزید اس لشکر کا سپہ سالار تھا، اس لیے بمطابق حدیث اس کی مغفرت ہو چکی ہے۔ ہم فی الحال اس بحث میں نہیں پڑتے کہ فسق اور مغفرت جمع ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ آج تک حامیانِ یزید نے نہ اس حدیث کے ظاہر کو سمجھا اور نہ باطن کو، جو منشاء رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

## مغفرت کی بشارت خاص ہے، عام نہیں

مغفرت کی یہ بشارت دو حال سے خالی نہیں، یا عام ہوگی یا خاص..... اگر عام ہے تو اس میں قیامت تک قسطنطنیہ پر حملہ آور ہونے والے لشکر مراد ہوں گے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ خاص ہے۔ متنِ حدیث پر غور کریں۔ اول جیش من امتی زبانِ نبوت سے نکلا ہوا ''پہلے لشکر'' کا جملہ دلالت کر رہا ہے کہ یہ پہلے حملہ آور ہونے والے لشکر کے ساتھ مخصوص ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یزید اس پہلے لشکر میں تھا یا نہیں؟ قسطنطنیہ پر پہلا حملہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں کیا گیا تھا اور اس کی کمان حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد تھی۔ یہ ۳۲ھ کا واقعہ ہے۔ (تاریخ کامل جلد ۳، ص ۳۲)

یزید کی ولادت ۲۵ھ میں ہوئی، جیسا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لکھا ہے۔

(ماثبت من السنۃ،، ص ۴۰)

اور علامہ ابن کثیرؒ نے سنِ ولادت ۲۶ھ لکھا ہے۔ ابن کثیرؒ نے ایک روایت کے مطابق ۲۲ھ بھی نقل کیا ہے، اور اسی ۲۲ھ والے قول کو مشہور وکیل یزید مولوی عظیم الدین صدیقی صاحب نے لیا ہے۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸، ص ۱۴۶، حیات سیدنا یزید، ص ۳۰)

قارئین کرام! غور فرمائیں کہ اگر یزید کی ولادت ۲۲ھ میں مانی جائے تو ۳۲ھ میں قسطنطنیہ پر حملہ آور ہونے والے لشکر کی روانگی کے وقت یزید دس سال کا تھا اور اگر ۲۶ھ مانی جائے تو محض چھ سال کا۔ ظاہر ہے کہ اس دس یا چھ سال کی عمر میں اس نے لشکر کی قیادت نہیں کی تھی اس لیے تمام اہل علم و تحقیق اس پر متفق ہیں کہ پہلے لشکر میں یزید قطعاً شامل نہیں تھا۔ چونکہ قسطنطنیہ پر لشکر وقتاً فوقتاً روانہ ہوتے رہتے

تھے۔ اس طرح تقریباً آٹھ لشکر مختلف ادوار میں وہاں گئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں پہلا حملہ ۴۸ھ میں ہوا، اس کے سالار حضرت سفیان بن عوف رضی اللہ عنہ تھے۔ ۵۰ھ یا ۵۲ھ میں جانے والے لشکر میں یزید تھا، مگر اس میں بھی اس نے طوعاً وکرھاً شرکت کی تھی، خوش دلی سے نہیں۔ چونکہ لشکر میں چیچک اور طاعون کی وباء پھیل گئی تھی۔ یزید نے اس وقت کچھ اشعار پڑھے تھے، جن کا مفہوم یہ ہے کہ ''لشکر میں اگر بلائیں اور وبائیں پھیلی ہیں تو مجھے کیا؟ میں تو اونچے تخت پر بیٹھ کر ام کلثوم (یزید کی بیوی) کے ساتھ خوش گپیاں کروں گا، چنانچہ جب ان اشعار کی خبر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو آپ نے قسم کھا کر کہا ''اقسم باللہ لتدخلن ارض الروم فلیصیک ما اصابھم'' (اللہ کی قسم اب میں اس کو ضرور ارض روم کی طرف جانے والے لشکر میں بھیجوں گا، تاکہ یزید کو بھی ان مصیبتوں کا حصہ ملے۔

اب اگر اس عبارت پر ہم کوئی حاشیہ آرائی کریں تو ''آبگینوں کو ٹھیس لگ جائے گی'' لہٰذا حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ کا تبصرہ نذر قارئین کرتے ہیں۔ ابن اثیر کی اس عبارت کو درج کرنے کے بعد قاری صاحبؒ لکھتے ہیں:

''اس سے ایک طرف یہ کھلا کہ یزید کو جہاد کا کتنا شغف تھا؟ جسے عیش پرستی میں یہ انہماک ہو کہ باوجود امیر المؤمنین (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کے امر کے، طرح طرح کے حیلے بہانے کر کے جہاد سے جان بچائی۔ پھر اس کے ساتھ خود غرضی اور خود مطلبی کا یہ عالم کہ وہاں تو مجاہدین پر بھوک پیاس اور بیماری کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں اور یہاں یزید داد عیش دیتے ہوئے ترنم کر رہا ہے کہ مجھے پرواہ نہیں ہے کہ کون بھوک پیاس میں مر رہا ہے اور کون دُکھ درد کا شکار ہے۔ مجھے تو دیرمران کے مکلف فرش وفروش تکیے اور ان کے ساتھ ام کلثوم کی ہمبستری چاہیے۔ کہاں کا جہاد اور کہاں کے مجاہد؟ ظاہر ہے کہ جس کے عیش پرستانہ مشاغل ہوں اور مجاہدین ملت سے بے پرواہی کے یہ جذبات ہوں اس میں قلبی داعیہ سے جہاد کی آرزو اور جان سپاری کی تمنائیں کہاں سے آسکتی ہیں؟ اس لیے وہ اس غزوہ میں بطور سزا کے بھیجا گیا اور قہر درویش بر جان درویش کے انداز سے اس سفر میں اس نے قدم اٹھائے۔ یعنی اس کے قدم اٹھوائے گئے۔ خود نہیں اٹھے اور وہ سزاءً اٹھوائے گئے۔ جن کو حضرت امیر

معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کو قسم دے کر اٹھوائے اور اُسے اٹھانے پڑے..... اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بشارتِ مغفرت کے عموم سے انجام کار باہر ہوجانے کے مقدمات ہی سے نمایاں ہونا شروع ہوگئے تھے۔ جس سے مغفورلہم کے عموم میں اس کے داخل ہونے کی حقیقت بھی کافی کھل جاتی ہے۔'' (تاریخ کامل ابن اثیر (اردو)، جلد ۳، صفحہ نمبر ۱۹۷)

## حدیث ''مغفورٌلہم'' کے حقدار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں، یزید نہیں

حامیانِ یزید کا اس حدیث کی روشنی میں یزید کو مغفور یا جنتی ثابت کرنا تو سراسر سفاہت ہے کیونکہ صحیح بخاری میں ''اوّل جیش'' کے الفاظ ہیں، اور اوّل جیش یعنی پہلا لشکر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں روانہ ہوا جب یزید کی عمر محض دس یا چھ سال تھی، یہ الفاظ اگر صادق آتے ہیں تو سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے جنتی اور مغفور ہونے پر آتے ہیں، کیونکہ وہ ہی اس لشکر کے سپہ سالار تھے اور اس میں بھی کتنی بڑی حکمت پوشیدہ تھی۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن دس اصحابؓ کا نام لے کر اُنہیں جنتی قرار دیا، اُن ''عشرہ مبشرہ'' میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام نہیں ہے اور چونکہ اس صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اغیار کی زبانِ طعن نے زیادہ دراز ہونا تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپ وحی کی دُھلی زبان سے اس حدیث میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ''مغفور'' کی بشارت دے کر رفض و بدعت کی فکر قبیح کو پہلے ہی دفن کر دیا..... کیونکہ اس پر تو سب کا اتفاق ہے، کہ اس پہلے لشکر کی کمان حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کی تھی..... مولانا سید لعل شاہ بخاری باوجودیکہ یزید کا پوسٹ مارٹم کرتے ہوئے اعتدال پر نہ رہ سکے، برملا کہہ گئے۔

''ازروئے تحقیق اس سے بہت پہلے ۳۲ھ میں (قسطنطنیہ پر حملہ) ہو چکا تھا اور اس لشکر کے امیر خود امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔'' (شہید کربلا اور یزید، ص ۸۶، ۱۸۵)

اس حدیثِ قسطنطنیہ کے اگر مصداق تھے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تھے، لیکن حامیانِ یزید کا یہ عجیب وغریب فلسفہ اور نظریہ ہے کہ وہ اس حدیث کی روشنی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تو دفاع نہیں کرتے اور یزید جیسے فاسق و بدبخت کی ترجمانی پر جملہ توانائیاں صرف کر رہے ہیں۔ حُبِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی آڑ میں زہر ہلاہل کی یہی شوگر کوٹڈ

گولیاں ہیں جو سادہ لوح لوگوں کے حلق میں اتاری جاتی ہیں اور پھر کراچی کے مکتوب نگار بچگانہ سوال کرتے ہیں کہ کیا یہ حدیث کسی ناصبی کی گھڑی ہوئی ہے؟ مغفور یزید کو بھلا "فتنہ" کہنا جائز ہے؟ کیا بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی غلط تھی؟ وغیرہ وغیرہ!

(استخلاف یزید بجواب تحقیق مزید علیٰ خلافۃ معاویہ و یزید، ص ۳۴۵)

## شارحینِ حدیث کیا فرماتے ہیں؟

صحیح بخاری جلد اوّل صفحہ ۴۱۰ کا حاشیہ جو ورق کی عین پیشانی پر موجود ہے۔ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے..... مولانا احمد علی سہارنپوریؒ لکھتے ہیں:

وفی الفتح قال المهلب فی هذا الحدیث منقبة لمعاویة لانه غزا البحر ومنقبة لولده لانه اول من غزا مدینة قیصر۔ وتعقبه ابن التین وابن المنیر، بما حاصله انه لایلزم من دخوله فی ذالک العموم ان لاتحزج بدلیل خاص اذلا یختلف اهل العلم ان قوله صلی الله علیه وسلم مغفور لهم مشروط بان یکونوا من اهل المغفرة حتی لو ارتد واحد ممن غزاها بعد ذلک لم یدخل فی ذلک العموم اتفاقا فدل علی ان المراد مغفور لمن وجد شرط المغفرة فیه منهم۔

ترجمہ "فتح الباری میں ہے کہ مہلب کہتا ہے کہ اس حدیث میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت ہے کیونکہ بحری لڑائی کا آغاز انہوں نے کیا، نیز ان کے بیٹے یزید کی بھی منقبت ہے کیونکہ قیصر کے شہر پر اس نے چڑھائی کی..... لیکن اس استدلال پر علامہ ابن تینؒ اور ابن منیرؒ نے گرفت کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ضروری نہیں کہ یزید اس عمومی بشارت میں داخل ہی رہے۔ ہوسکتا ہے کسی خاص دلیل سے وہ اس عموم سے خارج ہوجائے۔ وہ اس لیے کہ جملہ اہل علم متفق ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا "مغفور لہم" فرمانا ایک شرط کے ساتھ مشروط ہے۔ وہ یہ کہ مغفرت اسی کی ہوگی جو مغفرت کا استحقاق رکھتا ہوگا۔ مثلاً جہادِ قسطنطنیہ میں شرکت کرنے والوں میں سے اگر کوئی ایک بعد میں اسلام سے پھر جاتا ہے تو وہ مذکورہ حدیث کے عموم میں داخل نہ رہے گا۔ اس پر سب متفق ہیں لہٰذا معلوم ہوا کہ بشارتِ مغفرت اس کے لیے ہے جو اس کی اہلیت رکھتا ہو اور اس شرط کا حامل ہو۔"

قارئین کرام! بخاری شریف کے اس حاشیہ کی یہ عبارت مولانا احمد علی سہارنپوریؒ نے علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کی فتح الباری سے نقل فرمائی ہے۔

(فتح الباری جلد نمبر ۶، ص ۷۶، کتاب الجہاد، باب ما قیل فی قتال الروم)

ہم چونکہ حنفی ہیں اس لیے مہلب کی اس روایت پر وکیل احناف علامہ بدرالدین عینیؒ کا تبصرہ نقل کیے بغیر آگے نہیں بڑھیں گے..... علامہ عینیؒ پورے طنطنے کے ساتھ فرماتے ہیں: ''قلت ای منقبة کانت لیزید و حاله مشهور''

''میں کہتا ہوں کہ اس میں یزید کی کونسی منقبت ہے؟ جب کہ اس کے کرتوت مشہور زمانہ ہیں۔''

فان قلت قال صلی اللہ علیہ وسلم فی حق هذا الجیش مغفور لهم۔

''پس اگر تو یہ کہے کہ نبی کریم ﷺ نے تو اس لشکر کے حق میں مغفرت کی بشارت دی ہے۔ قلت (تو میں جواباً کہوں گا)

لایلزم من دخوله فی ذالک العموم ان لایخرج بدلیل خاص۔

''کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ کسی اور خاص دلیل سے خارج بھی نہیں ہوسکتا''

اذلا یختلف اهل العلم ان قوله صلی اللہ علیہ وسلم مغفور لهم مشروط

''کیونکہ اہل علم متفق ہیں کہ یہ فرمانِ نبوی ایک شرط سے مشروط ہے''

بان یکونوا من اهل المغفرة

''وہ یہ کہ مغفرت اسی کی ہوگی جو قابل مغفرت ہوگا''

(عمدۃ القاری، جلد نمبر ۱۴، صفحہ ۲۷۸، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ)

## مہلب نے بنوامیہ کی حمایت لی ہے۔ علامہ قسطلانیؒ

علامہ قسطلانیؒ نے بغیر کسی لگی لپٹی کے فرمایا:

واستدل به المهلب علی ثبوت خلافة یزید ابن معاویه... واجیب بان هذا جار علی طریق الحمیة لبنی امیة

(ارشاد الساری شرح صحیح بخاری، جلد ۵، ص ۱۰۴، طبع بیروت)

ترجمہ: ''مہلب نے اس حدیث سے خلافتِ یزید ثابت کی ہے اور جواب اس کا یہ دیا گیا ہے کہ اُس نے محض بنواُمیہ کی چاپلوسی کے لیے ایسا کیا ہے''

ان معروضات کے بعد اگر کوئی ''مغفورلہم'' سے ولایت یزید ثابت کرتا ہے تو وہ محض ضد اور ہٹ دھرمی کی بناء پر ہے۔ شارحین حدیث میں سے کوئی ایک شارح حنفی ہو یا حنبلی، مالکی ہو یا شافعی، یا ہمارے وطن میں کوئی دیوبندی، بریلوی یا اہل حدیث ایسا ہو، جس نے اس حدیث کے تحت یزید بے دید کو صالح ثابت کیا ہو، کم از کم ہماری نظرِ ناقص سے نہیں گزرا۔ بلکہ پاکستانی علماء تو یزید کے ساتھ ''پلید'' کا اضافہ بھی کر دیتے ہیں۔ مولانا قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ (مصنف کتاب رحمۃ اللعالمینؐ) جو وقتِ وفات بھی جماعت اہل حدیث پنجاب کے صدر تھے اور آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کی صدارت بھی کرتے رہے۔ رقمطراز ہیں:

''فتح مکہ کے دن (پنجشنبہ ۲۰ رمضان ۸ھ) نبی ﷺ نے شیبہ بن عثمان اور عثمان بن طلحہ کو بیت اللہ کی کلید عطا فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

خذھا خالدۃ تابدۃ لاینزعھا یا ابی طلحۃ منکم الا ظالم

''لو یہ کنجی سنبھال لو، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تم سے یہ کلید کوئی نہ چھینے گا، مگر وہی جو ظالم ہوگا۔''

اس کے بعد چھ سطریں چھوڑ کر رقمطراز ہیں:

مؤرخین کا بیان ہے کہ یزید پلید نے، اُن سے یہ کلید (یعنی چابی) چھین لی تھی اُس کے بعد پھر یہ ۱۳۳۳ سال کا زمانہ شاہد صدق ہے کہ کسی اور شخص نے اللہ کے رسول کی زبان سے ظالم کہلانے کی جرأت نہیں کی۔ (رحمۃ للعالمین، جلد ۳، ص ۱۷۱)

افسوس کہ جو شخص اللہ کے رسول ﷺ کی زبان سے ظالم قرار پایا، جس کی گردن پر خاندان نبوت کا مقدس خون ہے، جس نے مدینہ منورہ پر چڑھائی کر کے رشکِ فردوس جگہ کی بے حرمتی کی اور سیر و سیاحت کے چسکے میں مگن ہو کر اپنے عظیم والد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ تک پڑھنے سے محروم رہا۔ آج ایک حدیث

نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا غلط مفہوم کشید کر کے اور اسلاف امت سے بیزار ہو کر اس کو جنتی، عادل، صالح اور نہ جانے کیا کیا ثابت کیا جا رہا ہے..... اس لیے ہم مکتوب نگار دوست اور دیگر حضرات سے استدعا کریں گے کہ وہ یزیدی ٹولہ کے چکمے میں نہ آئیں، ہم نے بے شمار یزیدیوں کو خارجیت کی گود میں کھیلتے دیکھا ہے..... اور خارجیوں کے متعلق حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا ایک قول فکری سفر میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے کہ:

''خوارج سے شیعہ کچھ دو انگشت زیادہ ہی ہوں گے، پر اتنا ہے کہ شیعہ سنوار کر چھان پچھوڑ کر عیب لگاتے ہیں اور خوارج اناڑیوں کی طرح بے سوچے سمجھے گنوار کا سا ٹھپ مار بیٹھتے ہیں۔ (ہدیۃ الشیعہ، صفحہ ۱۶۱)

بہر حال یزید کے فسق پر علماء اُمت کا اجماع ہے۔ ہم ایک بار پھر مولانا قاری طیبؒ کا جملہ پیش کریں گے کہ ''اختلاف ہے تو یزید کی تکفیر میں ہے، تفسیق میں نہیں۔

(شہید کربلا اور یزید، ص ۱۴۰)

بلکہ غلام حسین نجفی آنجہانی بھی ہمارے اکابر کی تصریحات پڑھ کر یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ:

''پس یزید کا فاسق و فاجر ہونا اہل سنت علماء کا اجماعی مسئلہ ہے''

(کردار یزید، ص ۱۰۲، مطبوعہ جامعۃ المنتظر، H بلاک ماڈل ٹاؤن، لاہور)

نظریہ اہل سنت پیش کرتے ہوئے ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ:

(۱)..... حدیث قسطنطنیہ کا مصداق یزید بن معاویہؓ قطعاً نہیں ہے۔

(۲)..... اوّل جیش کے الفاظ دلالت کر رہے ہیں کہ یہ حکم خاص ہے صرف پہلے حملہ آور ہونے والے لشکر کے لئے۔ اور اس پہلے لشکر میں یزید نہیں تھا۔ کیونکہ اس وقت وہ صرف چھ یا دس سال کا تھا اور یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت تھا۔

(۳)..... اس پہلے لشکر کی قیادت حضرت معاویہؓ نے کی تھی۔ اس لئے اس حدیث کا مصداق حضرت معاویہؓ ہیں یا اُن کو روانہ کرنیوالے خلافتِ راشدہ کے تیسرے تاجدار سیدنا عثمان غنیؓ!

(۴).....شارحین حدیث میں سے کسی ایک نے بھی اس حدیث کے تحت یزید کی منقبت نہیں کی۔ صرف مہلب کا ایک قول ملتا ہے اور اس کی بھی محدثین نے سخت انداز میں تردید کی (جیسا کہ گذشتہ سطور میں حوالہ جات دیئے گئے ہیں)

ماہ نامہ ''محدث'' لاہور بابت جنوری ۲۰۱۰ء میں ڈاکٹر عبداللہ دامانوی کا ایک مضمون بعنوان ''کیا یزید فوج مغفور لہم کا سپہ سالار تھا''؟ شائع ہوا۔ اس میں فاضل مضمون نگار نے یزید کے متعلق اہل سنت والجماعت کا نظریہ پیش کیا اور انہوں نے بھی یہی ثابت کیا کہ مذکورہ حدیث کی روشنی میں یزید قطعاً صالح، عادل یا جنتی قرار نہیں پاتا۔ چنانچہ ''محدث'' بابت اپریل کے شمارہ میں مولانا عبدالولی حقانی نام کے ایک صاحب نے اس مضمون پر ناقدانہ قلم اٹھایا۔ اور وہی گھسی پٹی باتیں لکھیں جن پر ہم بھی پہلے تفصیلی بحث کر آئے ہیں۔ ہماری اس بات سے بعض حامیانِ یزید کافی سیخ پا ہوتے ہیں کہ ''یزید سیر وسیاحت کے چسکے میں مگن ہو کر اپنے عظیم والد حضرت معاویہؓ کی نماز جنازہ پڑھنے تک سے محروم رہا''..... چنانچہ یہاں تک بڑ لگا دی گئی کہ حضرت معاویہؓ کی نماز جنازہ پڑھائی ہی یزید نے تھی غصہ، اشتعال اور ہٹ دھرمی کا تو کوئی علاج ہی نہیں ہے۔ ہم نے یہ بات محض ظن وتخمین کے طور پر نہیں جزم ویقین کی بنیاد پر لکھی تھی۔ اس لئے کہ جہاں تک یزید کا شکار اور سیاحت میں حد سے زیادہ دلچسپی کا تعلق ہے وہ تو امام ناصبیت محمود احمد عباسی صاحب بھی مان گئے کہ ''امیر یزید بڑے شکاری اور زبردست شہسوار تھے۔'' (تحقیق مزید ص ۲۲۸)

باقی نماز جنازہ کس نے پڑھائی؟ اور اس وقت یزید کہاں تھا؟ یہ بھی عباسی صاحب کے بھتیجے پروفیسر علی احمد عباسی سے پوچھ لیتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

''سیدنا ضحاکؓ نے (حضرت معاویہؓ) کی نماز (جنازہ) پڑھائی اور یزید کو واقعہ ہائلہ کی اطلاع بھیج دی..... امیر یزید اس وقت دمشق میں موجود نہیں تھے۔

(حضرت معاویہؓ کی سیاسی زندگی ص ۳۰۷)

یہ پیش نظر رہے کہ فسق یزید کی وجہ محض واقعہ کربلا نہیں ہے۔ اس واقعے

سے پہلے بھی اس کے اعمال صالحین والے نہیں تھے اور اس واقعے کے بعد بھی اس نے شرمناک اور ہیبت ناک کارنامے سرانجام دیئے۔ مثلاً واقعہ حرہ، جو ۶۳ھ میں پیش آیا، جس میں یزیدی لشکر نے مدینہ منورہ پر چڑھائی کر کے رشکِ فردوس خطہ کے تقدس کو پامال کیا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ واقعہ کربلا نے یزید کے چہرے پر مزید کالک ملی ہے۔ ایک طرف حق بصورت حسینؓ تھا اور دوسری جانب باطل بصورت یزید۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ شیعہ مذہب کے شعار ''تقیہ'' پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''حضرت امام حسین سید الشہداء کی جان نازنین پر جو کچھ گذرا وہ سب جانتے ہیں۔ باعث اس کا فقط حق گوئی تھا، ورنہ یزید کا کلمہ کہہ دیتے تو جان کی جان بچتی اور الٹی مال و دولت اور اعزاز و اکرام ہوتا۔ (ہدیۃ الشیعہ ص ۱۷۳)

## ضروری توضیح:

اس اقتباس میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے حضرت سیدنا حسینؓ کے لئے ''امام'' اور ''سید الشہداء'' کے الفاظ استعمال کیے۔ آج کل بعض حضرات یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت حسینؓ کے لئے ''امام'' کی اصطلاح شیعہ مذہب کی ایجاد ہے۔ یہ خوامخواہ نئی نسل کی سوچ میں زہر گھولنے کے مترادف ہے۔ اس لئے کہ شیعہ تصور سے ہٹ کر اس کے استعمال میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے کئی ایک مقامات پر حضرات حسنینؓ کے لئے ''الامامین الہمامین'' استعمال فرمایا ہے۔ نیز آئمہ اربعہؒ کے اسماء کیساتھ لفظ ''امام'' زبانِ زدِ عام ہے۔ مولانا مرغوب احمد لاجپوری سورتیؒ لکھتے ہیں۔

''یہ واقعہ ہے کہ حسنین رضی اللہ عنہما کی دینی پیشوائی اور ان کے کارناموں اور خصوصی مقام اور امتیازی اوصاف کمال کو اگر مختصر لفظوں میں بیان کیا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ ان کی مبارک زندگیاں ''لَمَا صَبَرُوا'' اور ''کَانُوا بِاٰیَاتِنَا یُوقِنُون'' کی عملی تفسیریں تھیں اور اس اعتبار سے ان دونوں جگر گوشۂ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے لفظ ''امام'' کا اطلاق جتنا موزوں نظر آتا ہے، اہل علم اسے بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔''

(سفینۃ الخیرات فی ذکر مناقب السادات صفحہ نمبر ۱۸ مطبوعہ دار المسافرین دیوبند)

اکابرین کی کتب جلیلہ میں اس کا استعمال اور پھر شیعہ مذہب کے ''تصور امامت'' کی تردید اور نظریہ اہل سنت کی توضیح وترویج کے بعد قطعاً اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی۔ لیکن وہ سانپ ہی کیا جو زہر کا پھپھولا دوبارہ اپنے منہ میں پیدا کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ چنانچہ حکیم محمود احمد صاحب ظفر لکھتے ہیں:

''سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے لیے امام بطور سابقہ اور علیہ السلام بطور لاحقہ کے شیعہ ازم کا ایسا پروپیگنڈا ہے جس سے بڑے بڑے آئمہ اہل سنت غیر شعوری طور پر متاثر نظر آتے ہیں۔'' (خلافت راشدہ جنتری ص ۶۱)

اس کے جواب میں مولانا قاضی مظہر حسینؒ (خلیفہ مجاز مولانا سید حسین احمد مدنیؒ) نے لکھا ہے رحمہ اللہ

''اہل سنت کے بڑے بڑے آئمہ جس بات کو نہیں سمجھ سکے وہ حکیم صاحب کی فہم ناقص میں بات کیسے آگئی؟ پھر تو حکیم صاحب امام الائمہ ہوئے۔ کیا حکیم صاحب نہیں جانتے کہ امام کا معنی پیشوا کے ہیں۔ جو جس درجے میں بھی دین کا پیشوا ہو۔ اس کو اسی درجہ کا امام (پیشوا) مانا جاتا ہے۔ نماز باجماعت پڑھانے والے کو بھی امام کہتے ہیں۔ اہل سنت کے چاروں مجتہدین کے نام کے ساتھ امام کا سابقہ ہی مشہور ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام غزالیؒ اور امام رازیؒ بھی عام طور پر مستعمل ہے۔ اگر ان حضرات کے ناموں کے ساتھ لفظ امام شیعوں کے عقیدہ امامت پر دلالت نہیں کرتا تو حضرت حسنؓ وحسینؓ کے ناموں کے ساتھ لفظ امام بمعنی پیشوا استعمال کرتے ہیں تو اس سے شیعوں کا عقیدہ امامت مراد لینا کیونکر ضروری ہو جاتا ہے؟''

(ماہنامہ حق چاریارؓ بابت جون ۱۹۹۱ء)

اور ''علیہ السلام'' کے لاحقے پر اعتراض کرنا بھی حکیم صاحب کا مجذوبانہ واویلا ہے اس پر تفصیلی گفتگو اگر خلطِ مبحث کے زمرہ میں نہ جاتی تو ہم ضرور کرتے۔ اس لئے اس کا جواب اتنا کافی ہے کہ معترض حکیم صاحب نے خود اپنی کتاب میں حضرت عائشہؓ کو ''سلام اللہ علیہا'' لکھا ہے۔ (سیدنا معاویہ شخصیت اور کردار جلد ۱ ص ۲۲۹)

## یزید کے نام پر "تَرَحُّم" کی علامت

حامیانِ یزید کو حضرت حسینؓ کے نام کے ساتھ "امام" لکھنے پر تو اعتراض ہے لیکن یزید کے نام پر علامتِ ترحم "رح" بڑی بیباکی کے ساتھ لکھتے ہیں۔ مولوی عظیم الدین صدیقی نے اپنی کتاب "سیدنا یزید رحمۃ اللہ علیہ" کے نام سے لکھی اور پوری کتاب میں حضرت حسینؓ کے نام پر "رضی اللہ عنہ" لکھنا گوارا نہ کیا۔ اسی طرح قاضی طاہر علی الہاشمی نے اپنی کتاب "شیعیت، تاریخ و افکار" میں جابجا یزید کو "رحمۃ اللہ علیہ" لکھا ہے۔ ماہ نامہ "الاحرار" ملتان بابت جنوری ۲۰۱۰ء میں مدیر کا مضمون بعنوان "تاریخ اسلام میں دہشت گردی کے المناک حادثات" شائع ہوا۔ اس میں بھی یزید کو امیر المؤمنین اور "رح" لکھا گیا۔ اور دلیری کا یہ عالم ہے کہ مدیر صاحب نے یہ مضمون "ابوشراحیل" کی کنیت سے لکھا، ہم حامیانِ یزید کو چیلنج کرتے ہیں کہ چودہ صدیوں میں کسی حنفی، حنبلی، مالکی، شافعی محدث، مفسر یا مورخ نے یزید کے نام پر علامتِ ترحم ڈالی ہو تو پیش کریں؟ آزمائے جس کا جی چاہے۔

جب کہ ہم درجنوں ایسے حوالہ جات دکھا سکتے ہیں جن میں اکابرین اُمت نے غیر انبیاء کے اسماء پر "علیہ السلام" اور "امام" کی اصطلاحیں لکھی ہیں۔ اس یبوست مآب مخلوق کا تحقیقی نسب محمود عباسی پر جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن چودہ صدیوں کے محققین اسلاف جن کی پشت پر کھڑے ہیں، ان کو یہ قہر آلود نگاہوں سے گھور گھور کر دیکھتے ہیں۔ فیاللعجب!

اور جن حضرات نے حضرت امام حسینؓ کے نام کے ساتھ "سید الشہداء" لکھا ہے۔ انہوں نے حضرت حمزہؓ کی سیادت کا انکار نہیں کیا۔ حضرت امام حسینؓ شہداء کربلا کے سید یعنی سردار ہیں۔

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا

پاک منزل کے متلاشی پاک راستوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ ناپاک راستوں سے خیر کی منزلیں کہاں ملتی ہیں؟ حضرت معاویہؓ کے مقامِ صحابیت کو سمجھنے کے لئے قرآن، حدیث، اور افکار اہل سنت کا راستہ اختیار کیجیے۔ یزید کا نہیں۔ یزید

کی محبت میں مغلوب ہوکر حضرت معاویہؓ کا دفاع کرنا کنعان کی تعریف میں رطب اللسان ہوکر حضرت نوحؑ کی نبوت ثابت کرنے کے مترادف ہے۔

ماہ نامہ حق چار یارؓ کے گذشتہ شمارہ میں ڈاکٹر اسرار احمد (۱) کی وفات کے حوالے سے مضمون شائع ہوا۔ جس میں باحوالہ موقف اختیار کیا گیا تھا کہ مودودی صاحب کی جن عبارات پر اہل حق نے اُن سے اختلاف کیا، ڈاکٹر صاحب نے بھی ان عبارات کے خلاف وقتاً فوقتاً آواز بذریعہ تحریر یا تقریر بلند کی۔ بعض احباب شکوہ کناں ہوئے کہ ایک طرف تو ''یزیدی فتنہ'' پر قلم اٹھایا جارہا ہے اور دوسری جانب ڈاکٹر اسرار احمد پر مضمون لکھا گیا، جبکہ وہ بھی حامیٔ یزید تھے۔ سو پہلے ہم اس پر مختصری بحث کریں گے۔

ہمارے مضمون سے اگر کوئی یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ ہم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی شخصیت سے کُلی طور پر متاثر اور ان کی فکر کے سو فیصد متفق ہیں تو یہ خیال بالکل باطل اور زعم عاطل ہے۔ ہمارا مقصد فقط یہ تھا کہ جماعت اسلامی کی جانب سے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو خراجِ عقیدت پیش کیا جارہا ہے۔ مثلاً ماہ نامہ ترجمان القرآن بابت مئی ۲۰۱۰ء میں پروفیسر خورشید احمد صاحب کا مضمون بعنوان ''اسرار بھائی'' اور ماہ نامہ اردو ڈائجسٹ لاہور میں الطاف حسن قریشی کا مضمون بعنوان ''ڈاکٹر اسرار احمد کی شخصیت کا اعجاز'' شائع ہوئے۔ ان مضامین میں ڈاکٹر اسرار احمد کو مودودی صاحب کی زلفوں کا اسیر ثابت کیا گیا ہے۔ ہمارا دعویٰ یہ تھا کہ فکری ونظریاتی اور مذہبی وجذباتی اعتبار سے وہ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ، شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ، مولانا محمد الیاسؒ اور دیگر علماء اہل سنت دیوبند کے فیوض وکمالات کے مودودی صاحب سے زیادہ معترف تھے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ مولانا مودودی کے ساتھ

(۱) تکفیر شیعہ کے حوالہ سے مصنف کتاب کی ایک باضابطہ مجلس ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے ساتھ ان کے دفتر میں ہوئی تھی اور اس حوالہ سے مصنف کا ایک خط بھی ڈاکٹر صاحب نے اپنے ماہ نامہ ''میثاق'' اگست ۲۰۰۸ء میں شائع کیا تھا۔ اسی تعلق کے حوالہ سے ڈاکٹر اسرار احمد کی وفات کے بعد مصنف کا نہایت معلوماتی مضمون ماہ نامہ حق چار یارؓ میں شائع ہوا تھا۔ (محمد عثمان حسن)

ان کے سابقہ تعلقات کو تو اجاگر کیا جارہا ہے مگر اختلاف کی بابت حقائق سامنے نہیں لائے جاتے؟ اس لیے علماء دیوبند کی تائید میں اور مولانا مودودی کی عبارات کی تردید میں ڈاکٹر اسرار احمد کی کتب سے اقتباس قوم کے سامنے رکھے گئے تھے۔ نیز بنظر عمیق جن احباب نے مضمون پڑھا وہ بخوبی جانتے ہیں کہ قائل کی مراد کیا ہے؟

جہاں تک تعلق ہے ان کے حامیٔ یزید ہونے کا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ دیگر بلا اجرت یزیدی وکلاء کی طرح نہ تو یزید کی بڑھ چڑھ کر حمایت کرتے تھے اور نہ ہی اجماعی نظریہ اہل سنت کے مطابق یزید کو کہیں فاسق لکھا ہے۔ حامیانِ یزید حضرت معاویہؓ کی حکومت کو بھی دورِ خلفاء راشدین میں شمار کرتے ہیں، جب کہ ڈاکٹر اسرار احمد لکھتے ہیں:

''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد حکومت کو اہل سنت دورِ خلافت راشدہ میں شامل نہیں کرتے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی اور کاتب وحی ہیں۔ کسی بدبختی کو ہم ان کی طرف منسوب نہیں کر سکتے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے اور صحیح ہے کہ اُن کا وہ مقام اور مرتبہ کبھی کسی نے نہیں سمجھا، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہے۔'' (سانحہ کربلا صفحہ نمبر ۲۳)

حامیانِ یزید حضرت امام عالی مقام سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو طالب اقتدار قرار دیتے ہیں اور مدینہ سے کربلا، کربلا سے سفر شہادت کو ہوسِ حکومت پر محمول کر کے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تنقیص کرتے ہیں، محمود احمد عباسی، حکیم فیض عالم صدیقی، عزیر احمد صدیقی، ابو یزید محمد دین بٹ، حسن الدین سہروردی اور دیگر یزیدی وکلاء کی کتب اس پر شاہد ہیں..... نیز نذیر احمد شاکر کی کتاب ''شمائل علی المرتضیٰ'' تو نہایت مکروہ انداز تحریر اور تلبیسات پر مشتمل ہے..... مگر ڈاکٹر اسرار احمد کا نظریہ یہ ہے کہ

''میں ذاتی طور پر اس بات سے کھلم کھلا اور سرعام اعلانِ برأت کرتا ہوں۔ اگر کسی کو یہ شک وشبہ یا غلط فہمی ہو کہ معاذ اللہ میری رائے ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس اقدام میں کوئی نفسانیت یا کوئی ذاتی غرض تھی تو میں اس سے باالکلیہ بری ہوں۔ الحمد للہ، ثم الحمد للہ''

(سانحہ کربلا صفحہ نمبر ۳۴)

ہمارا مقصد ڈاکٹر صاحب یا کسی بھی شخصیت کا دفاع ہرگز نہیں، وہ وہاں پہنچ

گئے ہیں، جہاں فقط پاکیزہ خیالات اور اعمالِ صالحہ کام آتے ہیں..... تشکیک میں پڑے ہوئے بعض دوستوں کے لیے یہ وضاحتی سطور لکھی گئی ہیں۔ ہمیشہ نظریات کا تحفظ کیا جاتا ہے، شخصیات کا نہیں، شخصیات آتی جاتی رہتی ہیں، جبکہ نظریات وہیں کے وہیں رہتے ہیں۔ اس لیے اگر کسی کی سوچ یا اپروچ مسلمہ عقائد ونظریات سے متصادم ہو تو اس کی سوچ کو بدلنے کی کوشش کی جائے گی، نظریہ نہیں بدلتا..... صحیح عقائد ونظریات کو قرآن وسنت کا سایہ نصیب ہوتا ہے اور جس طرح کتاب وسنت کو دوام ہے، صحیح خیالات کو دوام حاصل ہے۔

صدیوں فلاسفہ کی چناں وچنیں رہی لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے زیرادارت ماہ نامہ ''میثاق'' بابت جون ۲۰۰۸ء میں شائع ہونے والے ایک مضمون کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے جانشین ان کے بیٹے یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے عہد حکومت میں امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے خانوادے کی شہادت، مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پامالی اور حرم محترم کی بے حرمتی ہوئی۔ جس کی وجہ سے عالم اسلام میں بنواُمیہ کے خلاف نفرت وحقارت کے جذبات پرورش پانے لگے۔''

ہاں! جو لوگ مسئلہ یزید میں توقف اختیار کرتے ہیں۔ اُنہیں چاہیے کہ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کا تقابل ہو، تو پھر دونوں کی شرعی پوزیشن واضح کر دیں۔ اس وقت منصب صحابیت کا دفاع اور فسق یزید کا پرچار کیا جائے گا۔ حادثہ کربلا بیان کرتے ہوئے جو مسئلہ یزید پر توقف اختیار کرتا ہے تو جان لیجیے کہ یا تو وہ توقف کے مفہوم اور مراد سے ناواقف ہے یا پھر اپنے نہاں خانہ ضمیر میں یزید کے لیے نرمی رکھتا ہے۔ تاہم مرض کی نوعیت کے مطابق علاج کیا جاتا ہے۔ سب کے لیے ایک ہی لب و لہجہ رکھنا اور سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکنا چرواہے کا کام ہوتا ہے، صاحب علم کا نہیں۔

## حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور یزید پر ترحم

گزشتہ بحث میں ہم نے لکھا ہے کہ یزیدی لوگ یزید کے نام پر علامت ترحم

''رح'' ڈالتے ہیں۔ حالانکہ متقدمین اسلاف میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا۔ چنانچہ ایک صاحب مطالعہ عالم دین نے کہا کہ میں نے حافظ ابن حجرؒ کی کسی کتاب میں پڑھا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ یزید پر ترحم کرتے تھے۔ سو اس کی توضیح ملاحظہ ہو۔

حافظ ابن حجرؒ نے ابن شوذب کے حوالہ سے لکھا ہے کہ وہ کہتے ہیں، میں نے ابراہیم بن ابوعبید سے سنا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ یزید پر رحمت کی دعا کرتے تھے۔ علامہ ابن حجرؒ کے الفاظ یہ ہیں کہ:

''عمر بن عبدالعزیز یترحم علی یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ''

(لسان المیزان جلد نمبر ۶، ص ۲۹۴)

زمانہ حال کے یزیدی جو یزید پر ترحم کرتے ہیں تو وہ حُب یزید سے مغلوب ہو کر کرتے ہیں۔ جیسا کہ عرف عام میں ' □ ⑬'' اولیاء اللہ کے اسماء پر لکھا جاتا ہے۔ یزیدی بھی اپنے ممدوح کو چونکہ ولی اور تابعی سمجھتے ہیں۔ اس لیے یزید پر ترحم کرتے ہیں..... لیکن یاد رہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تو اس لیے دعائے مغفرت کی تھی کہ فاسق و فاجر اور بدقماش و بٹیر باز کے لیے مغفرت کی دعا کرنا شریعت میں ممنوع نہیں ہے۔ اگر یزیدی ٹولہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے اس عمل کو اپنی تائید میں پیش کرتا ہے تو پہلے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی پوری عبارت بھی پڑھ لے۔ آگے یہ الفاظ ہیں:

''فذکر رجل یزید بن معاویة فقال امیر المومنین یزید فقال له عمر رضی اللہ عنہ تقول امیر المومنین؟ وامر به فضرب عشرین سوطاً''

ترجمہ: ''ایک آدمی نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے روبرو یزید کا تذکرہ کرتے ہوئے اسے امیر المومنین کہا تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا تو یزید کو امیر المومنین کہتا ہے؟ بعد ازاں آپؒ کے حکم سے اس (محب یزید) کو بیس کوڑے لگائے گئے۔''

آج یزید کو ''امیر المومنین'' کہنے والے کیا بیس کوڑے کھانے کے لیے تیار ہیں؟ اگر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ صداقت کا علم لہرا کر کلمۂ حق کہتے ہوئے اپنے پورے خاندان کو راہ خدا میں کٹوا کر عظمت کے مینار کھڑے کر سکتے ہیں، تو آپ یزید کے لیے کوڑے بھی نہیں کھا سکتے؟ پھر یہ طمطراقی اور طنطنی کس کھاتے میں ہے کہ کتابوں کی

کتابیں یزید کے دفاع میں سیاہ کردی جاتی ہیں۔ اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں غیر مؤدبانہ جملے کسے جاتے ہیں..... خدا لگتی بات یہ ہے کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں فساق و فجار کی حمایت کرنے والوں کے باطن اندھیروں کا مسکن بن جاتے ہیں۔ انہیں روشنی سے چڑ ہو جاتی ہے۔ فہم و ادراک کی کوئی رمق ان میں باقی نہیں رہتی اور بالآخر اسی ضد اور عناد کی وجہ سے وہ ''مطبوع القلب'' قرار پاتے ہیں۔

حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کی اس عبارت پر غور کریں۔ آپ لکھتے ہیں:

''حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے یزید کو احتراماً امیر المومنین کہنے پر کوڑے بھی لگوائے تھے۔ کیونکہ شرعاً فاسق کی تعظیم جائز نہیں اور ساتھ ہی بحیثیت مسلمان کے آپ نے یزید کے لیے مغفرت کی دعاء بھی کر لی تھی۔ کیونکہ مغفرت کی دعا کرنا کافر کے لیے (جس کی موت کفر پر واقع ہوئی ہو) ناجائز اور فاسق کے لیے جائز ہے۔''

(خارجی فتنہ جلد دوم، ص ۳۵۳)

محدود فکری صلاحیتوں کو لامحدود کرنے اور بیمار سوچ کا علاج ضروری ہے۔ پھر کنج عافیت میں بیٹھ کر گریبان میں جھانکیے کہ حالات کا جریان اور قانون خداوندی کا سریان شہداء کربلا کے ساتھ ہے یا یزید کے ساتھ؟

اس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ اہل تشیع کی جانب سے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مسلسل طعن و تشنیع کی وجہ سے بعض اہل سنت کہلوانے والے بھی بدک گئے..... اور خصوصاً سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے وہ غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کر گئے۔ ان میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی سرفہرست ہیں، جن کی کتاب ''خلافت و ملوکیت'' ایک عرصہ تک موضوع بحث رہی۔ سید لعل شاہ بخاری مرحوم بھی اعتدال پر نہ رہ سکے۔ ان سے پہلے مشہور انقلابی لیڈر اور ادیب شورش کاشمیری مرحوم بھی کلیجہ فگار قسم کی عبارتیں اپنی کتاب میں لکھ گئے مثلاً ''ابوسفیان اور اس کی اولاد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے لیکن اپنا قرض کربلا میں چکا لیا۔

(بوئے گل، نالۂ دل، دُودِ چراغِ محفل، صفحہ نمبر ۴۱۲، طبع اوّل)

اس عبارت سے مخالفین جو مفہوم کشید کر سکتے ہیں، وہ ظاہر ہے۔ ہم پہلے بھی اس المیہ کا رونا رو چکے ہیں کہ فی زمانہ بے اعتدالی کے طوفان نے وہ اودھم مچایا کہ ایک قوم کی قوم صحراؤں کا بگولہ بن کے رہ گئی ہے..... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی اولاد کی توہین، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دفاع میں حضرت معاویہؓ کے بے ادبی ایک معمول سا بن گیا ہے۔ محبان یزید دامے، درمے، قدمے، سخنے اس مہم میں شریک ہیں..... اور بڑی دل آزار قسم کی تحریریں دیکھنے میں آ رہی ہیں مرا ہوا گھوڑا چھانٹوں سے زندہ نہیں ہوتا مگر مرا ہوا فتنہ کبھی نہ کبھی کسی دوسری شکل میں نمودار ہو ہی جاتا ہے۔

محمود احمد عباسی کی کتاب جس کے ہاتھ چڑھ جاتی ہے۔ وہ اسی کی خود ساختہ تحقیق کے منہ پر کوئی نیا غازہ مل کر اور سرخی پاوڈر لگا کر پیش کر دیتا ہے اور نئی نسل کے اذہان پھر سے مشوش ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ حال ہی میں ایک کتاب ''تاریخ بنو اُمیہ'' کے نام سے آئی ہے، جس کے مؤلف ڈاکٹر سعود الحسن خان روہیلہ ہیں۔ ساری کی ساری کتاب محمود احمد عباسی کی تحقیقِ انیق کی بنیاد پر لکھی گئی۔ بلکہ یوں کہیے کہ ان کی کتب ہی کا چربہ و سرقہ ہے۔ دسواں باب امیر یزید کا ذاتی کردار (از محمود احمد عباسی) کے عنوان سے ہے۔ جس میں یزید کے فضائل و مناقب بیان کیے گئے ہیں۔ جگہ جگہ یزید کو ''□⑬'' لکھا گیا ہے..... حامیانِ یزید ضد اور عناد کو اپنا منشور بنا چکے ہیں..... ابو یزید محمد دین بٹ نے جب کتاب ''خلافت رشیدا بن رشید'' لکھی تھی تو ایک یزیدی نے اس کی تائید میں یہاں تک لکھ دیا تھا۔

''مجھے اپنے والد کے متعلق تو اتنا یقین نہیں کہ وہ ضرور بہشتی ہیں لیکن حضرت یزید کے متعلق میرا ایمان ہے کہ وہ ضرور جنتی ہیں۔'' (خلافت رشیدا بن رشید، ص ۳۴۱)

## ایک یزیدی کی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی شان میں توہین

این ایم کیو صاحب لاہور ہائی کورٹ کے وکیل ہیں (اب ان کا انتقال ہو چکا ہے)۔

انہوں نے اپنے ایک مضمون میں یزید کے جو قصیدے پڑھے۔ فی الوقت ہم اُن پر تبصرہ نہیں کرتے لیکن حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی شان میں اُن کی توہین کی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

''امام عالی مقام حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہما کے حق میں دستبردار ہوگئے، امام عالی مقام نے ایسا کیوں کیا؟ کیا خلافت ان کی خاندانی جاگیر تھی کہ جسے چاہتے بخش دیتے؟ یقیناً ایسا نہیں ہے۔ انہوں نے زمینی حقائق کا ادراک کرتے ہوئے یہ سمجھا کہ اس بھاری پتھر کو اٹھانا ان کے بس کی بات نہیں ہے۔ امت مسلمہ کی بہت بڑی تعداد پہلے ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتماد کر چکی تھی اور مملکت کا زیادہ رقبہ ان کے زیر انتظام تھا۔ پھر بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبرداری امام عالی مقام نے مفت میں نہیں کی تھی۔ اس کے بدلہ میں انہوں نے کافی مال لیا تھا۔ اس کی تفصیل سے صرف نظر کرتا ہوں اور مال کی ان کو ضرورت بھی تھی کیونکہ امام عالی مقام کو ہر روز ایک نئی دلہن درکار تھی۔'' (العیاذ باللہ تعالیٰ)

(کتابت شدہ غیر مطبوعہ مقالہ)

قارئین کرام! متاع ایمان کو مُلّی میں تھام کر ذرا ان جملوں پر غور کریں۔ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف روافض وخوارج اور نواصب کے تقابل نے حالات کہاں تک پہنچا دیئے؟

## حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان حامی..... ایک بصیرت افروز جملہ

سیدی مولانا قاضی مظہر حسینؒ نے یہ جملہ ایسے ہی لوگوں کے لیے فرمایا تھا۔ مندرجہ بالا اقتباس کے آخری جملہ پر آپ غور فرمائیں کہ بیک وقت اور بیک جنبشِ قلم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ دونوں کی توہین کی گئی ہے کیونکہ ان صاحب نے لکھا ہے کہ ''حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دستبرداری کے عوض کافی مال لیا تھا''..... گویا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے مال دے کر خلافت خریدی اور اس کا استحقاق نہیں رکھتے تھے۔ اب بتایئے یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع کیا جارہا ہے؟ پھر تعجب ہے کہ یہی صاحب آگے چل کر لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کا دین ہمیں تین واسطوں سے ملا ہے۔ پہلا واسطہ جبریل امین ہیں۔ دوسرا واسطہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور تیسرا واسطہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں..... ہمارے مہربانوں کے لیے پہلے دو واسطوں کو مجروح کرنا تو ممکن نہیں تھا۔ اس لیے انہوں نے تمام زور تیسرے واسطہ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مجروح کرنے پر صرف کر دیا۔''

مزید لکھتے ہیں:

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دفاع ہمارے ایمان کا تقاضا ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جیسے لوگ اس زمین کے اوپر اور اس آسمان کے نیچے نہ اس سے قبل کبھی پیدا ہوئے اور نہ آئندہ کبھی ہوں گے۔''

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ شرف صحابیت کا تو آپ کو پورا پورا علم ہے۔ اور آپ پورے یقین سے اس کو تحریر کر رہے ہیں تو کیا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا گیا انتہائی نازیبا جملہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مال دے کر خلافت لینے والا قرار دینا یہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی نہیں؟ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حکومت کے حریص تھے؟ اور کیا حضرت حسن رضی اللہ عنہ اسی کردار کے مالک تھے، جو یہ صاحب پیش کر رہے ہیں؟ انا للہ وانا الیہ راجعون!

ہرگز نہیں! اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کوئی بھی دنیاوی اقتدار و حکومت کا متمنی نہ تھا۔ یہ سب محبت یزید کے شاخسانے ہیں۔ ان صاحبان کی سیاہ بختی اور کم بختی کا اندازہ لگائیں کہ یہ یزید کو صالح ثابت کرنے کے لیے اس کے عظیم والد گرامی کی گستاخی کر رہے ہیں اور جس کردار کا یزید مالک تھا، وہ کردار نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیش کر کے اپنے اور اپنے ممدوح یزید کے منہ سے کالک دھونے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے چہروں سے اُترتا اور ٹپکتا نور دیکھ کر سورج کی کرنیں شرمندہ ہو جاتی ہیں اور ان نفوسِ قدسیہ کے اُجلے کردار اور بے داغ ماضی پر حال و استقبال رشک کرتے ہیں۔ کسی بھی محب یزید کا محب صحابہ رضی اللہ عنہم ہونے کا دعویٰ کرنا نرا فریب ہے اور بس!.....

## ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی ژاژ خائی

راہِ اعتدال سے ہٹے ہوئے ایک اور مصری محقق ڈاکٹر طٰہٰ حسین بھی ہیں۔ آنکھوں سے نابینا تھے..... اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بغض سے لبریز تھے۔ گویا بصارت اور بصیرت دونوں سے محروم تھے۔ موصوف کی بیوی عیسائی مذہب سے تعلق رکھتی تھی۔ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت کا لیبل لگا کر جو کچھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف لکھا۔ افسوس پاکستان کے نادان یزیدی نے وہی جملہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ثبت کر دیا۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین لکھتے ہیں:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مسلک کی بنیاد خالص دین پر تھی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مسلک کی بنیاد خالص دنیا پر.....'' (حضرت علیؓ، تاریخ اور سیاست کی روشنی میں، ص ۱۳۴)

مزید لکھتے ہیں: ''(مصر والوں نے) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مکر و فریب سے مصر پر قبضہ کرنا چاہا اور کہنا چاہیے کہ بڑی مشکلوں سے وہ اپنے ارادے میں پُرفریب طریقے پر کامیاب ہوئے۔'' (ایضاً، ص ۱۳۵)

یہی وہ اشتعال انگیز اور افراط و تفریط کا راستہ ہے۔ جو گمراہی کے عمیق گڑھے میں ڈال دیتا ہے..... ہم پہلے یہ دعویٰ کر چکے ہیں کہ محض تعصب کی وجہ سے جو یزید جیسے فاسق کی منقبت کرتا ہے۔ وہ بالآخر محبتِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے..... یہ ۱۹۲۰ء کا واقعہ ہے کہ میرپور میں اہل حدیث عالم مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ اور مولانا قاضی کرم الدین دبیرؒ (والد گرامی حضرت قائد اہل سنتؒ) کے مابین ایک مناظرہ ہوا تھا۔ اس میں مولانا امرتسری مرحوم ذکرِ یزید میں جو کچھ کہہ بیٹھے تھے، وہ مولانا کرم الدین دبیرؒ سے ہی سنیے:

''مولانا ابوالوفاء اس وقت کچھ ایسے بدحواس ہو گئے کہ یزید کی مدح سرائی شروع کر دی اور امام حسین رضی اللہ عنہ کی توہین پر کمر باندھ ڈالی۔ بڑی بے باکی سے کہنے لگے کہ یزید میں حکومت کی صلاحیت تھی اور وہ جنگی قابلیت رکھتا تھا۔ اس لیے

وہ صالحین میں داخل تھا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ حکومت کی صلاحیت نہ رکھتے تھے اور جنگی قابلیت بھی نہ رکھتے تھے، اس لیے اوّل الذکر کامیاب اور دوم ناکام رہے۔''

(مباحثۂ میرپور صفحہ، ۱۲، طبع مسلم پریس، لاہور)

آج تقریباً سو سال کے بعد مولانا امرتسری کے ایک معتقد آج کی زبان اور لہجے میں بالکل وہی فلسفہ بیان کرتے ہیں کہ..... ''یہ بات اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ کاروبارِ حکومت چلانے کی اہلیت اور شئے ہے اور تقویٰ و پاکیزگی دوسری چیز! اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کی اولاد میں سے جتنے بھی لوگ موجود تھے۔ ان میں ایسا کوئی بھی نہیں تھا جو کاروبارِ حکومت چلانے میں اتنا ماہر اور پختہ کار ہو، جتنا یزید ماہر تھا۔''

(سیرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تاریخ کے آئینے میں، ص ۶۲۴)

قارئین کرام! حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت کو جس کسی نے بھی محض ''تاریخ کے آئینے میں'' دیکھا، اس نے ٹھوکر کھائی..... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قرآن وسنت کی روشنی میں پہلے دیکھا جائے۔ تاریخ تو ''تاریک'' بھی ہو جاتی ہے اور کتاب وسنت کے نور کو دوام ہے۔ پھر قابل تعجب بات یہ ہے کہ جب فسقِ یزید پر چودہ صدیوں کے اہل علم کو لا کھڑا کیا جاتا ہے، تو حامیانِ یزید کہتے ہیں، یہ سب تاریخ کی کارستانی ہے، تاریخ بے رحم ہے، تاریخ اور مؤرخین نے یزید کو بدنام کر دیا.....

تاریخ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا تو کچھ نہیں بگاڑا۔ اُن کو آپ آج بھی ''تاریخ کے آئینے میں'' دیکھ رہے ہیں۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔ اہل سنت والجماعت نے آپ کو محمدی آئینے میں دیکھا تو یزید کی اصلیت بھی کھل گئی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا شرفِ صحابیت بھی واضح ہو گیا۔

اس کتاب پر تبصرہ ہم اگلی سطور پر چھوڑتے ہیں۔ البتہ چلتے چلتے ایڈووکیٹ صاحب سے پوچھتے ہیں کہ آپ ایک طرف خود کو دفاعِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے جذبے سے سرشار جانتے ہیں اور دوسری جانب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مال دے کر خلافت لینے والے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو نفس پرست ثابت کرتے ہیں (نقل جہل، جہل نباشد) تو

کیا یہ دو حضرات آپ کے نزدیک صحابی نہیں ہیں؟ اگر نہیں تو بیان کر دیں اور ہیں تو پھر اپنے بیان سے رجوع کر کے استغفار کریں..... اس سے پہلے کہ وقت اجل آ جائے اور مہلت نہ مل سکے۔ یاد رکھیے! جس شخص کو صحابہ رضی اللہ عنہم پر تنقید کرنے کی چاٹ لگ جائے۔ قرب الٰہی کی جانب اس کی واپسی کے راستے مسدود ہو جاتے ہیں۔

## ''سیرت امیر معاویہ'' پر تبصرہ

سیرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تاریخ کے آئینے میں'' مؤلفہ پروفیسر حافظ اظہر محمود، کا ذکر ہم نے گذشتہ سطور میں کیا تھا..... حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے شرف صحابیت اور مقام و مرتبہ کا کوئی سُنی مسلمان منکر نہیں ہو سکتا۔ دفاع معاویہ رضی اللہ عنہ پہ لکھی جانے والی اکثر کتب در پردہ حمایت یزید پر ہوتی ہیں اور ان کتب کا آخری باب مصنف یا مؤلف کے اندر کا آئینہ ہوتا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ ہر کتاب ابتداء سے پڑھی جاتی ہے..... لیکن ہمارا مشورہ یہ ہے کہ دفاع معاویہ رضی اللہ عنہ پر لکھی جانے والی کتب کو ''آخر'' سے پڑھنا شروع کیا جائے..... تاکہ مصنف کے متعلق قاری ذہنی طور پر پہلے سے تیار ہو جائے کہ وہ ''مریض یزید'' ہیں یا واقعی مقام معاویہ رضی اللہ عنہ اُجاگر کرنے کی مخلصانہ کاوش ہے۔ ہماری پیش کردہ معروضات پر کئی ایک پھپے کٹنیاں کاٹ کھانے کو دوڑتی ہیں..... لیکن اظہار حق بھی تو نہایت ضروری ہے۔ وگرنہ جھوٹ کے کثیف بھبکے سچ کے درپن کو اتنا دُھندلا کر رکھ دیں کہ الامان والحفیظ۔

''سیرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ'' نامی کتاب میں بھی یزید کی منقبت کی گئی ہے اور مصنف کا ماخذ قاضی ابوبکر ابن عربی کی کتاب ''العواصم من القواصم'' ہے یا پھر ''البدایہ والنہایہ'' کی ادھوری عبارات.....

قاضی ابوبکر ابن عربی شعبان ۴۶۸ھ میں اسپین میں پیدا ہوئے۔ امام مالکؒ کے مقلد تھے اور تقریباً ۷۵ سال کی عمر میں ماہ ربیع الاول ۵۴۳ھ میں آپ کا انتقال ہوا..... قاضی ابوبکر ابن عربی یزید کے فسق و فجور کے معاملہ پر مسلک اہل

سنت سے ہٹے ہوئے تھے۔ اکثر اہل علم تو ڈنکے کی چوٹ پر اُنہیں ''ناصبی'' کہتے ہیں..... اور بعض ''مائل بہ ناصبیت'' خیال کرتے ہیں۔ حال ہی میں ماہ نامہ ''الندوہ'' اسلام آباد بابت فروری ۲۰۱۰ء ایک مضمون تسامحات کے تحت ''ایک سنگین غلطی'' کے نام سے شائع ہوا۔ جس میں مولانا سعید خان صاحب نے باحوالہ ثابت کیا کہ قاضی ابوبکر ابن عربی کٹر ناصبی تھے اور ان کا قلم چیتے کی مانند قلانچیں بھرتا ہوا یزید کی حمایت میں اڑان کرتا ہے..... ''العواصم من القواصم'' میں تحفظ ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم پر خاطر خواہ مواد موجود ہے..... لیکن حمایت یزید پر جو ناصبیت کی جھلک پائی جاتی ہے۔ اہل علم اور ارباب انصاف نے کبھی اس کی تائید نہیں کی۔ یہاں تک کہ ابن خلدون جیسے مورخین نے بھی اس رویہ پر احتجاج کیا تھا۔

علامہ محب الدین الخطیب نے اس کتاب پر حاشیہ لکھا تھا۔ روافض کے جارحانہ اور تلبیسانہ اقدام سے نالاں ہو کر ان حضرات نے جس دھڑلے سے قاتلان اہل بیتؓ کی حمایت کی ہے، وہ بالکل ناجائز تھی۔ قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ نے ''خارجی فتنہ'' حصہ دوم میں جو قاضی ابوبکر ابن عربی کو سُنی کہا اور ناصبی ہونے کا انکار کیا تو یہ احتیاط پر مبنی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابن عربی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا پورا پورا ادب کرتے ہیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد نہیں مانتے..... وہ خلافت راشدہ موعودہ چار یاروں کا استحقاق سمجھتے ہیں۔

ثانیاً شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے ''فتاوٰی عزیزی'' کی وہ عبارت جس میں ابن عربی کو ناصبی کہا گیا۔ حضرتؒ کا موقف یہ تھا کہ فتاوٰی عزیزی کی بعض عبارات الحاقی ہیں۔ ممکن ہے یہ بھی اُنہی میں سے ایک ہو۔ لیکن یہ یاد رہے کہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کُل کی کُل کتاب کو نامعتبر قرار نہیں دیتے۔ چنانچہ رقمطراز ہیں:

''یہاں یہ ملحوظ رہے کہ بعض مقامات میں الحاق کا گمان ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ سارا مجموعہ فتاوٰی عزیزی ناقابل اعتماد ہو۔ البتہ دلائل کی بناء پر جس عبارت میں شبہ ہو وہ الحاقی سمجھی جائے گی۔'' (دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صفحہ نمبر ۴۲)

اس عبارت سے ایک اور عقدہ بھی حل ہوگیا کہ آپؒ فتاویٰ عزیزی کے الحاقیات پر گمان کرتے ہیں، یقین نہیں ''خارجیت'' کے رد میں ''ناصبیت'' کا ذکر کرنے سے چونکہ ایک نئی بحث چھڑ جاتی اس لیے غالب گماں یہی ہے کہ آپؒ نے بطور احتیاط ابن عربی کو ناصبی نہیں کہا..... حضرتؒ ہی کی ایک عبارت پڑھیے تو خلجان کافی حد تک رفع ہوجائے گا۔ فرماتے ہیں:

''بہرحال قاضی ابوبکر ابن عربیؒ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے قتال کرنے والوں کی طرف سے جو دفاع کیا ہے۔ یہ اُن کی سنگین غلطی ہے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں۔''

(خارجی فتنہ، جلد دوم، صفحہ نمبر ۱۱۹)

یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ حضرت قاضی صاحبؒ نے ابن عربی کے جس فعل کو ''سنگین غلطی'' قرار دیا تھا..... اسی ''سنگین غلطی'' کے زیر عنوان ماہ نامہ الندوہ میں ابن عربی کی ناصبیت کا پول کھولا گیا۔

قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جُز میں کُل
کھیل بچوں کا ہوا، دیدۂ بینا نہ ہوا

یہاں تک بحث کا مقصد یہ ہے کہ محمود احمد عباسی سے لے کر آج تک ہر حامیٔ یزید ابن عربی کی عبارات کا سہارا لے کر بزعم خود نظریۂ سلف کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے۔ لہٰذا ہر قاری یہ بات ذہن نشین کرلے کہ یزید کے متعلق اسلاف اہل سنت نے قاضی ابوبکر ابن عربی کی قطعاً کہیں تائید یا حمایت نہیں کی۔

## حق اور باطل

حامیانِ یزید اس عنوان سے پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ معرکۂ کربلا کوئی حق و باطل کے مابین نہیں تھا۔ ہمارے بھولے بھالے سُنی بھی لاشعوری طور پر اس کی تائید کر بیٹھتے ہیں..... لیکن جاننا چاہیے کہ یزیدی لوگ اس سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو حکومت کا حریص اور شہرت کا طالب قرار دیتے ہیں۔

ہم اہل سنت والجماعت کا موقف یہ ہے کہ چار یاروں کی خلافت دور

نبوت کے ہمرنگ تھی، اس کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دورِ حکومت اور نظام مملکت خلفائے راشدین کے نقوشِ پا پر قائم تھا۔ جب یزید کا دور آیا تو اس میں خالص ملوکانہ اور دنیاوی عیش پرستی غالب تھی۔ چنانچہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نظامِ خلافت کے متصل بعد فسق و فجور پر مبنی نظام برداشت نہ کر سکے اور چین سے گھر بیٹھنے کی بجائے استبداد سے ٹکر لے کر ''شہید ناموسِ خلافت'' ہونے کو ترجیح دی۔ کراچی کے ایک یزیدی ''ظفر عمر'' نے اپنے باطن کا خبث ان الفاظ میں نکالا ہے۔

''محرم کے دن میرے لیے بہت بھاری ہوتے ہیں۔ کیونکہ حادثہ کربلا کے حوالے سے ریڈیو سے، ٹی وی سے، مساجد سے، منبروں سے، امام باڑوں سے، اخباروں میں، دیواری پوسٹروں میں، تقریروں میں، مذاکروں میں، جلسوں میں، مجلسوں میں، دیواروں پر، بینروں پر، نثر میں، نظم میں، تحت اللفظ، ترنم سے، زنانی آواز میں، مردانی آواز میں، بچوں کی آواز میں، بوڑھوں کی آواز میں، رو کر، گا کر، ماتم کر کے، بغیر ماتم کیے، جاہل، عالم، مولوی، مسٹر، طالب علم، پروفیسر، خاتونِ خانہ اور چراغِ محفل، کوٹھوں اور قلم والیاں سب ایک ہی جھوٹ دہراتے نظر آئے ہیں۔ یہاں تک کہ سن سن کر کان پک جاتے ہیں۔ طبیعت متنفر ہو جاتی ہو، اور خون کھولتا ہے اور وہ یہ کہ کربلا کا معرکہ حق و باطل کا معرکہ تھا، جس میں حضرت حسینؓ حق پر تھے اور ان کے مخالفین یا ساتھ نہ دینے والے باطل پر تھے..... (پھر آگے چل کر لکھتے ہیں) اس بات کا اس وقت کے مسلمانوں کو بہت افسوس ہوا کہ حضرت حسینؓ نے عقلمندوں کے مشوروں پر عمل نہ کرتے ہوئے ناحق اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جان گنوائی۔ یہ کسی نے نہ کہا کہ حسین رضی اللہ عنہ نے اسلام کی خاطر جان دی یا کربلا میں حق و باطل کا ٹکراؤ ہوا۔ وہ سب اسے خلافت کے حصول کی ایک ناکام سیاسی کوشش سمجھتے رہے۔ حق و باطل والی بات جدید پروپیگنڈہ تکنیک ہے۔ جو خصوصاً اہل سنت کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے..... اور اہل سنت اس دامِ ہمرنگ زمین میں بری طرح پھنس چکے ہیں۔''

مزید لکھتے ہیں:

''اچھا تو اب اصل حقیقت سنیے کہ سانحہ کربلا کیوں پیش آیا؟ حضرت

علی رضی اللہ عنہ بمقتضائے بشری اور قبائلی رواج کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خلافت کو نسبی قرابت کی بناء پر اپنا حق سمجھتے تھے۔''

(بحوالہ، حادثہ کربلا کیوں پیش آیا؟ صفحہ ۲، ۶، ۲۱، ۲۲، ناشر، انجمن برائے تحفظ المسلمین کراچی، ۱۹۸۶ء)

قارئین کرام! دیکھا آپ نے کربلا کو حق و باطل نہ سمجھنے والوں کی بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر آ کر تان ٹوٹ گئی کہ اس واقعے کے بنیادی ذمہ دار ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور گویا یہ سارا خاندان حکومت اور مال کا حریص تھا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون!

باقی مؤلف کا یہ لکھنا کہ ''محرم کے دن میرے لیے بہت بھاری ہوتے ہیں۔'' بالکل صحیح ہے۔ واقعی یہ مہینہ رافضیوں اور ناصبیوں کے لیے بڑا بھاری ہے۔ رافضیوں کے لیے تو اس لیے کہ بے چارے خود کو مار مار کر ''ادھ موا'' کر دیتے ہیں اور ناصبیوں کے لیے اس لیے بھاری ہے کہ جگہ جگہ اہل سنت کی مساجد میں شہادت حسین پر تقریریں ہوتی ہیں۔ مقالے پڑھے جاتے ہیں اور جذبۂ شہادت کو تازہ کیا جاتا ہے اور ظاہر ہے یہ یزیدیت کے منہ پر اجتماعی اور زوردار تھپڑ ہے۔

حُبِّ علیؓ دلیل ہے، حُبِّ رسولؐ کی
خوارج کو آبِ کوثر پلایا نہ جائے گا
سُن لیں میری طرف سے یزیدانِ عصر تو
نامِ حسینؓ ان سے مٹایا نہ جائے گا

یزیدی ٹولہ اب کافی حد تک دماغی توازن کھو بیٹھا ہے، غیر اخلاقی گفتگو ان کا وطیرہ بن چکا ہے۔ دلائل و براہین سے تہی دامن اس بدنصیب جماعت کے ایک رُکن کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

''عام اور بازاری قسم کے سُنیوں کا گلہ نہیں..... کیونکہ یہ بیچارے جہالت کی وجہ سے رفض و بدعت کا شکار ہیں..... بلکہ یہاں گلہ اور افسوس اس قسم کے سنیوں پر ہے جو بظاہر قاضی بھی ہیں، اور پیشہ ور ملاں بھی، امام اور واعظ بھی ہیں اور فرضی انجمنوں کے امیر اور سربراہ بھی مگر رافضیت کے زہریلے پروپیگنڈے نے ان کا حلیہ کچھ اس طرح بگاڑا ہے کہ

ان کے مُنہ سے شیعیت کی بدبو آ رہی ہے۔ یزید اور معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام سنتے ہی، ان کے بدن میں کانٹے چبھنے شروع ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ سب وتبرا کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے''

(بحوالہ اسلام کے اچھے نام، معاویہؓ و یزید ص ۴ بقلم محمد الفاروقی العمانی، ناشر: تحقیق حزب الاسلام لاہور)

قارئین کرام! مسلمانوں کو شرف صحابیت سے بدظن کرنا، شیعیت کا نصب العین ہے، ہم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو صحابی سمجھ کر ان کا تحفظ کرتے ہیں اور یزید صحابی نہیں، حامیانِ یزید اس کی حمایت میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تک کی گستاخی کرتے ہیں۔ اب بتایئے کہ شیعیت کی بدبو کس کے منہ سے آ رہی ہے؟

## مولانا عطاء المنعم شاہؒ اور حضرت معاویہؓ

اعتدال بڑی نعمت ہے اور اشتعال سراسر نقصان! اشتعال کی بھڑکی انگیٹھی کو ٹھنڈا کرنا بہت مشکل ہوتا ہے..... اکابرین اہل سُنت کے وصف اعتدال نے ہی اُنہیں سرخرو کیا ہے..... شدت، تلخی، غصہ اور تعصب سے فاصلے بڑھتے ہیں، کم نہیں ہوتے۔

علماء کرام وارثین انبیاء ہیں اور انبیاء تحمل و بردباری کے فلک بوس پہاڑ ہوتے تھے..... اس لیے اس طبقہ کے لیے ٹھنڈا مزاج ہونا ضروری، نہایت ضروری ہے۔ مولانا سیّد عطاء المنعم شاہ بخاریؒ اپنے ''معاویہ'' نامی بیٹے کے ساتھ نوابزادہ نصراللہ خاں سے ملنے گئے۔ نوابزادہ نے برخوردار کا نام پوچھا..... بتایا گیا۔ معاویہ، انہوں نے کہیں تفنن طبع کے طور پر کہہ دیا..... ''یہ آپ کو مروائے گا''..... مقصد یہ تھا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات سے دشمنانِ دین بدکتے ہیں، بھاگتے ہیں اور یہ نام اُنہیں گوارا نہ ہوگا تو لوگ آپ کے دشمن بن بیٹھیں گے۔ بہرحال کہنے والے کی مراد خدا جانے کیا تھی اور کیا نہ تھی؟ شاہ صاحبؒ نے سمجھا کہ بُغض معاویہ رضی اللہ عنہ کے جراثیم اہل سنت میں بھی سرایت کر آئے ہیں..... اب نوابزادہ مرحوم تو عالم نہ تھے، بالفرض اس جملے سے ان کی کوئی منفی مراد تھی، تو اُنہیں مقام صحابیت اور شرف صحابیت سے آگاہ کرنا عالم دین کا کام تھا، اس واقعہ نے اور اس جیسے چند دیگر واقعات نے یہ سوچ پیدا کی کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع کے لیے یزید کی کاسہ لیسی ضروری ہوگئی ہے.....

لہٰذا اب حقائق کو بے دردی سے ذبح کر کے، اسلاف کے نقوشِ پاء کو مٹا کر، حتیٰ کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مقام کو گرا کر بہر صورت یزید کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنا ہے..... مولانا سیّد اظہار الحق شاہ عباسی مرحوم (متوفی ۱۹۶۴ء) (ٹوبہ ٹیک سنگھ) والوں نے تو پوری پوری نظمیں یزید کی شان میں لکھ دی تھیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

أسلِمْ رُوحَ سَیِّدِنَا یَزِیْد... امیر المومنین باالحقِ الصَّواب

(القصیدۃ اللمعہ فی محاسن خلفاء الامہ)

(میں اپنے سردار یزید کی روح پر سلام بھیجتا ہوں۔ جو امیر المومنین ہیں اور یہی سیدھی، سچی بات ہے)

مولانا اظہار الحق شاہ سہیل عباسی پوری تندہی سے یزید کی مدافعت میں مصروف تھے کہ مولانا محمد یوسف لدھیانوی (ٹوبہ ٹیک سنگھ والوں) نے تقریباً چار سو صفحات پر مشتمل کتاب ''حسین رضی اللہ عنہ اور یزید'' لکھ کر شائع کی..... تب ٹوبہ ضلع لائلپور میں تھا اور مکتبہ قادریہ غلہ منڈی نے یہ کتاب طبع کروائی تھی۔

مولانا اظہار الحق صاحب نے مسئلہ فسق یزید پر دار العلوم دیوبند رجوع کیا تھا اور مولانا مفتی مہدی حسنؒ سے اس استفتاء کا جواب طلب کیا، ان کا خیال تھا کہ شاید اکابرین دار العلوم میں لچک نظر آئے تو پھر ان کو اپنی پشت پہ کھڑا کر کے مزید یزیدی مہم کو تیز کیا جائے لیکن دار العلوم دیوبند کے فتویٰ نے نہایت مایوس کیا، اس میں کوئی ایسا کونہ تھا جس میں یزیدی احباب کو پناہ ملتی۔ اس میں مفتی مہدی حسینؒ کی عبارت کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''گزارش ہے کہ یزید کی تکفیر کے بارے میں اختلاف ہے، جمہور اہل سنت اسے کافر نہیں کہتے، اس کے فسق پر تقریباً سب متفق ہیں۔''

(ماہ نامہ ''تذکرہ'' دیوبند، ص ۵، جلد نمبر ۲، شمارہ نمبر ۳)

پھر یزیدی طبقہ نے علماء اہل سنت پر یہ الزام دھرا کہ یہ سب رفض کے پروپیگنڈے سے متاثر ہوئے ہیں (حوالہ جات گزر چکے ہیں) اپنے اشتعال کو تحقیق کا نام دے کر متقدمین اہل سنت کو ''گھورنا'' کہاں کی دیانت ہے؟

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے بڑھ کر "رفض شناس" اور کون پیدا ہوگا؟ تحفۂ اثنا عشریہ نے آج تک علماء شیعہ کو انگشت بدنداں کر رکھا ہے..... شیعہ علماء کہتے ہیں کہ ہماری طرف سے تحفہ اثنا عشریہ کے کوئی درجن بھر جوابات شائع ہو چکے ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ وہ سارے جوابات کہاں ہیں؟ پوچھا جا سکتا ہے کہ جواب ایک ہی کافی ہوتا ہے۔ متعدد جوابی کتب کا لکھنا پتہ دے رہا ہے کہ ان جوابات سے خود شیعہ علماء مطمئن نہیں ہیں۔ شاہ صاحبؒ کو اللہ تعالیٰ غریق رحمت فرمائے کہ انہوں نے رہتی دنیا تک شیعہ علماء کو "مصروف" کر دیا ہے..... آپؒ اپنی اس شہرۂ آفاق تصنیف میں لکھتے ہیں:

"معلوم ہوا کہ آزردگی معصوم کے ساتھ دو قسم کی ہوتی ہے۔ ایک وہ جو تعصب اور عداوت کی بناء پر ہو۔ جس طرح یزید پلید کو عداوت اہل بیت اطہار کے ساتھ تھی"

(تحفہ اثنا عشریہ، ص ۴۱۴)

ایک اور تصنیف میں لکھتے ہیں:

"وہنوز اہل مدینہ و اہل مکہ و اہل کوفہ بہ تسلط یزید پلید راضی نہ شدہ بودند" (فتاویٰ عزیزیہ، ص ۲۱)

(اور ابھی تک اہل مدینہ و مکہ اور اہل کوفہ یزید پلید کے تسلط سے خوش نہیں ہوئے تھے)

اب غور فرمایئے! ہندوستان کا یہ عبقری صفت انسان یزید کو "پلید" کہہ رہا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اور الامام الکبیر محمد قاسم نانوتویؒ، یہ دو بزرگ تو یزید کو "پلید" کہے بغیر آگے چلتے ہی نہیں..... حضرت نانوتویؒ کی "ہدیۃ الشیعہ" اور "اجوبہ اربعین" کس عالم سے ڈھکی چھپی ہیں؟ اصل نقطۂ اختلاف سے ہٹ کر گفتگو کرنا، اور یزید کے کالے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کے لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو موضوع سخن بنانا اہل تحقیق کو زیبا نہیں، مولانا جعفر شاہ پھلواری خوامخواہ دور کی کوڑی لے کر آ گئے کہ

"سیدنا علی رضی اللہ عنہ ذی النور نے اپنے فرزند جناب حسن کو مصلائے امامت پر کھڑا کر کے اشارۃً نامزد کر دیا۔ حضرت حسن نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد کے لیے ہی نہیں بلکہ زندگی ہی میں نامزد کر کے خلافت سپرد کر دی اور بیعت کر لی۔ اصولی طور پر

نامزدگی کوئی گناہ نہیں..... پس جب نامزدگی بھی جائز ہے اور باپ بیٹے کا خلیفہ ہونا بھی جائز ہے تو ان دو جائزوں کا ملاپ ناجائز کیسے ہو جائے گا؟''

(مقدمہ بر کتاب، حیات سیدنا یزید، ص ۸، اسحاقیہ پرنٹنگ پریس، کراچی)

(مولانا جعفر شاہ پھلواری اور دیگر جملہ یزیدی ترجمان حضرات حسن وحسین رضی اللہ عنہما کے اسماء پر علامت ترحم ''رحمہ اللہ'' ڈالتے ہیں۔ جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کہ یہ دونوں صحابہ رضی اللہ عنہم میں شامل نہ تھے)

اب فسق یزید کی بحث میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یزید کو ولی عہد بنانا یا نہ بنانا، یہ خلط مبحث نہیں تو کیا ہے؟..... اکابرین اہل سنت ہمیشہ سے وضاحت کرتے آئے ہیں..... اس پر دو حوالے ملاحظہ ہوں۔

علامہ ابن خلدون کو آدمیت شناس مانا گیا ہے۔ مستشرقین نے انہی کی کتابوں سے خوشہ چینی کی، بلکہ سرعام سرقہ کر کے خود کو مورخ و محقق منوایا ہے۔ مقدمہ ابن خلدون میں ہے۔

الاول منہا ماحدث فی یزید من الفسق ایام خلافۃ فایالہ ان تظن معاویہ رضی اللہ عنہ انہ علم بذلک من یزید۔ فانہ اعدل من ذالک و افضل بل کان یعذلہ ایام حیاتہ فی سماع الغناء وینہاہ عنہ، وھو اقل من ذلک (مقدمہ، ص ۱۷۶)

ترجمہ ''پہلا مسئلہ فسق یزید کا ہے۔ جو اس کے زمانہ خلافت میں نمودار ہوا.....

پس آگاہ رہو کہ تم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق گمان نہ رکھنا کہ وہ یزید کے فسق و فجور سے آگاہ تھے..... ان کی ذات والا صفات اس سے بہت بلند ہے کہ وہ اسے فاجر جانتے ہوئے ولی عہد بنائیں۔ وہ اپنی حیات میں اسے گانے سننے سے روکتے تھے باوجودیکہ گانوں کی سماعت فسق سے کم درجے کی تھی''

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی فرماتے ہیں:

'' اور خفیہ جو بداعمالیاں وہ (یزید) کرتا تھا، اس کی ان کو (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کو اطلاع نہ تھی.....'' (مکتوبات جلد اوّل، ص ۲۵۰)

ایسے لایعنی اعتراضات کرنے سے اُلجھی ہوئی ڈور کبھی نہیں سلجھی..... بار

بار کے چبائے ہوئے لقموں سے یزیدی ترجمان اپنی ساکھ بچانے کی فکر میں ہیں۔ ہمیں متواتر ڈاک موصول ہوتی ہے۔ جس میں محمود احمد عباسی، حکیم فیض عالم صدیقی، عظیم الدین صدیقی، عزیر احمد صدیقی اور نذیر احمد شاکر نیز مولانا محمد اسحاق سندیلوی مرحوم کی کتب کے اقتباسات درج کر کے بھیجے جاتے ہیں کہ ہمارے ان سوالات کے جوابات دیں۔ ایک تازہ خط ملا، مکتوب نگار نے بڑے طنطنے کے ساتھ لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس فرمایا کرتے تھے، اگر دنیا سے بنو حرب اُٹھ گئے تو علماء الناس یعنی لوگوں کے علماء اُٹھ جائیں گے اور حرب یزید کے پردادا کا نام تھا، لہٰذا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس قول سے یزید کے مقام کا پتہ چلایا جاسکتا ہے..... الخ!

یہ بات مکتوب نگار نے محمود احمد عباسی صاحب کی کتاب ''خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ و یزید'' صفحہ ۴۹، سے چُرائی ہے..... لیکن عباسی صاحب یا مکتوب نگار کے لیے اس میں نفع کی کوئی گنجائش نہیں۔ علماء الناس تو دنیا دار اور 'علماءِ سوء' کو کہتے ہیں۔ ''علماء الناس'' کی طرف اضافت کرنا دلیل ہے کہ یہاں ''علمائے دین'' مراد نہیں، لوگوں کی خواہشات تک اپنی فکر محدود کرنے والے علماء ہیں..... اب اس میں یزید کی تنقیص ہے یا تعریف؟ ہم بارہا اس امر کا اظہار کر چکے ہیں کہ شیعہ و سنی اختلافات کی بنیاد جاننے کی کوشش کریں۔ اہلِ تشیع کے ساتھ ہمارا اُصولی اختلاف ہے، یزید وجہ اختلاف نہیں..... ہندو پاکستان سمیت پوری دنیا میں متقدمین و متاخرین میں رَدِّ رفض پر کام کرنے والے علماء اہل سنت میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو فسقِ یزید کا قائل نہ ہو..... قیل وقال کی وادیوں میں سرگرداں ہونے کی بجائے حقائق کی جانب آیئے تاکہ سُنی افکار و نظریات کی صحیح معنوں میں پاسداری ہو سکے۔

## ایک مکتوب اور اس کا جواب

غلام کبوتروں کی چھاتی میں چیتے کا جگر پیدا کرنا ناممکن ہوتا ہے۔ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کی بوندیں جب سے زمین پر گری ہیں، تب سے آمریت و استبداد اور نفس پرست حکمرانوں کے ایوانوں میں زلزلہ برپا ہے۔ شہداء احد و بدر کی

خونی لکیر پر چلتے ہوئے جب حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید جیسے ڈکٹیٹر اور خود پرست کو حق وصداقت کے کچوکے لگائے تو دنیا بھر کی غلام طبعیتوں میں اضطراب پیدا ہوا، جو آج بھی کسی نہ کسی شکل میں نمودار ہو کر پھر ہوا میں تحلیل ہو جاتا ہے۔ دشمنانِ صحابہ رضی اللہ عنہم خود کو ''محبانِ اہل بیت'' کہتے ہیں، منکرین حدیث نے اپنا نام ''اہل قرآن'' تجویز کیا۔ منکرینِ ختم نبوت ''احمدیت'' کا لیبل لگا کر آئے۔ بالکل اسی طرح محبان یزید ''دفاعِ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ'' کا نعرہ لگا کر سامنے آئے۔

ہم نے پہلے بھی شاید اظہار کیا تھا کہ جب سے فسقِ یزید اور دفاعِ شہداء کربلا پر مضامین کا قسط وار سلسلہ جاری ہوا، تب سے ہمیں متواتر ڈاک موصول ہوتی ہے..... جس سے ہمیں اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ یزیدی جراثیم اندر ہی اندر کسی طرح پل رہے ہیں۔ گذشتہ ماہ ہمیں بیس اور ساٹھ صفحات پر مشتمل تین پیکٹ بذریعہ ڈاک موصول ہوئے..... کمپوز شدہ اس تحریر کی فوٹو کاپیاں غالباً ملک بھر میں تقسیم کی جارہی ہیں۔

کراچی، گوجرانوالہ، راولپنڈی اور حویلیاں (ہزارہ) سے آنے والے اس لٹریچر میں تمام تر عبارات اور اشکالات وہی ہیں، جن کے جوابات کئی کئی مرتبہ قوم کے سامنے آچکے ہیں۔ یہ لوگ یزید کی محبت میں کتنے دیوانے ہو چکے ہیں؟ راقم الحروف کے نام ایک یزیدی کے خط کا مضمون ملاحظہ ہو۔

السلام علیکم! آپ کا قسط وار مضمون ''یزیدی فتنہ'' ماہ نامہ حق چار یار میں پڑھنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ اس کا جواب حاضر ہے..... تاکہ تصویر کا دوسرا اور حقیقی رُخ بھی آپ کے سامنے آئے۔ آپ سے التماس ہے کہ قبر وحشر کو سامنے رکھ کر اپنے موقف سے رجوع کریں اور اس کی تردید شائع کر کے اخلاقی جرأت کا مظاہرہ کریں تاکہ قارئین کی گمراہی سے آپ سرخرو ہو جائیں..... ورنہ ایک جلیل القدر تابعی کو بدنام کرنے میں عنداللہ آپ مجرم ہوں گے۔ والسلام

عبدالغفار

جامع مسجد فاروق اعظمؓ

منگرال، ماڈل ٹاؤن، راولپنڈی

## تبصرہ

مکتوب نگار کی علمی قابلیت کا اندازہ یہاں سے لگائیں کہ وہ ہمیں یزید کے فسق کے نظریہ سے دستبردار ہو کر رجوع کا مشورہ دے رہے ہیں اور پھر ساتھ ہی لکھتے ہیں کہ ''تاکہ قارئین کی گمراہی سے آپ سرخرو ہو جائیں۔'' یعنی یزید کو صالح مان کر گویا ہم اپنے پڑھنے والوں کو گمراہ کر کے سرخرو ہو جائیں'' سبحان اللہ! اس عبارت نے جس طرح ''بازار یزیدیت'' کے بیوپاریوں کو اپنے ہی پسینے میں غرق کیا ہے، اس پر تفصیلی تبصرہ کرنے کو جی چاہتا ہے لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ یہ مکتوب نگار نے محبت یزید سے مغلوب ہو کر لکھا ہے۔ اس لیے خود انہیں بھی علم نہیں کہ وہ کیا لکھ آئے؟ جنہیں اپنے مافی الضمیر کے اظہار پر بھی عبور نہیں، وہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ جیسے آب تیغ کے لذت چشیدہ کے مقابلہ میں یزید کو تابعی بنا کر پرلے درجے کی بداخلاقی کے مرتکب ہو رہے ہیں اور ہمیں اس غلط نظریئے کو اپنا کر چودہ صدیوں کے مفسرین و محدثین اور مؤرخین و محققین سے ٹکر لینے کی دعوت دے رہے ہیں..... فوا اسفاہ..... بایں ہمہ لکھتے ہیں کہ آپ بھی ہماری طرح ''اخلاقی جرأت'' کا مظاہرہ کریں۔ اس سرطان کے پھوڑے کا علاج کیسے ممکن ہے؟ ہم نہیں جانتے بس اللہ تعالیٰ ہدایت دے اور معاندت و منافست سے محفوظ فرمائے۔ آمین ثم آمین!

## یزید کو صالح قرار دینے والے کے پیچھے نماز مکروہ ہے

مئی ۱۹۳۶ء میں مولانا محمد عالم دیجا پوری نے اقلیم ہند مولانا مفتی محمد کفایت اللہ رحمہ اللہ علیہ سے استفتاء کیا تھا کہ اگر زید خود کو یزید یا یزید کا بھائی قرار دے تو کیا ہم اس کے پیچھے نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

حضرت مفتی صاحبؒ نے جواباً لکھا۔

''کہنے والے کا مطلب کیا ہے؟ اگر یزید کے اعمال کو اچھا قرار دے کر یہ کہتا ہے تو اس کی امامت مکروہ ہے۔'' (کفایت المفتی، جلد سوم صفحہ نمبر ۵۱)

اب مکتوب نگار جو یزید کو ''تابعی'' قرار دے رہے ہیں۔ اگر یہ امامت کرواتے ہیں تو ان کے مقتدیوں کو چاہیے کہ وہ فی الفور یزیدی امام کو امامت سے معزول کر دیں۔

اور یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ فقہاء و مفتیان جہاں مطلقاً لفظ مکروہ لکھیں اس سے مراد ''مکروہ تحریمی'' ہوتا ہے۔ مکروہ تنزیہی کے لیے صراحت ضروری ہوتی ہے تحریمی کے لیے فقط ''مکروہ'' کہنا کافی ہوتا ہے..... لہٰذا مذکورہ بالا فتوے کے مطابق یزید کو تابعی سمجھنے والا امامت کے قابل نہیں رہتا۔ کراچی سے آمدہ لٹریچر کا ایک جملہ بھی تفننِ طبع کے طور پر پڑھ لیں۔

''ایک محقق عالم دین نے کیا خوب کہا ہے کہ یزید خونِ حسین رضی اللہ عنہ سے ایسے بری الذمہ ہے، جیسے بھیڑیا خونِ یوسف سے۔''

اب قارئین خود فیصلہ فرمالیں کہ اس مثال میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو حضرت یوسف علیہ السلام سے تشبیہ دی گئی اور یزید کو بھیڑیا سے! بھیڑیئے نے اگرچہ حضرت یوسف علیہ السلام کو نہیں کھایا لیکن تھا تو بھیڑیا ہی..... ایسے ہی گویا یزید قتل حسین رضی اللہ عنہ میں ملوث نہیں ہے، لیکن تھا بھیڑیا..... حالانکہ آج تک اہل سنت علماء یزید کو فاسق تو کہتے آئے ہیں مگر بھیڑیا نہیں کہا اور یزیدی دوستوں کی ذہانت سے پھوٹتی ہوئی نکتہ آفرینیاں ملاحظہ کریں کہ انہوں نے اس کی جنس ہی بدل دی..... شاخِ تحقیق پر ایسے ہی غنچے کھلتے رہے تو بہت جلد دودھ، پانی الگ ہو جائے گا..... ان شاء اللہ!

## یزیدی وکلاء کی تضاد بیانیاں

تقریباً ۱۸، صفحات پر مشتمل ایک مقالہ ''دو مظلوم بھائی'' کے عنوان سے ہمیں موصول ہوا۔ اس کے مرتب محمد عمران نامی کوئی دوست ہیں..... اس مقالہ کے چند تضادات ہم پیش کر کے فیصلہ چاہیں گے کہ ایسے مجذوبانہ مقالات قابل توجہ ہوتے ہیں یا قابل رد؟..... مقالہ نگار کے تضادات ملاحظہ ہوں۔

① ..... یزید سے براہ راست ہمیں کوئی دلچسپی نہیں۔ ہماری دلچسپی صرف اس بات میں

ہے کہ پڑھنے والے پر سچائی اور حق ظاہر ہو۔ یہاں بات یزید کی وکالت کی نہیں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، خاندانِ نبوت، تابعین اور دورِ خیر القرون کی وکالت مقصود ہے۔

② ..... یزید کا معاملہ اتنا نازک ہے کہ اس کے حق میں بالکل سیدھی اور معقول بات کہتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے۔ کیونکہ واقعہ کربلا کے روایتی تصور محبت نے ہماری دنیاوی یا دینی درسگاہوں کے لکھے پڑھے لوگوں کو بھی تبرائی شیعیت سے اس درجہ ہم آہنگ کر دیا ہے کہ وہ اس سے ہٹ کر کچھ سوچ بھی نہیں سکتے۔ (صفحہ نمبر ۲)

③ ..... افسوس، یزید کے بارے میں اکثر اہل سنت کا ایمان قرآن و حدیث اور تعاملِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی بجائے اہل تشیع کی جھوٹی روایات پر ہے۔ (ایضاً)

④ ..... حادثہ کربلا کا تعلق عقائد سے نہیں تاریخ سے ہے۔ عقیدہ کی بنیاد قرآن وسنت ہے۔ (صفحہ نمبر ۳)

⑤ ..... یاد رہے کہ تحفظِ ناموسِ یزید سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی عزت وعظمت اور اجتماعی عقیدہ ''الصحابۃ کلہم عدول'' کی حفاظت مطلوب ہے۔ (صفحہ نمبر ۴)

⑥ ..... یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ، خلیفہ سادس ہیں۔ (ایضاً)

⑦ ..... فسقِ یزید کا پروپیگنڈہ دراصل ایک نقب ہے عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی دیوار میں۔ (صفحہ نمبر ۹)

⑧ ..... یزید کو برا کہنا صحابہ کو برا کہنے کے مترادف ہے۔ (صفحہ نمبر ۱۰)

⑨ ..... حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے بارے میں تاریخ ہماری صحیح راہنمائی نہیں کرتی۔

⑩ ..... نوے فیصد اہل سنت واقعۂ کربلا کے پس منظر اور اہل بیت کی صحیح شناخت سے ناواقف ہیں۔ (صفحہ نمبر ۱۸)

ارباب انصاف ملاحظہ کریں کہ دعوے کے مطابق ''ہمیں یزید کی ذات سے کوئی دلچسپی نہیں''..... پھر ایسا دل لگایا کہ امیر المؤمنین اور خلیفہ سادس تک کہہ دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ ان احباب نے آج تک شیعہ وسنی کے مابین نزاعی مسائل اور اختلاف کو سمجھا اور نہ ہی شرف صحابیت کو! اکابرین اہل سنت جو سرد وگرم

آشنا اور جہاندیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ تاریخ پر گہری نظر رکھتے تھے، ان کے علمی تبحر اور تحقیقی توفق کو چٹکی میں اڑا کر عدم اعتماد کی فضاء پیدا کرنا سراسر زیادتی ہے..... اس لیے ہم یہ کہنے میں بالکل حق بجانب ہیں کہ ہمیں یزید سے کوئی سروکار نہیں لیکن حمایت یزید میں حقیقت کا بے دردی سے گلا کاٹ کر اسلاف کی جوہر شناس نگاہوں کا مذاق اڑانا ناقابل برداشت ہوتا ہے۔

وہ طائر جس کے سینے میں دل بیدار ہوتا ہے
وہاں قصداً چہکتا ہے، جہاں صیاد ہوتا ہے

## کیا یزید تابعی تھا؟

یزید زمانے کے اعتبار سے اگرچہ تابعی نظر آتا ہے، کیونکہ اس وقت اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چاند سے بڑھ کر روشن چہرے دیکھنے والے تابعین بکثرت موجود تھے.....مگر تابعی ہونے کی جو حدود و قیود ہیں، اس معیار پر یزید پورا نہیں اترتا تھا، اس لیے اہل سنت نے یزید کو کبھی تابعی مان کر شہداء کربلا کی ارواح کو تڑپانے کی سعی مذموم نہیں کی۔

ایمان کی حالت میں اور زہد و تقویٰ کے لباس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت سے فائدہ اُٹھانے والا تابعی ہوتا ہے اور یزید نے تو خیر سے کبھی اپنے جلیل القدر والد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بھی صحبت اختیار نہیں کی تھی۔

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ شرف صحابیت کا تاج اپنے سر پر سجائے ہوئے تھے۔ یزید نے امام عالی مقام کو مقتل گاہ تک پہنچانے کے اسباب پیدا کیے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے خون سے ہولی کھیلنے والا بھی حامیانِ یزید کی لغت میں ''تابعی'' ہوتا ہے؟ یہ ایک بے مغز، بے روح اور بے مقصد نظریہ ہے۔ مولانا حیدر علی فیض آبادیؒ سے زیادہ رفض و بدعت کے پرخچے کس نے اڑائے ہوں گے؟ ''منتھی الکلام'' اور ''ازالۃ الغین'' اہل علم سے مخفی نہیں ہیں۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''ہرچند یزید از مروزے زمانہ تابعی بودہ لیکن از قید مذکور از عدالت و امامت بروں آمدہ'' (ازالۃ الغین، جلد دوم، ص ۵۴۸)

''ترجمہ: اگرچہ یزید بلحاظ زمانہ تابعی تھا، لیکن عدالت و امامت کی ذکر کردہ قید سے خارج تھا۔''

اسی کتاب میں علامہ فیض آبادیؒ نے ببانگ دُہل یزید کو لعین، عنید اور پلید لکھا ہے۔ (ایضاً صفحہ نمبر ۵۹۰)

نوٹ: مولانا حیدر علیؒ فیض آبادی، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے قابل فخر شاگردوں میں سے تھے، علم الکلام کے ماہر مانے جاتے تھے، کتب شیعہ و سنی پر عمیق نگاہ تھی ردّ شیعیت پر بہت کچھ علمی مواد چھوڑ گئے۔ افسوس آج کتاب بینی کا ذوق مفقود ہو کر رہ گیا۔ آپؒ نے ردّ رفض پر منتہی الکلام، ازالۃ الغین، رسالہ در نکاح ام کلثوم رضی اللہ عنہا، کاشف الابہام عن تدلیس المجتہد المقام، نضارۃ العینین عن شہادت الحسین رضی اللہ عنہ جیسی علمی و تحقیقی کتب تصنیف کیں۔ ۱۸۸۱ء میں انتقال فرمایا اور حیدر آباد (بھارت) میں مدفون ہو کر وہاں کی مٹی کو رشکِ فردوس بنایا۔

زمین کھا گئی ''آسماں'' کیسے کیسے

کتاب ''منتہی الکلام'' کی تصنیف پر شیعہ حکومت ''اودھ'' نے اُن کی پھانسی کی سزا کا پروانہ جاری کیا تھا..... بعد ازاں حکم واپس لے لیا گیا لیکن علامہ حیدر علیؒ تا عمر حدودِ اودھ سے باہر رہے۔

یزیدی ٹولے کا یہ کہنا کہ یزید کے فسق و فجور کے قائل علماء شیعیت کے مُضر اثرات کو نہ بھانپ سکے، نہایت لچر اور بے وزن اعتراض ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ کی ''منہاج السنۃ'' سے، بلکہ اس سے بھی بہت پہلے کے محققین اہل سنت سے لے کر آج تک کسی ایک نے بھی یزید کی حمایت نہیں کی۔ شیعہ و سنی اختلاف کی جڑ مسئلہ یزید نہیں ہے..... شیعہ مذہب کا تو آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے۔ یقین نہ آئے تو شیعہ مصنف سید حیدر علی صاحب کی ایک کتاب کا پہلا ورق ہی پڑھ لیں، وہ شیعہ و سنی اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے یوں قلم کا گھوڑا دوڑاتے ہیں:

''ان دونوں کے درمیان بڑے بڑے اختلافات ہیں۔ خدا کی صفات کے

بارے میں اختلاف، انبیاء کے بارے میں اختلاف، حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کے بارے میں اختلاف، امامت کے بارے میں اختلاف، فرشتوں کے بارے میں اختلاف، تقیہ کے بارے میں اختلاف، قبرا کے بارے میں اختلاف، پاک پانی، نجس پانی، وضو، تیمم، غسل، نماز میں ہاتھ باندھنے، زور سے بسم اللہ کہنے، قنوت پڑھنے، روزہ افطار کرنے، متعہ کرنے، میراث تقسیم کرنے، نوحہ و ماتم کرنے وغیرہ عبادات میں سینکڑوں اختلافات ہیں، جن کی تفصیل اور تحقیق میں دونوں جماعتوں نے بڑا زور دکھایا، بڑے بڑے مناظرے ہوئے، بڑی بڑی کتابیں لکھیں، ہزاروں مصنفات کے انبار لگا دیئے۔''

(عقدِ حضرت ام کلثوم، صفحہ نمبر ۳، مکتبہ کاظمیہ، شاہدرہ ٹاؤن، لاہور)

مذکورہ بالا اقتباس سے بخوبی ظاہر ہے کہ شیعوں اور سنیوں کا از اوّل تا آخر اختلاف ہی اختلاف ہے..... یزید کو فاسق کہنے سے اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر تبرے کا دروازہ کھلتا ہے تو پھر بتایا جائے کہ حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم پر جو سب وشتم کیا جاتا ہے، اس کا دروازہ کون ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ دشمنانِ صحابہ رضی اللہ عنہم گالی گلوچ کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے..... امامیہ سٹوڈنٹس کا ترجمان رسالہ ''افکار العارف'' لاہور کا ایک اقتباس پڑھیے۔

''ماہرین کے مطابق خودکش دھماکہ کے لیے ۱۲ سے ۱۵ کلو بارود استعمال کیا گیا۔ اس خودکش حملے کی ذمہ داری (ایک تنظیم) نے نیوز ایجنسی این این آئی کے دفتر میں فون کر کے قبول کی اور بتایا کہ یہ کارروائی ان کے ساتھی راشد معاویہ (خدا اس پر لعنت کرے) نے سرانجام دی۔'' (''افکار العارف''، اکتوبر ۲۰۱۰ء، صفحہ نمبر ۱۶)

یہاں دہشت گرد کو نہیں، بلکہ بریکٹ والا جملہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغض میں لکھا گیا..... اسلاف اہل سنت نے اہل تشیع کے پروپیگنڈے سے دب کر نہیں، بلکہ حقائق، روشن دلائل اور اسلامی و اخلاقی اصولوں کی بنیاد پر یزید کو مسترد کر کے امام عالی مقام حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے حق میں فیصلہ صادر کیا ہے۔ علامہ ابن حجر مکیؒ نے فضائل

معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک شاندار اور جاندار کتاب ''تطہیر الجنان'' لکھی۔ جس کو ہمایوں بادشاہ نے سرکاری سطح پر پذیرائی دی، لیکن وہی علامہ ابن حجر مکی جب یزید کی جانب رخ کرتے ہیں تو اس کے فسق و فجور پر لاتعداد شواہد پیش کر دیتے ہیں۔ بلکہ واقعۂ حرہ میں اس کی بربریت اور خونخواری پر بحث کرتے ہوئے سات سو قاریٔ قرآن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قتل کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ (الصواعق المحرقہ ص ۲۲۲، طبع مصر)

اس لیے ہم ابتداء ہی سے یہ مؤقف پیش کرتے چلے آرہے ہیں کہ حامیانِ یزید محض دفاعِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی آڑ لیتے ہیں..... دورِ حاضر کے یزیدی اپنے اپنے انداز میں حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما اور خلافتِ راشدہ کے چوتھے تاجدار سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ، پر بھی نازیبا جملے کستے رہتے ہیں اور بالکل یہی مشن ان کے ممدوح یزید کا تھا۔ چنانچہ امام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے یزید کو ناصبیت کا سردار قرار دیا تھا آپؒ کا جملہ ہے۔

''ازرو سائے نواصب است''

(مکتوب قاسمی دربارۂ شہادت حسین رضی اللہ عنہ، ص ۳۹)

یزید کے بُرے افعال سے سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بالکل بری ہیں۔ روافض حُبِ علی رضی اللہ عنہ کی بنیاد پر بُغضِ معاویہ رضی اللہ عنہ کا شکار ہیں اور حامیانِ یزید حُبِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی بنیاد پر بُغضِ حسین رضی اللہ عنہ کے کینچوے اپنے دماغ میں پال رہے ہیں..... یہ کونسی خدمت ہے؟ جس پر یہ دونوں گروہ اِتراتے پھر رہے ہیں..... یہ دونوں گروہ مجموعۂ صد خرابی ہیں۔ ان سے خیر، امن، اخلاق اور آشتی کی توقع کیکر کے درخت سے انار کی توقع رکھنے کے مترادف ہے۔ اہل سنت والجماعت محض شرفِ صحابیت کو بچانے کے لیے نہیں، حقیقت کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد یزید کی ''بُری حرکات سامنے آئیں..... امام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ لکھتے ہیں:

''ہاں پس از انتقال اوشاں یزید پانی خود از شکم برآوردہ دل بکام و دست بجام سپرد۔ اعلانِ فسق نمود و ترکِ صلوٰۃ مدر''

(در تحقیق واثبات شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ، ص ۷۸)

ترجمہ: ہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد یزید نے خرمستیاں کرنی شروع کیں اور اپنے دل کو خواہش نفس اور ہاتھ کو جام شراب پر لے گیا۔ کھلم کھلا فسق پر اتر آیا اور نماز چھوڑ دی۔"

اہل حدیث عالم مولانا نواب صدیق حسن خانؒ نے لکھا ہے کہ آج پوری دنیا میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد موجود ہے، جبکہ یزید کی نسل کا کیا بنا؟ اُنہی سے سنیے!

"واز یزید و اخلافش یک تن نگذاشت کہ خانہ آباد آں کند و آتش افروزد واللہ تعالیٰ راست ترین گویندگان است بہ حبیب خود کہ فرمود: اِن شانئک ھو الابتر" (الفرح النامی من الاصل السامی، ص ۵۷، طبع نظامی کانپور)

ترجمہ: "یزید اور اس کی نسل سے ایک فرد کو بھی (اللہ تعالیٰ) نے باقی نہیں چھوڑا کہ جو گھر کو آباد رکھے اور اس کو روشن کرے اور خداوند کریم نے بالکل بجا فرمایا ہے، اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ "بیشک تیرا دشمن دُم کٹا رہ گیا)"

## ماہنامہ "نقیب ختم نبوت" کی چنگاریاں

یزیدی فتنہ کی بحث میں ہم نے اپنی معروضات پیش کرتے ہوئے لکھا تھا کہ اہل سنت والجماعت کے وصف اعتدال نے اُن کے آج تک قدم جادہ حق پر ٹکا اور جما رکھے ہیں اور اشتعال میں سراسر نقصان ہوتا ہے اور نری افراط وتفریط کا موجب یہی اشتعال بنتا ہے۔ نصیبِ دُشمناں کہ ہمارا وہ مضمون مشتعل اذہان کو مزید مشتعل کر گیا۔ چنانچہ اشتعال کی چنگاری بھڑکی اور ماہنامہ "نقیب ختم نبوت" ملتان کے چھے صفحات جل کر بھسم ہو گئے۔ سید کفیل شاہ "نامی" صاحب نے ہمیں یاد فرمایا ہے۔ ان کی یاد فرمائی میں کوئی سطر قابل تبصرہ یا قابل تذکرہ نہیں۔ اس لئے ہمارے قارئین خود ہی "نقیب ختم نبوت" بابت نومبر کا شمار ملاحظہ کر کے کوئی رائے قائم کر لیں۔ ان شاء اللہ سارے "صغرے، کُبرے اور حد اوسط" واضح ہو جائیں گے۔

قارئین کرام! الحمد اللہ چودہ صدیوں سے اسلاف اہل سنت شرف صحابیت

کا تحفظ کرتے چلے آرہے ہیں اور اس پروگرام میں یقیناً سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا تحفظ بھی شامل ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق ہمارے نظریہ کی بنیاد تین چیزیں ہیں۔

(۱) صحابہ کرام پر تنقید روا نہیں۔

(۲) صحابہ کرام کی منقبت بیان کرنا عین دین ہے۔

(۳) صحابہ کرام کتاب وسنت کے امین ہیں۔

پہلی شق کی توضیح یہ ہے کہ اگر کسی ایک صحابی پر بھی تنقید کا دروازہ کھول دیا جائے، تو جملہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر لب کشائی کرنا بائیں ہاتھ کا کھیل بن جائے گا۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور ان کے متبعین کی روش کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں، تفصیلات کا یہ محل نہیں ہے۔

دوسری شق کی توضیح یہ ہے کہ تمام محدثین کرام نے اپنی کتب اور ذخیرہ احادیث میں مناقب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا باب الگ قائم کیا ہے اور تمام مفسرین نے کتب تفاسیر میں اپنے اپنے اسلوب میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے چمکتے چہروں کو سلام محبت پیش کیا ہے۔ یہ اس دعوے کی بین دلیل ہے کہ سنی حضرات ان کی منقبت کو عین دین سمجھتے ہیں اور وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو محض "تاریخی" نہیں دینی اور اسلامی شخصیات قرار دیتے آئے ہیں۔

تیسری شق کی وضاحت میں ہم یہ کہیں گے کہ کتب احادیث کا مطالعہ کرنے سے حقیقت آشکارا ہوتی ہے کہ ہر صحابی دوسرے صحابی کے اعتماد پر قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم آگے اُمت تک پہنچاتا ہے۔ اور کوئی صحابی دوسرے صحابی کی امانت اور ثقاہت پر اُنگلی اٹھاتا نظر نہیں آتا۔ حتیٰ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جیسے مجتہد اور عمیق نگاہ کے حامل صحابی کے سامنے جب کہا جاتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تو ایک وتر پڑھتے ہیں۔ تو انہوں نے نہایت متانت سے جواب دیا "اِنَّهٗ فَقِيْهٌ" (کہ وہ فقیہ ہیں)

چھوٹے بڑے اختلافات سے لے کر جمل وصفین کے لرزہ خیز واقعات تک کوئی ایک صحابی بھی دوسرے کے امین ہونے کا انکار نہیں کرتا۔ حضرت امیر

معاویہ رضی اللہ عنہ بھی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو معلوم ہوا کہ اہل سنت والجماعت کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کوئی ایسا کمزور تعلق نہیں ہے کہ یزید کو فاسق وفاجر سمجھنے سے ان کی ذات والا بابرکات پر کوئی حرف آتا ہو۔

یہ کہنا کہ ''بغضِ معاویہ رضی اللہ عنہ اہل سنت میں سرایت کر آیا اور بعض بزرگ اس نام سے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں'' بالکل خلاف حقیقت ہے۔ ہم آگے چل کر یہ ''دفتر'' کھولیں گے کہ اہل سنت اسلاف پر یہ الزام یزید کے متوالوں نے لگایا، جو یزید کی تعریف کیے بغیر مولی کی بھجیا ہضم کرنے پر قادر نہیں ہیں۔

باقی اہل تشیع یزید کو بُرا بھلا کہنے میں اتنے ہی مخلص ہیں، جتنے وہ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات سے مخلص ہیں۔ معروف شیعہ مجتہد محمد حسین ڈھکو صاحب کے زیر نگرانی شائع ہونیوالا ماہنامہ ''دقائق اسلام'' کے تازہ شمارے کا اداریہ قابل مطالعہ ہے، ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

''ملت شیعہ اس وقت گوناگوں مسائل کا شکار ہے۔ بہت سے قومی اور ملی مسائل اوّلین توجہ کے مستحق ہیں۔ ہمارے منبر کی حالت زار دیکھ کر رونا آتا ہے، اکثر وبیشتر منبر پر آنیوالے اس منبر کے اہل نہیں ہیں، پھر اس پر مزید یہ کہ وہ علماء کرام کو طعن وتشنیع کرتے تھکتے نہیں ہیں، بزرگ علماء ایران وعراق اور پاکستان کی اہم مذہبی اور علمی شخصیات تک کو معاف نہیں کرتے۔ کھلم کھلا اسلام کے مُسلمہ اصول وفروع میں تبدیلی کی جارہی ہے۔ عوام ہیں کہ سب کو دل کھول کر داد دے رہے ہیں۔ تاجران خون حسین علیہ السلام کے نرخ بالا سے بالا ہورہے ہیں کوئی پوچھنے والا نہیں، کوئی روکنے والا نہیں، اکثر علماء وزعماء خاموشی سے وقت گزار رہے ہیں۔'' (ماہنامہ ''دقائق اسلام'' سرگودھا بابت نومبر ۲۰۱۰ء)

## ایک یزیدی سپاہی کی سفاکیت

یزید کے اقتدار میں واقعہ حرّہ معروف ہے، جب یزیدی لشکر نے مدینہ منورہ پر چڑھائی کر کے مقدس زمین کی حرمت پامال کی تھی۔ اس وقت یزیدی لشکر نے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو برتاؤ کیا پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ صرف ایک

واقعہ ملاحظہ کریں۔ علامہ محمود الغفار مصری لکھتے ہیں کہ یزید کے گورنر (مدینہ) مسلم بن عقبہ کے حکم پر ایک سپاہی انصار قبیلہ کی ایک عورت کے گھر داخل ہوا، وہ اپنے معصوم بچے کو دودھ پلا رہی تھی۔ اس نے عورت سے مال طلب کیا۔ ہل من مال؟ کیا تیرے پاس کوئی سامان ہے؟ اس نے قسم اُٹھا کر کہا "واللہ ما ترکوا لنا شیئا" اللہ کی قسم فوجیوں نے ہمارے لیے کچھ نہیں چھوڑا۔ اس نے کہا میں تیرا بچہ قتل کر دوں گا۔ تو عورت نے کہا کہ تیرا ناس ہو، تو جانتا ہے یہ صحابی رسول حضرت ابن ابی کبشہ انصاری رضی اللہ عنہ کا لخت جگر ہے۔ یزیدی فوجی نے ماں کی ممتا سے لپٹے بچے کو ٹانگوں سے پکڑ کھینچا، اور اس زور سے دیوار پر مارا کہ "فانتشر دماغہ علی الارض" اس بچے کا دماغ پھٹ کر زمین پر آ گرا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

نوٹ: یہ واقعہ علامہ العقاد مصری نے اپنی تصنیف ابوالشہداء حسین بن علی رضی اللہ عنہ صفحہ ۱۷۹ پر لکھا ہے۔ دارالکتاب العربی، بیروت سے یہ کتاب طبع ہو چکی ہے۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ غسیل الملائکہ کے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو ۶۳ھ میں وفد کا سربراہ بنا کر دمشق یزید کے پاس بھیجا گیا تھا واپسی پر اُن سے پوچھا گیا، آپ نے یزید کو کیسا پایا، تو انہوں نے جواب دیا:

قدمنا من رجل لیس لہ دین یشرب الخمر (سیر اعلام النبلاء، جلد ۳، ص ۳۲۴)

"ہم ایسے بندے کے پاس سے آ رہے ہیں، جس کا کوئی دین نہیں ہے اور وہ شراب پیتا ہے۔"

## بُغض کی گھاتیں

اسلامی سال کے پہلے مہینہ کا پہلا عشرہ اپنے زائچہ میں خون، دکھ اور درد لیے ہوئے ہے کہ انہی ایام میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک پیارے صحابیؓ، پیارے نواسہ اور آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قابلِ فخر کو بمع اہل خانہ تہہ تیغ کر دیا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا تعلق اس جماعت سے ہے جس جماعت کو نورِ نبوت نے نکھارا، سنوارا، ظلمت کی

گمجان وادیوں سے نکال کر براہ راست رب العزت سے شرف مخاطبہ کے قابل بنایا۔ بغض کی گھاتیں بہت باریک اور پُراسرار ہوتی ہیں۔ نفرتوں نے جب محبتوں پر نہاں در نہاں راستوں سے وار کیا تو یزید کے متوالے بے نقاب ہو کر آئے.....

اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اہل تشیع کے سامنے آتا ہے تو ان کے ہر نوع کے اخلاقی بند ٹوٹ جاتے ہیں۔ بڑے سے بڑے مہذب، صاحب علم، متین اور سنجیدہ کسی شیعہ کی تہذیب، علم، متانت اور سنجیدگی کا حقیقی مشاہدہ کرنا ہو تو اس کے سامنے حضرات ثلاثہ (ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ) یا پھر حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام لے کر دیکھ لیں اور ان کا لٹریچر پڑھ لیں تو درجہ حرارت سامنے آجائے گا۔ اسی طرح یزید کے بے اُجرت وکلاء جب آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر طنز کرتے ہیں تو بڑے مکروہ مناظر سامنے آتے ہیں اور بعض تو اس ''خدمت'' اپنی میں عزت سادات کا بھی لحاظ نہیں کرتے۔

اللہ کی پناہ، پوری اُمت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر کے عقیدے پر قائم تھی ''سادات'' نے ہی اُٹھ کر اس کے برعکس نظریہ پیش کیا اور پوری اُمت ''فسق یزید'' پر متفق تھی۔ انہی سادات میں سے بعض نے یزید کو برحق کہہ کر خاندان کی عزت کو داؤ پر لگا دیا۔ عداوت کے اندھیرے گہرے ہوتے چلے گئے..... اور گھر کے چراغوں سے گھر جلتے گئے۔

یزید یا حامیانِ یزید کو فتنہ قرار دینا دراصل اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع کے جذبہ سے ہے۔ بعض سادہ لوح طبیعتیں معترض ہوتی ہیں کہ اس عنوان کو اچھالنے کی آخر کیا ضرورت ہے؟ شاید ایسے دوست ''مقام صحابہ'' سے ناآشنا ہیں، یا پھر وہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو صحابی نہیں سمجھتے..... وگرنہ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صحابیت کا تحفظ بھی اہل سنت کا نصب العین ہے..... ہمارے زرد، پیلا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کم از کم سُنی کہلوا کر یزید کا دفاع نہ کیا جائے۔ یا پھر چودہ صدیوں میں اپنے موقف پر کوئی ٹھوس شواہد پیش کیے جائیں کہ اس سے پہلے بھی کبھی اہل سنت دفاع یزید میں تُم ٹھونک کر نکلے ہیں؟

عاشق ہے یا مریض ہے، پوچھو تو میرؔ سے
پاتا ہوں زرد روز بروز اس جواں کو میں

## حامیانِ یزید علامہ ابن تیمیہؒ کی نظر میں

ہاں اس سے قبل اگر کسی نے دفاعِ یزید کا بیڑا اٹھایا بھی ہے تو اُمت کے علماء نے انہیں غالی اور جُہال جیسے الفاظ سے ملقب کیا ہے۔ مثلاً عراق کے بعض دیہاتوں میں جب امام حسین رضی اللہ عنہ کی تنقیص کی جاتی اور یزید کی تعریف کی جاتی تو شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے لکھا:

فطائفة من الجهال يظنون يزيد هذا من الصحابة وبعض غلاتهم يجعله من الانبياء۔ (منہاج السنۃ، جلد چہارم، ص ۱۷۹، مطبوعہ مصر)

ترجمہ: جُہال کی ایک جماعت یزید کے متعلق گمان کرتی ہے کہ وہ صحابی تھا اور بعض غالی تو اس کو انبیاء میں شمار کرتے ہیں۔

قارئین کرام! گمراہی میں دھیرے دھیرے بڑھوتری ہوتی ہے۔ جن لوگوں کی نشاندہی علامہ ابن تیمیہؒ کر رہے ہیں، انہوں نے پہلے مرحلہ میں ہی یزید کو صحابی یا نبی نہیں کہا ہوگا۔ بلکہ پہلے تابعی پھر فاتح قسطنطنیہ پھر سیدنا کا لاحقہ اور بعدازاں اگلے مدارج پہ پہنچایا ہوگا۔ لمحۂ فکریہ یہ ہے کہ آج کل بھی یزید کو اگرچہ "نبی" یا صحابی تو نہیں کہا جارہا ہے، مگر وہاں تک لے جانے کے لیے احباب رختِ سفر باندھ چکے ہیں۔

## صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دُعا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک دُعا پڑھ کر حامیانِ یزید کی نئی نئی شرم سے تپ جاتی ہیں۔ اگر دل میں صحابی کا احترام ہو تو یہ مذکورہ دعا پڑھ کر دل کے غبار کو بڑی آسانی کے ساتھ دھویا جاسکتا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

"اعوذ باللہ من رأس الستين وإمارة الصبيان"

"میں اللہ تعالیٰ سے ۶۰ھ کی ابتداء اور لڑکوں کی حکومت سے پناہ مانگتا ہوں۔"

حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:

"یشیر الی خلافة یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ لانها کانت مسنة سنة من الهجرة"

ترجمہ: "یہ یزید کی حکومت کی طرف اشارہ تھا جو ۶۰ھ میں قائم ہوئی تھی"

جب انسان اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مانگتا ہے تو بعض اوقات سائل کی آتشِ طلب بھڑکانے کے لیے قبولیت میں تاخیر بھی ہو جاتی ہے مگر جب کوئی برگزیدہ انسان کسی شر سے پناہ مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کی التجاء کو فوراً قبول کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک جلیل القدر صحابی کی اس دُعا پر اَبرِ کرم یوں چھلکا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یزید کی حکومت قائم ہونے سے ٹھیک ایک سال پہلے انتقال فرما گئے۔ "فمات قبلها بسنة۔"

(پس وہ اس کی حکومت کے قیام سے ایک سال قبل ہی فوت ہو گئے)

(فتح الباری، جلد اوّل ص ۱۹۳، مطبوعہ مصر)

## حضرت ابوایوب انصاریؓ اور یزید

سوال: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ عظیم المرتبت صحابی ہیں۔ انہوں نے یزید کی قیادت میں قسطنطنیہ کا سفر کر کے جہاد میں حصہ لیا تھا، کیا فاسق کی زیر قیادت صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم شریکِ جہاد ہو سکتے تھے؟

جواب:

اس بات سے یزیدی قوم اپنے سفلی جذبات کو تسکین نہیں دے سکتی۔ یہ فکری غربت کے سوا کچھ نہیں۔ اس لیے کہ فاسق حکمران کی زیرِ کمان جہاد ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان لشکر کفر کی طاقت پہ حملہ آور ہوتا ہے اور حکمرانِ وقت فاسق و فاجر ہوں تو شرکاءِ جہاد کے دامنِ تقویٰ پر کوئی دھبہ نہ لگے گا۔ چنانچہ امام ابوبکر احمد بن علی الجصاصؒ، جو اپنے عہد میں احناف کے سرخیل تھے ۳۰۵ھ آپ کا سنِ ولادت ہے۔ آپ کی تفسیر "احکام القرآن" فقہ حنفی کی حمایت و تقویت اور اس کے دفاع میں لکھی گئی ہے۔ ان کی ایک عبارت پڑھ کر اپنی ذہنی و فکری الجھن دور کی جا سکتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ

السلام کے صحابہؓ، خلفاء اربعہؓ (چار یاروں) کے بعد فاسق امراء کے ہمراہ شریک جہاد رہے ہیں اور پھر بطور تمثیل فرماتے ہیں "ابو ایوب الانصاری رضی اللہ عنہ مع یزید اللعین" یعنی حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے یزید لعین کی معیت میں جہاد کیا تھا۔

(احکام القرآن للجصاص، جلد نمبر ۳، ص ۴۷)

فرمایئے! امام جصاصؒ تو بنسبت آج، زمانہ یزید کے قریب تھے اور اُن کا تو مولد، مسکن، تعلیم و تعلم اور مدفن تک بغداد ہے۔ علمی و تحقیقی اعتبار سے جہاں اُن کا طائرِ فکر پرواز کر رہا تھا، وہاں تک بڑے بڑوں کی ذہنی رسائیاں ٹھٹھک کر رہ جاتی ہیں۔ جغرافیائی، علمی، زمانی اور مکانی ہر اعتبار سے فائق ایک جلیل القدر حنفی مفسر یزید کو "فاسق" ہی نہیں، لعین بھی لکھ گئے ہیں۔ افسوس ہے حامیانِ یزید پر کہ وہ تن تنہا اور نہتے میدان میں اُتر آئے ہیں، باوجودیکہ اپنی پشت پر اسلاف اہل سنت میں سے کسی ایک کو نہیں پاتے، خود کو جادۂ حق پہ سمجھ کر سب پہ دانت پیس رہے ہیں۔ علمی دنیا میں شور وغل نہیں، دلائل چلتے ہیں۔ شور سے دوسروں کو پریشان تو کیا جاسکتا ہے، جھوٹ کو سچ نہیں بنایا جاسکتا۔

جو اس شور سے میرؔ روتا رہے گا
تو ہمسایہ کاہے کو سوتا رہے گا

## اسلاف کے نوشتے

قارئین کرام! فسق یزید کے متعلق اب تک ہم نے جو خامہ فرسائی کی ہے، اس میں ہمارے دعوتی رنگ کا یہ پہلو غالب رہا ہے کہ اسلاف کے نوشتے اَخلاف کے لیے قیمتی میراث کا درجہ رکھتے ہیں..... اہل دانش کو مہذبانہ دائرے میں رائے کا حق حاصل ہے، مگر مورچہ زن ہوکر اسلاف پر تیر برسانے کا حق کسی کو حاصل نہیں..... یزید کے کردار کو پڑھ کر آج بھی سلیم الفطرت انسان کو اُبکائیاں آتی ہیں۔ بایں ہمہ ایسے افراد بھی موجود ہیں جو یزید کا نام آجانے پر نہ صرف یہ کہ بچھ بچھ

جاتے ہیں بلکہ اپنی طولانی بحثوں میں حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پر ہاتھ صاف کر کے ہی اُٹھتے ہیں۔ محمود احمد عباسی، حکیم فیض عالم صدیقی، نذیر احمد شاکر اور عزیر احمد صدیقی اسی قبیل کے لوگ تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، جن کے چہروں پر عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایمان افروز تابشیں تھیں، اہل سنت کہلوانے والے اُن پر تنقید کرنے کا تصور تک نہیں کر سکتے اور یہ بات تجربے سے ثابت ہو چکی ہے کہ حمایتِ یزید فقط حمایت تک نہیں، بُغضِ صحابہ رضی اللہ عنہم پر جا کر منتج ہوتی ہے۔

ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی نے ایسی غلغلہ پرداز طبائع کو یوں جھنجھوڑا ہے۔

''جو لوگ یزید کے اعمال کی تاویل کرتے ہیں اور اس کی طرف سے دفاع کرتے ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قتل سے بھی راضی ہیں جو کعبۃ اللہ میں پناہ لیے ہوئے تھے اور یزید کی حکومت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں اور مدینہ منورہ میں پیدا ہونے والے پہلے صحابی ہیں، جن کو سب سے پہلی غذا (تحنیک) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے دستِ مبارک سے ملی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دندان مبارک سے کھجور چبا کر ان کے منہ میں رکھا تھا۔ گویا اس عالم وجود میں آنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب دہن تھا جو آپ کی غذا بنا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بعد وہ یزید کے خلاف صف آراء ہوئے۔ اب کوئی شخص ان کے عمل کو غلط کہے اور ان کو غلط کار ثابت کرنے کی کوشش کرے اور جابر حکومت کے فوجیوں کو برسرِ حق ثابت کرنے کی کوشش کرے تو یہ تاریخ اسلام پر شب وخون مارنا ہے۔ کوئلے کو کافور اور کافور کو کوئلہ ثابت کرنے کی کوشش مسلمانوں کے شجرۂ نسب ومحبت کو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کاٹ دے گی اور اس سے یہ بات ثابت ہوگی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ تو نگاہ میں کوئی تاثیر تھی، نہ آپ کے اسوۂ میں، نہ عمل میں، نہ تربیت میں، وہ اپنے افرادِ خاندان اور قریب ترین صحابہؓ کی تربیت نہ کر سکے۔ مدینہ کے لوگ جو یزید کی مخالفت پر کمربستہ ہوئے تھے، یہ وہ انصار مدینہ تھے۔ جنہوں نے بدر کے موقع پر کہا تھا، ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں سے لڑیں گے اور آپ کے بائیں سے لڑیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سمندر میں کود جائیں گے..... کیا وہ

اس لائق تھے کہ ان کے گھروں میں گھس کر ان کو قتل کر دیا جائے؟ کیا اس واقعہ کے بعد بھی یزید کی کردار سازی کی کوئی گنجائش باقی رہ سکتی ہے؟'' (اسلامی تاریخ پر شب خون، ص ۳)

قلیل تعداد پر مشتمل دوسرا طبقہ وہ ہے جو امام حسین رضی اللہ عنہ پر تنقید تو نہیں کرتا، لیکن انتہائی فنکارانہ طریقے سے یزید کی چاپلوسی اور تائید کرتا ہے..... لیکن اس طبقہ کو بھی اگر اچھی طرح کریدا جائے تو یہ ایک ہاتھ آگے نظر آتے ہیں۔ کیونکہ یہ یزید کی تائید سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع کی آڑ میں کرتے ہیں اور دبی زبانوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر طنز کر جاتے ہیں۔ اسی کو ''ناصبیت'' کہا جاتا ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے لکھا ہے: النصب هو بغض علی رضی اللہ عنہ و تقدیم معاویہ رضی اللہ عنہ۔

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بُغض رکھنے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اُن پر ترجیح دینے کا نام ناصبیت ہے۔'' (تدریب الراوی، ص ۲۱۹)

آپ ردّ رفض پر لکھی جانے والی ساری کتب پڑھ جایئے۔ اہل سنت علماء اس طبقہ کو بھی اہل سنت میں شامل کرنے کے روادار نہیں ہیں..... خصوصاً علامہ ابن تیمیہؒ نے ''منہاج السنۃ'' میں جگہ جگہ رافضیوں کے ساتھ ساتھ ان کی بھی خبر لی ہے..... امام اہل سنت مولانا علامہ عبدالشکور لکھنویؒ سے بڑھ کر رافضیت کے داؤ پیچ کو سمجھنے والا کون ہوگا؟ چنانچہ مولانا احتشام الدین مراد آبادیؒ نے اپنی بے مثل تصنیف ''نصیحۃ الشیعہ'' میں ایک جگہ شیعہ مذہب کی کتاب اُصول کافی کے حوالہ سے ایک راوی ''یزید معاویہ'' کا ذکر کیا تو حضرت لکھنویؒ نے حاشیہ میں اس کی وضاحت یوں لکھی:

''یہ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ قاتل حسین رضی اللہ عنہ نہیں، بلکہ حضرت عباس علمدار، شہید کربلا کا پوتا ہے۔'' (نصیحۃ الشیعہ، ص ۱۱)

نوٹ: اگرچہ یہ کتابت کی غلطی ہے شیعہ راوی کا نام بُرید بن معاویہ ہے نہ کہ یزید بن معاویہ۔

اس لیے ہم پہلے بھی یہ دعویٰ کر چکے ہیں کہ اسلام کی تاریخ میں ردّ رفض پہ کام کرنے والے ایک ذمہ دار عالم دین کا نام بتا دیجیے، جس نے یزید کے دفاع کو سُنی مزاج قرار دیا ہو؟

حال ہی میں مولانا عتیق الرحمن سنبھلی کی کتاب ''واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر'' کا انگلش ایڈیشن شائع ہوا ہے۔ اس کتاب پر سہ ماہی ''فکر ونظر'' اسلام آباد میں تبصرہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر غلریف شہباز ندوی (نئی دہلی) اس کے مبصر ہیں..... ان کا کہنا ہے کہ واقعۂ کربلا سے یزید کو پوری طرح بری الذمہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ نیز محمود احمد عباسی نے خام تاریخی مواد سے کھٹا کھٹ نتائج اخذ کیے، لیکن مبصر نے سنبھلی صاحب کی اکثر ان عبارات کی تائید کر دی ہے، جو اہل سنت مشرب کے خلاف ہیں۔ اگر ڈاکٹر غلریف صاحب محمود عباسی کی کتب سامنے رکھ کر سنبھلی صاحب کی تحقیق انیق کا مطالعہ کرتے تو انہیں ضرور محسوس ہوتا کہ یہ بھی عباسی صاحب کی کھٹا کھٹ کا ہی نتیجہ ہے۔ ہاں البتہ مولانا سنبھلی نے چونکہ یہ لندن کی فضاؤں میں بیٹھ کر لکھی ہے، اس لیے اسلوب اور انداز یورپین ہے۔ جس سے عام قارئین جلد متاثر ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ہاں ایک عرصے سے یہ ریت چل رہی ہے کہ کسی مسئلہ پر حمایت یا مخالفت فیشن کے طور پر بھی کر دی جاتی ہے۔ تمام پہلوؤں پر غور وفکر کرنے کے بعد رائے دینے کا رجحان تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ مسئلہ یزید پر بھی یہی روش دیکھنے میں آرہی ہے..... بات محض یزید کی شخصیت تک نہیں، اس کے پس پردہ ایسے عوامل ہیں جو آگے چل کر عقیدے کی خرابی کا باعث بن جاتے ہیں..... اور عقیدہ میں معمولی سی غلطی بھی انسان کو دخول فی النار کا سزاوار بنا دیتی ہے۔

## آغا سید سیّدین کی ایک کتاب

''ڈاکٹر ذاکر نائیک کے نام خط'' کے عنوان سے آج کل ایک کتاب گردش کر رہی ہے، جس کے مؤلف ''آغا سیّد سیّدین موسوی'' ہیں، جو شیعہ مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک نے اگر کسی لیکچر میں یزید کی حمایت کی ہے تو ظاہر ہے ہم اس کی ہرگز تائید نہیں کر سکتے لیکن مذکورہ کتاب میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر حسب مزاج شیعہ جو تبرا کیا گیا ہے اور ''امیر شام'' کے زیر عنوان

صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کیچڑ اچھالا گیا ہے۔ یہ بھی فرقہ وارانہ فضاء کو مزید بغض وعناد سے آلودہ کر کے وطنِ عزیز کے استحکام کو متزلزل کرنے کی شیعی کوشش ہو رہی ہے۔

اس کتاب کا اختتام مندرجہ ذیل شعر پہ کیا گیا ہے۔

یزید نام ہے دنیا کی کل نجاست کا
طہارتوں کے خدا کو حسین کہتے ہیں

جس ماحول میں کسی فاسق وفاجر کو کل کائنات کی نجاست قرار دیا جائے اور ایک صحابی پر تبرا کر کے دوسرے صحابی کو ''طہارتوں کا خدا'' مان لیا جائے۔ وہاں علمی وفکری انداز میں گفتگو کرنا برگد کے درخت سے انار کی توقع رکھنے کے مترادف ہے۔ افراط وتفریط نے ہی فرقوں کو جنم دیا ہے۔ عیسائیت ویہودیت سے لے کر رافضیت، خارجیت اور ناصبیت تک سب اشتعال اور عدم اعتدال کی پیداوار ہیں۔ اگرچہ گمراہی کا پیمانہ اپنا اپنا ہے۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے متعلق جو نظریہ اہل تشیع کا ہے، اس میں سچائی کی کوئی کھنک نہیں۔ اس لیے فسق یزید کے اجماعی نظریے کو رافضیت سے متاثر قرار دینا حماقت ہے یا ضد کے سوا کچھ نہیں۔ شیعیت پورا کا پورا مذہب میدانِ کربلا کے گرد گھومتا ہے۔ واقعۂ کربلا میں اگر جھوٹ کی آمیزش کیے بغیر بھی صحیح صحیح بیان کر دیا جائے تو دل دہلانے کے لیے کافی ہے، مگر خود ساختہ واقعات تراشنے والے اتنے ماہر اور فنکار ہیں کہ سال بہ سال نئی کارگزاری پیش کرتے ہیں اور اصل حقیقت مفروضوں میں دب کر رہ گئی ہے۔ وہ امام عالی مقام جنہوں نے دھرتی کے بے رونق خاکوں میں انقلاب کے رنگ بھر دیئے تھے، آج ان کے نام پر افسانوں کا ایک طومار باندھا جا رہا ہے۔ ایک بار پھر ہمیں شیعہ مجتہد ڈھکو صاحب یاد آ گئے۔ وہ رقمطراز ہیں:

''افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ جب سے مجالس عزا کو کچھ لوگوں نے ذریعۂ معاش بنا لیا ہے۔ اسی وقت سے مذہب (شیعہ) کی صحیح تبلیغ ختم ہو کر رہ گئی ہے اور اب تو رفتہ رفتہ ان لوگوں کی ہوس زر اس قدر بڑھ گئی ہے کہ حلال وحرام کی بھی کوئی پرواہ نہیں۔

یہاں تک کہ بعض پیشہ ور مقررین و ذاکرین مخصوص پیشہ ور ننگ انسانیت عورتوں کے ہاں مجالس پڑھنا اور ان سے فیس لینا بھی معیوب نہیں سمجھتے۔ آہ!

چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

(سعادت الدارین فی مقتل الحسین، ص ۲۴)

قارئین کرام! یہ گفتگو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یزید کے متعلق اہل سنت کا نظریہ انصاف اور اعتدال پر مبنی ہے۔ اس انصاف کی کوئی مثال کیا پیش کرے گا کہ اسلاف اہل سنت یزید کا تعاقب کرتے ہوئے ایک چھینٹا بھی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دامن پر نہیں جانے دیتے اور صحابیت کا پورا پورا احترام کرتے ہیں۔ اسی زمانہ کی بات ہے کہ مولانا سید لعل شاہ بخاری نے ''استخلاف یزید'' میں فسق یزید پر بہت کچھ مواد پیش کر دیا ہے، مگر جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید کر گئے تو علماء اہل سنت نے فوراً گرفت کی اور قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسینؒ نے باقاعدہ ایک کتاب ''دفاع معاویہ رضی اللہ عنہ'' کے نام سے لکھی۔ جس کا دوسرا ایڈیشن دیدہ زیب طباعت میں ''ادارہ مظہر التحقیق لاہور'' نے شائع کر دیا ہے۔ حضرت قاضی صاحبؒ ایک جانب اپنی ضخیم تصنیف ''خارجی فتنہ'' میں یزید کے فسق و فجور پر دلائل کا انبار لگاتے ہیں تو دوسری جانب ''دفاع معاویہ رضی اللہ عنہ'' میں یزید کے والد گرامی کے دفاع میں خم ٹھونک کر سامنے آ گئے۔ کیا اہل بصیرت و بصارت کے سمجھنے کے لیے یہ کافی نہیں کہ سُنی کسی صورت میں صحابہ و اہل بیتؓ کے پاؤں پر پانی نہیں پڑنے دیتے..... علامہ ابن خلدونؒ کے احترام صحابیت پر قربان جایئے..... تاریخ ابن خلدون کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''فایاک ان تظن بمعاویة رضی الله عنه ان علم بذلک من یزید، فانه اعدل من ذالک و افضل بل کان یعذله ایاه حیاته فی سماع الغناء وینهاه عنه، وهو اقل من ذالک

ترجمہ ''آگاہ رہنا تم سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق سوء ظن کے مریض نہ بن جانا کہ وہ یزید کے فسق و فجور سے آگاہ تھے۔ اس لیے کہ ان کی ذات والا بابرکات اس سے بلند تر

ہے کہ اُسے فاسق جان کر ولی عہد بنا دیتے بلکہ وہ تو اپنے حین حیات میں یزید کو گانے سننے سے منع فرماتے تھے، حالانکہ گانا سننا کم درجے کا فسق ہے۔" (مقدمہ ابن خلدون، ص ۱۷۷)

قارئین کرام! مندرجہ بالا عبارت سے دو حقیقتیں آشکارا ہوتی ہیں۔

①: یہ کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ یزید کے کرتوتوں سے مکمل آگاہ نہ تھے۔

②: یہ کہ یزید کے فسق کی بناء محض موسیقی سننا نہیں بلکہ لہو ولعب کے علاوہ حرمین شریفین کی بے حرمتی اور آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس لہو سے ہولی کھیلنا ہے۔

باقی یہ اعتراض کہ بے شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کربلا جانے سے روکتے تھے لہٰذا وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کے مخالف تھے، صحیح نہیں ہے کیونکہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو روکنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ یزید کے حمایتی تھے بلکہ وہ اس لیے روکتے تھے کہ اس وقت یزید اقتدار کے نشے میں مست ہے اور عوام حکومت وقت کے خلاف اہل حق کا ساتھ کم ہی دیتے ہیں، کیوں کہ عوام کا مجموعی مزاج یہ ہوتا ہے کہ وہ "تخت نشینوں" کے سامنے "خاک نشینوں" کے مقام و مرتبہ کو بھول جاتے ہیں۔ آج کے ماحول نے یہ حقیقت بے غبار کر دی ہے کہ عوام متبع شریعت لوگوں کی اقتداء میں نمازیں پڑھتے ہیں، نکاح اور جنازے پڑھواتے ہیں۔ اپنے ذاتی و خانگی معاملات تک میں ان سے مشاورت کرتے ہیں لیکن جب کبھی الیکشن میں یہی متبع شریعت لوگ کھڑے ہوتے ہیں تو عوام کی وفاداریاں ساون کے موسم کی طرح بدل جاتی ہیں۔

دوسری مثال بھی آج کے دور ہی کی لے لیجیے۔ صدر مشرف کے دور میں سانحہ لال مسجد پیش آیا۔ جس نے دل دہلا کر رکھ دیئے..... شہید بچیوں کی آوازیں آج بھی ان کے دوپٹوں سے "بای ذنب قتلت" (کس جرم میں ماری گئی) کی آرہی ہیں لیکن نوے فیصد علماء کرام لال مسجد والوں کے اس اقدام کی حمایت نہیں کر رہے تھے تو کیا وہ صدر مشرف کے حامی ہو گئے؟ یا وہ ظلم کی حمایت کر رہے تھے؟ نہیں موقع اور محل کی نسبت سے جابر حکمران کے سامنے کسی کو مصلحت پر آمادہ کرنا جابر کی حمایت

کے مترادف نہیں ہوتا..... ہمارے اس دعوے کی تصدیق برصغیر کے نامور محقق قاضی اطہر مبارک پوریؒ کی رائے پڑھ کر شاید ہو سکے، وہ لکھتے ہیں:

''اس میں شک نہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس اقدام سے منع کیا اور اس کے خلاف مشورے دیئے، مگر یہ فہمائش اس لیے نہیں تھی کہ یزید خلیفہ عادل اور امام برحق ہے، اس کے خلاف خروج غلطی ہے۔ بلکہ ان کی تمام تر فہمائش حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اس بات پر تھی کہ آپ جو یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کے اندر اس اقدام میں کامیابی کی طاقت و شوکت ہے تو آپکا یہ اندازہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ پوری طاقت و شوکت سمٹ سمٹا کر بنوامیہ میں آ گئی ہے اور وہ اپنی طاقت کے مقابلہ میں کسی کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔''

## دو خطوط کے جوابات

بذریعہ ڈاک مزید ہمیں دو عدد مکتوب موصول ہوئے ہیں۔ پہلا خط ضلع لیہ سے موصول ہوا۔ ان کے خط کا مضمون یہ ہے:

مکرمی و محترمی!

السلام علیکم!

ماہنامہ حق چار یارؓ ایک دوست کی وساطت سے ہر ماہ پڑھتا ہوں۔ پچھلے ڈیڑھ سال سے آپ یزید کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑے ہوئے ہیں، مجھے آپ سے برادرانہ شکوہ ہے کہ آپ اپنی توانائیاں رد رفض پر صرف کرنے کی بجائے لایعنی موضوع پر کر رہے ہیں۔

میں حیران ہوں کہ آپ نے صحیح بخاری کا کبھی مطالعہ ہی کر لیا ہوتا تو آپ کو اپنے کیے پر زبردست شرمندگی ہوتی۔ کیونکہ بخاری شریف میں ''صلوٰۃ الخوف'' کی ایک روایت کا راوی سیدنا یزید ہے۔ محترم آپ کو لکھنے کا ڈھنگ تو آ گیا ہے، مگر آپ نرے جاہل ہیں۔ بخاری شریف کی دوسری جلد کا صفحہ نمبر ۵۹۲ پڑھیں، اور پھر کفِ افسوس ملیں..... افسوس! قاضی مظہر حسین صاحب آپ کی علمی تربیت تو کر نہ سکے، بس یزید کا بغض بھر دیا ہے..... تلخ نوائی پر معذرت چاہتا ہوں اور آپ کے جواب کا بھی منتظر رہوں گا۔''

## تبصرہ

قارئین کرام! آپ نے گرما گرم خط ملاحظہ کیا، اس میں ہمیں جاہل، اور لایعنی، عنوان پر مغز کھپائی کرنے والا قرار دیا ہے۔ جس کا ہمیں کوئی دکھ نہیں ہے۔ انہوں نے خط ہمیں لکھا، لیکن گہرا طنز حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسینؒ پر کر دیا۔ اس کا بھی ہمیں کوئی دکھ نہیں ہے کہ مکتوب نگار نے حضرتؒ کی شخصیت اور خدمات کو نہ پڑھا نہ سنا..... ردّ رفض اور عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم پر کام کرنے کے دعویدار اگر مولانا قاضی مظہر حسینؒ سے ناواقف ہیں تو ان کی فکری نبضیں ویسے ہی خاموش ہیں اور وہ چلتے پھرتے لاشے ہیں۔ بقول بلھے شاہ:

بلھے شاہ اساں مُردے ویکھے
کھاندے، پیندے، ٹُردے ویکھے

مکتوب نگار بس اُٹھے اور آندھی کی طرح چھا گئے لیکن اب ان کے گرد و غبار کی طرح بیٹھ جانے کا دلکش نظارا کیجیے۔ مکتوب نگار نے خدا جانے کہاں سے سُن لیا کہ صحیح بخاری میں ''صلوٰۃ الخوف'' کی ایک روایت میں اُن کے ممدوح یزید کا نام ہے۔ حالانکہ اس روایت میں یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ نہیں، بلکہ یزید بن زُریع کا نام ہے..... امام بخاریؒ فرماتے ہیں:

حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ حَدَّثَنَا یَزِیْدُ بْنُ زُرَیْعٍ قَالَ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّھْرِیِّ عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ (بخاری شریف، جلد ۲، ص ۵۹۲، مطبوعہ قدیمی کتب خانہ، کراچی)

''ہمارے سامنے مُسدّد نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے سامنے یزید بن زُریع نے بیان کیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے سامنے معمر نے زہری سے اور پھر انہوں نے سالم بن عبداللہ بن عمر سے۔ الخ!

قارئین کرام! جاہل کون ہے؟ ہم اس بحث میں پڑ کر وقت ضائع نہیں کرتے، مگر نظری پستی کا اندازہ کیجیے کہ محبتِ یزید نے دوستوں کو کہاں تک پہنچا دیا۔ اب وہ بخاری شریف جیسی عظمت و رفعت والی کتابِ حدیث میں یزید کا نام تلاش

کرنے لگ گئے ہیں اور بے تابی دیکھیے کہ بس یزید کے لفظ پر نگاہ پڑی اور خوشی سے نہ صرف لوٹ پوٹ ہو گئے، بلکہ ایک عدد خط بھی ارسال کر دیا اور یہ پرکھنے کی زحمت تک نہ کی کہ اس لفظ یزید کے آگے کیا ہے؟ وہاں یزید بن ذُریع ہے اور اہل سنت جس یزید کو فاسق و فاجر کہتے ہیں، وہ یزید، قاتلِ حسین رضی اللہ عنہ ہے۔ اور وہ یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ ہے۔ صحاح ستہ تو بڑی دُور کی بات ہے اقوال زریں میں سے کوئی قول بھی مستند طریقے سے یزید کی طرف منسوب نہیں ہے مکتوب نگار نے بہت بڑی بَڑ لگائی تھی لیکن افسوس کہ ان کو ندامت ہوئی۔ اب کفِ افسوس کون ملے گا؟ اور یزید جیسے فاجر کا قلع قمع کر کے صحابہؓ و اہل بیت رضی اللہ عنہم کا دفاع کرنے پر خدا تعالیٰ کا شکر کون ادا کرے گا؟ یہ سب پر واضح ہے۔ چونکہ مکتوبِ نگار ہماری نگارشات باقاعدہ پڑھتے ہیں اور ہمیں خط لکھ کر انہوں نے ''قلمی دوستی'' کا آغاز بھی کر دیا ہے۔ اس لیے ہم بھی برادرانہ مشورہ دیں گے کہ محترم تبادلۂ فکر و خیال میں جذباتی نہیں ہوتے۔ آپ نے صحیح بخاری خود نہیں دیکھی۔ آپ کسی جلے بھنے یزیدی کے بہکاوے میں آ گئے ہیں۔ آپ فسق یزید پر علماء اہل سنت کی کتب کا بغور مطالعہ فرمائیں تو بہت جلد سلامتی کے ساحل پہ پہنچ جائیں گے۔ نیز آپ شروع سے اب تک ہماری تمام اقساط کو پڑھیں تو آپ کو محسوس ہوگا کہ ہم نے رفض و بدعت کی تردید بھی ساتھ ساتھ کی ہے کیونکہ رافضیت، ناصبیت، خارجیت اور یزیدیت سب اپنے اپنے دائرے میں گمراہی کے جال بُن رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت رکھے اور صحیح سنی العقیدہ مسلمان بنائے۔

## دوسرا مکتوب اور اس کا جواب

دوسرا خط ہمیں ''حق چار یارؓ میڈیا سروسز'' کے اڈریس سے موصول ہوا۔ ''تلخ نامہ'' کے عنوان سے یہ تحریر محمد عرفان الحق (اسلام آباد) کی ہے..... ان کی تحریر کا لُب لباب یہ ہے کہ:

یزید نام کے کئی صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ہوئے ہیں اور خود حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

کے ایک بھائی کا نام یزید تھا، جو صحابی تھے۔ لہٰذا ہمیں اپنے بچوں کا یہ نام بھی رکھنا چاہیے..... مضمون نگار اپنی نگارشات کا اختتام ان جملوں پر کرتے ہیں۔

''سیدنا یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ بھی صحابیٔ رسول ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کے نام نامی اسم گرامی پر بھی نام رکھا جاسکتا ہے اور اس زمانہ میں رکھنا چاہیے تاکہ اس عظمتوں والے نام کا احیاء ہوسکے اور امت کو علم ہوسکے کہ صرف ایک ''یزید'' نہیں ہے بلکہ یہ نام تو کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت اطہار کے حلقہ احباب کا بھی تھا۔ آج کل ایک ریت چل پڑی ہے کہ عوام وخواص کو فقط کربلا سے منسوب نام ''یزید'' ہی یاد ہے۔ اس کو ذہن میں رکھتے ہوئے یزید نام رکھنے سے پہلوتہی کی جاتی ہے۔''

## تبصرہ

①: بعض ناموں کے جملہ حقوق محفوظ ہوجاتے ہیں..... سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کی نفرت اللہ تعالیٰ نے اتنی ڈال دی ہے کہ آج نہیں بلکہ واقعہ کربلا کے بعد کسی سلیم الفطرت انسان نے، خواہ وہ عربی ہو یا عجمی، اپنے بچے کا نام یزید تجویز نہیں کیا..... آج اگر کوئی طریقۂ اسلاف سے ہٹ کر یزید نام رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ صحابی کی نسبت سے ہے تو بتایا جائے کہ علامتِ تخصیص کیا ہوگی؟ کیا یہ امتیازی بیج وہ اپنے سینے پر لگا کر پھرتا رہے گا؟ کہ میرا نام قاتل حسین رضی اللہ عنہ یزید کی نسبت سے نہیں، بلکہ صحابی کی نسبت سے ہے؟

②: فرعون کسی ذات کا نام نہیں ہے بلکہ قوم عمالقہ کے ہر بادشاہ کو ''فرعون'' کہا جاتا تھا، حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کے فرعون کا نام ''ریان'' تھا اور یہ ایک نیک خصلت تھا، جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے فرعون کا نام ''ولید بن مصعب'' تھا، جس کی قرآن مجید میں جابجا مذمت کی گئی ہے..... قوم عمالقہ میں بادشاہت کے تخت پر آنے والے فراعنہ میں اچھے اور برے ہر قسم کے لوگ ہوتے تھے۔ آج کوئی اپنے بچے کا نام ''فرعون'' رکھ لے اور جواز یہ پیش کرے کہ اس کی نسبت بُرے فرعون کی طرف نہیں بلکہ اچھوں کی طرف ہے۔ تو علمی دنیا کا کون سا

ضابطہ اسے قبول کرے گا؟ یا پھر مصر کی بادشاہت میں کیا ظالم فرعون کے بعد یہ لقب اگلی نسل کے بادشاہوں میں منتقل ہوا؟ ہرگز نہیں کیونکہ ''بد سے بدنام بُرا'' کے تحت ہمیشہ بُرے ناموں سے اجتناب کرنا محتاط اور حساس قوموں کا مزاج رہا ہے۔

④: تعجب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد پونے دو لاکھ سے متجاوز ہے۔ اور اہل سنت والجماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کے اسماء پر اپنے نام رکھتے ہیں لیکن ''یزید'' نام رکھنے کی ہی ترغیب کیوں دی جارہی ہے؟ کہیں یہ بھی یزیدی ازم پھیلانے کا نیا منصوبہ تو نہیں؟

⑤: ''حق چار یارؓ'' کے زیر عنوان یزید نام کی ترغیب دینے والوں کو سوچنا چاہیے کہ اس نعرے کا غلغلہ بلند کرنے والے قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسینؒ تھے۔ آپ کو تو ساری زندگی یہ خیال نہ سوجھا کہ یزید نام کے چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی گزرے ہیں..... لہٰذا بچوں کے نام ''یزید'' رکھنے پر تاکید کی جائے۔ اس سے پہلے ہندو پاک میں علماء اہل سنت دیوبند جو وصفِ اعتدال سے مالا مال تھے۔ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ جگہ جگہ یزید کو ''پلید'' لکھتے ہیں، اسی طرح دیگر علماء دیوبند اہل سنت نے یزید کے فسق پر مقالے لکھے ہیں۔ لیکن ایک حوالہ ایسا پیش کیا جائے کہ کسی عالم دین نے صحابی کی نسبت سے ''یزید'' نام رکھنے کا مشورہ دیا ہو؟ یہ خیال آج ہی کیوں انگڑائیاں لے رہا ہے؟ لہٰذا اگر قلب و دماغ میں کوئی فکری مرض نہیں پل رہا تو خدارا اس ترغیب سے باز آیئے۔

⑤: یہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی زندہ کرامت ہے کہ یزید کی حمایت میں خون پسینہ ایک کرنے والوں کو بھی یہ نام رکھنے کی جرأت نہ ہوسکی۔ محمود احمد عباسی، حکیم فیض عالم صدیقی، نذیر احمد شاکر، عزیر احمد صدیقی اور سلطان نظامی جیسے لوگوں نے یزید کی تعریف میں کیا کچھ نہیں کیا۔ لیکن ضمیر کی پکڑ دیکھیے کہ ان میں سے کوئی بھی یزید نام اپنے کسی بچے کا نہ رکھ سکا۔ کیوں کہ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو تڑپانے والوں کو تاریخ کے ماتھے سے خالق کائنات نے کھرچ کر رکھ دیا ہے اور ایسا نشانِ عبرت بنا

دیا ہے کہ فی نفسہ جائز ہونے کے باوجود اور بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نام ہونے کے باوجود بھی کوئی ''یزید'' نام رکھنے کی تاب نہیں رکھتا..... اگر ہمارا یہ دعویٰ غلط ہے تو ہم مضمون نگار کو دعوتِ فکر دیتے ہیں کہ آپ اپنے خاندان میں سے کسی بچے کا نام ''یزید'' رکھیں اور پھر دیکھیں کہ آپ کا اپنا ضمیر آپ کو کیسے پٹخنیاں دیتا ہے؟

## مولانا ضیاء الرحمن فاروقی اور مسئلہ یزید

مولانا ضیاء الرحمن فاروقی ؒ نے ۲۸ ستمبر ۱۹۹۱ء کو تقریباً چار سو علماء کرام کی موجودگی میں اس وقت کے وزیراعظم نواز شریف کو ''تاریخی دستاویز'' پیش کی تھی، جس میں شیعہ مذہب کی انتہائی دل آزار کتب کے عکس اور عبارات تھیں۔ اس اجلاس میں شیعہ نمائندہ ریاض حسین نقوی نے ایک اعتراض کیا تھا، اس کا جواب مولانا فاروقی ؒ نے دیا جو ''تاریخی دستاویز'' کی ابتداء میں موجود ہے۔ فاروقی صاحب ؒ لکھتے ہیں:

''ریاض حسین نقوی نے اپنی تقریر میں سپاہ صحابہ رضی اللہ عنہم پر تشدد اور یزید کی حمایت کا الزام لگایا..... راقم نے کہا سب سے پہلی بات یہ ہے کہ یزید کے بارے میں جس مؤقف کی بات ریاض نقوی کی ہے، وہ بے بنیاد ہے۔ جب سے سپاہ صحابہ رضی اللہ عنہم قائم ہوئی ہے۔ اس وقت سے لے کر آج تک کسی ایک چھوٹے سے چھوٹے کارکن نے بھی زبان وقلم سے یزید کی تعریف نہیں کی۔ اگر یہ بات غلط ہو تو ابھی ثبوت پیش کیا جائے۔ یزید کے بارے میں جو مؤقف امام ابوحنیفہ ؒ سے لے کر مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا احمد رضا خان بریلوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری کا ہے، وہی ہمارا ہے۔ ہم نے کبھی یزید کی وکالت نہیں کی۔ اس پر محفل کے تمام بریلوی علماء داد وتحسین دینے لگے، انہوں نے کہا کہ ہم بھی پہلے اس غلط فہمی میں تھے کہ سپاہ صحابہ رضی اللہ عنہم یزید کی وکالت کرتی ہے۔ (تاریخی دستاویز، صفحہ نمبر ۲۹)

مندرجہ بالا حوالہ نوجوان دوستوں کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے، جو موقع بہ موقع یزید کی دبے لفظوں میں حمایت کرتے رہتے ہیں..... ان جذباتی دوستوں کو اگرچہ ہم ''فتنہ'' کے ضمن میں نہیں لاسکتے کہ یہ نادانستہ طور پر یہ قدم اٹھاتے ہیں لیکن حامیانِ یزید کا لٹریچر پڑھنے والوں پر بخوبی عیاں ہے کہ رفتہ رفتہ انہی لوگوں

کے قلم اور زبان سے حضرات حسن و حسین رضی اللہ عنہما کے متعلق وہی جملے صادر ہوئے، جو کسی تبرا باز شیعہ کی زبان سے حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق صادر ہوتے ہیں۔ اہل سنت جب فسق یزید پہ بحث کرتے ہیں تو ان کا مقصد دراصل حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے منصب صحابیت کا دفاع کرنا ہوتا ہے۔ یزید کی حمایت سے ایک جلیل القدر صحابی کا منصب مجروح ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محمود احمد عباسی، حکیم فیض عالم صدیقی یا ان کے دیگر ہمنوا، اپنی صحت کے بہترین ایام اس کھود کرید میں کھپاتے رہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ صحابی نہیں تھے۔ بلکہ وہ ایک تابعی تھے۔ گویا ان لوگوں کا ضمیر بھی فیصلہ دے چکا تھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو صحابی مان کر یزید کی حمایت میں کمربستہ ہونا خاصا مشکل ہے..... اب افراط و تفریط کا حال دیکھیے کہ سبائیوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو (العیاذ باللہ) اللہ تعالیٰ کے قائم مقام بنا دیا اور یزیدیوں نے شرف صحابیت سے ہی محروم کر دیا..... یہ وہ زہریلے برگ و بار ہیں، جن کی مسموم فضاء میں آج امت مسلمہ کو سانس لینے میں دشواری ہو رہی ہے..... امام عالی مقام سیدنا حسین رضی اللہ عنہ صاحب روایت اور اہل بیت صحابی ہیں، ان کے صحابی ہونے میں کوئی کلام نہیں، تو لامحالہ کتاب و سنت میں جو حقوق دیگر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثابت ہیں، حضرت امام عالی مقام بھی ان کا کامل استحقاق رکھتے ہیں..... اس لیے ہم اہل سنت کے ان دوستوں سے عاجزانہ درخواست کرتے رہتے ہیں کہ وہ یزیدیوں کی کھوکھلی باتوں میں آ کر اپنے اسلاف کی قیمتی میراث سے ہاتھ نہ دھو بیٹھا کریں..... حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ لکھتے ہیں:

''حضرت حسین رضی اللہ عنہ نہ صرف صحابی ہی ہیں، بلکہ قرابت نبوی کی خصوصیت سے بھی مالا مال ہیں۔ جو اہل بیت کا مخصوص حصہ تھا اور اس کی بناء پر ان کی قلبی تطہیر اور رجس و نجس باطن سے پاکی اور بھی زیادہ مؤکدہ ہو جاتی ہے۔'' (شہید کربلا اور یزید صفحہ نمبر ۷۷)

## فسق یزید کی تشہیر کیوں؟

حامیان یزید کا ایک ہوائی فائر یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی فاسق کے فسق کا پرچار کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ تو جواباً عرض ہے کہ فسق کی تشہیر نہیں کی جاتی، بلکہ امام

23

حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں اس کی شرعی پوزیشن عیاں کی جاتی ہے..... صدر ضیاء الحق مرحوم نے ایک بار اپنی تقریر میں یزیدیت کو جڑ سے اکھاڑنے کی بات کی تھی، تو قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسینؒ نے اپنے ایک مضمون میں ''یزیدیت کیا ہے''؟ کے زیر عنوان لکھا۔

''ہم پوچھتے ہیں کہ آپ کے نزدیک یزیدیت کیا ہے؟ اگر آپ کے نزدیک یزیدیت کتاب وسنت کے خلاف کردار وافعال کا نام ہے تو پھر سارا ملک یزیدیت سے بھرپور ہے۔ کیا کلمۂ اسلام اور اذانِ اسلام میں اضافہ جائز ہے؟ حالانکہ یزید نے کلمہ و اذان میں تبدیلی نہیں کی تھی، خلفائے راشدینؓ اور امہات المؤمنین کے خلاف اس نے زہر نہیں اُگلا تھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کے دور میں اس کا کردار فاسقانہ تھا، امام حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں وہ فاسق تھا اور جمہور اہل سنت والجماعت اور ان کی اتباع میں اکابر دیوبند فسق یزید کے قائل ہیں۔ (صحابہ کرامؓ اور پاکستان مطبوعہ ۱۹۸۸ء)

2

علامہ عبدالعلی لکھنویؒ ، جنہیں ''بحر العلوم'' کہا جاتا ہے۔ آپؒ نے یزید کو ''اخبث الفساق'' لکھا ہے..... یعنی فاسقین میں خبیث ترین تھا۔

(فواتح الرحموت، صفحہ نمبر ۲۲۳، جلد نمبر ۲)

اسی طرح مجاہد کبیر حضرت سید احمد شہیدؒ نے اپنے مکتوبات میں ایک جگہ لکھا ہے ''بلا ریب مشار الیہ ما غازی است یا شہید و مقابل ما ابوجہل است یا یزید''

(مکتوبات سید احمد، صفحہ نمبر ۱۴۹)

یعنی بلاشک وشبہ ہمارے ساتھ معرکہ میں شریک غازی ہے یا شہید، اور جو ہمارے مدمقابل ہے وہ ابوجہل ہے یا یزید۔

قارئین کرام! یہ ایک مرحلہ فکر ہے، کیا یہ ساری علمی دنیا شیعیت سے متاثر ہوگئی ہے؟ جیسا کہ حامیانِ یزید غوغہ آرائی کرتے ہیں..... بجائے اس کے کہ ہم ان اسلاف امت کے زیر بار ہوتے کہ انہوں نے اپنی راتیں کاٹ کر زمانے کی محفلیں سجائی ہیں، ان پر طعن کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ سبائی پروپیگنڈے سے متاثر ہیں.....

جلد نمبر ۱۱

محض یزید کی حمایت میں چودہ صدیوں کے اہل علم پر پھبتیوں کے جھاڑ باندھنا پرلے درجے کی سفاہت نہیں تو کیا ہے؟

## ایک تلخ حقیقت

مولانا ابوالحسن ندویؒ (علی میاں) سیرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر لکھی جانے والی اپنی مایۂ ناز تصنیف ''المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' کے مقدمہ میں اس تلخ حقیقت کو بھی نوکِ قلم پر لائے ہیں کہ ''انہی مظلوم شخصیات میں'' جن کے حقوق نہ صرف یہ کہ ادا نہیں ہوئے، بلکہ اُن کے حق میں شدید بے انصافی روا رکھی گئی، حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب کی بلند و محبوب شخصیت بھی ہے۔ مخصوص حالات، خاص قسم کے عقائد اور چند نفسیاتی اسباب کی بناء پر اُن کی سیرت پر بہت گہرے اور دبیز پردے پڑ گئے ہیں، ارباب بحث و تحقیق تو الگ رہے، خود وہ لوگ جو اُن کی عظمت کے گُن گاتے ہیں اور ان کے نام پر اپنے عقائد کی عمارت تعمیر کیے ہوئے ہیں۔ انہوں نے بھی اکثر اوقات ان کی سیرت کا مطالعہ معروضی و تحقیقی انداز میں نہیں کیا اور پورے ماحول اور اُن کے عہد کے تقاضوں اور دشواریوں کو سامنے رکھ کر امانت و غیر جانبداری کے ساتھ پیش نہیں کیا۔

(المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، صفحہ نمبر ۱۸)

یہی شکوہ سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت پر لکھی جانے والی کتابوں میں کیا گیا ہے۔ بلکہ ''مظلوم شخصیت'' آپ رضی اللہ عنہ کے نام کا لاحقہ اور سابقہ بنا دیا گیا ہے۔ محقق بے بدل مولانا محمد نافع مدظلہم لکھتے ہیں:

''ناقدین کے ہاں اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم بنو امیہ کے معائب و نقائص پھیلانے کو خاص کارِ خیر اور دین کی خدمت سمجھا جاتا ہے۔ اور ان کی تان بے جا حملے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر ٹوٹتی ہے۔'' (سیرت حضرت امیر حمزہؒ جلد اول ص ۲۴)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف شیعہ کیمپ سے جتنے تیر نکلتے ہیں، اُن پر ہمیں کوئی تعجب نہیں ہے۔ جن کا فکری نسب مشکوک ہوتا ہے وہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر تبرا کرنے کو اپنا مذہبی مزاج گردانتے ہیں..... حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حقیقی منقبت بھی

گروہِ شیعہ کا نصیبہ نہ ہوا اور نہ قیامت تک ہو سکے گا۔ ان دونوں شخصیات کی عظمت و منقبت پر بہت کچھ لکھنے کے باوجود بھی سنی علماء و قلمکاروں کو کمی کا شدید احساس رہا، یہ ان کے خلوص و صداقت کا ایک روشن نمونہ ہے۔ اہل سنت صفحات کے صفحات ان کی سیرت و سوانح پر لکھ جاتے ہیں، مگر ہر دو شخصیات سے ان کا قلبی و ایمانی تعلق دیکھیے کہ وہ پھر بھی اعتراف کرتے نظر آتے ہیں کہ ان پر خاطر خواہ مواد امت مسلمہ کے سامنے پیش نہ ہو سکا اور یوں وہ اپنے جذبات کے نغموں کو سُلگاتے رہتے ہیں..... حقیقی مظلوم سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ ہیں کہ ایک طرف ان کے سفاک قاتلوں کو ''تابعی'' اور کھرا مسلمان ثابت کرنے کی ناروا سعی ہو رہی ہے، تو دوسری جانب پورے دین کی عمارت منہدم کر کے فقط ''یا'' اور ''مولا'' حسین رضی اللہ عنہ کے نعروں سے ہی دامنِ حیات کو تار تار کیا جا رہا ہے..... اہل سنت کو ایک جانب رکھیے، آپ خارجی، ناصبی اور شیعی تحریروں اور تقریروں کا تقابلی جائزہ لیں، اور پھر ضمیر سے فیصلہ لیجیے کہ لعاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہ پلنے والے اس عظیم صحابی سے کیسا کھیل رچایا جا رہا ہے؟ ایک مخلص مسلمان ان کا لٹریچر پڑھ کر دل دہکا بیٹھتا ہے۔ نہ مئے خانہ کے ساغر کی پہچان ہوتی ہے اور منافقت کے سوداگروں کی۔ اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ آج جس ماحول میں ہم سانس لے رہے ہیں، سیدنا امام حسینؓ سے بڑی ''مظلوم شخصیت'' شاید ہی کوئی اور ہو۔ جن کے ساتھ تلواریں انصاف کر سکیں اور نہ ہی قلم انصاف کر سکے۔ ناانصافی اور ظلم کی انتہا دیکھیں کہ ایک طبقہ واقعۂ کربلا کو افسانوں کا طومار بنا کر پیش کرتا ہے۔ گویا اصلی ظلم میں ابھی کوئی کمی رہ گئی تھی کہ افسانوں کی آمیزش کرنا پڑ گئی۔

دوسرا طبقہ اس واقعہ کے ذمہ داروں کے چہرے سے نقاب اٹھانے کے حق میں نہیں اور تیسرا ایک ''سکوتی'' طبقہ برآمد ہوا کہ جو کچھ ہوا اس پر ''خاموشی'' کی چادر ڈال دو۔ نہ قاتل کے چہرے کا نقاب کھینچو، اور نہ ہی مقتول کے کفن کو ہاتھ لگاؤ۔ عقائد ریزہ ریزہ ہوتے ہیں، ہو جائیں۔ ایک جلیل القدر صحابی کی پوزیشن متاثر ہوتی ہے، ہو جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق تشکیک کے راستے نکلتے ہیں تو نکلیں، ان کا سبق

ایک ہی ہے۔ سکوت! جو قاتل تھے انہوں نے افسانوں کو اپنایا، جن کے دماغوں پہ زنگ چڑھا وہ سکوت کے غار میں جا گھسے..... آباد رہیں اہل سنت والجماعت، جنہوں نے یزید کے ''فسق'' اور حسین رضی اللہ عنہ کے ''عشق'' پر دو ٹوک موقف اختیار کر کے ''سکوتی'' اور افسانوی کرداروں کو پاش پاش کر دیا۔ احمد حسین کمال یزیدی نے ''داستانِ کربلا'' میں اور محمود احمد عباسی نے اپنی جملہ کتب میں جو کچھ لکھا ہے وہ نظریۂ اہل سنت کے بالکل برعکس ہے۔ مولانا عبدالرشید نعمانیؒ نے یہ انکشاف کر کے علمی حلقوں کو حیرت کدہ بنا دیا تھا کہ محمود احمد عباسی جب اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لکھ رہے تھے تو چینی سفارت خانے میں ملازم تھے اور ''داستانِ کربلا'' جب شائع ہوئی تو احمد حسین کمال روسی سفارت خانہ میں بطور ملازم کام کر رہے تھے اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف لکھے جانے والے لٹریچر کے پس منظر میں جو جو طاقتیں کارفرما رہیں، وہ ہر ایک پر عیاں ہے۔ یہیں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خرمنِ اہل سنت کو جلانے کے لیے کہاں کہاں سے ایندھن برآمد ہوتا ہے؟

## ابنِ زیاد کا اعتراف کہ ''یزید فاسق'' ہے

اکابرین اہل سنت ہر زمانہ میں یزید کے فسق پر متفق رہے ہیں اور گزشتہ بحث میں ہم نے حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ کا یہ قول بھی پیش کیا تھا کہ ''یزید کی تفسیق پر اتفاق ہے ''تکفیر پر اختلاف ہے'' یہ قول ان کی کتاب ''شہید کربلا اور یزید'' میں ہے۔ جو محمود احمد عباسی کی کتاب ''خلافتِ معاویہ و یزید'' کے جواب میں آپ نے لکھی تھی۔ یزیدی مزاج لوگ، جو ہر وقت اپنے ممدوح کے متعلق ''ہمہ اوست'' کی تسبیح پڑھتے رہتے ہیں اور اس کی تعریف و توصیف کو ہی اپنی فکری متاع سمجھتے ہیں۔ انہیں آگاہ رہنا چاہیے کہ ابن زیاد جو یزید کے اشارہ ابرو پر سب کچھ کر گزرنے پر تیار رہتا۔ وہ بھی آخر یزید کے متعلق لفظ ''فاسق'' کہہ کر گویا ثابت کر گیا کہ یزید وہ ہے جسے ''فساق'' بھی فاسق کہنے پر مجبور ہو گئے۔ چنانچہ حادثۂ کربلا کے

بعد یزید نے اپنے زمانۂ اقتدار کے آخری ایام میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو گرفتار کرنے کا منصوبہ بنایا، تو مکہ معظمہ پر چڑھ دوڑنے کے لیے اس کی نگاہِ انتخاب ایک بار پھر ابن زیاد پر پڑی تو اس نے کہا:

"واللہ لا اجمعهما للفاسق ابدا اقتل ابن بنت رسول اللہ ﷺ وانمز والبیت الحرام (البدایہ والنہایہ، جلد ۸، ص ۲۱۹)

ترجمہ: "اللہ کی قسم میں اس فاسق کے چکمہ میں آ کر دونوں گناہوں کی نحوست اپنے نامۂ اعمال میں جمع نہیں کر سکتا، حضور علیہ السلام کے نواسے کو قتل کر دیا، اب بیت اللہ پر بھی چڑھائی کر دوں؟"

قارئین کرام! اس عبارت سے یہ عقدہ بھی حل ہو گیا کہ یزید نے قتل کا حکم دیا تھا، یزیدی لشکر کا کمانڈر معترف ہے کہ میں نے فاسق (یزید) کے کہنے پر ہی آل رسول ﷺ کا خون بہایا تھا۔ اہل علم نے اپنا مافی الضمیر پیش کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ ضمیر کی آواز بے ضمیروں کو قائل نہ کر سکے تو اس میں اُن کا کوئی قصور نہیں۔ بقول غالب

لکھتے رہے جنوں کی حکایات خونچکاں
ہر چند اس میں ہاتھ ہمارے قلم ہوئے

قلم اور زبان کے آگے کوئی گڑھا تو ہوتا نہیں کہ گر جانے کا خطرہ ہو، اس لیے یزیدی دوست بے دھڑک ہو کر یہ دونوں گھوڑے سرپٹ دوڑاتے ہیں، حقائق سے خواہ کتنے ہی دور ہوں، بس کہیں کی اینٹ اور کہیں کا روڑا اٹھا کر بھان متی کا کنبہ تیار کر لیتے ہیں اور اس پر اِترانا شروع کر دیتے ہیں۔ یزیدی جماعت کے وہ اراکین جن کے مغز ضد نے چاٹ دیئے تھے، میں ایک نام "ابو یزید محمد دین بٹ" بھی تھا۔ انہوں نے مدح یزید میں ایک کتاب "رشید ابن رشید" لکھی تھی، جس پر پہلے ہم تفصیلی تبصرہ کر چکے ہیں، ان کی تحقیق کی داد دیجیے کہ انہوں نے اپنی اس کتاب میں دعویٰ کیا کہ یزید کی خلافت پر اُمہات المومنین متفق تھیں اور پھر دعویٰ پر دلائل دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

یزید کے دور میں سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا، سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا حیات تھیں، سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حیات تھیں۔'' (یعنی ان کا حیات ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ انہیں یزید پر اعتماد تھا) اس نرالی تحقیق اور عمیق دلیل پر یقیناً اہل علم کی پلکیں بھیگ جائیں گی بلکہ عقلیں شکار ہو جائیں گی۔ لیکن جب شعور پر مٹی کی موٹی تہیں جمیں تو یزیدی حضرات نے اس کتاب کو بغل میں لے کر جشن منایا کہ اس کتاب کا ہر حوالہ ناقابل تردید ہے۔

نوٹ: بریلوی مسلک کے راہنما مولانا مفتی احمد یار خان گجراتی اس مغالطے کا شکار تھے کہ کتاب ''رشید ابن رشید'' محمود احمد عباسی کی ہے۔ چنانچہ ۱۳ اکتوبر ۱۹۷۱ء کو میو ہسپتال لاہور میں جب وہ زیر علاج تھے تو اپنے ایک مرید کو بطور نصیحت کہا ''محمود احمد عباسی کی کتاب، رشید بن رشید'' دیکھو اور اس کے جواب کے متعلق غور کرو۔'' (حالات زندگی، صفحہ نمبر ۱۵۱)

چونکہ یہ کتاب اس کے بعد نہ چھپی اور مفتی صاحب کی ''سوانح حیات'' دستیاب ہے، لہٰذا غلط فہمی کے ازالہ کے لیے ہم نے یہ تصریح کر دی ہے۔ مفتی احمد یار خاں صاحب کھانے پینے کے معاملہ میں کافی دلچسپی لیتے تھے، بقول سوانح نگار

''ناشتہ میں گندم کے آٹے کی روٹی، بعد از ناشتہ کشمیری الائچی والی چائے، دوپہر میں اکثر گوشت آلو، اور بکری کے پہلو کا گوشت پسند فرماتے، نیز پلاؤ، فرنی، ترکاری میں کدو، لوکی، مٹھائیوں میں قلاقند، مسہن حلوہ، بدایوں والے پیڑے، پھلوں میں آم، بعد نماز عشاء بھینس کا خالص ایک پاؤ دودھ، پتلی روٹیاں، ادرک کا پانی اور مولی یا چقندر ضرور کھاتے تھے۔'' (حالات زندگی، صفحہ نمبر ۱۸۳)

بہت ممکن ہے کہ مصروفیات کی بناء پر وہ کتاب ہذا نہ دیکھ سکے ہوں، تسامح ہو گیا ہو اور ابو یزید محمد دین بٹ کی کتاب کا مصنف محمود احمد عباسی کو قرار دے دیا ہو!

اب صورت حال یہاں تک آ پہنچی ہے کہ اگر کوئی امام حسین رضی اللہ عنہ کی منقبت بیان کرے تو اس کو شیعی پروپیگنڈے کا شکار سمجھ لیا جاتا ہے۔ مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ نے اپنی کتاب ''خطبات قاسمی'' میں یہ مشہور رباعی درج کر دی:

شاہ است حسینؓ، پادشاہ است حسینؓ
دین است حسینؓ، دین پناہ است حسینؓ
سر داد، نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؓ

قطعہ نظر اس سے کہ یہ رباعی کس کی ہے؟ اس میں فقط اس حقیقت کو کھولا گیا ہے کہ سیدنا امام عالی مقام حسین رضی اللہ عنہ سردار ہیں، آپ کا وجود اور آپ کی قربانی سراسر دین ہے، بلکہ آپ رضی اللہ عنہ دین کے محافظ ہیں، سر دے دیا لیکن یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہ دیا اور اپنے وقت میں آپ رضی اللہ عنہ نے عزیمت پر عمل کر کے گویا دوبارہ دین کی ابدی صداقتوں کا احیاء کیا۔ ان الفاظ میں کونسی ایسی لچک ہے، جس سے رفض کی بو آتی ہو؟ لیکن جمعیت اشاعت التوحید والسنہ کے یزیدی ونگ نے یہ شعر ''مولانا ضیاء القاسمی مرحوم کی زبان پر ''ذاکرانہ انداز'' کی جھلک قرار دیا۔

(ماہ نامہ تعلیم القرآن، راولپنڈی، مئی ۱۹۸۳ء، ماہ نامہ نغمۂ توحید، گجرات، ستمبر ۱۹۸۹)

مولانا سید حامد میاںؒ نے سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق کہیں کہہ دیا کہ سلاسل اربعہ کے چاروں سلسلے آپ رضی اللہ عنہ پر منتہی ہوتے ہیں تو حکیم فیض عالم صدیقی نے انہیں ''رفض سے متاثرہ ذہن'' قرار دیا۔ (حقیقت مذہب شیعہ، صفحہ نمبر ۱۸۵)

اور بعد ازاں طویل خط و کتابت بھی ہوئی۔ اب ماہ نامہ ''انوار مدینہ'' میں یہ خطوط آٹھ اقساط میں چھپ چکے ہیں۔ (اگست ۲۰۰۷ء تا مارچ ۲۰۰۸ء ملاحظہ فرمائیں)

گویا اب اہل سنت کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ یا آپ کے خاندان کا تذکرہ کسی آزمائش سے کم نہیں، اِدھر ان کی منقبت میں لب کشائی ہوئی اور اُدھر ناصبیت کے خیموں سے طعنہ زنی شروع ہوگئی۔ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ کرتے ہیں تو شیعیت ڈستی ہے، اہل بیت رضی اللہ عنہم کو یاد کرتے ہیں تو ناصبی و خارجی اور یزیدی بڑبڑاتے ہیں اور یہی اہل سنت کے حق ہونے کی دلیل ہے۔ باطل کے ترکشوں سے نکلنے والا ہر تیر یہ اپنی چھاتی پر سہہ جاتے ہیں، لیکن نہ کسی صحابی کا دامن چھوڑتے ہیں اور نہ اہل بیتؓ سے عقیدت میں کمی آنے دیتے ہیں۔

## ایک شیعی رسالے کا تازہ اقتباس

عصر حاضر کے شیعہ مجتہد محمد حسین ڈھکو صاحب اپنی قوم شیعہ کو ''خونِ حسین رضی اللہ عنہ'' کا تاجر قرار دے چکے ہیں۔ شیعہ علماء اپنی قوم کی زبوں حالی پر کچھ ایسے ماتم کناں ہیں کہ انہیں ماہ محرم کا ماتم تقریباً بھول چکا ہے۔ ڈھکو صاحب کی زیر ادارت نکلنے والا رسالہ ''دقائق اسلام'' بابت جولائی ۲۰۱۱ء کا اداریہ لائق مطالعہ ہے۔ ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

''اگر تحقیقی جائزہ لیا جائے تو ہماری یہ مجالس عزا اپنا حقیقی مقام کھو چکی ہیں، جو منبر حسینی قرآن و حدیث اور علمی مباحث کا مرکز تھا، اب ان پڑھ اور بدعمل لوگوں کے قبضہ میں ہے..... آج کل اکثر لوگ بدعقیدگی بدعملی اور بدنظمی کا شکار ہیں، اس کی بڑی وجہ اہل منبر کی خرابی ہے۔ اہل علم اور اہل تقویٰ کی بجائے اَن پڑھ اور بے دین لوگ منبر حسینی پر براجمان ہیں۔ زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن قوم شیعہ جس انتشار اور خلفشار سے دوچار ہے، انہی تاجران خونِ حسینؓ کی بدولت رسوا اور پسماندہ ہے۔ نااہل لوگ علی الاعلان اسلام کے اصول و عقائد اور اعمال کی توہین کرتے نظر آتے ہیں، قوم کی اکثریت اُنہیں داد و تحسین دیتی نظر آتی ہے۔ عزاداری کے دوران اوقات نماز کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ دورانِ مجلس نماز کا وقفہ نہیں ہوتا، یہ سب ذاکرین و واعظین کی خطابت کا نتیجہ ہے۔ جو نماز اور عبادات کا مذاق اڑاتے ہیں۔''

(ماہنامہ دقائق اسلام سرگودھا، جولائی ۲۰۱۱ء)

قارئین کرام! سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر شیعیت کے اعمال و کردار کا جو ہم نقشہ پیش کرتے ہیں، ڈھکو صاحب کے اس رسالہ میں اس کی توثیق موجود ہے۔ لہٰذا ہمارا یہ دعویٰ اگر قابل قبول نہ ہو تو کم از کم قابل سماعت تو ہونا چاہیے بہرحال اہل تشیع کا یزید کو برا بھلا کہنا فی الحقیقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے قلبی عناد کا نتیجہ ہے اور یزیدیوں کا یزید کو صالح بنا کر پیش کرنا فی الحقیقت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے بُغض کا نتیجہ ہے۔ تو اب بتلایئے ان دونوں سے خیر کی کیا توقع ہوسکتی ہے؟ بنیادی طور پر یہ

دونوں گروہ حق کی پٹڑی سے اُتر کر کوسوں دور جا چکے ہیں۔ یہ دونوں اپنے ادعا میں مخلص نہیں ہیں۔ اہل سنت کی دعوت اور محنت یہ ہے کہ نئی نسلوں کو ان سے بچایا جائے۔ ان کی زنگ آلود فکر میں بگاڑ ہی بگاڑ ہے۔ محدثین کرام بڑے روشن دماغ اور سلیم الطبائع ہوتے تھے..... ان نیک خصلت لوگوں نے اصول بنا دیا تھا کہ یزید اس درجہ کا فاسق اور نا قابل اعتبار ہے کہ اس سے کوئی روایت قبول نہیں کی جاسکتی۔ علامہ ذہبیؒ کا یہ قول نظریں جما کر پڑھیے۔

"یزید بن معاویہ لیس باھل ان یروی عنہ وقال احمد بن حنبل لاینبغی ان یروی عنہ" (میزان الاعتدال، جلد ۴، ص ۴۴۰)

"یزید اس قابل نہیں ہے کہ اس سے کوئی روایت لی جائے اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ یزید سے روایت کرنا جائز ہی نہیں ہے۔"

## باپ کے متعلق بیٹے کا بیان

اولاد سے بڑھ کر والدین کے جلی وخفی حالات کا واقف کوئی نہیں ہوسکتا۔ کتب تواریخ میں تواتر سے یہ شہادت ملتی ہے کہ یزید نے اپنے جس بیٹے کا نام اپنے والد گرامی کے نام کی نسبت سے "معاویہ" رکھا تھا، وہ تقویٰ وطہارت میں اپنے عظیم دادا کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ یہی معاویہ بن یزید اپنے باپ کے انتقال کے بعد جب خلافت کے والی بنے تو پہلے دن ہی منبر پر آکر یزید کے کالے کرتوت رو رو کر بیان کرتے تھے اور فرماتے تھے:

"میرے باپ نے حکومت سنبھال تو لی تھی مگر "کان غیر اہلہ" وہ ہرگز اس کا اہل نہیں تھا۔ "وصار فی قبرہ رھینا بذنوبہ ثم بکی" میرا باپ یزید اپنے گناہوں کا بوجھ لے کر قبر میں چلا گیا، پھر (معاویہ) خوب روئے اور فرمایا "وقد قتل عترۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" اس نے حقیقتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد کو قتل کیا..... یہ کہہ کر وہ اقتدار سے کنارہ کش ہو گئے اور بعض نے

لکھا ہے کہ انہوں نے جنگل کا رُخ کیا اور پھر ساری زندگی ان کا سراغ نہ مل سکا۔ حضرت معاویہ بن یزید کا یہ تفصیلی خطبہ علامہ ابن حجر مکیؒ نے اپنی کتاب **الصواعق المحرقة** صفحہ نمبر ۱۳۴ پر درج کیا ہے۔

قارئین کرام! جس یزید کی صفائی اس کی حقیقی اولاد تک نہ دے سکی، آج بڑے فخر سے صدیوں گذر جانے کے بعد لنگوٹ کس کر کچھ لوگ میدان میں نظر آتے ہیں اور وہ یہ عزم کیے ہوئے ہیں کہ یزید کے اصلی کردار کو چھپا دیا جائے، ایک جابر اور ظالم کو بچانے کے لیے وہ صحابی رسول (سیدنا حسین رضی اللہ عنہ) کا تقدس پامال کرنا چاہتے ہیں، اس سے اُن کا دنیا و آخرت میں کونسا مفاد وابستہ ہے؟ وہ کیوں کردار یزید سے کالک اتارنے کے لیے بیتاب ہیں؟ ہم نہیں جانتے۔ ہم تو صرف اتنا جانتے ہیں کہ موسلا دھار بارش، آندھیوں اور گردش لیل و نہار سے چیتے کی کھال سے دھبے اور نقش کبھی مٹ نہیں سکتے۔

## مولانا کرم الدین دبیرؒ کی صاف گوئی اور منفرد طرزِ نگارش:

حامیانِ یزید اکثر و بیشتر کہتے ہیں کہ فسقِ یزید کا نظریہ دراصل رفض سے متاثرہ دماغوں کی فکری پیداوار ہے۔ اس وقت مولانا کرم الدینؒ کی شخصیت پردۂ ذہن پر ابھر رہی ہے۔ اور ان کی شہرۂ آفاق کتاب ''آفتاب ہدایت'' پیش نظر ہے۔ رد رفض پہ لکھی جانیوالی اردو زبان کی تمام کتب میں سے عام فہم، سہل اور منفرد ترتیب سوائے ''آفتاب ہدایت'' کے کسی اور کتاب میں نظر نہیں آئے گی۔ اس کتاب نے ہندو پاک کے شیعیت کی نظریاتی بساط لپیٹ کر رکھ دی ہے۔ آج اگر علامہ ابن تیمیہؒ زندہ ہوتے تو اپنی گرہ سے یہ کتاب چھپوا کر اہل سنت کے متاعِ دانش کی حفاظت کرتے۔ چکوال کے قصبہ ''بھیں'' میں اس شیر کا کچھار ہے جس نے یہ علمی سرمایہ سپردِ قرطاس کر کے سنی قوم کا سر فخر سے بلند کر دیا۔ مولانا کرم الدینؒ اپنی اس کتاب میں یہ عنوان قائم کرتے ہیں۔

## ''سب سے پہلا ماتمی یزید ہے''

اہل تشیع کی کتاب ''اخبار ماتم'' میں لکھا ہے کہ پہلا ماتم یزید کے گھر سے شروع ہوا، چنانچہ یہ حوالہ رقم کرنے کے بعد مولانا دبیرؒ لکھتے ہیں۔

''شیعہ غور کریں کہ وہ ماتم کرنے میں کس کی اتباع کر رہے ہیں، اور پہلا ماتمی شخص کون ہے؟ اور کس کے گھر سے پہلے یہ رسم شروع ہوئی؟ جب شیعہ کی معتبر کتب میں تصریح ہے کہ ماتم کرنیوالوں کا پہلا امام یزید عنید ہے تو ان کو شرم آنی چاہیے کہ کس کی تقلید کر رہے ہیں؟'' (آفتاب ہدایت[1] ص نمبر ۳۳۱)

مزید لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ کارنامۂ یزید (ماتم) اس شان و شوکت سے ہمیشہ تازہ کیا جاتا ہے کہ رُوحِ یزید کو اس سے کمال خوشی ہوتی ہوگی۔ اور یوں تو ذاکروں، مرثیہ خوانوں پر یزید علیہ ما علیہ کا ایسا احسانِ عظیم ہے کہ اس کا شکریہ ان سے ادا ہونا محال ہے۔ اگر یزید لعین یہ کرتوت نہ کرتا تو ان ''مکر گداؤں'' کو کون پوچھتا؟ ماہ محرم ان لوگوں کے لیے گویا عید ہوتا ہے، پہلے سے تیاریاں شروع کر دیتے ہیں۔ بیاضیں لئے رات بھر مرثیے یاد کیا کرتے ہیں۔ حلق سنوارتے، منہ بناتے، اور تال سُر پکارتے رہتے ہیں۔ اُدھر ماہ محرم نمودار ہوا، اِدھر اُن پر چاندی برسنے لگی۔ جا بجا ان کی آؤ بھگت ہونے لگتی ہے۔ روٹیاں مفت کی ملتی ہیں اور روپے پیسے الگ، ان کو تو یزید نام کی ماہ بماہ شیرینی دینی چاہیے اور اس کے نام کا سجدہ کرنا چاہیے۔ (ص ۳۳۴)

مندرجہ ذیل اقتباس بھی قابل مطالعہ ہے۔

اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ (معاذ اللہ) فاسق و منافق ہوتے تو حضرت امام

---

[1] نوٹ: الحمدللہ مصنف کے اہتمام سے آفتاب ہدایت چار مرتبہ منصۂ شہود پر آچکی ہے اور اس پر ایک شاندار مقدمہ بھی مصنف کے قلم سے موجود ہے جس میں مولانا کرم الدین دبیر کے مسلک و مشرب کے حوالہ سے نہایت دلچسپ تحقیق شامل ہے، علاوہ ازیں مولانا کرم الدین کی دیگر تمام کتب اور سوانح حیات بھی منظر عام پر آچکی ہے۔ جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ عثمان حسن

حسن رضی اللہ عنہ ہرگز ان کی بیعت نہ کرتے۔ بلکہ تلوار اٹھا کر اُن سے مقابلہ کرتے، جیسا کہ بعد میں امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید لعین سے مقابلہ کیا۔ اہل انصاف کے لیے اس قدر بحث اس بارہ میں کافی ہے۔ ہاں ضد کا کوئی علاج ہی نہیں۔ (آفتاب ہدایت ص ۲۹۱)

جہلم کے ایک شیعہ حکیم جمشید علی تھے۔ اُن سے مولانا کرم الدین دبیرؒ نے ایک بار پوچھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آخر اپنے فرزندوں کے نام اصحابِ ثلثہ کے نام پر کیوں رکھے؟ مثلاً لیلیٰ بنتِ مسعود کے بطن سے پیدا ہونے والے بچے کا نام ابوبکر، حبیبہ بنتِ ربیعہ کے بطن سے پیدا ہونیوالے کا نام عمر، اور ام البنین بنتِ حرام کے بطن سے پیدا ہونیوالے بچے کا نام عثمان رکھا۔ اسی طریقہ سے امام رضا نے اپنی ایک بیٹی کا نام عائشہ، اور حضرت علی نقیؒ نے بھی اپنی نورچشمی کا نام عائشہ رکھا تھا۔ علاوہ ازیں امام حسنؒ نے ایک کنیز کے بطن سے پیدا ہونے والے دو بیٹوں کا نام ابوبکر و عمر رکھا۔ یہ دونوں معرکۂ کربلا میں یزیدی ستم کا شکار ہوکر جام شہادت نوش کر گئے تھے۔ امام موسیٰ کاظمؒ کے ایک بیٹے کا نام ''ابوبکر'' تھا۔ تو اس بات کا جواب شیعہ حکیم صاحب نے یہ دیا کہ: ''ان حضرات نے اپنی اولاد کے یہ نام اس لیے رکھے تاکہ ان کے نام پکار کر ہر وقت گالیاں دینے میں آسانی رہے۔'' مولانا دبیرؒ نے اس یاوہ گوئی کا جواب یہ دیا کہ ''اگر یہی منطق درست ہے تو اب آپ ہی اس کمی کو پورا کردیں، اپنے عزیزوں میں سے کسی کا نام یزید یا شمر رکھ کر خوب تبرابازی کریں۔ بس آپ خاموش ہوگئے۔ (ص ۲۸۴)

## کیا یزید نام رکھنا چاہیے؟

اس عنوان پر اگرچہ ہم تفصیلی بحث کر آئے ہیں۔ اور ایک خط کا جواب بھی اسی ضمن میں تھا۔ تاہم مولانا دبیرؒ اور ایک شیعہ حکیم کے مندرجہ بالا مکالمہ کی روشنی میں ہم عرض کرتے ہیں کہ شیعوں اور یزیدیوں کو یہ نام ضرور رکھنے چاہئیں، شیعوں کو تو اس لیے کہ وہ آسانی سے گالیاں دے کر اپنا ''مذہبی فریضہ سرانجام دے سکیں'' جب کبھی یزید نام کے بیٹے، نواسے، پوتے یا بھتیجے، بھانجے کو بلایا تو ساتھ ہی دو چار گالیاں دے دیں، تب ہم دیکھیں کہ ان کے عشق و جذب کا مہمہ کیا رنگ لاتا ہے؟

اور حامیان یزید تو ویسے عشاق ہیں، انہیں بھی اپنے بچوں کا یہ نام رکھنا چاہیے۔ ہمارے اس مشورے پر یزید کے عقیدت مند ماہی بے آب کی طرح تڑپ اٹھتے ہیں اور ان کے فکر ونظر کی ساری متاع نمک کی طرح پانی میں گھل جاتی ہے۔

## کیا عبدالرحمن ابن ملجم چھوٹا مجرم ہے؟

اہل تشیع پر حیرت ہوتی ہے کہ یزید نام کو تو گالی بنا دیتے ہیں۔ لیکن جو امام حسین رضی اللہ عنہ کے عظیم المرتبت والد گرامی حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے، یعنی عبدالرحمن ابن ملجم، شیعی لٹریچر اس کے متعلق تبصروں سے خالی ہے۔ یزید کی برائیوں کا ذمہ دار تو صحابیٔ رسول حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن ابن ملجم پر ان کی تان اس لیے نہیں ٹوٹتی کہ اس کا باپ کوئی ''صحابی'' نہیں تھا۔ انہیں تو بغض صحابی سے ہے، نہ کہ قاتلِ اہل بیت رضی اللہ عنہم سے اور ہم علیٰ وجہ البصیرت یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ بالفرض والمحال یزید حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا نہ ہوتا تو شیعی دنیا شاید اس کے نام سے بھی واقف نہ ہوتی اور اگر ہوتی بھی تو فقط ابنِ ملجم جتنی! لہٰذا اہل تشیع کا یزید کو گالیاں دینا فقط قاتلِ حسین رضی اللہ عنہ ہونے کی وجہ سے نہیں، صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور یزیدیوں کا یزید کی بڑھ چڑھ کر وکالت کرنا سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی الفت کی وجہ سے نہیں، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بغض کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا یہ دونوں شر کے جوہڑ ہیں۔ ان سے بچیے، اور بچایئے۔ اہل سنت والجماعت کوئی دو چار گھونٹ پہ بہکنے والے نہیں ہیں۔ اعتدال اور فقط اعتدال اہل سنت کا شیوہ ہے۔ یزید کی تفسیق بھی کی ہے تو ''صحابی رسول'' کے دفاع میں کی ہے۔ ہمارے نزدیک سارے کام کاج چھوڑ کر صرف یزید کو ''فاسق'' کہنا عبادت نہیں، سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا دفاع کرنا اور آپ کی محبتوں کے جام مسلمانوں کے قلوب میں انڈیلنا عبادت ہے۔

## شیعہ مجتہد ڈھکو صاحب کی ایک اور بڑھک:

ماہ نامہ ''دقائق اسلام'' سرگودھا، بابت اگست ۲۰۱۱ء میں شیعہ مجتہد

جناب محمد حسین صاحب ڈھکو کی ایک بڑھک شائع ہوئی ہے۔ ڈھکو صاحب چونکہ عمر رسیدہ ہوگئے ہیں، محسوس ہوتا ہے ان کے دماغ نے اب ان کے کام آنا چھوڑ دیا ہے، اس پر اُن کی مندرجہ ذیل بڑھک دلیل ہے۔

''ماضی بعید میں ہمارے متحدہ ہندوستان میں بعض علماء اہل سنت نے ایک بہت بڑی زہریلی کتاب ہمارے مذہب کے خلاف لکھ کر شائع کی تھی۔ جس کا نام تھا '' آفتاب ہدایت رد رفض و بدعت''..... اور ان لوگوں کا زعم یہ تھا کہ وہ ایسی لاجواب کتاب ہے کہ قیامِ قیامت تک شیعہ اس کتاب کا جواب نہیں لکھ سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم اور آلِ محمد ﷺ کے صدقہ سے اس احقر کو یہ توفیق عطا فرمائی کہ میں نے اس کتاب کا دندان شکن جواب لکھ کر شائع کیا۔ اور تمام علماء اہل سنت کو دعوت دی کہ وہ سب مل کر اس کا جواب لکھیں، مگر اب تک کوئی مائی کا لعل نہیں لکھ سکا جسے تقریباً چالیس سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔ اور اس کتاب کا نام ہے'' تجلیات صداقت بجواب آفتاب ہدایت۔'' (ماہنامہ دقائق اسلام سرگودھا، اگست ۲۰۱۱ء)

**تبصرہ:**

مولانا قاضی کرم الدین دبیرؒ کی کتاب ''آفتاب ہدایت'' ستمبر ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی تھی اور ڈھکو صاحب کا جواب، دسمبر ۱۹۷۳ء، دن کے ڈیڑھ بجے مکمل ہوا۔ بتایئے چالیس سال تک کسے قلم اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی؟ اور خدا کی شان دیکھیں کہ ٹھیک ایک سال کے بعد، دسمبر ۱۹۷۴ء میں حضرت دبیرؒ کے رشکِ زمانہ فرزند مولانا قاضی مظہر حسینؒ نے ''اجمالی نظر'' کے نام سے ڈھکو صاحب کی کتاب کا جواب شائع کر دیا تھا۔ اور تفصیلی جواب سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود مدظلہ کا ''تجلیات آفتاب'' کے نام سے منظر عام پر آگیا ہے۔ جس کی پہلی جلد ۶۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اپنا مافی الضمیر اور نقطۂ نظر ہر ایک کو پیش کرنے کا بنیادی حق ہے۔ مگر کند چھری کے ساتھ دیانت کا خون کرنا ڈھکو صاحب کو ہی شاید زیب دیتا ہو۔ یاد رہے کہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کی کتاب '' تجلیاتِ صداقت پر ایک اجمالی

نظر'' کا دوسرا اڈیشن ''سنی اکیڈمی اور ادارہ مظہر التحقیق'' کی جانب سے بھی دیدہ زیب طباعت میں چھپ چکا ہے۔ یہ جوابی کتاب اگرچہ مختصر ہے، مگر اہل نظر پر بخوبی واضح ہے کہ ''تجلیات صداقت'' میں دیئے گئے فریب کیسے آشکارا کئے گئے ہیں؟ ڈھکو صاحب بلاوجہ اُلٹی سیدھی زقندیں لگاتے رہتے ہیں۔ ہم نے اُن کے تازہ شارے میں بڑھک پر تبصرہ ضروری سمجھا، جو مختصراً پیش کر دیا گیا ہے۔

قارئین کرام! ہم نے شروع میں عرض کیا ہے کہ یزیدی حضرات فسق یزید کا نظریہ، رفض کا تاثر قرار دیتے ہیں۔ مصنف '' آفتاب ہدایت'' سے زیادہ رفض شناس کون ہوگا؟ دیکھئے وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع بھی کر رہے ہیں اور بڑے توازن کے ساتھ اہل سنت کا مسلک دربارۂ یزید پیش کر رہے ہیں۔ اور یہ صرف مصنف آفتاب ہدایت ہی نہیں، خیمہ فلک کے نیچے بسنے والے ہر سُنی مسلمان کا یہی عقیدہ رہا ہے۔ آسمان طریقت کے روشن آفتاب حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ کا ارشاد ملاحظہ کیجیے۔

'' یزید فاسق تھا اور فاسق کی ولایت مختلف فیہ ہے۔ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے جائز سمجھا، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے ناجائز سمجھا۔ اور گوکراہ (مجبوری) میں انقیاد (حکم ماننا) جائز تھا، مگر واجب نہ تھا اور متمسک بالحق (حق پر عمل پیرا) ہونے کے سبب امام مظلوم تھے۔ اور مقتولِ مظلوم شہید ہوتا ہے۔ شہادت غزوہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بس ہم اسی بنائے مظلومیت پر ان کو شہید مانیں گے، باقی یزید کو اس قتال میں اس لیے معذور نہیں کہہ سکتے کہ وہ مجتہد سے اپنی تقلید کیوں کراتا تھا؟ اس کو تو عداوت ہی تھی۔ مسلط کی اطاعت کا جواز ہونا الگ بات ہے، مگر مسلط ہونا کب جائز ہے؟ خصوصاً (یزید جیسے) نااہل کو، اس پر خود واجب تھا کہ معزول ہو جاتا۔ پھر اہل حل وعقد کسی اہل کو خلیفہ بناتے۔'' (امداد الفتاوی، ج ۴ ص ۵۴)

حکیم الامتؒ نے اپنے اس ارشاد میں کئی ایک باتیں تحریر کر دی ہیں کہ چونکہ فاسق مسلط ہو چکا تھا۔ اب مسلط کی اطاعت کا اگرچہ بعض حالات میں جواز ہے، لہٰذا

باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس فتوے پر عمل کیا، لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے جو استبداد سے ٹکر لی وہ بھی تقوے سے خالی نہیں ہے۔ دوسرا یہ کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ مجتہد صحابی تھے اور یزید کو کیا حق پہنچتا تھا کہ وہ مجتہد کو اپنی تابعداری پر مجبور کرتا، انتظامی اختلاف کا واحد حل کیا فقط تلوار ہوتی ہے؟ خصوصاً اختلاف کرنیوالا جب صحابی اور نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو؟ تیسرا یہ کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ شہید ہیں اور مظلوم ہیں۔ کیا شہید کرنیوالا قاتل، اور ظلم کرنیوالا ظالم نہیں ہوتا؟ حامیانِ یزید اس اوکھلی سے اپنا سر نکالنے کی تدبیر کریں کہ اگر وہ امام عالی مقام کو واقعی شہید یا مظلوم سمجھتے ہیں، تو انہیں یزید کو ظالم و قاتل ماننا پڑے گا، جو ظلم اور قتل کا مرتکب ہو، اس کے فاسق ہونے میں کسی کو کیا کلام ہے؟ حضرت تھانویؒ کا یہ حوالہ دو معروف بریلوی علماء نے بھی اپنی اپنی تصانیف میں درج کیا یعنی مولانا محمد علی نقشبندی مرحوم نے اپنی ضخیم کتاب ''عقائد جعفریہ'' جلد دوم ص ۳۹۵' پر اور مولانا شفقات احمد نے ''تحقیق مزید فی مسئلہ یزید'' ص ۲۴۱، پر۔

قارئین کرام! علامہ اقبال مرحوم کا نظریہ بھی یہی تھا کہ واقعۂ کربلا سے یزید کو بے تعلق ثابت کرنا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کسی واقعہ سے فرعون کو لاتعلق ثابت کرنے کے مترادف ہے۔ اقبالؒ کے تخیل کی رگ یوں پھڑکتی ہے۔

موسیٰ و فرعون، شبیر و یزید
ایں قوت از حیات آمد پدید

یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون، امام حسین رضی اللہ عنہ اور یزید، یہ دونوں حق و ناحق کی قوتیں ہمیشہ آپس میں دست و گریباں ہوتی آئی ہیں۔ ''اقبال اور امیر شریعت'' کے تعلقات پر فخریہ سطریں لکھنے اور چھاپنے والے اس شعر پر بھی غور کریں۔ یزید کے ایک متوالے حکیم فیض عالم صدیقی نے لکھا ہے۔

''ڈاکٹر اقبال جیسے عبقری بھی اس تسامح کا شکار ہو کر کہہ اٹھے'' موسیٰ و فرعون، شبیر و یزید۔'' (حقیقت مذہب شیعہ، ص ۱۰۱)

یعنی اقبال ہے تو عبقری صفت، مگر چونکہ یزید کو قبول نہیں کرتے، اس لیے وہ''

تاریخ" کی بھینٹ چڑھ گئے۔ علامہ سعد الدین تفتازانیؒ کی کتاب "شرح عقائد نسفی" ہر اسلامی مکتب میں پڑھی اور پڑھائی جارہی ہے۔ علامہ عبدالعزیز فرہارویؒ جیسے جبال العلم نے اس کی عربی شرح "نبراس" تحریر فرمائی۔ علامہ تفتازانیؒ فرماتے ہیں:

وَالْحَقُّ اَنَّ رِضَا یَزِیْدَ بِقَتْلِ الْحُسَیْنِ وَاسْتِبْشَارَہٗ بِذٰلِکَ وَاِهَانَتَہٗ اَهْلَ الْبَیْتِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِمَّا تَوَاتَرَ مَعْنَاہُ (شرح عقائد ص ۱۱۳)

اور سچ یہی ہے کہ یزید کا قتلِ حسین رضی اللہ عنہ میں اظہار رضامندی اور استبشار نیز اہلِ بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حد درجہ اہانت، یہ مفہوم و معانی کے طور پر متواتر ہیں۔

علامہ تفتازانیؒ کی اس مکمل عبارت پر تبصرہ، اور ایک جذباتی خطیب کے ان کے متعلق بے رحمانہ ریمارکس پر ہم آئندہ سطور میں بحث کریں گے۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

## ایک کتابچہ "مسئلہ فسقِ یزید"

حال ہی میں مولانا مفتی سید عبدالشکور ترمذیؒ کا مولفہ ایک رسالہ لاہور سے طبع ہوا ہے، جس کا نام "مسئلہ فسق یزید اور اکابرِ علماء امت" ہے۔ یہ شاہ نعیمؒ اکادمی نے شائع کیا ہے۔ ہر سنی مسلمان کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے انتہائی اختصار کیساتھ یزیدی وساوس کا قلع قمع کر دیا ہے۔ تاہم ناشرین نے اس کتابچہ کے بیک ٹائٹل پر جو امام شافعیؒ کا شعر درج کیا ہے وہ بلا توضیح شائع نہیں کرنا چاہیے، وہ شعر یہ ہے:

ان کا رفضا حب آل محمد

فلیشهد الثقلان انی رافض

(اگر آلِ نبی سے عشق و محبت بھی رفض ٹھہرے تو پھر جن و بشر شاہد ہیں، میں رافضی ہوں)

علماء کرام تو بخوبی سمجھتے ہیں، مگر عوام تذبذب میں آجاتے ہیں، کہ شاید محبت اہل بیت رضی اللہ عنہم اور رفض لازم و ملزوم ہیں، جبکہ ایسا قطعاً نہیں ہے۔ اور شیعہ حضرات بھی اس شعر کو انہی معانی میں استعمال کر کے غلط فہمی پیدا کرتے ہیں۔ نیز یہ ایک مکمل نظم ہے جس کی ابتداء میں حضرات ثلاثہؓ کی منقبت بھی ہے۔ شعر بالکل صحیح ہے۔ لیکن

چند سطروں میں رفض کا اصل نقشہ اور مفہوم لکھ کر پیش کیا جائے تو دیمک پیدا نہیں ہوتی۔ فتنوں کے خلاف کام کرتے ہوئے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل سنت کے حال پر رحم فرمائیں۔

## علامہ تفتازانیؒ کے متعلق غیر مؤدبانہ لب ولہجہ:

ایک کتاب ''اسم معاویہ رضی اللہ عنہ پر علمی وتحقیقی جائزہ'' پڑھنے کا اتفاق ہوا ابو معاویہ مولانا مسعود الرحمن عثمانی صاحب کا نام بطور مؤلف درج ہے۔ یہ کتاب چونکہ ہمیں تبصرے کے لیے نہیں ملی، اس لیے ہم پوری کتاب پر تبصرہ نہیں کریں گے۔ البتہ اپنے موضوع سے متعلقہ ایک دو باتیں قارئین کے سامنے رکھیں گے۔

''علامہ تفتازانی کی توہین اور انجام'' کے زیر عنوان مؤلف لکھتے ہیں:

بسا اوقات دشمن کا پھیلایا ہوا فتنہ اتنا مؤثر اور کارگر ثابت ہوتا ہے کہ بڑے بڑے صاحب علم ودانش اور صاحب تقویٰ اس کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ایسے ہی بہت بلند پایہ ہستیاں آپ کو ملیں گی جو شیعہ کے لٹریچر سے متاثر ہو کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق بہت کچھ کہہ دیتے ہیں۔ ان میں سے ایک صاحب علامہ سعد الدین تفتازانی ہیں۔ ایک مثال دیتے ہوئے ''مختصر المعانی'' میں رقم طراز بقلم دراز ہیں (عربی سے اردو)

پس تعظیم لفظ علی سے ماخوذ ہے کہ اس میں علو یعنی بلندی کا معنی ومفہوم پایا جاتا ہے اور اہانت لفظ معاویہ سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ وہ ''دعوی'' سے لیا گیا ہے اور وہ بھیڑیئے اور کتے کا بھونکنا ہے..... اور مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں، ''رَکِبَ علی وھرب معاویہ'' علی سوار ہوئے اور معاویہ بھاگ گیا (معاذ اللہ) اتنے بڑے علامے فہامے سے ایسی جاہلانہ حرکت کی توقع نہیں تھی۔ یہ صرف اور صرف بغض صحابہ رضی اللہ عنہم یا شیعیت کے اثرات ہیں۔ یہ بھی اس سازش کا حصہ تو نہیں جس کے تحت نحو، صرف کی ابتدائی کتب میں مثال کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت زید رضی اللہ عنہ کے نام استعمال کئے جاتے ہیں (ضَرَبَ زیدٌ بکرًا) اس گھناؤنی حرکت پر ہم کوئی تبصرہ کریں تو بے ادبی شمار ہوگا، چھوٹا منہ اور بڑی بات..... اگر بے ادبی نہ ہو تو

یہ عرض کر دینا مناسب ہوگا کہ علامہ تفتازانی جیسے اتنے بڑے فنون کے امام نے جب صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حیاء نہ کیا تو خود علامہ تفتازانی کے ساتھ بھی یہ ہوا کہ یہ بادشاہ تیمور کے دربار کے خاص مقام والے افراد میں سے تھے۔ دربار میں علمی مباحث ہوتے رہتے تھے۔ ایک دن اپنے شاگرد میر سید شریف جرجانی سے مناظرہ ہوا۔ نعمان معتزلی حکم تھا۔ اس مناظرہ میں علامہ موصوف اپنے شاگرد سے ہار گئے۔ اس دربار میں ان کی بڑی سبکی ہوئی۔ چنانچہ موصوف علامہ اسی صدمہ میں صاحب فراموش ہو گئے۔ کوشش کے باوجود تندرست نہ ہو سکے۔ بالآخر ۲۲، محرم ۷۹۲ھ کو سمرقند میں جاں بحق ہو گئے۔ اتنی بڑی شخصیت کا اتنی سی بات کو دل پر رکھ کر اسی صدمہ سے دنیا سے رخصت ہو جانا یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے ادبی و گستاخی کا ہی نتیجہ ہے۔

(اسم معاویہ پر علمی و تحقیقی جائزہ ص ۱۱۲۔۱۱۱)

## تبصرہ

مندرجہ بالا اقتباس میں علامہ تفتازانیؒ کی مختصر المعانی سے جو مثال پیش کی گئی ہے اس سے پہلے ہم مؤلف ''اسم معاویہؓ پر علمی و تحقیقی جائزہ'' کے دیئے ہوئے ریمارکس پر تبصرہ کریں گے۔ مؤلف کی اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ

① : علامہ تفتازانیؒ جیسے علامے فہامے سے جاہلانہ حرکت سرزد ہوئی

② : یہ بغض معاویہ رضی اللہ عنہ اور شیعیت کے اثرات کی بناء پر ہے

③ : علامہ تفتازانیؒ کی یہ گھناؤنی حرکت ہے

④ : علامہ تفتازانیؒ نے صحابی کا حیاء نہ کیا

⑤ : صدمے سے انتقال ہو جانا یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے ادبی کا نتیجہ تھا

قارئین کرام: علامہ سعد الدین تفتازانیؒ (متوفی ۱۳۹۰ء) دنیائے علم میں اپنا ایک منفرد مقام رکھتے ہیں ان کی کتب صدیوں سے مدارس میں داخل نصاب چلی آرہی ہیں۔ شرح عقائد نسفیہ آج بھی علماء کرام جھوم جھوم کر پڑھتے ہیں۔ یہ وہ کتاب ہے جس کی شرح عربی زبان میں ''نبراس'' کے نام سے علامہ عبدالعزیز فرہارویؒ نے

لکھی اور علامہ فرہارویؒ کے متعلق مولانا شمس الحق افغانیؒ فرمایا کرتے تھے اگر یہ شخص دہلی میں ہوتا تو حضرت شاہ ولی اللہؒ کے پایہ کا شخص تھا۔ (نکات افغانی صفحہ نمبر ۲۱۳)

اور یہ نبراس کتاب مصر کے ''جامعۃ الازہر'' میں داخل نصاب ہے۔ علامہ تفتازانیؒ کی شرح عقائد پڑھنے اور پڑھانے والے ''نبراس'' سے بے نیاز نہیں رہ سکتے۔ ضلع مظفر گڑھ کے ایک قصبہ ''پرہاڑ'' میں یہ عظیم علمی شخصیت محو استراحت ہے، جس نے محض ۳۲ سال کی عمر میں دو سو سے زائد علوم پر کتب اور بیاض لکھیں۔ علامہ ''تفتازانی'' کی اس کتاب کی ایک شرح ''خیالی'' بھی ہے جس پر مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ جیسے ذی مرتبت عالم دین نے حاشیہ لکھا اور ''مختصر المعانی'' کی علمی حیثیت بھی مسلمہ ہے۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے اس پر حاشیہ لکھا۔

یہ کتاب فن بلاغت پر بے مثال اور مشکل انداز میں لکھی گئی ہے۔ درس نظامی کا کوئی مدرسہ ایسا نہیں جہاں یہ داخل نصاب نہ ہو۔ اس کے بغیر طلبہ کی استعداد کامل ہی نہیں ہوتی۔ علماء احناف اور خصوصاً دیوبند مکتبہ فکر کے جید علماء کرام نے اس کی اردو زبان میں شروحات لکھیں، غرض یہ کہ علامہ تفتازانیؒ اہل سنت کے اتنے بڑے اور قدآور محقق عالم ہیں کہ ان کے علم کی چوٹی دیکھ کر بڑے بڑوں کی ٹوپیاں گر جاتی ہیں۔ کاش آج علامہ عبدالعزیز پرہارویؒ ، مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ اور شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ زندہ ہوتے تو مولانا عثمانی صاحب ان کی اصلاح کرتے کہ جناب تفتازانیؒ تو ''جاہل'' علامہ فہامہ ہے۔ وہ تو شیعیت سے متاثرہ ہیں اور بغض معاویہ رضی اللہ عنہ کے مریض ہیں، اُن میں تو صحابی کا حیاء نہ تھا، افسوس یہ سب حضرات مولانا عثمانی صاحب سے اصلاح کروائے بغیر دنیا سے چلے گئے۔ دراصل آج کل بڑوں کی پگڑیاں اچھالے اور ان کی ڈاڑھیوں پر دھول اڑائے بغیر ماہر خطیب، ادیب اور محقق بننا مشکل تصور کیا جاتا ہے۔ کمال حاصل کرنے کا معیار کبھی یہ ہوا کرتا تھا کہ اسلاف کی لفظ بہ لفظ یا قدم بمقدم تقلید نہ سہی، کم از کم ان کا ادب اور ان کے تبحر علمی کا اعتراف کیا جاتا تھا۔ ان کا ذکر آنے پر احترام کے سر جھک جایا کرتے تھے۔ راقم الحروف نے علامہ خالد محمود

مدظلہ جیسی ذی علم شخصیت کو علامہ تفتازانیؒ کے نام کی مالا جپتے دیکھا ہے اور ان کی کوئی بات یا حوالہ بیان کرتے ہوئے دل کی گہرائیوں سے ''سبحان اللہ'' کہتے سنا ہے۔

لیکن آج؟ صد افسوس، جس معاشرے میں دھڑلے سے علامہ تفتازانی جیسوں کو جاہل قرار دے دیا جائے وہاں سے علم وفن کی برکتیں اٹھالی جاتی ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ جب سے یہ حوالہ پڑھا ہے، طبیعت بے چین ہے۔ آخر ہم اتنے بے مہار کیوں ہو جاتے ہیں؟ جیسا کہ ہم نے شروع میں لکھا کہ یہ کتاب برسہابرس سے داخل نصاب ہے۔ جہابذۂ روزگار علماء کے مطالعہ میں یہ کتاب رہی، اور آج بھی ہے۔ لیکن اتنے بے رحمانہ ریمارکس شاید ہی کسی نے دیئے ہوں۔ ہم مؤلف کتاب ''اسم معاویہ'' کو مشورہ دیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور آئندہ اس قسم کی تحریروں سے مجتنب رہیں۔ اصول اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی بڑی علمی شخصیت کی کتاب سے اس قسم کی کوئی بات ملے تو اس کی تاویل کی جائے۔ اس کے سیاق و سباق کو اچھی طرح دیکھا جائے۔ اُن کے معاصرین اور اپنے متقدمین اہل علم کی آراء کو بھی مدنظر رکھا جائے تب کوئی فیصلہ کن رائے قائم کی جائے اور اس میں بھی احترام کے ضابطے نہ ٹوٹنے پائیں۔ علم وتحقیق کے سپاٹ خاکوں میں متانت وسنجیدگی کا رنگ بھرے بغیر محض مشتعل اور جذباتی فضاء پیدا کرنا اہل مذہب کو زیب نہیں دیتا۔

## علامہ تفتازانی مقام صحابہ رضی اللہ عنہم اور مذکورہ، مثال:

علامہ تفتازانیؒ اپنی کتاب ''مختصر المعانی'' کی ابتداء میں تحمید وتقدیس کے بعد فرماتے ہیں ''وَنُصَلِّیْ عَلٰی نَبِیِّکَ محمد المؤید دَلَائِلُ اِعْجَازِہٖ بِاَسْرَارِ الْبَلَاغَۃِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحَابِہِ الْمُحْرِزِیْنَ قَصَبَاتِ السَّبْقِ فِی مضمار الفصاحۃ، وَالْبَرَاعَۃ''

''اور ہم آپ (اللہ تعالیٰ) کے نبی، محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں، جن کے واضح و روشن دلائل کی پورے کمال کے ساتھ اسرار بلاغت کی تائید کی گئی ہے۔ اور آپ کے آل اور اصحاب پر بھی درود بھیجتے ہیں جو فصاحت واوج کے میدان میں سبقت کرنیوالے ہیں''

علامہ تفتازانی اہل سنت کے مزاج وطریقے کے مطابق سب سے پہلے حمد، پھر درود شریف اور بعد ازاں اصحاب و اہل بیت کا ذکر فرما رہے ہیں۔ جس کے دل میں بُغض صحابہ کے کینچوے پل رہے ہوں وہ بھلا ''اصحاب'' کا تذکرہ کرتا ہے؟ علامہ تفتازانی فن بلاغت پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کبھی مسند الیہ کو نام کے ساتھ بطور معرفہ اس لیے لاتے ہیں کہ اس سے مسند الیہ کی تعظیم یا توہین مقصود ہوتی ہے۔ اور یہ بات بھی تب متحقق ہوگی جب نام اور القابات، تعظیم یا توہین کی صلاحیت رکھتے ہوں مثلاً رَکِبَ عَلِیٌ حضرت علی رضی اللہ عنہ سوار ہوئے ھَرَبَ معاویہ رضی اللہ عنہ تو معاویہ بھاگ گئے۔ اوّل الذکر جملہ میں لفظ علی، مسند الیہ تعظیم کے لیے ہے۔ کیونکہ علی، علو یعنی بلندی سے ماخوذ ہے اور دوسرے جملہ میں مسند الیہ توہین کے لیے ہے، کیونکہ معاویہ عواء سے ماخوذ ہے۔ یہاں علامہ تفتازانی کے پیش نظر مقام صحابیت نہیں ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ و معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین ہونے والی لڑائی میں چونکہ اہل سنت کا نظریہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطاء اجتہادی پر۔ جیسا کہ حافظ ابن کثیرؒ نے جنگ صفین کے احوال لکھنے کے بعد فرمایا:

''وھذا ھو مذھب اھل السنۃ والجماعۃ ان علیا ھو المصیب وان کان معاویۃ مجتھدا، وھو ماجور ان شاء اللہ''

''اہل سنت والجماعت کا یہی مسلک ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے۔ اگرچہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی مجتہد ہونے کی بناء پر ان شاء اللہ اجر سے محروم نہیں رہیں گے۔''

تو طبعی طور پر علامہ تفتازانیؒ کا جھکاؤ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف تھا، وہ بات سمجھانے کے لیے ایک مثال دینا چاہتے تھے۔ قلم ہاتھ میں تھا، یہ دو نام ذہن میں آئے اور انہوں نے ''رَکِبَ علی وھرب معاویہ'' کہہ دیا۔ یہ تو ایک ذوقی بات ہے اور جو جتنا بڑا سلیم الفطرت عالم ہوتا ہے اس کا ذوق اتنا ہی لطیف اور دقیق ہوتا ہے۔ علامہ تفتازانی اہل سنت کے مسلّمہ عالم ہیں۔ اس میں تو بعض نے اختلاف کیا ہے کہ وہ حنفی تھے یا شافعی المسلک! لیکن ان کے سنی العقیدہ ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

علامہ تفتازانیؒ جیسا سنی عالم ہو اور وہ صحابہ کا حیاء نہ کرے، یہ کہنا بذات خود بے حیائی ہے۔ باقی علامہ سید میر شریف جرجانی سے مناظرہ ہارنے کی بناء پر صدمے سے فوت ہو جانا، یہ تو سبب موت ہے جو ظاہری ہے۔ اس کے علاوہ خدا جانے کون سے اسباب ہوں گے۔ علامہ تفتازانی کے مقام علمی کا اعتراف خود علامہ جرجانیؒ کو بھی تھا۔ بلکہ علوم ادبیہ اور علوم فقیہہ میں علامہ تفتازانیؒ، جرجانی سے کہیں آگے تھے۔ نیز یہ صدمہ مباحثہ ہارنے کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ نعمان الدین خوارزمی (معتزلی) کے فیصلے کی بناء پر تھا۔ علامہ تفتازانی کا موقف یہ تھا کہ میرے دلائل بھاری اور قوی ہونے کے باوجود میرے حق میں فیصلہ نہ کیا گیا جن کی چھاتیوں سے علم کے چشمے بہہ رہے ہوتے ہیں، ان کے مزاج نازک ہوتے ہیں۔ صرف اتنی سی بات ہے جس کو "بغض صحابہ" کی پھٹکار کہہ کر اتنے بڑے عالم کو اہل سنت کی صفوں سے نکالنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

## علامہ تفتازانی کے خلاف اصل پروپیگنڈا یزیدیوں کی جانب سے ہوتا ہے:

علامہ تفتازانی نے اپنی شرح عقائد میں یزید کا پوسٹ مارٹم کیا ہے۔ بلکہ وہ یزید پر لعنت کرنے میں بھی توقف نہیں کرتے۔ ہاں! البتہ لعنت کرنے کو جمہور علماء نے ایک بے فائدہ اور لاحاصل فعل قرار دیا ہے۔ شرح عقائد کی عبارت گزشتہ شمارہ میں پیش کی گئی ہے۔ اب دوبارہ ملاحظہ فرمالیں:

وَالحقُّ اَنَّ رِضَا یَزِیْدَ بِقَتْلِ الْحسین وَاِستبشارہ بذٰلِکَ وَاِهَانَةَ اَهْلِ بَیْتِ النبی ﷺ مِمَّا تواتر مَعْنَاهُ وَاِنْ کَانَ تَفَاصِیلُهَا اٰحَادًا فَنَحْسَنُ لَا نَتوقَّفُ فِیْ شانہٖ بَلْ فِیْ اِیْمَانِہٖ لَعْنَةُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَعَلٰی اَنْصَارِہٖ وَاَعْوَانِہٖ

(شرح عقائد نسفی ص ۱۱۳، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز کراچی)

"اور سچ یہی ہے کہ یزید کا قتل حسین میں اظہار رضامندی اور اہل بیت رسول کی اہانت ایسی باتیں ہیں جو مفہوم و معنی کے اعتبار سے متواتر ہیں۔ اگرچہ تفصیل خبر واحد کے ذریعے مذکور ہے۔ اسی تواتر معنوی کی بناء پر ہم یزید پر لعنت کرنے میں توقف نہیں کرتے۔ بلکہ ہمیں تو اس کے ایمان میں بھی شک ہے۔ اس کے معاونین و انصار پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔

**شرعی مسئلہ:**

کسی معین شخص کے بارے میں جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ اس کی وفات کفر پر ہوئی ہے، اس پر لعنت کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ گو وہ کتنا بڑا فاسق ہو، یہی بات علامہ شامیؒ کے حوالہ سے مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے لکھی ہے۔ (معارف القرآن ج ۲ ص ۴۳۶)

اور علامہ تفتازانی نے بھی اسی شرط کی بنیاد پر لعنت کی ہے، کیونکہ وہ یزید کو ایمان سے محروم سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے معتقدین کی ایک بڑی جماعت کا بھی یہی نظریہ تھا۔ جب وہ اس کو مسلمان ہی نہیں جانتے تو ان کے نزدیک لعنت کرنا جائز ہوا۔ اس لیے ہمارے اکابر صراحت فرما چکے ہیں کہ یزید کے فسق پر تو پوری امت کے اہل علم کا اجماع ہے، ہاں البتہ کافر ہونے میں اختلاف ہے۔ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ کی یہ عبارت پہلے بھی پیش کر دی گئی ہے کہ

''اختلاف اگر ہے تو یزید کی تکفیر میں ہے، تفسیق میں نہیں اور امام احمد بن حنبلؒ جب کہ یزید کے کفر تک کے بھی قائل ہو گئے تو فسق کے بطریق اولیٰ قائل تسلیم کیے جائیں گے اس لیے یزید کے فسق پر اتفاق علماء کیساتھ ایک امام مجتہد کی مہر بھی لگ جاتی ہے۔''

(شہید کربلا اور یزید ص ۱۴۰)

قارئین کرام! اب تو کشتی کنارے لگتی نظر آ گئی ہوگی کہ علامہ سعد الدین تفتازانی کے نام سے یزیدی لوگ کیوں بدکتے ہیں؟ اور جب انہیں ''مختصر المعانی'' میں ان کی پیش کردہ ایک مثال ملی تو مصالحہ لگا کر ان کے خلاف بدظنی پیدا کرنا شروع کر دی۔ اس لیے ہم یہ درخواست کرتے آئے ہیں کہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کام کرنے والے رفض کے جراثیم سے خود کو بچائیں، اور سیدنا امیر معاویہؓ پر کام کرنے والے یزیدیت کے اثرات سے خود کو بچا کر چلیں۔ ان دونوں جلیل القدر صحابہؓ میں سے کسی ایک کی منقبت بیان کرتے ہوئے اصحاب ثلاثہؓ سے یا پھر سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سے بدظن ہو جانا گھاٹے کا سودا ہے۔ اور اعتدال کی ضمانت یہی ہے کہ بڑوں کے جلائے ہوئے دیپوں سے روشنی حاصل کی جائے۔ تحقیق کا میدان وسیع ہے۔ اس میں محنت اور

دماغ اپنا ہو، مگر فہم اور ادراک اسلاف اہل سنت والجماعت کا ہو، تو ٹھوکریں نہیں لگتیں۔ اول تو طنز وتعریض سے احتراز کیا جائے اور اگر اس کے بغیر کام نہ چل سکتا ہو تو پھر اس فن میں پہلے کمال حاصل کیا جائے، یہ نہیں کہ اسلاف کی کتب جو صدیوں سے پڑھی، پڑھائی جارہی ہیں۔ ان میں کوئی ایک آدھ بات خلاف طبع پاکر فتوے بازی شروع کردی جائے کہ ان میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا حیاء نہ تھا، یہ علماے فضلاے جاہلانہ حرکتیں کرتے رہے۔ یہ بغض معاویہ اور شیعیت کے زیر اثرات تھے۔ وغیرہ ذالک۔ اس بحث کا اختتام ہم شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کے ایک اقتباس پر کرتے ہیں۔

''اگر کسی کو طنز وتعریض کا ایسا ہی ذوق ہو تو پھر انشاء کی صنف تھوڑا سا ریاض چاہتی ہے۔ اس کی نزاکتوں پر قابو پانے کے لیے محنت کی ضرورت ہے، اور اس محنت کے بغیر انسان کو طنز اور جھنجھلاہٹ کا فرق سمجھ میں نہیں آتا۔ اس فن کا سب سے پہلا سبق یہ ہے کہ طنز، جھنجھلا کر دانت پیسنے کا نہیں، بلکہ تبسم زیر لب کے ساتھ چٹکی لینے کا نام ہے۔ اور یہ سبق ذہن نشین نہ ہو تو یہ گولی خود اپنے ہی اوپر چل جاتی ہے۔

(حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق ص ۱۶۳)

## ڈھکو صاحب کی ایک نرالی تحقیق:

ماہ نامہ ''دقائق اسلام'' سرگودھا، بابت ستمبر ۲۰۱۱ء میں شیعہ مجتہد محمد حسین ڈھکو صاحب سے پوچھا گیا کہ آپ نے اپنی کتاب ''تجلیات صداقت'' میں یا علی مدد کا جواز پیش کیا ہے۔ جبکہ فیضان الرحمن (اور اصلاح الرسوم) میں بالواسطہ اس کے الٹ موقف پیش کیا ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ تو ڈھکو صاحب نے اس کا جو جواب دیا ہے، اس کو پڑھ کر شیعہ علماء کو چاہیے، وہ ڈھکو صاحب کا ماتھا چوم لیں۔ مجتہد صاحب جواب میں لکھتے ہیں۔

''اس کی وضاحت یہی ہے کہ مولوی کرم الدین آف بھیں نے یہ کہہ کر کہ شیعوں کا سلام بھی مسلمانوں سے جدا ہے، کیونکہ مسلمان جب آپس میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں ''السلام علیکم'' اور دوسرا کہتا ہے ''وعلیکم السلام'' مگر شیعہ جب ملتے ہیں تو کہتے

ہیں ''یا علی مدد'' دوسرا جواب دیتا ہے پیر مولا علی مدد (مولوی کرم دین) ہمیں کافر ثابت کرنے کی ناکام کوشش کر رہے تھے۔ لہٰذا ہمیں اصول مناظرہ کے تحت کچھ کھینچ تان کر اس کا جواز ثابت کرنا پڑا، لیکن ''فیضان الرحمن'' میں اصل حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے کہ اسلامی سلام وہی ''السلام علیکم'' ہے۔ یہ (یا علی مدد) ملنگوں کا من گھڑت سلام ہے، جو صرف پنجاب اور سندھ میں بولا جاتا ہے۔ یا پھر آغا خانیوں کا مذہبی شعار ہے۔

## تبصرہ

شیعہ مجتہد ڈھکو صاحب کے اس جواب سے مندرجہ ذیل اجزاء نکلتے ہیں:

① ''تجلیات صداقت'' میں محض کھینچا تانی کی گئی ہے، جبکہ اصل مذہب میری دوسری کتب میں ہے۔ ڈھکو صاحب چونکہ پرانے اور تجربہ کار مجتہد ہیں، اس لیے وہ اپنے اس فعل کو بد دیانتی، جھوٹ، لاجوابی، دوغلا پن یا تقیہ وغیرہ سے تعبیر کرنے کی بجائے ''اصولِ مناظرہ'' کے تحت ''کھینچ تان'' کا نام دیتے ہیں۔ سبحان اللہ، فن مناظرہ کی یہ ایک نئی اصطلاح وجود میں آگئی ہے۔ کتاب ''آفتاب ہدایت'' نے دماغوں میں ایسا ارتعاش پیدا کر رکھا ہے کہ ابو الفضل مولانا قاضی کرم الدین دبیرؒ کی علمی ہیبت ابھی بہت کچھ ان مجتہدین سے اگلوائے گی۔

② ڈھکو صاحب کے اس اقتباس سے واضح ہوا کہ فرقۂ شیعہ میں ''ملنگ'' بھی ہوتے ہیں اور یہ ملنگ پنجاب و سندھ میں رہتے ہیں۔ نیز یہ ''آغا خانیوں'' کا مذہبی شعار ہے۔ اب نتیجہ کیا نکلا؟ کہ ڈھکو صاحب نے اپنی کتاب ''تجلیاتِ صداقت'' میں ملنگوں کا من گھڑت اور آغا خانیوں کے مذہبی شعار ''یا علی مدد'' کا جواز پیش کیا تھا، لیکن وہ تو صرف اصولِ مناظرہ کے تحت تھا۔ ''اصل حقیقت'' کے تحت نہیں۔ اصل مذہب انہوں نے اپنی دیگر کتب میں درج کر دیا ہے۔ اب آفتاب ہدایت کے جواب ''تجلیاتِ صداقت'' کی ساری قلعی کھل گئی ہے..... یہ تو صرف ایک بات کا اعتراف ہے، اگر قارئین مندرجہ ذیل کتب کا تقابلی مطالعہ فرمائیں۔

① .....آفتاب ہدایت .....مولانا کرم الدین دبیرؒ

② .....تجلیات صداقت .....محمد حسین صاحب ڈھکو

③ .....تجلیات صداقت پر ایک اجمالی نظر .....مولانا قاضی مظہر حسینؒ

④ .....تجلیات آفتاب .....علامہ ڈاکٹر خالد محمود

تو مزید حقائق سامنے آئیں گے کہ ڈھکو صاحب نے اپنی اس کتاب (تجلیات صداقت) میں کہاں کہاں، اور کیسی کیسی قلابازیاں کھائی ہیں۔

قارئین کرام! ماہ نامہ "دقائق اسلام" کے اسی شمارہ میں ڈھکو صاحب سے یہ سوال بھی کیا گیا کہ آپ اپنی کتابوں میں اذان کی شہادت ثالثہ (اَشْهَدُ اَنَّ عَلِيًّا وَلِيُّ اللّٰهِ) کو بدعت کہتے ہیں جبکہ آپ کے اپنے مدرسہ "سلطان المدارس" سرگودھا میں جو اذان دی جاتی ہے، اس میں یہ الفاظ کیوں پڑھے جاتے ہیں؟ ڈھکو صاحب کا جواب پڑھیے۔

میں نے صاف اپنی کتابوں میں لکھ دیا ہے کہ اصلی اور حقیقی اذان کونسی ہے؟ جو سرکار محمد و آل محمد نے دی ہے۔ اب ڈنڈے سے منوانا میرا فریضہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی مدرسہ میری ذاتی ملکیت ہے اور نہ ہی سب اساتذہ اور طلبہ میرے مقلد ہیں۔

(ماہ نامہ "دقائق اسلام" سرگودھا بابت ستمبر ۲۰۱۱ء)

تبصرہ:

کیسا علمی اور تحقیقی جواب ہے۔ مذہب شیعہ میں رواداری اور نظریاتی آزادی کی جو مثال ڈھکو صاحب نے قائم کی ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے، کہ مدرسہ میری ذاتی ملکیت نہیں ہے۔ اس لیے میں وہاں "اصلی اذان" نہیں دلوا سکتا۔ حالانکہ ڈھکو صاحب اس مدرسہ کے مؤسس ہیں۔ اگر وہاں ان کے اختیارات نہیں ہیں، تو وہ اس سے الگ کیوں نہیں ہو جاتے۔ کیا قیامت کے دن ایسی موشگافیوں سے وہ اپنی جان چھڑوا لیں گے؟ افسوس، جو لوگ اپنی عبادت گاہوں میں اتنے بے بس ہیں کہ اپنے نظریئے کے مطابق اذان تک کہلوانے پر قادر نہیں، وہ کتنی بے باکی سے لکھ دیتے ہیں کہ:

"ہمارے اور ہمارے برادران اسلامی میں اس سلسلہ میں جو کچھ نزاع ہے، وہ

صرف اصحاب علانیہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہے۔ اہل سنت ان کو بعد از نبی تمام اصحاب و امت سے افضل جانتے ہیں اور ہم ان کو دولتِ ایمان و ایقان اور اخلاص سے تہی دامن جانتے ہیں۔"

(تجلیات صداقت ص ۲۰۱)

## اہل سنت پر یزید کی حمایت کا الزام:

مندرجہ بالا اقتباس ہم نے ڈھکو صاحب کے زیر ادارت چھپنے والے رسالہ "دقائق اسلام" کے تازہ شمارے سے پیش کیا ہے۔ اس کو پڑھ کر قارئین بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ مجتہد صاحب قلابازیاں کھانے میں دیر نہیں لگاتے، مسئلہ یزید پر بھی وہ یہی کرتب دکھا گئے۔ رقم طراز ہیں۔

"اب تو اہل سنت کے بعض قلم کار کھلم کھلا یزید کی نہ صرف خلافت بلکہ اس کے خلیفہ راشد ہونے پر مستقل کتابیں لکھ رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں خلافتِ معاویہ و یزید، خلافتِ رشیدابن رشید خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔" (تجلیاتِ صداقت ص ۳۴۰)

## تبصرہ:

ڈھکو صاحب کی کسی بات کا اگرچہ کوئی اعتبار نہیں ہوتا، تاہم یہ بات قابل افسوس ہے کہ جن دو کتابوں کا ذکر کر کے انہوں نے اہل سنت پر حمائی یزید ہونے کا الزام عائد کیا، ان دو کتب کے رد میں درجنوں کتب اور مقالات شائع ہو کر اہل سنت والجماعت کے نظریئے کی وضاحت کر چکے ہیں۔ اب بلاوجہ کچے گھڑوں پر اعتبار کر کے الزام تراشی کی فضاء پیدا کرنے سے کچھ نہیں ہوتا یہ دو کتابیں اہل سنت کے ناپختہ ذہنوں کو بیمار کرنے میں معاون ضرور ثابت ہوئی ہیں۔ اور کسی نہ کسی درجہ میں یہ بیماری اب بھی موجود ہے۔ بیشتر تو دماغی فالج کا شکار ہو چکے ہیں اور جب ان کے سامنے سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق "خطاء اجتہادی" جیسا علمی اور باوقار جملہ آتا ہے، تو وہ اس کو "خطا کار" قرار دے کر اتنا شور مچاتے ہیں کہ بسا اوقات ان کی آواز ہزارہ سے ملتان جا ٹکراتی ہے، پھر یہ آواز کاغذوں تک محدود ہو جاتی ہے اور کاغذ دھیرے

دھیرے دیمک کی خوراک بن کر ناکامیوں کے ''نقیب'' بن جاتے ہیں۔ لیکن یہ سمجھنا کہ ان کتابوں میں اہل سنت کا نظریہ پیش کیا گیا ہے، بالکل غلط فہمی پر مبنی ہے۔

اب الحمدللہ خارجیوں اور یزیدیوں کے جراثیم کافی حد تک ختم ہو چکے ہیں۔ لیکن سکوتی فرقہ اذہان کو مشوش کر رہا ہے۔ جب کبھی امام حسین رضی اللہ عنہ کی منقبت پر گفتگو ہو، اور یزید کی شرعی پوزیشن واضح کرنے کی نوبت آتی ہے تو یہ سکوتی لوگ سامنے آ کھڑے ہوتے ہیں کہ مسئلہ یزید پر اکابر نے سکوت کا حکم دیا ہے اس عنوان پر ہم تفصیلی بحث کر آئے ہیں کہ اکابر کے تحریر کردہ سکوت کا مفہوم کیا ہے؟ یزید کی حمایت میں جب کبھی قلم اٹھتا ہے یا زبان کھلتی ہے تو اس وقت سکوتی فرقہ دم دبا کر بیٹھا رہتا ہے، لیکن جب ان کا تعاقب ہوتا ہے اور اہل سنت کی نظریاتی سرحدوں کا پہرہ دیا جاتا ہے تو ''سکوت'' کا سبق دینے والے ٹرٹراتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ لہٰذا شیعہ مجتہدین بھی اور حامیانِ یزید بھی محمود احمد عباسی، ابو یزید محمد دین بٹ، عزیر احمد صدیقی وغیرہم کو جو سنی نظریات کا داعی قرار دیتے ہیں، یہ مبنی بر حقیقت نہیں ہے۔

## یزید کے نقشِ پاء پہ کون چل رہا ہے؟

شیعہ مجتہد ڈھکو صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس نے ڈاڑھی منڈوائی، وہ یزید ہے۔ لہٰذا آج جو داڑھی منڈواتے ہیں وہ یزید عنید کے طریقہ پر ہیں۔ (اصلاح الرسوم الظاہرہ بکلام الفقرۃ الطاہرہ ص ۳۲۲)

**تبصرہ:**

یزید کی ڈاڑھی تھی یا نہیں، ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ جو آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خون پی جائے اور ڈکار نہ لے، اس کی ڈاڑھی کیا اور مونچھیں کیا؟ لیکن ڈھکو صاحب کے اس اجتہاد نے کافی آسانی پیدا کر دی ہے کہ جو ڈاڑھی منڈے ہیں، وہ یزید عنید کے طریقہ پر ہیں۔ علامہ طالب جوہری، علامہ غضنفر عباس، ناصر عباس [1]، امجد جوہری،

---

[1] انتہائی تبرا باز اس شیعہ ذاکر کو چند ماہ پہلے لاہور میں کسی خاندانی تنازع پر قتل کر دیا گیا: عثمان حسن

اسد جوہری، اور عبدالحکیم بوترابی سمیت تمام ذاکرین ونوحہ خواں ڈاڑھی منڈواتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں یہ کہنے میں کوئی عار نہیں ہونی چاہیے کہ یہ طبقہ یزید کا پیرو ہے۔

سچی بات نکل جاتی ہے، جس کے منہ سے مستی میں
فقیہہ مصلحت بیں سے وہ رند بادہ خوار اچھا

کاش ڈھکو صاحب تھوڑی سی وضاحت اور کردیتے کہ ڈاڑھیاں رکھوانے والے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متبعین ہیں۔ تاکہ اہل سنت کے حسن کردار پر جناب کی بھی مہر لگ جاتی۔ اب بحث ومباحثہ یا تحقیق وتدقیق کی کوئی زیادہ ضرورت نہیں رہی۔ شکل وصورت دیکھ کر نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ حسینی کون ہے اور یزیدی کون؟ البتہ حامیان یزید کے لیے خاصی مشکل پیش آئے گی، اگر واقعی یزید ڈاڑھی منڈواتا تھا تو ان دوستوں کو بھی اپنے ممدوح کی اتباع کرنی چاہیے۔

## مخالفین معاویہ رضی اللہ عنہ کا علمی تعاقب:

آج تک کسی سلیم الفطرت سنی نے یزید کے فسق کا نظریہ رکھتے ہوئے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہدف تنقید نہیں بنایا۔ لہٰذا یہ فلسفہ ہی غیر معقول ہے کہ یزید کو فاسق کہنے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید کا دروازہ کھلتا ہے۔ یہ صرف اور صرف مقام صحابیت کو نہ سمجھنے کی بناء پر ہوتا ہے۔ اہل تشیع کے پروپیگنڈے سے متاثر ہوکر کوئی کسی صحابی سے بدظن ہوجائے، یہ تو ممکن ہے مگر یزید کے متعلق شیعی اثرات کم ہی اثر انداز ہوتے ہیں۔ افراط وتفریط کی بناء پر کوئی یزید کو کافر کہہ جاتا ہے اور کوئی مومن کامل کے درجہ پر لے آتا ہے۔ یہ شیعہ وسنی مسئلہ نہیں، خالص نفسیاتی اور تکون طبع کی وجہ سے ہے۔ حویلیاں (ہزارہ) کے ایک بریلوی المسلک پیر سید محمود شاہ ہزاروی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف ایک تحریک اٹھائی تھی۔ اور اس کے بیٹے غلام محی الدین شاہ نے بیرون ملک جاکر اپنے والد کی اس بیمار فکر کو پروان چڑھانے کی کوشش کی۔ ہمیں خوشی ہے کہ بریلوی علماء بروقت خبردار ہوئے اور انہوں نے اس کا قلع قمع کیا۔ چنانچہ بھکالی شریف کے مولانا سید عرفان شاہ مشہدی نے ۱۲ ستمبر ۱۹۹۹ء کو مانچسٹر کی

وکٹوریہ مسجد میں اور بعد ازاں محی الدین شاہ کے مکان پر جا کر مناظرہ کیا۔ اور حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا خوب خوب دفاع کیا۔ اس مناظرہ کی ویڈیو بھی موجود ہے، اور اس کی روئیداد کا کچھ حصہ مولانا عرفان مشہدی نے اپنی کتاب میں بھی شائع کر دیا تھا۔

(سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اہل حق کی نظر میں ص ۱۶)

بریلوی مسلک کے بعض علماء اگر شدت پسندی سے باز آجائیں تو مثبت کاموں میں اپنی توانائیاں صَرف کر کے فتنوں کی یلغار روکنے میں معاون بن سکتے ہیں۔ محمود شاہ ہزاروی کی طرف سے اٹھائے گئے جملہ اعتراضات کے تسلی بخش جوابات مولانا محمد علی نقشبندی نے ''دشمنانِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا علمی محاسبہ'' کی دوسری جلد میں دے دیئے ہیں۔ مولانا محمد علی نے دفاع معاویہ رضی اللہ عنہ میں ایک ہزار سے متجاوز صفحات لکھ ڈالے ہیں۔ اسی مقدار میں مولانا محمد نافع مدظلہ اور دیگر علماء کرام نے اپنی تحقیق قوم کے سامنے پیش کر دی ہے۔ اور یہ سارے رد رفض پر اپنی زندگیاں صَرف کرتے رہے۔ یہ لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام پر جان دینے والے ہیں، مگر یزید کو اپنے دل و دماغ کے کسی گوشہ میں پناہ دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ کیونکہ نبوی آغوش کے پروردہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں، نہ کہ یزید۔ ایسے ہی رسالت کے شیریں لب چوسنے والے حضرت حسین رضی اللہ عنہ ہیں نہ کہ یزید..... صحابیت کی عظمت پر مولانا سید عطاء المنعم شاہؒ کی ایک کتاب کا مندرجہ ذیل اقتباس خود اُن کے خاندان کے لیے بھی اکسیر ہے۔

''یہ لفظ لکھے ہیں بزرگوں نے فقہاء نے، کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جب قیامت میں آئیں گے تو اللہ میاں اُن سے پوچھیں گے کہ تمہارے پاس کیا دولت ہے؟ وہ کہیں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا، آپ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ دیکھا تھا، اس کی روشنی اور تجلی ہم پر پڑی ہوئی ہے، اور ہم کچھ نہیں جانتے۔'' (سیرت سیدنا حضرت معاویہؓ)

نوٹ: یہ مولانا عطاء المنعم شاہؒ کی ایک تقریر ہے، جو انہوں نے ۲۹ جون ۱۹۷۸ء کو وہاڑی میں کی تھی۔ بعد ازاں اس تقریر کو جنوری ۱۹۸۴ء میں کتابی صورت دے دی گئی اور ناشرین نے کتاب کے ٹائٹل پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ

''ابو یزید'' بھی لکھا ہے۔ صحابی رسول کا نام روشن رکھنے کے لیے بھلا مٹی کا دیا اور وہ بھی بجھا ہوا، ساتھ رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ ابو کنعان کہنے سے کیا حضرت نوح علیہ السلام کا رتبہ نبوت بڑھ سکتا ہے؟ اور ابو عکرمہ لکھنے سے ابو جہل کی جاں بخشی ہو سکتی ہے؟ اگر یہ نرا وہم ہے تو پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے تعارف کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ہیں، امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے برادر نسبتی ہیں، کاتب وحی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات آپ رضی اللہ عنہ نے عمر بھر اپنے پاس محفوظ رکھے۔ آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے خاندان کے رشتے ناطے ہوئے۔ اپنے دور حکومت میں اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل سرپرستی فرماتے رہے۔ اب آپ رضی اللہ عنہ کے تعارف میں ''یزید'' کا نام دینا میٹھے باداموں میں کڑوا بادام ڈال کر سارا منہ بدمزہ کرنے کے مترادف ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ بھی صحابی ہیں، اور کسی بھی صحابی کے خون سے ہاتھ رنگنے والا غیر صحابی نہ اُمت کی نگاہوں میں جچ سکتا ہے، نہ حقیقت کے ترازو پہ تل سکتا ہے۔

## یزیدیوں کا ایک پمفلٹ

اس بار محرم الحرام کے موقع پر ایک پمفلٹ ''سیدنا حسین ابن علی'' کے نام سے تقسیم کیا گیا..... ٹائٹیل پر ایک چوکھٹے میں ''بارگاہ حسینی میں ہدیہ عقیدت و محبت، تذکار و افکار حسین رضی اللہ عنہ اور حقیقت حادثۂ کربلا'' کی عبارت بھی درج ہے۔ یہ پمفلٹ ''مجلس محبان آل و اصحاب رسول علیہم الرضوان'' نے شائع کیا ہے۔ جب سے آل و اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ''مجلسوں'' میں آنے لگا ہے، دال میں کالا کالا ضرور ہوتا ہے۔ کراچی میں ''مجلس حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ'' کے نام سے سالہا سال تک خارجیت و ناصبیت کے جراثیم پھیلائے جاتے رہے۔ مولوی عظیم الدین صدیقی اور دیگر اپاہج فکر کے لوگوں کا لٹریچر اسی ''مجلس'' سے شائع ہوتا رہا۔ اہل تشیع کی ''مجلس'' اور اِدھر ''محبان آل'' کی مجلس میں قدر مشترک یہ ہے کہ دونوں میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا نام نامی خوب خوب استعمال ہوتا ہے۔ ایک ''مجلس'' میں ذکرِ حسین رضی اللہ عنہ کے تحت ''بغض

صحابہ رضی اللہ عنہم " نکالا چلتا ہے اور دوسری "مجلس" میں ذکر حسین ابن علی کے تحت یزید کے پاؤں چاٹے جاتے ہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی کرامت پر قربان جایئے کہ آج صدیوں بعد بھی یزید کے متوالے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی آڑ میں ہی اپنے من کی بات کہہ سکتے ہیں۔ جوں جوں زمانہ آگے بڑھ رہا ہے۔ فکری بیمار بزدل ہوتے جا رہے ہیں۔ ایک وقت تھا کہ یزیدی ٹولہ کے کارپردازان کھلے عام منقبت یزید پر قلم کشائی کرتے تھے۔ "حیات سیدنا یزیدؒ " جیسی کتابیں چھاپتے تھے، لیکن اب اخلاف کے گھٹنوں میں وہ پانی نہیں رہا۔ یہ ٹائٹل پر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا نام دے کر یزید کی ترجمانی کرتے ہیں۔ وہ نظریہ ہی کیا، جس کو کئی پردوں میں لپیٹ کر پیش کیا جائے۔ نظریہ وہ ہوتا ہے جو کھلے عام نظر آئے۔ عقیدہ وہ ہوتا ہے، جس کی گرہیں مضبوط ہوں..... یہ آزادی کا دور ہے، ہم کسی کو برا نہیں کہتے، مگر غلط کو صحیح بھی نہیں کہہ سکتے۔ جس طرح سچ کو سچ تسلیم کرنا حق ہے، ایسے ہی جھوٹ کو جھوٹ کہنا بھی حق ہے۔

قارئین کرام! اس پمفلٹ میں وہی چبے چبائے لقمے پیش کیے گئے ہیں، جن کی سڑاند پچھلے پچاس سالوں سے دماغ کو خوشبوؤں سے محروم کیے ہوئے ہے۔ جو لوگ اپنے دل کے دروازوں پر جمود اور ضد کے تالے لگا کر چابیاں اپنے نفس کی راکھ میں گم کر بیٹھتے ہیں۔ انہیں اسلاف کے نوشتوں سے کوئی غرض ہے، اور نہ ہی وہ انہیں قابل التفات جانتے ہیں۔ اس وقت حامیانِ یزید کی پوزیشن اس شخص کی سی ہے، جو پانی میں مسلسل مدھانی چلا کر مکھن اور لسی کی توقع لیے بیٹھا ہو اور دوسری طرف اکابرینِ اہل سنت نے نرم و ملائم انداز میں سچ کو اتنا طشت از بام کر دیا ہے کہ اُن کے افکار زیتون کی نازک جڑ کی طرح سنگ مرمر کا سینہ بھی چاک کر چکے ہیں۔ ان کی صداقتوں کے سامنے کوئی مائی کا لعل نہ پہلے کبھی ٹھہر سکا، نہ آئندہ ٹھہر سکے گا..... اس پمفلٹ میں ثابت کیا گیا ہے کہ یزید نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا جنازہ پڑھایا تھا، ہم اس پر گذشتہ سطور میں پوری تفصیل سے بحث کر چکے ہیں۔ کیا ہم پوچھ سکتے ہیں کہ یہ جنازہ واقعۂ کربلا، قتلِ حسین رضی اللہ عنہ اور واقعۂ حرہ سے پہلے پڑھا گیا، یا بعد میں؟ جب یہ پہلے ہوا ہے تو پھر

اپنے یہ نادر مخطوطے سنبھال لیجیے، اس لیے کہ ایک صحابی کا جنازہ پڑھا کر دوسرے صحابی کا جنازہ نکالنے والوں کو تاریخ زنانے دار تھپڑ رسید کر کے کب کا ٹھکرا چکی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ ''بہر کیف وہ کلمہ گو تھا، مسلمان تھا، کریکٹر ہم نے نہیں دیکھا''

جب آپ نے کریکٹر دیکھا ہی نہیں تو پھر اس کے زہد و تقویٰ کا ڈھنڈورا کیوں؟ جی ہاں، فاسق کلمہ گو مسلمانوں میں ہی ہوتے ہیں۔ وگرنہ کافر کو ''فاسق'' کہنے کی کوئی منطق نہیں ہے۔ چودہ صدیوں سے یزید کو مسلمان ہی سمجھا جاتا رہا ہے۔ اگر تعصب کے عفریت نے عقلوں کو نگل نہ لیا ہوتا تو یہ بات سمجھنا کوئی مشکل نہ تھی..... اسلافِ امت نے ہمیشہ اس کے فسق کا پرچار کیا ہے۔ اس کو فاسق ماننے سے ہی صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن محفوظ رہتا ہے..... مگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقام کو سمجھنے کے لیے بھی روشن دماغ اور محتاط زبان کی ضرورت ہے۔ خلافت راشدہ کے تیسرے تاجدار سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ''گھر میں لٹا کر بکرے کی طرح مذبوح'' قرار دینا بھی دانش مندی کی اعلیٰ مثال ہے۔ (۱)

حکیم محمود احمد ظفر صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کعبہ میں ولادت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''ابو طالب اپنی بیوی فاطمہ بنت اسد کو دردِ زہ سے خلاصی کے لیے بتوں کے سامنے لے کر گئے ہوں گے، وگرنہ کوئی تک نہیں کہ ایک عورت بچے کی پیدائش کے لیے کعبہ جائے اور وہاں غلاظت پھیلائے'' (سیدنا علی رضی اللہ عنہ، شخصیت و کردار، ص ۴۹)

انہی حکیم صاحب نے ایک اور کتاب میں خلیفۂ بلافصل حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو زخمی سانپ کی طرح تڑپنے سے تشبیہ دی ہے.....

(سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، صفحہ نمبر ۲۷۳)

---

(۱) (پمفلٹ میں ایک عبارت ہے کہ ''صحابہؓ موجود ہیں، عثمان رضی اللہ عنہ کیسے قتل ہو گئے؟ گھر میں لٹا کر بکرے کی طرح ذبح کر دیا گیا۔ (ص ۷)

نوٹ: یہ الفاظ مولانا عطاء المنعم شاہؒ کے ہیں (عثمان حسن)

کہیں صحابی کی والدہ کو غلاظت پھیلانے والا، کہیں کسی صحابی کو زخمی سانپ کی طرح تڑپنے والا اور کہیں کسی صحابی کو بکرے کی طرح ذبح ہونے والا قرار دیا جارہا ہے..... کہنے اور لکھنے والوں کی نیت کچھ بھی ہو، پڑھنے والا اسے بے ادبی پر محمول کرے گا..... یہ کوئی آرنلڈ، برگسان، مسولینی، گوئٹے یا نپولین کی شخصیات نہیں، اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

چودہ صدیوں کی تحقیق سے برگشتہ ہو کر جن لوگوں نے یزید کی مدح سرائی کی، بہت جلد ان کے دلوں سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ادب اُٹھ گیا۔ یہ نسبت یزید کی پہلی اور بڑی نحوست ہے.....اس لیے یزید کا نام لینے سے ''وضو تو نہیں ٹوٹتا'' البتہ صحابہ کا دامنِ ادب ضرور چھوٹ جاتا ہے اور جس کا صحابہ رضی اللہ عنہم سے ادب کا رشتہ منقطع ہو جائے وہ باوضو رہ کر بھی کچھ کمانے کے قابل نہیں رہتا۔ باقی رہا یزید کا اس قدر ڈیفنس کہ صحابہ کی توہین نہ ہو۔ جانے دیجیے مہربانِ من! یزید کا ایک ریت کے ذرّے کے برابر بھی دفاع کرنا صحابیٔ رسول اور نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خون کا مذاق اُڑانے کے مترادف ہے۔ بشمول سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کوئی صحابی اس نظریہ کا محتاج نہیں ہے کہ یزید کی اچھائیاں تلاش کی جائیں وگرنہ توہین صحابہ رضی اللہ عنہم لازم آئے گی۔

پمفلٹ کے ص ۶ پر لکھا گیا کہ ''تمام صحابہؓ سمیت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے بھی یزید کی قیادت میں شرکتِ جہاد کی طرح اس کی (یزید) امامت میں نماز جنازہ ادا کی تھی۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ سے متعلق ہم پہلے عرض کر چکے ہیں، رہا اس کی قیادت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جہاد کرنا، تو آیئے علامہ ابن حجر عسقلانیؒ سے پوچھ لیتے ہیں جن کے علم و فضل کے سامنے بڑے بڑوں کی پگڑیاں اُتر جاتی ہیں، بلکہ حامیانِ یزید کے تو کُرتے تک پھٹ جاتے ہیں.....فرماتے ہیں:

''وفیه مشروعیة الجهاد مع کل امام لتضمنة الثناء علی من غذرا مدینیة قیصر و کان امیر تلک الغزوة یزید بن معاویه رضی اللہ عنہ ویزید یزید''

(فتح الباری جلد نمبر ۱۱، ص ۶۵)

ترجمہ: اس (حدیث) سے ثابت ہوا کہ جہاد ہر حاکم کی سربراہی میں ہوسکتا ہے کیونکہ مذکورہ روایت حدیث غازیانِ قیصر کی تعریف پر مشتمل ہے حالانکہ اس لشکر کا امیر یزید بن معاویہ تھا اور یزید تو یزید ہی تھا۔

قارئین کرام! علامہ عسقلانیؒ نے یزید کے کرتوتوں کی تفصیل بتانے کی بجائے ''یزید تو یزید تھا'' فرمادیا۔ گویا کہ یہ نام ہی فسق و فجور اور نالائقی کا مرقع ہے۔ (یہاں یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہورہا ہے، نہ کہ یزید نامی کسی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا) تو معلوم ہوا فاسق کی سرکردگی میں بھی جہاد ہوسکتا ہے بلکہ علامہ جصاصؒ نے تو اس سے بھی سخت تبصرہ فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد فاسق امراء کے ہمراہ شریک جہاد ہوتے تھے اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے یزید لعین کی معیت میں جہاد کیا تھا..... ان کی عبارت یہ ہے۔

وقد كان اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم يغزون بعد الخلفاء الاربعة مع الامراء لفساق وغزا ابو ايوب الانصارى مع يزيد اللعين''

(احکام القرآن، جلد ۳، ص ۴۷)

لعنِ یزید کے عنوان پر ہم بحث کر آئے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ، علامہ سعدالدین تفتازانیؒ یا جصاصؒ جیسے اہل علم جو لعنِ یزید کے قائل تھے، وہ اس لیے کہ یزید کو مسلمان نہیں جانتے تھے۔ باقی جمہور لعن سے منع کرتے ہیں، کیونکہ اُمت کا اجماع یزید کی تفسیق پر ہے، تکفیر پر نہیں۔ پمفلٹ کے ص ۱۴ پر ہے ''حادثۂ کربلا کا تعلق عقائد سے نہیں، تاریخ سے ہے۔ عقیدہ کی بنیاد قرآن وسنت ہے۔ بعض لوگوں نے تاریخ کی بنیاد پر عقیدہ گھڑلیا ہے..... جو یقیناً جہالت اور گمراہی ہے۔''

اس دنیائے آب وگل میں جو کچھ بھی پیش آتا ہے، اس کو تاریخ ہی محفوظ کرتی ہے۔ گردشِ لیل ونہار میں پیش آمدہ واقعات کو محض ''تاریخی'' کہہ کر دُھتکار دینا ایسا ہی ہے، جیسے کوئی خطیب جلسے کی تاریخ دے کر مکر جائے..... لیکن سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی ذات بھی کیا فقط تاریخی ہے؟ اور ان کی محبت وعقیدت جزوِ ایمان نہیں

ہے؟ یا در کھیے غیر صحابی کے مقابلہ میں صحابی کا دفاع کرنا، عقیدۂ اہل سنت ہے۔ تاریخ کی بنیاد پر عقیدے گھڑنے والوں کے چہرے کہاں ڈھکے چھپے ہیں؟ ہاں تاریخ کی بنیاد پر یزید کے کرتوتوں پر پردہ ڈال کر باطل کی ہمنوائی کرنا یقیناً گمراہی ہے۔ یا یزید کی بداعمالیوں کی بنیاد پر اس کے والد سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص کرنا واقعتاً جہالت ہے..... لطیفہ یہ ہے کہ اسی پمفلٹ کے ایک مقام پر بڑی تجلی سے لکھا گیا ہے کہ: ''پڑھیے ابن کثیر اور ابن جریر کو'' (ص ۷) تو تاریخ پڑھ کر اس کو اپنے افکار کی بنیاد کون بنا رہا ہے؟

عجب مشکل میں آیا سینے والا جیب و داماں کا
یہ ٹانکا تو وہ اُدھڑا، وہ ٹانکا تو یہ اُدھڑا

## عقیدہ اور تاریخ

یزیدی پارٹی کا چونکہ ابتداء سے ہی یہ اُصول ہے کہ جب خود یزید کی حمایت کریں گے تو کتب تواریخ کا سہارا لیں گے اور جب انہی کتب سے فسق یزید پیش کیا جائے تو کہتے ہیں، یہ تو تاریخی باتیں ہیں، نہ کہ عقائد کی..... اس کاغذی کشتی کے موجد دراصل محمود احمد عباسی ہیں اور انہی عباسی نظریات کی تبلیغ زیر تبصرہ پمفلٹ میں بڑی چالاکی کے ساتھ کی گئی ہے..... حادثۂ کربلا کا تعلق فقط تاریخ سے ہے یا پھر عقیدے سے بھی؟ اس پر ہم حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ کی نہایت حکیمانہ رائے پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

''حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید سے متعلق عقیدہ سے چونکہ واقعات کی ایک تاریخ وابستہ ہے اور اس تاریخ کا ذکر ہی عقیدہ کا ذکر ہے۔ اس لیے نہ تو اس معاملات کی تاریخی ریسرچ کے وقت عقیدہ سے قطع نظر کی جاسکے گی اور نہ ہی اس کی تاریخ کو عقیدہ سے الگ کر کے محض تاریخ کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے گا۔ بلکہ عقیدہ کے معیار سے جانچ کر ہی اس کا فیصلہ کیا جائے گا۔ جہاں تک سبائی پارٹی کی جعلی روایتوں کا تعلق ہے ان سے تاریخ کو صاف کر کے ان غلیظ پردوں کو چاک کر دیا جانا بلاشبہ تاریخ کی ایک اہم خدمت ہے لیکن اول تو

یہ خدمت انجام پا چکی ہے۔ محققانہ تاریخوں کے اوراق میں جہاں بھی کسی سبائی جعلسازی کا وجود نظر آیا تو وہیں تنبیہات ملتی ہیں کہ یہ جعلی یا مشتبہ روایت سبائیوں کی دسیسہ کاری ہے..... یزید کی حمایت میں بے سُدھ ہو کر حضرت امام ہمام (حسین رضی اللہ عنہ) کی مذمت پر اتر آنا نہ کوئی تاریخی ریسرچ ہے، نہ مذہبی اور نہ دینی خدمت، بلکہ پرائی بدشگونی میں اپنی ناک کاٹ لینے کے مترادف ہے۔ یقیناً اسے معتدل طریق کار نہیں کہا جاسکتا کہ آدمی فریق مخالف کا رد کرتے کرتے خود اپنا بھی رد کر جائے..... اس لیے سبائیت کی تردید تو بلاشبہ تاریخی خدمت تھی، مگر زور میں آ کر ناصبیت کی تائید کرنا نہ تردید رہتی ہے، نہ تائید، مگر اس کا واحد منشاء یہ ہے کہ اس بارہ میں مذہب اہل سنت والجماعت سے ہٹ کر تائید و تردید کی راہ اختیار کی گئی ہے تو پھر اعتدال کہاں میسر آ سکتا تھا؟ مسلک اعتدال تو صرف نصیب اہل سنت ہے۔"

(شہید کربلا اور یزید، ص ۱۲)

حضرت قاری صاحبؒ کے اس اقتباس سے واضح ہوگیا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شخصیت محض تاریخی نہیں، ان کے ساتھ مسلمانوں کے عقائد و نظریات وابستہ ہیں..... حضرت حسین رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حادثاتی واقعات میں نہیں، کتاب وسنت کے نور سے دیکھا جاتا ہے..... اس لیے حادثۂ کربلا کو تاریخی کہنے کا مقصد اگر یہ ہے کہ یزید کی ترجمانی کرنے کا کوئی چور راستہ نکالا جائے، اور "حسین ابن علی رضی اللہ عنہما" لکھ کر اندر کے صفحات پر یزید سے ناطہ جوڑنے کی ترغیب دی جائے تو قطعاً باطل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس پمفلٹ کے مندرجات کا اس کے ٹائٹل پر دیئے گئے عنوان سے دُور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔

## حامیانِ یزید سے ایک سوال

کہا جاتا ہے کہ قتل حسین میں یزید کا کوئی کردار نہیں، بلکہ اس نے تو بعد میں آنسو بہائے، اور اس واقعہ میں بچ جانے والی خواتین کو پورے اعزاز و تکریم کے ساتھ مدینہ منورہ رخصت کیا..... مذکورہ پمفلٹ میں بھی یہی واویلا کیا گیا ہے لیکن

سوچنے کی بات ہے کہ کیا یزید نے یہ بھی کہا تھا کہ حسین رضی اللہ عنہ کو ظلماً (مجھے لاعلم رکھ کر) مار دیا گیا، لہٰذا پہلی فرصت میں ہم اُن کا جنازہ پڑھتے ہیں، یا اگر وقت زیادہ بیت گیا تھا تو چلیں نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تربت پہ جا کر دُعا کر لیتے ہیں؟ جبکہ تاریخ اس پر بالکل خاموش ہے نہ اس نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا جنازہ پڑھا، نہ اہتمام سے تدفین کا حکم دیا۔ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پردیس کے ایک لق ودق صحرا میں بے یارومددگار چھوڑ کر ان کی بے بسی کا تماشہ دیکھنے والوں کے منہ سے نحوست کے داغ دھبے مٹانے کے لیے یہ کہہ دینا کہ یہ محض تاریخی واقعہ ہے۔ سفاکیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ جو لوگ محض ضد بازی پر اُتر کر قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ کی حمایت کرتے ہیں، انہیں جان لینا چاہیے کہ وہ مکھی پہ مکھی مارتے رہیں، مگر جلد اور بہت جلد ایک بڑی عدالت میں صحابی رضی اللہ عنہ کے خون کا مقدمہ پیش ہونے والا ہے۔

## ''خارجی فتنہ'' کی جدید اشاعت، یزیدی حلقوں میں فکری تھرتھلی

قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسینؒ نے مولانا محمد اسحاق سندیلوی (کراچی) کے نظریات پر بڑا مفصل تبصرہ فرمایا تھا، جس نے ''خارجی فتنہ'' کے نام سے شہرت پائی۔ مولانا سندیلوی مرحوم نے اپنی کتاب ''اظہارِ حقیقت'' دراصل مودودی صاحب کی ''خلافت وملوکیت'' کے جواب میں لکھی تھی۔ مگر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع کرتے کرتے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد پر تنقید کرتے چلے گئے۔ پھر محمود احمد عباسی اور ان کے حلقہ کے دیگر افراد کے ساتھ راہ ورسم بڑھنے سے اس نظریہ میں مزید پختگی آ گئی..... حضرت قاضی صاحبؒ نے ''خارجی فتنہ'' حصہ اول جون ۱۹۸۲ء میں اور دوسرا حصہ جولائی ۱۹۸۶ء میں مکمل فرمایا تھا۔ ان دو کتابوں میں تحقیق وتدقیق کے موتی لٹا دیئے گئے ہیں۔ کافی عرصہ سے یہ کتاب نایاب تھی، کیونکہ اس کا پہلا اڈیشن ہی طبع ہوا تھا، اس کے بعد طباعت نہ ہو سکی تھی، اس کتاب کے جواب میں مولانا عبدالغفور سیالکوٹی نے ایک کتاب ''سبائی فتنہ''

تحریر کی تھی جو واقعتاً سبائی فتنہ تھی، مگر اس میں حضرتؒ کے خارجیت اور یزیدیت کے خلاف دیئے جانے والے دلائل کا توڑ نہ تھا۔ چنانچہ حضرت اقدس قاضی صاحبؒ نے اس پر بھی مفصل تبصرہ "سبائی فتنہ پر ایک نظر" کے نام سے کر دیا تھا۔

اہل ذوق کو اس کتاب کی بڑی تلاش اور طلب تھی۔ چنانچہ انتہائی محنت اور لگن کے ساتھ ازسرِ نو اس کی کمپوزنگ کروا کر دیدۂ زیب طباعت میں اس کی اشاعت کی گئی ہے۔ پہلی جلد ۴۸۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی بحث ہے، اور یہ تقریباً ساڑھے تین سو عنوانات ہیں، دوسری جلد "فسقِ یزید" پر ہے، یہ ۴۹۶ صفحات پر مشتمل ہے اور چار سو کے قریب اس کے عنوانات ہیں۔ راقم نے اس پر مقدمہ تحریر کیا ہے۔

قارئین کرام! ناصبیت اور خارجیت نیز یزیدی فکر کے حامل افراد بھی ہدایت اور تحقیق کی نیت سے اس کا مطالعہ کریں تو قوی امکان ہے کہ ان کو اپنے نظریے پر نظرِ ثانی کا موقع ملے گا۔ آج جب کہ مختلف اطراف سے گمراہ کُن لٹریچر شائع کر کے تذبذب پیدا کیا جا رہا ہے۔ ضروری ہے کہ اسلاف اہل سنت کی قیمتی کتب سے استفادہ کیا جائے۔

زیتون کے چراغ جلانے سے روشنائیاں نہیں ہوتیں، جب تک روشن دماغ معاشرے میں موجود نہ ہوں۔ فکر و نظر کی دنیا میں یہی روشن دماغ انسانیت کی راہنمائی کرتے آئے ہیں۔ کتنے ہی خوفناک اندھیرے کیوں نہ ہوں، مذہبی حمیت کے ساتھ تحمل و رواداری سے متصف راہنماؤں نے امت کا شیرازہ بکھرنے سے بچایا ہے۔ اسلاف اہل سنت کے اس حسن کردار پر ایک نہیں، لاکھ شہادتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ خطۂ برصغیر میں علماء دیوبند نے ہمیشہ اعتدال کے نقطے پر مسلمانوں کو جمع کیا ہے۔ جن حضرات نے اشتعال سے ماحول کو گرمایا تھا۔ آج وہ خود اس اشتعال کی زد میں ہیں۔ لیکن اب تو یہ اشتعالی ٹولہ اپنے ہم مسلک لوگوں پر بھی کفر کے فتوے لگانے لگا ہے۔ چنانچہ آج خیال آیا کہ اُف! اعتدال، توازن اور تحمل کتنی بڑی نعمت ہے، مگر افسوس کہ اب اس سیلاب کو روکنے کی ہمت کسی میں نہیں ہے۔ اپنے مزاج میں تلطف رکھنے

والوں نے ''حامیانِ یزید'' سے بھی یہی کہا تھا کہ حمایت یزید کو اپنا مشن بنانے سے بہت جلد تمہاری زبانیں اور قلم اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اُٹھیں گے۔ مگر ملعون مزاجی کا بُرا ہو کہ اس کا علاج آج تک جدید دنیا دریافت نہ کر سکی۔ کبھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی محبت کی آڑ میں اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کردار کشی، اور کبھی اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ میں یارانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم و ازواج رسول صلی اللہ علیہ وسلم جیسی مقدس ہستیوں پر بغض وعناد کے گولے پھینکے جاتے ہیں..... اگر کہیں ''اہل عشق'' ہیں تو وہ اہل سنت ہی ہیں، جن کے پاؤں چودہ صدیاں قبل جہاں تھے، آج بھی وہیں ہیں۔

## دو نئے یزیدی پمفلٹوں کی تقسیم

نئے سال کا سورج طلوع ہوا تو دو نئے پمفلٹ بعض حلقوں میں دنگل سجاتے نظر آئے۔ جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) حضرت امام غزالیؒ کا فتویٰ اور امیر یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ

(۲) خلیفہ راشد، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں چند غلطیوں فہمیوں کا ازالہ

اوّل الذکر پمفلٹ کافی عرصہ قبل مکتبہ جاء الحق ۱۶، ناظم آباد کراچی سے چھپا تھا، جسے اب نئی اشاعت میں پیش کیا گیا ہے۔ اس میں مدرسہ انوار العلوم ملتان کے مفتی صاحب، علامہ پیر سید عبدالستار شاہ کا فتویٰ نقل کیا گیا ہے کہ امام غزالیؒ یزید کی خلافت کے قائل تھے، بلکہ قتل حسین رضی اللہ عنہ میں وہ اُنہیں بری الذمہ قرار دیتے ہیں۔ نیز امام موصوف یزید کے نام پر لفظ ''ترحم'' کا استعمال بھی جائز جانتے تھے۔ وغیرہ ذالک!

یہ دراصل محمود احمد عباسی کا چربہ ہے، جسے مفتی عبدالستار شاہ صاحب کے نام سے حامیانِ یزید ''فخریہ پیشکش'' کے طور پر منظرِ عام پر لائے ہیں۔ امام غزالیؒ سے منسوب ان تمام اشکالات واوہامات کا نہایت علمی وتحقیقی محاسبہ قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسینؒ نے اپنی مشہور تصنیف ''خارجی فتنہ'' جلد دوم میں کر دیا ہے۔ جس کا نیا ایڈیشن نہایت خوبصورت انداز میں چھپ گیا ہے۔ طبع جدید کے صفحہ نمبر ۶۰ تا ۸۰، یہ بحث دیکھی جاسکتی ہے۔ اس یزیدی پمفلٹ سے متاثرہ افراد فی الفور کتاب مذکورہ (خارجہ فتنہ) کا

مطالعہ کر کے تشفی و تسلی کر لیں۔ دوسرا پمفلٹ ''پروفیسر محمد عمران'' اور ''مولانا محمد اسماعیل جاروی'' کے نام سے بڑے سائز پر شائع ہوا ہے۔ یہ ہمیں جہلم سے مولانا قاری خبیب احمد عمرؒ کے فرزند قاری عمر فاروق صاحب نے بذریعہ خط ارسال کیا ہے اور دیگر مختلف حلقوں میں بھی یہ دندناتا نظر آیا ہے۔ یہ پمفلٹ شائع کرنے والے دونوں حضرات خدا جانے کس دنیا کے باسی ہیں؟ اس میں محبت یزید سے بے سُدھ ہو کر قلم اُٹھایا گیا ہے اور دھما چوکڑی کے ذریعے کچے ذہنوں کو فتح کرنے کی اپنی سی کوشش کی گئی ہے۔ جگہ جگہ خلافت راشدہ کے چوتھے تاجدار سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بے باکی سے بے ادبی کی گئی ہے اور اپنی سفاہت و غباوت کا اظہار کر کے اُمت کے معتبر اور ثقہ علماء دین کو طعن و تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ چنانچہ رقمطراز ہیں:

''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ''خطائے اجتہادی'' رفض کا پروپیگنڈہ ہے جس کے اثر سے اپنے عہد کی بڑی بڑی شخصیات بھی نہ بچ سکیں۔''

یہاں حضرت معاویہ و علی رضی اللہ عنہما کے مابین ہونے والے تنازعہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطاء اجتہادی کا نہ صرف انکار کیا گیا، بلکہ اہل سنت کی جملہ علمی شخصیات کو رفض سے متاثرہ قرار دیا گیا ہے۔ ہم اس پر بڑی تفصیلی بحث کر کے مطمئن کرنے کی کوشش کرتے، مگر مضمون نگار چند سطر بعد اسی صفحہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ ہماری آنکھوں کا نور اور سروں کے تاج ہیں۔ ہم اُن کے بارے میں کسی قسم کی بدگمانی کا تصور نہیں کر سکتے مگر بشر ہونے کے ناطے سے اُن سے بھی خطائے اجتہادی سرزد ہو سکتی ہے، بالخصوص جب وہ سبائیوں کے نرغے میں آ گئے تھے۔'' (صفحہ ۱)

تبصرہ:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطاء کا نظریہ تو رفض کے پروپیگنڈہ کا شاخسانہ ہے، مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خطاء اجتہادی پر قرار دینا خالص سُنیت اور شانِ علم و کمالِ تحقیق ہے۔

پھر پمفلٹی حضرات کا یہ لکھنا کہ: ''بشر ہونے کے ناطے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی خطاء اجتہادی ہو سکتی ہے۔''

جناب من! خطاء اجتہادی صرف بشر سے نہیں ہوتی، مجتہدین سے ہوتی ہے اور جب مجتہد شانِ صحابیت بھی رکھتا ہو، کاتب وحی بھی ہو، تو ''سونے پہ سہاگہ'' کا محاورہ بھی یہاں منصب صحابیت کی بے ادبی ہے۔ معلوم ہوتا ہے یزیدی حضرات مجتہدین اور بشر کو علیحدہ علیحدہ صنف قرار دیتے ہیں۔ یہ بھی یزید کی بڑی قسمت ہے کہ اُسے ایسے ایسے عجوبے دفاع کے لیے میسر آئے۔ مذکورہ پمفلٹ لکھنے والے احباب تو خدا جانے کس قسم کی ورائٹی ہیں، یہاں تو بعض علماء کہلوانے والے بھی ''خطاء اجتہادی'' کو کوئی ناقابل برداشت سا جرم سمجھتے ہیں اور محققین علماء اہل سنت کے اس اجماعی نظریہ کا مذاق ''خطا وار'' کہہ کر اڑاتے ہیں۔ حالانکہ مطلقاً خطاء اور ''خطاء اجتہادی'' میں مشرق و مغرب کا فرق ہے۔ اندازہ کیجیے جو لوگ ''خطاء اجتہادی'' کے مفہوم و معانی تک سے ناآشنا ہیں، وہ بھی اکابر اہل سنت پر ہمیشہ الزام رکھ کر اپنے جامے میں پھولے نہیں سماتے ..... پھر یہ بات بھی کسی لطیفہ، بلکہ ''کثیفہ'' سے کم نہیں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ''خطاء اجتہادی'' رفض کا پروپیگنڈہ ہے..... ہمارا چیلنج ہے کہ گیارہ سو سال کے شیعی لٹریچر میں ایک جگہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جانب خطاء اجتہادی کی نسبت کوئی حوالہ پیش کیا جائے۔ رفض تو صحابہؓ دشمنی کا نام ہے۔ جو لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، خصوصاً سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مومن ہونے کے بھی قائل نہیں ہیں اور رات دن ان کی زبانوں پر تبرائی تبصرے اژدھا کی طرح پھنکارتے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ بھلا ایک مجتہد صحابی کے مقامِ اجتہاد کو کیا جانیں؟ یزیدی دوستوں کے یہ شکوے محض گونگے کے خواب ہیں۔ جو سمجھنے، سمجھانے سے تعلق نہیں رکھتے ..... پمفلٹ شائع کرنے والے دوست نے دوسری بار پھر تحریر کیا۔ ''خطاء اجتہادی'' کا ارتکاب پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوا۔'' (ص ۴)

قارئین کرام! دماغی بدپرہیزی عادت بن جائے تو اصلاح مشکل ہی نہیں، ناممکن ہو جاتی ہے۔ ہم ایک بار پھر عرض کریں گے کہ اگر اس جملے کی نسبت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف ہو تو وہ رفض کا پروپیگنڈہ ہے (حالانکہ یہ انتہائی

طفلانہ بات ہے) جب کہ یہی لفظ پمفلٹ مذکور میں بار بار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت استعمال کیا جارہا ہے۔ حالانکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطاء اجتہادی پر پوری اُمت کا اتفاق ہے۔ مگر حامیانِ یزید پوری امت پر دانت پیستے ہوئے ایک غیر معقول اور رسوا نظریہ پیش کررہے ہیں۔ اس لیے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ''یزیدیت'' کسی نظریئے کا نام نہیں ہے۔ یہ ایک کیفیت اور مزاج کا نام ہے..... اور تحقیق کے معرکوں میں مزاج نہیں، انداز فکر چلتا ہے..... اس پمفلٹ کے ایک مقام پر پیٹ کی بات نکل ہی آئی چنانچہ مضمون نگار رقم طراز ہیں۔

''یہ یاد رہے کہ ہم اس وقت تک خلیفہ راشد، سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا کامیاب دفاع نہیں کرسکتے، جب تک یزید کی ولی عہدی، شہادت حسین رضی اللہ عنہ، واقعۂ حرہ، بے حرمتی و آتشزدگی کعبہ اور فسق و فجور کے حوالہ سے یزید پر لگائے گئے، غلط الزامات کی تردید نہیں کرتے۔'' (ص ۴)

تبصرہ:

اردو کا ایک محاورہ ہے کہ ''ناچتے لگی تو گھونگھٹ کیسا'' یعنی جب کام ہی بے حیائی والا کرنا ہے تو پھر حیاء فضول ہے..... چنانچہ ایک عزم مصمم کرلیا گیا ہے کہ ہم نے بہرصورت قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ سے ناطہ جوڑے رکھنا ہے۔ لہٰذا اب اس کی آسان ترکیب یہ نکالی جائے کہ کونسا واقعۂ کربلا؟ کونسا خونِ حسین رضی اللہ عنہ؟ یہ تو کبھی ہوا ہی نہیں تھا..... جیسا کہ مرزا حیرت دہلوی نے دعویٰ کیا تھا کہ واقعۂ کربلا کبھی تاریخ میں ہوا ہی نہیں..... اور اہل تشیع نے جب اپنا حسب ونسب ''قتل ابیب'' کی طرف جاتے دیکھا تو عبداللہ بن سباء کی شخصیت کا ہی سرے سے انکار کردیا۔ یزیدیوں اور شیعوں میں یہ ایک باریک سی فکری مماثلت ہے اور اس فارمولے پر دونوں کا اتفاق ہے کہ جب دلائل سے کوئی چیز ثابت نہ کی جاسکے تو بجائے اعترافِ شکست کے اس چیز کے وجود کا ہی انکار کردیا جائے۔ اہل تشیع تو پھر بھی ''تقیہ'' کے غلاف میں اپنا جھوٹ چھپانے پر قادر ہیں، قابلِ رحم تو حامیانِ یزید ہیں، جن کے بڑوں نے ان کے بچاؤ

کی کوئی تدبیر تر کے میں نہیں چھوڑی..... علم وادب اور صبر ورواداری سے بے نیازی انسان کو کہیں سے کہیں لا کھڑا کر دیتی ہے۔

## حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کرامت

اسے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی کرامت کہیے کہ یزیدی مضمون نگار نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع کو واقعۂ کربلا، واقعہ حرہ اور یزید کے فسق وفجور سے بریت کے ساتھ مشروط کیا ہے، نہ نو من تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی۔ میدانِ کربلا میں آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر یزید کی جانب سے ہونے والا ظلم ایک مُسلّمہ حقیقت ہے اور اس کے بعد مدینہ منورہ پر پتھراؤ، اور بلدِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حرمتی یزید کے کالے کارناموں میں نمایاں ہیں..... یہ سب کچھ ایک روشن حقیقت پر مبنی ہے، لہٰذا کسی بھی حامیٔ یزید کو سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع کرنے کا کوئی فطری واصولی حق نہیں ہے..... حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع ان کا نصیبہ ہے، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو عقیدت ومحبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

یہ ضابطہ ہے کہ جس کے دل سے ایک صحابی کی قدر نکل جاتی ہے، وہ تمام صحابہؓ کی تعظیم سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ مولانا مودودی صاحب نے اولاً حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر اقرباء پروری کی تہمت لگائی تھی، پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر قلم چلایا، بعد ازاں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی بے ادبی کی، آخر کار دستور پیش کر دیا کہ کوئی صحابی تنقید سے بالاتر نہیں ہے۔ اللہ اللہ خیر سلا

اگر بہت پیچھے جا کر دیکھیں تو اہل تشیع نے خلافتِ بلافصل کا استحقاق حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دینے کے لیے افضل البشر بعد الانبیاء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نشانۂ تنقید بنایا اور پھر دھیرے دھیرے کاملین کی پوری جماعت سے دست کش ہو گئے۔ حامیانِ یزید نے بھی اولاً حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ پر تنقید کی، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں بے ادبی و بے توقیری کی، اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو تحقیر کا نشانہ بنایا..... ہم انتہائی فکر مندی اور دردِ دل سے کہیں گے کہ اگر یہی روش رہی تو بہت جلد یہ

بدنصیب گروہ جملہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اعتقاد کھو بیٹھے گا۔ لگے ہاتھوں ذرا اہل حدیث بھائیوں کا ذکر بھی ہو جائے۔ فطری طور پر اس مسلک کا ہر فرد تُند خو اور من موجی ہوتا ہے۔ جب گرم مزاج اور غصیلی طبیعت والا حامیٔ یزید بھی ہو تو وہ ''نیم چڑھا کریلا'' کے مصداق ہوتا ہے۔ چنانچہ ابو عتیق امین خادم صاحب نے برملا لکھا کہ:

''بنظرِ غور دیکھا جائے تو صاف روشن ہے کہ واقعۂ کربلا نے اسلام زندہ کرنے کی بجائے اسلام کو مردہ کر دیا ہے۔''

(معارف یزید صفحہ نمبر ۵، ناشر انجمن شبان اہل حدیث کامونکی)

صرف اس پر یزید کی روح کہاں خوش ہو سکتی تھی؟ مزید لکھتے ہیں:

''غور کریں، وہ کونسا اسلام ہے؟ جو حضرت امام کی شہادت سے زندہ ہوا ہے، اگر نہ شہید ہوتے تو اسلام مردہ ہو جاتا؟ (ایضاً ص ۱۲)

اور ایک مقام پر یوں لکھا ہے:

''آپ نے امامِ حق (یزید) کے خلاف خروج کیا تھا۔'' (ایضاً ص ۱۳)

یہ کتاب انجمن شبانِ اہل حدیث کامونکی نے شائع کی ہے۔ ایک جلیل القدر صحابی کو خون میں نہلا کر جو اسلام کی خدمت نہ کر سکا، وہ کامونکی کی شبانِ اہل حدیث نے سرانجام دے دی۔ یہ وہ پلے ہوئے کیڑے ہیں جو نسلِ نو کے دماغ کو چاٹ رہے ہیں اور اسلام دشمن قوتوں کی یہی منشاء ہے کہ تاریخ کو اتنا مسخ کر دیا جائے کہ پُرانے چراغوں کا کوئی طالب نہ رہے۔ غالباً خورشید احمد گیلانی مرحوم نے کہیں لکھا ہے کہ دنیا لاکھ اُلٹی، سیدھی زقندیں لگا لے، مہر و ماہ پر ہزار کمندیں ڈالے اور ہر آن نت نئے شوق پالے، انسان کو انسان بننے اور اپنا آپ ڈھونڈنے کے لیے ''پرانے چراغ'' اپنے ہاتھ میں لے کر نئے سرے سے اپنے سفر کا آغاز کرنا پڑے گا۔

زیر تبصرہ یزیدی پمفلٹ میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی طرف منسوب ایک جملہ لکھا گیا ہے..... کہ شاہ جیؒ سے پوچھا گیا، جنگ جمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے یا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا؟ انہوں نے اس کا بڑا حکیمانہ جواب دیا کہ ماں

بغیر قصور کے بیٹے کو تھپڑ مار سکتی ہے، مگر بیٹا ماں کا قصور ہو بھی تو تھپڑ نہیں مار سکتا۔ یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔ اس اشارہ سے ایک ذی عقل انسان یہ مسئلہ سمجھ سکتا ہے۔ (ص ۳)

تبصرہ: سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی جانب جتنے اقوالِ زریں منسوب ہیں، ان میں صرف تیس فیصد صداقت ہوتی ہے۔ ہر میٹھی بات کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرنا اور ہر نمکین پارہ امیر شریعت کا شہ پارہ قرار دینا ایک رواج بن گیا ہے..... علم و تحقیق کے میدان میں ایسے صدری شربت نہیں چلتے۔ جو صدر، یعنی سینہ بسینہ منتقل ہوتے آئے ہیں ..... جنگ جمل میں جو کچھ ہوا، وہ ایک تاریخی المیہ ہے اور غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک کڑی آزمائش تھی، جس میں ایک عام سنی مسلمان بھی محتاط رائے رکھتا ہے۔ چہ جائیکہ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ایسی ذمہ دار شخصیت اس قسم کے جملے کہیں..... اور امیر شریعت کے متعلق جو بات معتبر اور ثقہ ہے، وہ حامیانِ یزید ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ایک مشہور مقدمہ میں ہائی کورٹ لاہور میں امیر شریعت نے اس الزام کی تردید کی تھی کہ کوئی مسلمان اپنے آپ کو یزید نہیں کہہ سکتا۔ (مقدمات امیر شریعت ص ۲۵۷)

نوٹ: ابوذر مولانا سید عطاء المنعم شاہ بخاریؒ نے مورخہ ۱۹، اپریل ۱۹۸۰ء میں غالباً خانپور، مدرسہ مخزن العلوم میں ''اتحاد علماء دیوبند کانفرنس'' میں خطاب کیا تھا۔ اس تقریر میں انہوں نے اپنے والد گرامی کا کوئی جملہ سامعین کو سنانے سے پہلے، مخصوص انداز میں کہا تھا۔

ابوذر البخاری عرض عن ابیہ عطاء اللہ البخاری، والبخاری ثقۃ ان شاء اللہ

ابوذر اپنے والد عطاء اللہ شاہ بخاری کے حوالہ سے عرض کرتا ہے اور بخاری معتبر ہے۔ ان شاء اللہ!

تو ''مقدمات امیر شریعت'' کتاب کے مرتب مولانا ابوذر عطاء المنعمؒ ہیں، جس میں امیر شریعت کا مذکورہ بالا جملہ یزید کے متعلق موجود ہے۔ اس کی ثقاہت کے لیے ''سند'' بھی ہم نے پیش کر دی ہے۔ اب فرمایئے، حامیانِ یزید امیر شریعت کو کس برتے اپنے کھاتے میں ڈالتے ہیں؟ اللہ کے فضل سے پردۂ شب کافی حد تک چاک ہو چکا ہے۔

آثار سحر کے پیدا ہیں اب رات کا جادو ٹوٹ چکا
ظلمت کے بھیانک ہاتھوں سے تنویر کا دامن چھوٹ چکا

مولانا عطاء المنعم کی اس تقریر کو مولانا تنویر الحق تھانوی نے اپنے ایک نایاب مضمون میں ''کفن پھاڑ تقریر'' قرار دیا ہے۔ تھانوی صاحب کا یہ مضمون بذات خود بھی کفن پھاڑ ہے۔ اس کا نام ہے ''ایک گمنام خط اور تلخ حقائق، اینٹ اور پتھر کا تبادلہ''..... یہ رسالہ چھپا تھا، پڑھا یک منظر سے غائب کر دیا گیا، خدا جانے کیا حکمت کار فرما تھی؟ ہمارے پاس یہ رسالہ موجود ہے..... اور اپنے ''خاص اسلوب'' کی بناء پر ہر ایک کے لیے لائق مطالعہ نہیں۔

محمد اسماعیل جاروی لکھتے ہیں: ''اب بھی وقت ہے کہ ہم اس غلط العام شعر

قتل حسینؓ اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

کی صحت کے عقیدت سے تائب ہو جائیں اور اللہ کی ناراضگی نہ مول لیں۔'' (ص ۶)

مولانا محمد علی جوہر کے اس شعر میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک والہانہ محبت و عقیدت کا اظہار ہے مگر ہمارے دوست اس کو ہضم نہیں کر پا رہے۔ اس سے پہلے ہم اہل حدیث مکتبہ فکر کے ایک مصنف کا حوالہ درج کر آئے ہیں..... حکیم فیض عالم صدیقی کو بھی یہ شعر کافی ناپسند تھا اور وہ جوہر مرحوم کو ''کان کترا'' قرار دیتے تھے۔ جرم کیا ہے؟ کہ انہوں نے نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کو مرگ یزید قرار دیا ہے۔ اس لیے نہایت لجاجت کے ساتھ اس شعر کی صحت سے تائب ہونے کی درد مندانہ دعوت دی جا رہی ہے..... جب حامیانِ یزید علم و دانش کی روشنی میں اپنے ممدوح کا دفاع نہیں کر پاتے تو پھر سادہ لوح لوگوں کو اُکسانے اور بھڑکانے کے لیے کہتے ہیں، یزید کا مسئلہ عقائد سے نہیں ہے، تاریخ سے ہے۔

یہ سچ ہے کہ یزید کا مسئلہ عقائد سے نہیں، تاریخ سے ہے۔ مگر یہ تاریخ سے تب تک تعلق رکھتا ہے، جب تک یزید کے فسق پر یقین رہے۔ بصورتِ دیگر یہ المناک شکل

اختیار کر لیتا ہے۔ اس لیے کہ یزید کی حمایت آخر کار سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی عقیدت اور ادب سے برگشتہ کر دیتی ہے اور جب کسی صحابی کا ادب دل سے اُٹھ جائے تو وہ تاریخ نہیں رہتی۔ فکری تاریکی کا رُوپ دھار لیتی ہے۔ ہم یہاں اس امر کا اظہار کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ کوئی صحیح العقیدہ سُنی عالم جب میدان تحقیق میں اُترتا ہے تو بعض اوقات بتقاضائے بشریت اس کے قلم سے کوئی ایسی بات اُگل آتی ہے جو آنے والے وقتوں میں بے ادبی پر محمول کی جاتی ہے۔ حالانکہ قائل کی مُراد کا اس سے دُور دُور تک کوئی تعلق یا شائبہ نہیں ہوتا۔ ایسی کوئی بھی بات رفتارِ قلم کا نتیجہ ہوتی ہے نہ کہ دماغ سے برآمد ہوتی ہے۔ قائل کی مراد کو جانے، یا پہچانے بغیر گستاخی کا اُس پر الزام تھوپ دینا، یہ ہائی بلڈ پریشر کے مریضوں کا کام ہوتا ہے۔ اثاثہ اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

آج کل حامیانِ یزید متقدمین و متاخرین کی کتب سے ایسے الفاظ تلاش کرتے رہتے ہیں، تاکہ بوقتِ ضرورت وہ ان سب پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے ادبی کا الزام لگا کر اندھوں کی بستی میں اُلفتِ یزید کا چراغ جلا سکیں۔

''لباسِ خضر میں راہزن'' کے نام سے محمد یزید احمد ندوی ایک صاحب کا مضمون کوئی دن پہلے پڑھنے کا موقع ملا۔ یہ یزید احمد نام ماں باپ کا رکھا ہوا نہیں ہے' ہم علیٰ وجہ البصیرت کہتے ہیں کہ یزید نام کے یہ صاحب ذرا اپنے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی تو ارسال کریں' تاکہ یقین کرنے کی کوئی سبیل بن سکے۔ یہ محض ضدی فرضی اور کاغذی نام ہے۔ جن کے دماغوں میں دھوئیں کے مرغولے اُٹھ رہے ہوں اور دن رات ان کے کالے دلوں میں چمگادڑ اُڑ رہے ہوں' وہ بھی یزید نام رکھنے کی ہمت نہیں پاتے، کہ انسان کے لیے اپنے ضمیر کے ہاتھوں پٹنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔

اس دو ورقی پمفلٹ میں کاغذی یزید نامی دوست نے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی ایک کتاب مَاثَبَتَ بِالسُّنَّةِ فِی اَیَّامِ السَّنَةِ کے حوالہ سے کسی ایک آدھ جملے کی بنیاد پر ایک محدث جلیل کو محبان صحابہ رضی اللہ عنہم کی صف سے نکالنے کی اپنی سی کوشش کی ہے اور اُن کی خدمات علمیہ کو ''شیعیت زدگی'' اور بے

سرو پا روایات کا طومار قرار دیا ہے۔ اپنی خفت مٹانے کے لیے اور اپنے سر سے بغضِ حسین رضی اللہ عنہ کی گٹھڑی اتارنے کے لیے یزیدی لوگ خدا جانے کس کس کی قبر میں ہاتھ ڈال چکے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ہماری معلومات کے مطابق اکثر حامیانِ یزید اب منکرینِ حدیث کی بولی بولتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ جو احادیث قرآن سے ٹکراتی ہیں، ہم وہ نہیں مانتے۔ اور یہ کہ اکثر روایاتِ احادیث میں رافضی راوی ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ ان مغالطات کے جوابات صدہا کتابوں میں دیئے جا چکے ہیں اور اب حال ہی میں ماہ نامہ ''الندوہ'' اسلام آباد میں ایک تحقیقی مضمون بعنوان ''علم حدیث اور اہل بدعت'' کے نام سے مفصل شائع ہو چکا ہے۔ اس لیے تمنا عمادی اور مولانا حبیب الرحمن صدیقی کاندھلوی جیسے لوگوں کے فلسفۂ انکارِ حدیث کو بغور دیکھا جائے تو یہ لوگ بنیادی طور پر حامیٔ یزید تھے۔ اس لیے یہ کہنے میں قدرے گنجائش نکلتی ہے کہ قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ کی وکالت کرنے والے ذخیرۂ احادیث سے بھی رفتہ رفتہ ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ یزیدی احباب نے انگلش میں بھی ایک رسالہ بعنوان: ( Tragedy of Karbala ) شائع کیا ہے۔ یہ رسالہ پہلے اردو میں بھی تقسیم ہو چکا ہے اور ہم اس پر بحث بھی کر آئے ہیں کہ کس صفائی کے ساتھ عبارات میں قطع و برید کر کے یہ لوگ اپنے خلافِ حقیقت نظریات کا پرچار کرتے ہیں۔

## واقعۂ کربلا' حقیقت اور افسانے (ایک نیا پمفلٹ)

گزشتہ دنوں ہمیں بذریعہ ڈاک ایک رسالہ موصول ہوا' جس کا نام ہے ''واقعہ کربلا' حقیقت اور افسانے'' ڈاکٹر سیف الدین اُندلسی کا نام بطور مرتب درج ہے یہ فرضی نام محسوس ہوتا ہے (۱) اور مکتبہ محبانِ اہل بیتؓ، ناظم آباد، کراچی نے اسے شائع کیا ہے۔ تازہ موصول ہونے والے اس یزیدی پمفلٹ کے کل ۴۸'

(۱) (مصنف کا اندازہ بالکل درست ہے، یہ پمفلٹ کراچی سے شائع نہیں ہوا اور نہ ہی بطور مرتب درج شدہ نام کے کوئی صاحب کہیں پائے جاتے ہیں، بلکہ یہ مجلس احرار اسلام لاہور کے دفتر سے تقسیم کیا جاتا رہا ہے۔ (عثمان حسن)

صفحات ہیں اور صفحہ بہ صفحہ عقائدِ قبیحہ کا اظہار کیا گیا ہے..... ایک مقام پر جا کر (فرضی) اُندلسی صاحب لکھتے ہیں:

''تعجب ہے کہ جس یزید پر سوائے ایک شخص (عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ) کے اس وقت کی پوری اُمت متفق ہوگئی تھی۔ اُسے کافر، زانی، شرابی، فاسق، فاجر، دشمنِ اسلام، باطل پرست کہتے ہوئے لوگوں کی زبان ذرا بھی کانپتی نہیں اور ان کا ضمیر انہیں ملامت بھی نہیں کرتا، اور ان سے زیادہ تعجب ان اہل سنت کہلانے والے علماء اور عوام پر ہے جو اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع اور عظمت کے مشن پر مرمٹنے کا جذبہ رکھتے ہیں اور پھر اہل تشیع کے مذموم پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر یزید کی شخصیت کو گالی کے مترادف سمجھ بیٹھے ہیں۔ کیا ہم ان سے دست بستہ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ یزید اگر واقعی ایسا تھا' جس طرح تاریخ کی جھوٹی روایات میں آپ نے دیکھا اور پھر اسے اپنا ایمان بنا لیا تو پھر ان سینکڑوں اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پوزیشن کیا ہوگی' جنہوں نے اس کے ہاتھ پر ولی عہدی اور بیعت خلافت کر لی تھی؟ پھر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی امانت و دیانت کی ضمانت کون دے گا' جنہوں نے شرابی بیٹے کو اُمت پر زبردستی مسلط کر دیا تھا؟ پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شجاعت و بہادری اور استقامت کا دفاع کس طرح کرو گے؟ جنہوں نے اضع یدی فی ید یزید (میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں دینے کے لیے تیار ہوں) کہہ کر تمہیں رُسوا کر دیا۔''

(واقعہ کربلا، حقیقت اور افسانے، صفحہ نمبر ۱۰)

**تبصرہ:** (فرضی) اُندلسی صاحب کی اس عبارت میں تین سوالات اُٹھائے گئے ہیں:

(۱) اگر یزید فاسق و فاجر تھا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی ولی عہدی کیوں قبول کی؟

(۲) کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شرابی بیٹے کو جانشین بنا دیا تھا؟

(۳) حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں دینے کے لیے تیار ہوں۔

جہاں تک پہلے سوال کا تعلق ہے کہ یزید کی ولی عہدی کو صحابہ نے تسلیم

کیوں کیا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس وقت یزید کی بیعت ہوئی تھی اس وقت اس کے فسق کی شہرت نہ تھی۔ پھر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مؤقف بھی تھا کہ اگر ظالم بادشاہ اپنی رعایا پر ظلم ڈھائے اور حالات انتہائی ناساز ہوں' بغاوت مشکل ہو تو رعایا صبر کرے، اور اگر حاکم عادل ہو تو شکر کرے۔ نامساعد حالات میں حکومت وقت سے ٹکرا جانا مشکل ہوتا ہے۔ علامہ سرخسیؒ نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

(اصول سرخسی، جلد اوّل صفحہ ۱۰۸)

مولانا عبدالرشید نعمانیؒ لکھتے ہیں:

اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یزید کے درباری تو تھے نہیں اور نہ ان کو یزید کے ساتھ خلوت و جلوت میں رہنے کا موقع ملا تھا، جو یزید کے کرتوت ان کو معلوم ہوتے۔ (حادثہ کربلا کا پس منظر، ص ۳۱۵)

مولانا نعمانیؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ یزیدیوں کا یہ شبہ بعینہٖ روافض کی طرح ہے وہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا ساتھ کیوں نہ دیا؟ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ باقی صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اختلاف رکھتے تھے اور یزیدی لوگ بھی کہتے ہیں کہ باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ کیوں نہ دیا، یا انہوں نے یزید کی ولی عہدی قبول کیوں کر لی؟ یہ دلیل ہے کہ حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ حق پر نہیں تھے۔ (فرضی) اُندلسی یزیدی صاحب کے دوسرے سوال کا جواب بھی یہی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو شرابی جان کر قطعاً ولی عہد نہیں بنایا تھا۔ محقق اہل سنت مولانا محمد نافع مدظلہ لکھتے ہیں:

''اس دور میں یزید کے ظاہری اعمال و احوال عموماً اس درجہ کے نہ تھے کہ اس کی مخالفت ضروری ہو اور اسلام کے خلاف اس کا کردار نہیں تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جس دور میں اس کا انتخاب کیا یا اس کی نامزدگی کی تو اس میں اہلیت سمجھ کر ہی ایسا کیا گیا تھا۔ آئندہ کے لیے کسی کو کیا معلوم ہوتا ہے کہ کیا حالات پیش آئیں گے؟ والغیب عنداللہ تعالیٰ!

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی کے بعد جو یزید کے کارنامے مثلاً واقعۂ کربلا،

واقعہ حرہ اور مکہ شریف پر چڑھائی وغیرہ جو کتابوں میں پائے جاتے ہیں، ان کا ذمہ دار خود یزید ہے نہ کہ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ! ان کی وجہ سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مطعون کرنا بڑی زیادتی ہے اور آنجناب اس کے ذمہ دار نہیں۔" (سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ص ۶۴۰)

تیسرا سوال یہ اُٹھایا گیا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا "ان اضع یدی فی ید یزید بن معاویہ" یعنی میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں دوں گا۔ یہ بھی نیرا وہم ہے۔ عربی زبان کے دامن میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں نکالا جاسکتا جس سے ہاتھ میں ہاتھ دینے کا مطلب بلاقرینہ بیعت سمجھا جائے۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اولاً تو امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی بیعت نہ کی، اور حامیانِ یزید بھی اس کو بغاوت اور حکومت طلبی وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ عین حالت لڑائی میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کیا سوجھی کہ وہ یزید کے خونی ہاتھوں میں دستِ صحابیت تھما دیتے؟ یہ بات تو عقلاً بھی ناقابل تسلیم ہے۔ ہمارے اس موقف کو ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی کی مندرجہ ذیل عبارت کے ذریعے بآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔

"دنیا کی دو بڑی طاقتوں کے سربراہ جب باہم ملتے ہیں تو وضع الید فی الید کا واقعہ ہی پیش آتا ہے۔ لیکن وہاں کوئی کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتا۔ فریق مخالف کے لوگ بھی گفتگو کے لیے باہم ملتے ہیں تو مصافحہ کرتے ہیں اور پنجہ آزمائی سے لے کر مباہلہ تک کے لیے ہاتھ میں ہاتھ ڈالا جاتا ہے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت جو شروع سے بیعت کے خلاف ہو، کرب و بلا کے اندیشے سے فوراً بیعت کے لیے یا سر جھکانے کے لیے آمادہ ہوجائے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہاں ہاتھ میں ہاتھ ڈالنے سے مراد نہ تو بیعت و انقیاد ہے اور نہ مقابلہ و پنجہ آزمائی! بلکہ مراد اصل حریف سے نفس معاملہ پر گفتگو ہے۔"

(حادثہ کربلا کا دینی اور نظریاتی پس منظر، ص ۴۳)

## کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ یزید نے پڑھائی؟

(فرضی) ڈاکٹر سیف الدین اُندلسی "البدایہ والنہایہ" کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"بالآخر ۲۲ رجب ۶۰ھ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے انتقال فرمایا تو یزید نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔" (واقعہ کربلا، حقیقت اور افسانے، صفحہ نمبر ۸)

حالانکہ حافظ ابن کثیرؒ نے دوسری بات کو ترجیح دی ہے کہ یزید حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت شکار کھیلنے گیا ہوا تھا، وہ گھر پہ تھا ہی نہیں اور حضرت ضحاک بن قیسؓ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ بلکہ خود محمود احمد عباسی صاحب نے بھی لکھا ہے کہ:

''امیر یزید موجود نہ تھے۔ کسی مہم پر گئے تھے۔ محترم والد کی شدید علالت کی اطلاع ملتے ہی واپس آئے، مگر تدفین کے بعد پہنچے'' (تحقیق مزید، صفحہ نمبر ۱۷۱)

حضرت قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسینؒ نے عباسی صاحب کی اس عبارت پر یوں گرہ لگائی ہے:

''عباسی صاحب اس مُہم کی نشاندہی بھی کر دیتے، جس کو سر کرنے کے لیے ولی عہد صاحب سفر میں تھے؟ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: **قال غیر واحد فحین حضرت معاویۃ الوفاۃ کان یزید فی الصید** ایک سے زیادہ لوگوں نے کہا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت یزید شکار پر تھا''

(البدایہ والنہایہ، جلد ۸، صفحہ ۱۴۳، بحوالہ، خارجی فتنہ، جلد دوم، ص ۲۱۶، ۲۱۷، طبع جدید)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیرت پر لکھی گئیں اکثر کتابوں میں یہی لکھا گیا ہے کہ یزید کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا جنازہ نصیب نہ ہوا۔ اب یزیدی احباب مٹھیاں بھینچ بھینچ کر ہوا کو قابو کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں مگر بات بن نہیں پاتی۔ کھری بات وہی ہے، جو ہم ابتداء سے کہتے چلے آ رہے ہیں کہ یزید کو بچانے کے لیے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا سہارا کام آ سکتا ہے نہ حضرت ابوایوب انصاریؓ کا، حامیانِ یزید سادہ لوح لوگوں کو بھڑکانے کے لیے کہتے ہیں کہ چونکہ یزید نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا جنازہ پڑھایا تھا، لہٰذا وہ بڑا پارسا تھا جبکہ واقعہ کربلا اور واقعہ حرہ جیسے واقعات کے بعد اُس کے دامن میں کانٹے ہی کانٹے رہ گئے تھے۔

## مولانا محمد علی جوہر کا ایک شعر

ڈاکٹر اندلسی کا کہنا ہے کہ:

قتلِ حسینؓ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

جھوٹ کا پلندہ ہے جو کہ غلط طور پر مولانا محمد علی جوہر کے نام منسوب کیا گیا ہے..... اس شعر میں شیعہ شاعر یہ تاثر دیتا ہے کہ نعوذ باللہ کربلا سے پہلے اسلام مردہ تھا حالانکہ وہ خیر القرون کا زمانہ تھا اور اسلام زندہ و تابندہ تھا۔ یہ کفریہ شعر جو کہ غیر شعوری طور پر ہمارے جلسہ گاہوں کے سٹیج کی زینت بنتا ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بہت بڑا تبرا ہے کیونکہ میدانِ کربلا میں بقائے اسلام کے لیے کوئی جنگ نہیں لڑی گئی۔ (صفحہ نمبر ۱۶)

**تبصرہ:** یہ ذمہ داری یزیدی مضمون نگار پر ہے کہ اگر مذکورہ شعر مولانا جوہر کا نہیں ہے تو پھر کس کا ہے؟ لطف کی بات یہ ہے کہ اہل تشیع کو بھی یہ شعر اچھا نہیں لگتا۔ بلکہ انہوں نے اس شعر کی تردید میں ایک پوری کتاب لکھی ہے، جو بہت عرصہ پہلے ایک شیعہ مصنف نے لکھی تھی اور آگے چل کر کسی موقع پر ہم اس کا ذکر کریں گے۔ اس کتاب میں شیعہ قلمکار نے اعتراض اُٹھایا ہے کہ کربلا تو ایک ہی مرتبہ بپا ہوئی تھی ''ہر کربلا کے بعد'' کہنا تو معرکۂ کربلا کی توہین ہے۔ اس شعر کی مخالفت میں شیعہ و یزیدی ایک ہی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔ اور رہا یہ کہنا کہ وہ کونسا کفر و اسلام کی جنگ تھی؟ اگرچہ اس پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے، لیکن سر دست ہم عرض کریں گے کہ اس شعر میں کہاں لکھا ہے کہ یہ کفر و اسلام کی جنگ تھی؟ کیا اسلام کا نکھار اور تازگی صرف کفر سے مقابلہ کر کے ہی ہوتی ہے؟ یزید ظالم اور فاسق تھا، معاشرے کفر پر قائم رہ سکتے ہیں، مگر ظلم پر قائم نہیں رہ سکتے تو جابر اور جائر حکمران کے خلاف بغاوت کرنا، اس کے کرتوتوں کو طشت از بام کرنا، بھی اسلامی تعلیمات کا حصہ ہے، اور پھر ہمارا تو عقیدہ ہے کہ صحابی جب بھی کسی غیر صحابی سے ٹکراتا ہے تو اس کا مقصد صرف احیاء دین ہوتا ہے۔ حامیانِ یزید کو اس شعر میں صرف ''مرگِ یزید'' کا جملہ تکلیف دیتا ہے تو آج دنیا کا کونسا خطہ ہے جہاں یزید کو اچھے الفاظ میں یاد کیا جاتا ہے؟ یہی تو مرگ ہے۔ اس سے بُری موت اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ کوئی حکمران اپنی گردن پر کسی صحابی کا خون لے کر دنیا سے رُخصت ہو۔ جوہر مرحوم نے اسی معنی میں حق کی ترجمانی کی ہے۔

## طبقاتی تقسیم اور یزیدیوں کا شمار

علامہ ابن جوزیؒ نے الرد علی المتعصب العنید المانع من ذم یزید کے نام سے ایک مختصر سی کتاب لکھی تھی۔ یہ دراصل ان کے ایک ہمعصر شیخ عبدالمغیث حنبلی کے ردّ میں ہے۔ وہ مسئلہ یزید پر نرم گوشہ رکھتے تھے تو علامہ ابن جوزیؒ نے ان کے نظریات کا توڑ کیا ہے۔ اس کتاب میں علامہ ابن جوزیؒ نے لوگوں کو چار طبقات میں تقسیم کیا ہے۔ ذیل میں ہم ان کی عربی عبارت کا ترجمہ پیش کرتے ہیں۔ بغور ملاحظہ فرمائیں۔ (۱) ایک آدمی جانتا ہے اور اس کو بھی علم ہے کہ وہ جانتا ہے، وہ عالم ہے اس سے استفادہ کرو۔ (۲) دوسرا آدمی وہ ہے جو جانتا ہے، مگر وہ لاعلم ہے کہ وہ جانتا ہے، ایسا آدمی بھولا ہوا ہے اسے یاد دلا دو۔ (۳) تیسرا آدمی وہ ہے جو نہیں جانتا، مگر تسلیم کرتا ہے کہ وہ کچھ نہیں جانتا، وہ ہدایت اور راہنمائی کا طلب گار ہے اور حق دار ہے (۴) چوتھا وہ آدمی ہے جو بالکل جاہل ہے، مگر اُسے یہ بھی نہیں پتہ کہ وہ جاہل ہے۔ پس اُسے اپنے حال پہ چھوڑ دو۔

ابن جوزیؒ نے اپنے ہمعصر مخاطب، حامیٔ یزید کو اس چوتھے گروہ میں شمار کیا ہے۔ یہیں سے اندازہ لگا لیجیے کہ آج کئی سو سال کے بعد اس طبقے کی شدت پسندی، تعصب اور سینہ زوری میں کس قدر اضافہ ہو چکا ہوگا؟ کیونکہ آج کے یزیدی اپنی بے خبری و جہل سے غافل ہیں۔

## الرَّدُّ عَلَی الْمُتَعَصِّبِ العنید کے اردو تراجم

علامہ ابن جوزیؒ کی اس مایہ ناز کتاب کا ایک ترجمہ مولانا مفتی شعیب احمد نے کیا ہے اور یہ مولانا مفتی ڈاکٹر عبدالواحد صاحب کے مقدمہ کے ساتھ نفیس اکادمی لاہور نے نہایت خوبصورت انداز میں شائع کیا ہے اور دوسرا ترجمہ بریلوی مسلک کے ایک عالم نے ''صفہ فاؤنڈیشن'' لاہور سے شائع کیا۔ دونوں تراجم بہترین سلیقہ اور احتیاط سے کیے گئے ہیں۔

بعض بریلوی علماء کرام الحمدللہ اب علمی و تحقیقی کاموں میں حصہ لے رہے ہیں۔ ''عقیدۂ اہل سنت'' کے نام سے مولانا عطاء محمد چشتی بندیالوی کا نہایت علمی کتابچہ بھی مکتبہ جمالِ کرم لاہور نے شائع کر دیا ہے۔ جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع اور فسق یزید پر خاطر خواہ مواد موجود ہے۔

## حضرت حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی صلح کن شرائط کے تحت ہوئی تھی؟

قارئین کرام! ہمارے ایک کرم فرما نے اپنے مکتوب میں دو سوالات اٹھائے ہیں ایک تو یہ کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے جو صلح کی تھی، کیا اس میں یہ شرط بھی تھی کہ وہ خلافت اولاد میں منتقل نہیں کریں گے؟ اور دوسرے نمبر پر یہ کہ کیا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عین حیات میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین بنایا تھا، یا وصیت کی تھی؟ ان دو سوالات کے جوابات ملاحظہ فرمائیں، لیکن اس سے قبل ایک خط اور اس کا جواب پیش کیا جاتا ہے۔

## ایک مکتوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت گرامی! خدا کرے آپ بعافیت ہوں۔ آپ کا قسط وار سلسلہ ''یزیدی فتنہ'' ماہ بماہ ملاحظہ کرتا ہوں۔ میں نے اپنی سروس کے زمانہ میں محمود احمد عباسی کو بہت پڑھا تھا۔ بلکہ میں انہیں ملنے کراچی بھی گیا تھا، اور میرے دماغ پر ایک لمبے عرصہ تک اس کے نظریات قائم رہے۔ مگر آپ کے مضامین پڑھ کر اللہ تعالیٰ نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت میں اپنے قلم کو ڈبو ڈبو کر لکھتے ہیں، اور خوب لکھتے ہیں۔ میں اس وقت چلنے پھرنے سے معذور ہوں، خدا کا شکر ہے کہ بینائی قائم ہے کہ اہل حق کی تحریریں پڑھ کر وقت گزار لیتا ہوں۔ میری صحت اجازت دیتی تو میں آکر آپ کے ہاتھ چوم لیتا۔ میری تمنا ہے کہ آپ میرے لیے حُسنِ خاتمہ کی دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم و عمل میں اور اضافہ کرے۔ آمین ثم آمین!

میرے ایک جاننے والے شیعہ مذہب سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ اہل سنت کے امام شعبیؒ نے ایک بار کہا تھا کہ اگر شیعہ لوگ چاندی سے میرے گھر کو بھر دیں تو میں حضرت علیؓ کی تعریف میں جھوٹی سچی باتیں ملا کر لمبی لمبی تقریریں کرنے کے لیے تیار ہوں۔ کیا اس کی کوئی حقیقت ہے؟ براہ کرم ضرور ضرور آگاہ فرمایئے۔ اسی طرح ان کا کہنا ہے کہ بخاری شریف میں حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت میں ہے کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم ننگے ہو گئے تھے، معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ⑪

یہ یقیناً جھوٹ ہے، مگر اس جھوٹ کی بنیاد بھی تو وہ کوئی رکھتے ہوں گے؟ چاہتا ہوں تشفی ہو جائے۔ دعاؤں میں نہ بھولیے گا۔ شکریہ۔

بشیر احمد سکھیرا

P.c.s.i.r کالونی نزد شوکت خانم ہسپتال لاہور

## تبصرہ

محترم بشیر احمد صاحب نے اپنے جذبات بذریعہ خط ارسال کیے ہیں، کاش وہ مکمل اڈریس درج کرتے تو ہم خود جا کر اُن کے پاؤں چوم لیتے کہ وہ اس پیرانہ سالی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت سے سرشار ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو صحت دے، اور ہم سب کا خاتمہ بالایمان فرمائے۔ واقعی جب صحابہؓ کا ذکر ہوتا ہے تو اہل سنت کچھ کچھ جاتے ہیں، اُن کی عظمت کا ابرِ کرم جب بھی برسا، ہر سمت فصلِ بہار آ جاتی ہے۔ اب ہم محترم بشیر احمد صاحب کے جاننے والے شیعہ کے سوالات کا جائزہ لیتے ہیں، جس میں انہوں نے علمیات کی انتہا کر دی ہے۔ یہ اعتراض کر کے وہ سمجھ رہے ہوں گے کہ گویا کوئی لعل بدخشاں ہاتھ آ گیا ہے، لیکن اصل حقیقت سے مطلع ہو جانے کے بعد آپ دیکھیں گے کہ معترض کے ہاتھ میں فقط انگارے ہی رہ جائیں گے۔

قارئین کرام! امام شعبیؒ کا اصل قول یہ ہے:

"لو شئت ان یملأ بیتی ھذا ورقا علی ان اکذب علی علیؓ لفعلت واللہ لا کذبت علیہ ابدا"

(کتاب السنۃ لعبداللہ بن احمد بن حنبلؒ، حدیث رقم: ۱۲۰۸)

ترجمہ: اگر میں چاہوں کہ شیعہ مذہب والے چاندی سے میرا گھر بھر دیں

تو میں سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق جھوٹی تقریریں کر کے یہ مال کما سکتا ہوں، مگر اللہ تعالیٰ کی قسم کہ میں علی رضی اللہ عنہ کے متعلق کچھ بھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔

اب اس مکمل جملے پر غور فرمایئے اور مکتوب میں دیئے گئے شیعہ کا اعتراض پڑھیے، رفض کا خبث باطن خوب آشکارا ہو رہا ہے..... حضرت امام شعبیؒ تو رافضیت کی ایک پالیسی سے پردہ اٹھا رہے ہیں کہ یہ کسی سنی کہلوانے والے کو مال کے عوض خرید کر شانِ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں اپنی مرضی کی تقریریں کرواتے ہیں، جیسا کہ کچھ عرصہ سے پاکستان میں بھی بعض اہل سنت کہلوانے والے اس قبیح حرکت میں معروف ہیں..... ''السیف الجلی علی منکر ولایت علیؓ'' نامی کتابچے میں بھی ڈاکٹر طاہر القادری صاحب نے یہی کرشمہ دکھایا ہے، لیکن ہم یہاں ان کی ذات پر تبصرہ نہیں کریں گے، کیونکہ خود ان کے مشرب کے حضرات ان کے علمی تعاقب میں مشغول ہیں۔ تو حضرت الامامؒ فرماتے ہیں اگر رافضی میرا گھر چاندی سے بھر دیں تو بھی میں جھوٹ نہیں بولوں گا، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضراتِ ثلاثہؓ کے بعد جو مقام ہے، اس کو ہی بیان کروں گا۔ جبکہ شیعہ اعتراض کر رہا ہے کہ وہ کہتے تھے اگر میرا گھر چاندی سے بھر دیا جائے تو میں شانِ حضرت علی رضی اللہ عنہ میں جھوٹی سچی تقریریں کرنے کے لیے تیار ہوں۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم! کذب کی بھی کوئی انتہا ہوتی ہے۔ یہ تو کسی عامی مسلمان کا جملہ بھی نہیں ہو سکتا، چہ جائیکہ امام شعبیؒ جیسے رفیع المرتبت انسان، جو امام اعظم ابوحنیفہؒ کے بھی استاذ ہیں، ایسی پاجیانہ بات کہیں۔ بلکہ بعض نے تو لکھا ہے کہ امام صاحبؒ نے سب سے پہلے کوفہ میں انہی سے استفادہ کیا تھا۔ **وھو اکبر شیخ ابو حنیفہ**

(تذکرۃ الحفاظ، صفحہ نمبر ۵)

بہرحال ایک جید اور ذی شان سُنی امام پر جو احمقانہ بہتان باندھا گیا ہے اس کی تردید میں مذکورہ سطور کافی ہیں۔

## دوسرے اعتراض کا جواب

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی بنیاد پر جو کہا گیا کہ حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بے حجاب ہو گئے تھے، معاذ اللہ! یہ بھی سو فیصد جھوٹ ہے۔ ہمارے محترم مکتوب نگار سے جس شیعہ نے یہ سوال کیا ہے، خدا جانے اس کی اپنی کتب تک کس حد تک رسائی ہے؟ یا ممکن ہے اکثر اہل تشیع کی طرح اس نے کوئی سنی سنائی بات کر دی ہو۔ لیکن شیعہ مذہب کے بڑے بڑے اہل علم بھی اس قسم کی خیانت کرنے میں حیاء محسوس نہیں کرتے۔ جیسا کہ آئندہ سطور میں حوالہ پیش کیا جائے گا۔

قارئین کرام! حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت صحیح بخاری میں موجود ہے۔ وہ مندرجہ ذیل ہے:

عن جابر بن عبداللہ قال لما بُنیت الکعبة ذهب النبی صلی اللہ علیه وسلم وعباس ینقلان الحجارة فقال عباس للنبی صلی اللہ علی وسلم اجعل ازارک علی زقیتک یقیک من الحجارة فخر الی الارض وطمحت عیناه الی السماء ثم افاق فقال ازاری ازاری فشد علیه ازاره۔ (بخاری جلد اوّل ص ۵۴۰)

ترجمہ ''حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کعبہ کی بنیاد رکھی گئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ پتھر منتقل کر رہے تھے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اپنے ازار کو یعنی تہبند کو اتار کر کاندھوں پر رکھ لیجیے تا کہ پتھروں سے آپ کو زخم نہ لگے، پس (اس تصور سے کہ اگر ستر کھل گیا تو میں بے حجاب ہو جاؤں گا) حضور علیہ السلام زمین پر گر گئے، اور آنکھیں آسمان کی جانب اٹھائیں، پھر جب اس کیفیت سے افاقہ ہوا تو فرما رہے تھے، میری چادر، میری چادر، پھر اپنے تہبند کو مضبوط کر لیا۔''

مذکورہ بالا حدیث پر مولانا احمد علی سہارنپوریؒ حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

قال القسطانی وفی حدیث ابی الطفیل فبینما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینقل معهم الحجارة اذ انکشفت عورته فنودی یا محمد غط عورتک فذالک اول مانودی فمارأیت له عوره قبل ولا بعده قال العینی فیه ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان محمیاً عن القبائح واخلاق الجاهلیة منزها عن الرزائل والمعائب قبل النبوة وبعدها (حاشیہ نمبر ۴)

ترجمہ: علامہ قسطلانی نے فرمایا کہ ابو طفیل کی حدیث میں ہے کہ اس دوران

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہمراہ پتھر منتقل کر رہے تھے، اچانک آپ کا ستر مبارک کھل گیا، پس ندا آئی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ستر کو ڈھانپ لیجیے، پس یہ پہلی آواز تھی جو آئی، میں نے حضور علیہ السلام کا ستر نہ اس سے پہلے دیکھا نہ بعد میں (اور) علامہ عینیؒ اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام زمانہ جاہلیت کے اخلاق قبیح سے محفوظ تھے، نیز نبوت سے پہلے اور بعد میں بھی ہر قسم کے عیوب اور رزائل سے پاک تھے۔"

قارئین کرام! یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ نبوت سے بہت پہلے کا واقعہ ہے کہ جب آپ اپنے قبیلے کے ہمراہ بیت اللہ شریف کی جدید تعمیر میں حصہ لے رہے تھے اور پتھر اُٹھانے کی وجہ سے آپ کے کاندھے نشان زدہ ہو رہے تھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ جو آپ کے چچا تھے، اور چچا بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے، انہوں نے بطور شفقت کے مشورہ دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر مبارک کاندھے پر رکھیں اور پھر پتھر اٹھائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی جوانی کی دہلیز پر نہیں پہنچے تھے، مگر نبی کی طبعی غیرت اور فطری حیاء کا ایک اعلیٰ نمونہ اللہ تعالیٰ نے دکھانا تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کے مشورہ پر عمل نہیں کیا، صرف سوچا کہ اگر میں چادر اتار دوں تو کیا بے حجاب نہ ہو جاؤں گا؟ یہ خیال آتے ہی اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم غش کھا کر گر گئے۔ اب جن لوگوں کے خون کی ایک ایک بوند میں بے حیائی رچ جائے اور منصب رسالت تک کا انہیں کوئی لحاظ یا پاس نہ ہو، انہوں نے محض اہل سنت کو ایذا دینے کے لیے یہ الزام دھر دیا کہ ان کی کتب حدیث میں حضور علیہ السلام کے متعلق ایسی نازیبا باتیں پائی جاتی ہیں۔

چنانچہ "تنزیہ الانساب فی قبائل الاعراب شیوخ الاصحاب" کے نام سے ایک کتاب ۱۹۱۹ء میں مطبع نور المطابع لکھنؤ سے شائع ہوئی تھی۔ اس کے مؤلف ایک شیعہ عالم محمد نامہ عالم تھے اور کتاب کے ٹائٹل پر اُن کا نام کچھ اس انداز میں مرقوم ہے۔

"مؤلفہ و مرممہ و مضاعفہ قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین، شہسوار عرصۂ ملکوت، یکہ تاز میدان لاہوت، عالم جلیل، فاضل نبیل مولانا و مقتدانا جناب مولوی محمد مہدی عالم صاحب قبلہ و کعبہ مصطفوی چشتی رضی اللہ عنہ۔"

اتنے لمبے چوڑے القابات اور سابقے و لاحقے والے یہ شیعہ مصنف اخلاق و دیانت کے کس معیار پر تھے؟ اس کا اندازہ یہاں سے لگائیں کہ انہوں نے بخاری شریف کی مذکورہ روایت پر یوں حاشیہ آرائی کی ہے۔

''عرب کا دستور تھا کہ بعض ضرورتوں سے وہ مجمع عام میں بھی ننگے ہو جایا کرتے تھے۔ پھر اس میں حدیث جابر ابن عبداللہ دکھائی جس میں ذکر ہے کہ تعمیر کعبہ کی امداد کے وقت اپنے چچا عباس کے کہنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس مجمع عام میں ننگے ہو گئے تھے۔''

(تنزیہ الانساب، صفحہ نمبر ۸۳، طبع دوم)

یاد رہے کہ اس کتاب میں صفحہ بہ صفحہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی مقدس جماعت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر انتہائی بھونڈے اور غیر اخلاقی الزامات لگائے گئے ہیں۔ ہمارے پاس اس کتاب کا جو نسخہ ہے اس پر معروف شیعہ عالم علامہ حائری کی مہر لگی ہوئی ہے، امکان ہے کہ اس کتاب کی انہوں نے خود یا ان کے پسماندگان نے عکسی اشاعت کر کے اپنے تئیں ''اجر'' کمایا ہے۔ بہرکیف ہمارے مکتوب نگار کے جاننے والے شیعہ نے بھی اپنی کسی کتاب میں اسی قبیل کی خیانت دیکھی، تو مارے خوشی کے باچھیں کھل گئیں کہ اب ہم اہل سنت کو طعنہ دے سکیں گے، پیش کردہ معروضات کو پڑھ کر ہمارے قارئین اس خفیف العقلی کا بخوبی جائزہ لے سکیں گے۔ کوئی بھی انسان جب حق سے برگشتہ اور گمراہیوں میں سرگشتہ ہوتا ہے تو اس کو سنبھلنے میں ایک لمبا وقت درکار ہوتا ہے۔ پھر ساحل ہدایت بھی تب ملتا ہے جب وہ اس کا طالب صادق ہو۔ حق اور ہدایت اتنے ارزاں نہیں ہیں کہ نہ چاہنے والوں پر بھی ان کو مسلط کر دیا جائے۔ مذکورہ وضاحت پڑھ کر محترم بشیر احمد صاحب اور ہمارے قارئین کا مطمئن ہونا تو ان شاء اللہ یقینی ہے، اگر معترض شیعہ بھی خیر جانبدار ہو کر پڑھ لے تو امید ہے کہ انہیں تسلی نصیب ہوگی۔ بشرطیکہ نیت میں اچھائی ہو۔ کیونکہ دانشمندوں کا کہنا ہے کہ ''جس کی نیت میں اچھائی ہو لیکن زبان سے لغزش ہو جائے تو وہ اس آدمی سے بہتر ہے جس کی بات اچھی ہو مگر نیت میں لغزش ہو۔''

قارئین کرام! ان سوالات کا جواب چونکہ نہایت ضروری تھا، اس لیے ہم یزیدی فتنہ کے ضمن میں کیے جانے والے دو سوالات کو اگلی سطور پر چھوڑتے ہیں، ان میں سے ایک سوال یہ تھا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی تھی، کیا اس میں یہ شرط بھی تھی کہ وہ خلافت اولاد میں منتقل نہیں کریں گے؟ اور دوسرے نمبر پر یہ کہ کیا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی عین حیات میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنا جانشین بنا دیا تھا، یا وصیت کی تھی؟

## کیا حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ کو اپنا خلیفہ بننے کی وصیت کی تھی؟

یزیدیت کے بعض بھونڈے سخن ساز جب اہل تشیع کے اس اعتراض کا سامنا کرتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ نے یزید کو اپنا جانشین کیوں بنایا تھا؟ تو یہ آگے سے جھٹ کہہ دیتے ہیں ''پھر حضرت علیؓ نے بھی تو حضرت حسنؓ کو اپنا خلیفہ نامزد کر دیا تھا'' آج کل اس بات کو خوب پھیلایا جا رہا ہے تاکہ تشکیکات کے کانٹے زیادہ سے زیادہ پھیلائے جا سکیں۔ اور بعض اوقات اس زہر میں ایسی مٹھاس ڈال دی جاتی ہے کہ زہر ہونے کا گمان بہت دیر بعد ہوتا ہے۔ مثلاً حکم محمود احمد ظفر صاحب اپنی ایک کتاب کی ابتداء یوں کرتے ہیں۔

''سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے صاحبزادے تھے جو ان کی شہادت کے بعد مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے۔ اسلام میں یہ پہلا واقعہ تھا کہ باپ کے بعد بیٹا مسندِ خلافت پر متمکن ہوا۔ حالانکہ اُس وقت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جیسے کئی جلیل القدر صحابہ کرامؓ موجود تھے۔''

(سیدنا حسن بن علیؓ تاریخ کے آئینہ میں صفحہ نمبر ۷)

یہاں حکیم صاحب موصوف پلڑا برابر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ باپ کے بعد بیٹے کو جانشین بنانے کی ریت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ڈالی تھی..... یہی بات شیعہ لوگ کہتے ہیں کہ یزید سے بہتر لوگ جب موجود تھے تو اسے جانشین کیوں بنایا گیا؟ لہٰذا حضرت معاویہؓ پر برس جایئے اور اِدھر حامیانِ یزید نے کہا جب بڑے بڑے

صحابہ موجود تھے، تو حضرت حسنؓ جانشین کیوں بنائے گئے؟ لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ عمل غلط تھا۔ نتیجہ کیا نکلا؟ کہ شیعہ اور یزیدی دونوں اپنی اپنی نظریاتی بساط کے مطابق صحابہؓ کی عظمت کو مجروح کرنے کی اپنی سی کوشش میں مصروف ہیں..... اس کی ایک دوسری مثال بھی لگے ہاتھوں پڑھتے جایئے۔ جن لوگوں نے شیعیت کے قدیم و جدید لٹریچر کو پڑھا ہے، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ شیعہ مصنفین سیدنا حضرت ابو ہریرہؓ کا بڑا تمسخر اڑاتے ہیں کہ اُن کا کوئی اور کام کاج تو تھا نہیں، غربت وافلاس کی بناء پر در رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہ پڑے رہتے تھے (العیاذ باللہ) اور حکیم محمود احمد صاحب بھی اپنے دیگر یزیدی بھائیوں کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی غربت وافلاس کا نقشہ تحقیر آمیز انداز میں کھینچتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں۔

(۱) ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ جو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر نامدار تھے، قلاش اور نادار تھے اور سیدہ فاطمہؓ نے اپنی پوری زندگی قلاشی اور مُفلسی میں گذار دی''

(۲) علاوہ ازیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ سیدنا علیؓ کے سیدہ فاطمہؓ کے ساتھ تعلقات بھی اکثر کشیدہ رہتے تھے۔ چنانچہ اسی بناء پر ایک مرتبہ سیدنا علیؓ نے ابوجہل کی بیٹی جویریہ سے سیدہ فاطمہؓ کے ہوتے ہوئے نکاح کرنا چاہا''

(۳) سیدنا علیؓ سیدہ فاطمہؓ سے نکاح سے قبل بھی عُسرت وفلاکت کی زندگی گذارتے تھے۔ اُن کا زیادہ تر کام یہی ہوتا تھا کہ باغوں کے لیے آب کشی کرتے اور اس سے جو کچھ مزدوری مل جاتی، اس پر اُن کا گذارا تھا۔''

(۴) سیدنا علیؓ سیدہ فاطمہؓ کی وفات تک نہایت عُسرت وافلاک کی زندگی بسر کرتے تھے اور سیدہ فاطمہؓ کی اس زندگی کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارہ میں متفکر ہی رہتے تھے۔'' (سیدنا حسن بن علیؓ، صفحات ۱۵، ۱۸، ۱۹ مطبوعہ خلیقات، لاہور)

**تبصرہ**: مندرجہ بالا اقتباسات کو پڑھیے۔ اس سے بڑا بدنصیب، کم ظرف اور بداطوار طبقہ کون سا ہوسکتا ہے جو اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی غربت کو نشانہ مذاق بنائے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

یہاں شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ کا بار بار نام چومنے کو جی چاہتا ہے جنہوں نے ''منہاج السنۃ'' کی ابتداء میں ہی لکھا تھا کہ اُن سے بڑے خبیث قلوب کون سے ہو سکتے ہیں جن میں اس امت کے اخیار اور سادات (صحابہ کرامؓ) کے متعلق نفرت کے جذبات ہوں (۱) ایک عام مسلمان تو کجا' کسی بھی انسان کے ناگفتہ بہ مالی حالات کا تمسخر اڑانا شرعاً اور اخلاقاً مذموم فعل ہے، چہ جائیکہ غلامانِ رسول ﷺ کا استہزاء کیا جائے جن کے بغل کے پسینے پر سونا اور چاندی کی کانیں قربان کی جا سکتی ہیں۔ جن لوگوں کے شعور کو زنگ لگ جاتا ہے وہ اخلاقیات کی ساری حدیں پھلانگ جاتے ہیں۔ ہم یہ دعویٰ تو نہیں کرتے، مگر مختصر سی زندگی میں جو چار اوراق پڑھے ہیں' اُن سے یہی نتیجہ نکالا ہے کہ صحابہ کرامؓ کا مذاق اڑانے میں شقاوت و یزیدیت ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں..... اللہ تعالیٰ اہل سنت کو آباد رکھے کہ شیطان انہیں بھلاوے میں نہ ڈال سکا، یہ فسق و فجور کے ترازوؤں میں صحابہؓ کو نہیں تولتے۔ کہ جب فلاں صحابی موجود تھے، تو فلاں کو فلاں منصب کیوں سونپا گیا؟ محروم القسمت لوگ فلاں، فلاں اور فلاں کی بالکل بھلیوں میں پڑے رہتے ہیں اور خوش قسمت لوگ صحابہ کرامؓ کے جوتوں کو سلام پیش کر کے آگے بڑھ جاتے ہیں رحمہ اللہ ؎

خوشا وہ قافلہ جس کے امیر کی ہے متاع
تخیلِ ملکوتی وجذبہ ہائے بلند

قارئین کرام! یہ واضح کر دینے کے بعد کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی جانشینی کی وصیت کا زیادہ تر ڈھنڈورا یزیدی پیٹتے ہیں۔ ہم یہاں بحث کرتے ہیں کہ اس بات کا حقیقت سے کس حد تک تعلق ہے؟ اگر اہل تشیع کسی صحابی پر اعتراض کرتے ہیں تو اس کا یہ جواب نہیں ہوتا کہ ہم دوسرے صحابی پر تنقید کرنے بیٹھ جائیں۔ علم و ایمان اور تحقیق کے اصول اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتے۔ فرضی ڈاکٹر

(۱) (ومن اعظم خبث القلوب ان یکون فی قلب العبد غل الخیاء المؤمنین' وسادات اولیاء اللہ بعد النبیین (منہاج السنۃ النبویہ فی نقض کلام الشیعۃ والقدریہ" جلد اول صفحہ نمبر ۸ مطبوعہ لبنان

سیف الدین اُندلسی کے رسالہ ''واقعۂ کربلا حقیقت اور افسانے'' پر ہم پہلے تبصرہ کر آئے ہیں۔ اس میں بھی انہوں نے یہی لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد شیعیانِ کوفہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ وامیر منتخب کرلیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زخمی حالت میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو قائمقام امام مقرر کرکے اس طرف اشارہ فرمادیا تھا۔ بلکہ شیعہ مذہب کی معتبر کتاب ''کشف الغمہ فی معرفتہ الائمہ'' جلد نمبر ۱، ص ۵۳۰ میں تو یہ تک موجود ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنی زندگی میں اپنا ولی عہد اور وصی بنادیا تھا۔ (ص ۴)

## تبصرہ

یہ اہل تشیع کا نظریہ ہے، اہل سُنت کا نہیں جیسا کہ یزیدی مرتب نے بھی شیعہ کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ یہاں سے مزید مسئلہ نکھر گیا کہ حامیانِ یزید کا یہ کہنا کہ حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ کی جانشینی کی وصیت کی تھی، دراصل شیعیت کا چربہ ہے حامیانِ یزید کی تاریں کہیں نہ کہیں جاکر آخر رفض سے مل ہی جاتی ہیں۔ ان کی مصالحے دار باتیں سُننے اور پڑھنے کے بعد جب سرا تلاش کیا جاتا ہے تو وہ رفض وبدعت کے ہاتھوں میں نظر آتا ہے..... اہل سُنت والجماعت کے محققین فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب زخمی ہوئے تو آپ سے لوگوں نے کہا امیر المؤمنین اپنا کوئی جانشین تو مقرر فرمادیجیے۔ تو آپؓ نے فرمایا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چھوڑے ہوئے حال پر چھوڑتا ہوں۔ یعنی جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتاً ہاتھ پکڑ کر کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں فرمایا تھا، بلکہ صحابہ کرامؓ نے باتفاق رائے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو جانشینِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نامزد کیا۔ میں بھی صراحتاً کسی کو جانشین نہیں بناتا۔ تم اپنی صوابدید پر یہ معاملہ طے کرلینا..... البتہ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت جندبؓ نے پوچھا تھا کہ ہم آپ کے بعد حضرت حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلیں؟ تو حضرت علیؓ نے فرمایا، نہ میں تمہیں اس کا حکم دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں۔ (البدایہ ج ۷ ص ۳۲۷)

چنانچہ فخر المحققین مولانا محمد نافع صاحب مدظلہ "استخلاف کا مسئلہ" کے زیر عنوان رقمطراز ہیں رحمہ اللہ

"آنجناب ؓ کے استخلاف اور قائم مقامی کا مسئلہ تھا تو بعض حضرات نے عرض کیا کہ آنجناب اپنا خلیفہ مقرر فرمائیے۔ تو حضرت علی ؓ نے ارشاد فرمایا۔

"قالو فاستخلف علینا قال لا ولکف اترککم الی ماترککم الیه رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم" (کتاب المحبر، صفحہ ۲۹۴، ابی جعفر بغدادی)

یعنی میں اپنا خلیفہ مقرر نہیں کرتا لیکن میں تمہیں اس حالت پر چھوڑتا ہوں، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو چھوڑا تھا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اپنا نامزد خلیفہ مقرر نہیں فرمایا) اور بعض دیگر روایات میں اس طرح ہے کہ جندب بن عبداللہ نے آپ کی خدمت میں عرض کیا .....یا امیر المؤمنین ان مت نبایع الحسن؟ فقال لا امرکم ولا انهاکم، انتم البصر یعنی اے امیر المؤمنین اگر آپ کا انتقال ہو جائے تو ہم آپ کے فرزند حسن ؓ کے ساتھ بیعت خلافت کریں؟ تو آنجناب نے ارشاد فرمایا کہ میں نہ تم کو اس بات کا حکم کرتا ہوں اور نہ اس بات سے منع کرتا ہوں۔ تم خود اس بات کو جس طرح بہتر سمجھو۔" (سیرت سیدنا علی المرتضیٰ ص ۵۲۳)

معلوم ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے اپنا کوئی جانشین نامزد نہیں کیا تھا۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ شیعہ اور یزیدی اپنی اپنی جگہ اس موقف پر کیوں اڑے ہوئے ہیں؟ تو اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ اہل تشیع کو اپنے عقیدۂ امامت کی فکر ہے، کیونکہ ان کا نظریہ ہے کہ پہلے امام حضرت علی ؓ ہیں اور پھر حضرت حسن ؓ، وہ حضرت علی ؓ کی طرف در اصل یہ منسوب کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے منصب امامت حضرت حسن ؓ کو سونپ دیا (اب یہ الگ بات ہے کہ اُنہوں نے وہ منصب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سونپ دیا) لہٰذا امامت کی عمارت کو سہارا دینے کے لیے یہ نظریہ اپنانا ان کی مجبوری ہے۔ اور کسی بھی مجبور طبقے پر زیادہ سے زیادہ ترس ہی کھایا جا سکتا ہے۔ جبکہ حامیانِ یزید اس لیے زور دیتے ہیں تاکہ اس کی آڑ میں وہ اپنے ممدوح یزید کو بچا سکیں کہ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو جانشین بنایا تھا تو پھر

حضرت حسنؓ کو کس نے بنایا تھا؟ یہ دونوں طبقے اپنے اپنے بچاؤ کے چکر میں الٹی سیدھی ہانکتے رہتے ہیں۔ جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے وہ یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے طور پر پوری تسلی کر کے اور اہل سمجھ کر یزید کو امارت سپرد کی تھی، بعد میں اگر اس کے چہرے پر چیچک کے دانے ابھر آئے تو اس میں صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نیت کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اس کا ذمہ دار خود یزید ہے۔ اور حضرت علیؓ نے بھی اپنا جانشین کسی کو نامزد نہیں کیا تھا۔ لہٰذا کوئی اس قسم کی بات کہتا یا لکھتا نظر آئے تو اس کے فکری و نظریاتی پس منظر کو جانچ لینا چاہیے کہ اس کا اصل مرض کیا ہے؟

## حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ حضرت حسنؓ کی صلح اور شرائط

اس کی مکمل تفصیل کتب اہل سنت میں موجود ہے۔ خصوصاً نبراس میں علامہ عبدالعزیز فرہارویؒ اور اس سے قبل علامہ سعد الدین تفتازانیؒ نے اس پر مفصل بحث فرمائی ہے۔ ہر دو بزرگ اہل سنت کا اثاثۂ عظیم ہیں۔ لیکن یزیدی مزاج لوگ ان سے بدکتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ فسق یزید کے قائل تھے۔ بریلوی مکتب فکر کے معروف عالم مولانا عطاء محمد بندیالوی کہتے ہیں۔

''آج کل بعض نام نہاد اہل سنت بھی چونکہ یزید کی طرف داری کرتے ہیں اور حضرت علامہ تفتازانیؒ نے جو یزید کی شدید مذمت کی ہے تو یہ نام نہاد علامہ تفتازانیؒ پر اعتراض کرتے ہیں کہ علامہ شیعہ ہے یا کہ مائل بہ تشیع ہے اور اس پر کئی قرائن پیش کرتے ہیں۔ بندہ نے اسی مضمون میں دوسری جگہ پر ان کے قرائن کا رد کیا ہے۔ اب بندہ یہاں بھی موقع کی مناسبت کی وجہ سے ان کا رد کرتا ہے کہ علامہ تفتازانیؒ اتنا مستند اہل سنت ہے کہ علامہ سید محمود آلوسیؒ صاحب روح المعانی جو کہ حنفی المذہب ہے، یزید کے کفر اور لعنت شخصی کے مشکل ترین مسئلہ پر علامہ تفتازانی کے قول سے استدلال کر رہا ہے تو معلوم ہوا کہ علامہ تفتازانیؒ علامہ سید محمود آلوسیؒ سے بھی پکا اہل سنت ہے..... (عقیدۂ اہل سنت، صفحہ نمبر ۵۲)

بہرکیف تفصیلی بحث کے لیے سلف کی کتب کی طرف مراجعت فرمائیں۔

حضرت سیدنا امیر معاویہؓ اور سیدنا حضرت حسنؓ کے مابین ہونے والی صلح کی

وضاحت' تاریخ مصالحت یا مقاصدِ صلح پر محقق بے مثل مولانا محمد نافع صاحب مدظلہ' کی کتاب فوائد نافع جلد دوم کا مطالعہ نہایت فائدہ مند ہے۔ سیدنا حضرت حسنؓ نے سیدنا امیر معاویہؓ سے جو صلح کی تھی اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ وہ یہ خلافت اپنی اولاد میں منتقل نہیں کریں گے۔ چنانچہ علامہ عبدالعزیز فرہارویؒ اس سوال، کہ یزید کی امارت حضرت حسینؓ نے کیوں قبول نہ کی؟ کا جواب یہ دیتے ہیں لِاَنَّ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ رضی اللہ تعالی عنهما سَلَّمَ الْخِلَافَةَ اِلٰی مُعَاوِيَةَ رضی اللہ تعالی عنہ بِشَرْطِ اَنْ لَّا يَجْعَلَهَا فِيْ اَوْلَادِهٖ وَيَكُوْنَ الْاَمْرُ بَعْدَهٗ شُوْرٰى فِي الْمُسْلِمِيْنَ۔ (تبراس)

ترجمہ: ''حضرت امام حسنؓ نے جب خلافت امیر معاویہؓ کے سپرد کی تھی تو اس شرط پر سپرد کی کہ آنجنابؓ یہ منصب اپنی اولاد میں منتقل نہیں فرمائیں گے۔''

اب جب حضرت معاویہؓ نے یزید کو خلیفہ نامزد کیا تو حضرت حسینؓ کے پیش نظر وہ شرط صلح تھی' جس کی بناء پر آپؓ نے اُس کی امارت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ لیکن کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے وعدہ سے خلاف ورزی کی اور طے شدہ معاہدہ کے باوجود یزید کو جانشین بنا دیا؟ نہیں' ہرگز نہیں اس لیے کہ اہل سنت کا یہ نظریہ ہے کہ جب حضرت حسنؓ کا انتقال ہو گیا تو حضرت معاویہؓ کا موقف یہ تھا کہ ان کی وفات سے وہ شرط مفقود ہو گئی، یعنی ان کی رائے میں یہ شرط حضرت حسنؓ کی حیات تک منحصر تھی۔ معاملہ صرف یہاں تک ہوتا تو شاید بات آگے نہ بڑھتی بلکہ یہ اٹل حقیقت ہے کہ اگر معاملہ فقط یہاں تک ہوتا تو شیعیت کبھی کائنات ارضی پر وجود پذیر نہ ہوتی۔ کیونکہ اس فرقہ کا سبب پیدائش واقعہ کربلا ہے۔ ہر چند کہ عبداللہ بن سباء اس سے بہت پہلے پر پُرزے نکال کر اپنے انجام کو بھی پہنچ گیا تھا' تاہم اس امر کا انکار شاید ہی کوئی صاحب بصیرت کر سکے کہ اس فرقہ کی اصل تنظیم سازی سانحہ کربلا کے بعد ہوئی۔ کھری بات یہ ہے کہ سانحہ کربلا میں یزید کی ظالمانہ پالیسی نے شیعیت کو جنم دیا۔ نہ آلِ رسولؐ کی لق ودق صحراء میں جانے کی نوبت آتی، نہ یزیدی فوجیں تیغ آزمائی کرتیں اور نہ ان خونِ حسینؓ کے تاجروں سے امت کو واسطہ پڑتا۔

اس شرط سے حضرت حسینؓ اور حضرت معاویہؓ کی پالیسی کا اندازہ یا تقرر غائر لگایا جا سکتا ہے کہ دونوں اصحاب اپنی اپنی جگہ حق پر تھے۔ البتہ حامیان یزید کو نہ تو کوئی غرض حضرت معاویہؓ سے ہے اور نہ حضرت حسینؓ سے۔ شرف صحابیت کا احترام نہ رفض کے ہاں ہے اور نہ حامیان یزید کے۔ اس لیے وہ اس مذکورہ شرط کو بھی ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ حکیم محمود احمد ظفر صاحب جیسے بے لوث یزیدی کہتے ہیں کہ یہ شرط ''بعد کے ذہنوں کی پیداوار ہے۔'' (سیدنا حسنؓ ص ۸۵)

اور وہ اسے تاریخ کے رپورٹروں کی کارستانی قرار دیتے ہیں۔ نیز حکیم صاحب موصوف کہتے ہیں کہ چونکہ یہ شرط مسعودی' یعقوبی' وغیرہ مؤرخین کی کتب میں نہیں ملتی اس لیے صحیح نہیں۔

حالانکہ حافظ ابن عبدالبرؒ نے اپنی کتاب ''الاستیعاب'' تذکرہ سیدنا حسنؓ میں یہ شرط درج کی ہے اور علامہ عبدالعزیز فرہارویؒ جیسے ذمہ دار اور پھونک پھونک کر قلم چلانے والے ذی فہم عالم دین نے شہرہ آفاق کتاب ''العبر اس'' میں درج کی ہے۔ علامہ ابن عبدالبرؒ کا حوالہ حکیم صاحب نے بھی درج کیا ہے' مگر ساتھ ہی لکھا ہے کہ ''یہ بیان صحیح نہیں ہے'' حامیانِ یزید کے دائرۂ فکر کی تنگی دن بدن مزید تنگ ہوتی جا رہی ہے۔ اس لیے ان کی طبعی قساوت اور بھڑکیلے مزاج میں بھی شدت آتی جا رہی ہے۔ ہم پہلے بھی یہ دعویٰ کر آئے ہیں اور ایک بار پھر پیش قارئین کرتے ہیں کہ آج تک کوئی حامیٔ یزید آپ کو متحمل مزاج نہیں ملے گا۔ غصہ اشتعال' کرختگی' سب وشتم' فتویٰ بازی' منہ بسورنا' اور بھویں چڑھانا' حامیان یزید کا مونوگرام ہے۔

## حامیانِ یزید فتنۂ انکار حدیث کی دہلیز پر

آپ کو یہ جان کر از حد حیرت ہوگی کہ حامیانِ یزید اب انکار حدیث کی دہلیز پر قدم رکھ چکے ہیں۔ ہمارے رابطہ میں جتنے بھی یزیدی ہیں اب وہ برملا احادیث کا نہ صرف انکار کرتے ہیں بلکہ محدثین کو شیعیت سے متاثرہ قرار دینے کی بھی جرأت کرتے ہیں۔ یہاں لاہور میں یزیدی لوگ غلام احمد پرویز کی کتاب ''شاہکار

رسالت'' کی بھرپور اشاعت کر رہے ہیں۔ نئی نسل کو حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی عظمت و منقبت سمجھانے کے لیے انہیں پرویز کی اس کتاب سے بہتر اردو لٹریچر میں کچھ نہ نظر آیا۔ اسلاف کو محض گالیاں نہیں، غلظ ترین گالیاں دیتے ہیں۔ امام بخاریؒ سے لے کر حضرت مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ تک، اکابرین امت پر اس انداز میں لب کشائی کرتے ہیں کہ اس پر قلم کشائی کرتے ہوئے حیاء آتی ہے۔

اسلاف پر بداعتمادی کی دنیا کے اندر یہ بڑی اور پہلی سزا ہے جس کا شکار حامیانِ یزید ہو چکے ہیں کہ اب وہ اثاثہ حدیث سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ وہ یزیدی جو کبھی حدیث قسطنطنیہ سے یزید کی منقبت ثابت کیا کرتے تھے اور کبھی سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع کی آڑ میں اپنے ممدوح کی مدح سرائی کرتے تھے۔ اب وہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی اور فرامین نبوت سے بھی برگشتہ ہو چکے ہیں۔ یہ بات ہم سنی سنائی نہیں کہہ رہے ذاتی تجربے اور کئی ایک یزیدیوں کے ثقہ ذرائع سے حالات جان کر تحریر کر رہے ہیں کہ انکار حدیث کا جدید فتنہ اب حامیان یزید کی صورت میں گمراہی پھیلا رہا ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں جو لوگ فتنہ انکار حدیث کی تاریخ پر گہری نظر رکھتے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ ہر زمانہ کے اندر اس فتنہ نے زمانے کے تقاضوں کے مطابق پَر پُرزے نکالے ہیں۔ سرسید احمد خان کے انکار حدیث کا انداز کچھ اور تھا، پھر ۱۸۹۵ء سے لے کر ۱۹۱۴ء تک غلام نبی المعروف عبداللہ چکڑالوی نے جب اس فتنے کو تنظیمی شکل دی اور ''اہل قرآن والذکر'' کا نام دیا تو اس کا اسلوب کچھ اور تھا۔ بعد ازاں مستری رمضان، مولوی حشمت علی، احمد الدین امرتسری اور اسلم جیراجپوری نے اس کو نیا روپ دیا۔

غلام احمد پرویز نے زبان و بیان کی چاشنی کا سہارا لے کر اس کا زہر پھیلایا تو بڑے بڑے برج گر گئے۔ بہت دیر بعد عوام کی آنکھیں کھلیں کہ یہ تو وہی سرسید اور چکڑالوی صاحبان والی بولی ہے۔ اور اب پچھلے کئی سالوں سے جاوید احمد غامدی صاحب نے اپنا الگ کیمپ لگا رکھا ہے۔ دورِ حاضر کے یزیدی اپنے حلقۂ احباب کو جیراجپوری اور

پرویز کی تفاسیر پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ ان کی نجی محافل میں اسلاف امت پر بھرپور تبرا ہوتا ہے تبرا کرنے میں شیعوں اور یزیدیوں میں گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔

ہمیں اسی کا خدشہ تھا اور اسی کے پیش نظر ہم کئی سال سے جگر پگھلا رہے ہیں کہ یزید کی حمایت انکار حدیث کا پیش خیمہ ہوسکتی ہے۔ اور یہ وہم ہمیں اس لیے تھا کہ پہلے اس فتنہ کے کار پرداز ان کی فکر کتابوں تک محدود تھی اب باقاعدہ دعوتی وتبلیغی نیٹ ورک موجود ہے اور انٹرنیٹ اس فتنے کی اشاعت کا بڑا ذریعہ ثابت ہوا ہے۔ وگرنہ انکار حدیث کی زہریلی بدبو محمود احمد عباسی، نذیر احمد شاکر اور حکیم فیض عالم صدیقی کی کتب میں بہت پہلے سے موجود ہے۔ حکیم فیض عالم نے تو جلیل القدر محدث امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت امام بخاریؒ کو معاذ اللہ "مرفوع القلم" قرار دیا تھا۔

(ملاحظہ ہو "صدیقہ کائنات" ص ۱۱۳)

لیکن اب ایک بار پھر حامیانِ یزید انفرادی اور شخصی دائرے سے نکل کر جماعتی اور تنظیمی حیثیت سے سامنے آرہے ہیں۔ اور اب ان کا موضوع محض حمایت یزید نہیں ہے، بلکہ انکار حدیث ہے، جن حضرات کو یزیدیوں سے پالا نہیں پڑا وہ ہماری اس بات کو دیوانے کی بڑ قرار دیں گے۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ ان شاء اللہ بہت جلد مطلع صاف ہو جائے گا اور ارباب عالم ودانش یہ فیصلہ دیں گے کہ واقعی جن لوگوں کو ہم تاریخی مریض قرار دیتے آئے ہیں وہ دراصل عبداللہ چکڑالوی کی فکری و نظری اولاد ثابت ہوئی۔ یہ حضرت امام عالی مقام سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی بے ادبی، دوسرے لفظوں میں شرف صحابیت کے عدم احترام کی وجہ سے اللہ رب العزت کی غیبی لاٹھی ہے جو حامیانِ یزید کو صراط مستقیم سے ہٹا لے گئی، اللہ تعالیٰ ہمیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت وتوقیر سمجھنے، سمجھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین ⑪

## ایک حدیث اور شارحینِ حدیث کا فیصلہ:

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے

مجھے آواز دی، میں نے کہا غلام حاضر ہے، آپ حکم فرمائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے ابوذر اس وقت تیرا کیا حال ہوگا جب تو حرہ کے پتھروں کو خون میں ڈوبا ہوا دیکھے گا۔

(عن ابی ذر قال قال النبی ﷺ یا اباذر قلت لبیک وسعدیک قال کیف انت اذا رایت احجار الذیت قد غرقت بالدم ابو داؤد ص ۵۸۵، مشکوۃ ۴۵۵)

شارح مشکوۃ ملا علی قاریؒ اس حدیث کے تحت ارشاد فرماتے ہیں:

''فتنہ ثانیہ سے مراد وہ حرہ کا وقوعہ ہے جو یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں پیش آیا جب ۶۳ھ میں مسلم بن عقبہ کے زیر کمان مدینہ پر حملہ کیا گیا۔ اس شامی لشکر کے ہاتھوں مدینہ منورہ کو غارت کیا گیا۔ اہل مدینہ کو قتل کیا گیا جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین عظام بھی تھے حتیٰ کہ حدیبیہ کے مقام پر حضور ﷺ کے رحمت والے ہاتھوں پر بیعت رضوان کرنے والوں میں سے کوئی ایک بھی نہ بچا(۱)۔

ہم یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یزید صرف امام حسین رضی اللہ عنہ کا ہی قاتل نہیں بلکہ وہ واقعہ حرہ میں بیعت رضوان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قاتل بھی ہے۔ قاتل صحابہ کی مدح سرائی کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی ﷺ کی احادیث سے محروم کر دیا ہے، کیا اب بھی آنکھیں کھولنے کا وقت نہیں آیا؟

## نظری تطہیر کی ضرورت

پاکستان میں دیوبند، بریلوی اور اہل حدیث تین بڑے مسالک ہیں اور اس وقت ان تینوں کو اپنی نظری تطہیر کرنے کی ضرورت ہے۔ دیوبندی مسلک سے خارجی فتنے کا ظہور ہوا، جس کی بھرپور تردید ہوئی، علمی تعاقب ہوا اور خارجی فتنہ

(۱) (ثم وقعت فتنة الثانیه یعنی الحره فلم یبق من اصحاب الحدیبیة احد فی النهایه کانت الوقعة المشهورة فی الاسلام ایام یزید بن معاویه لما انتهب المدنیة عسکره من اهل الشام الذین ندبهم لقتال اه دالمدنیة من الصحابته والتابعین وامر علیهم مسلم بن عقبه فی ذوی الحجه سنة ثلاث وستین فلم یبق من اهل بیعت الرضوان (مرقاۃ شرح مشکوۃ جلد ۱۰ ص ۱۳۸)

نے عبرت ناک پسپائی اختیار کی۔ جب ان کا اعتماد علماء دیوبند پر نہ رہا تو لامحالہ انہیں دیوبندی کہلوانے کا حق بھی نہ رہا۔ اسی طرح بریلوی مسلک سے ''تفضیلی'' پیدا ہورہے ہیں، یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرات شیخین پر فضیلت دینے والا گروہ ظاہر ہوچکا ہے۔ بظاہر اس تفضیلی گروہ کے بانی ڈاکٹر طاہر القادری ہیں، جو ابتداءً مولانا کہلواتے تھے، پھر علامہ کہلوانے لگے۔ آج کل ڈاکٹر اور شیخ الاسلام کہلوا کر اپنے مضطرب من کو تسکین دینے کی کوشش فرمارہے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب اہل تشیع کی مجلسوں میں بے تکلف خطاب کرتے رہے، ایمان ابوطالب پر شیعوں کی ہمنوائی کی، حضرات شیخین رضی اللہ عنہما یا دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر لب کشائی تو نہیں کی، تاہم وسیع تر تعلقات کے پیش نظر ''تفضیلیت'' کا شکار ہوگئے۔ اس کے بعد تو ایک آندھی چل پڑی ہے..... بریلوی مسلک میں جانبین سے کئی ایک کتب شائع ہوچکی ہیں اور تاحال یہ سلسلہ جاری ہے۔ عبدالقادر گیلانی اور ظہور احمد فیضی اسی قبیل کے لوگ ہیں۔ تیسرے نمبر پر اہل حدیث حضرات ہیں، ان میں آج کل ''منکرین حدیث'' پیدا ہورہے ہیں۔ پڑھے لکھے اہل حدیثوں میں منکرین حدیث تو پچھلی صدی میں کئی ایک پیدا ہوئے۔ سرسیّد احمد خان، عبداللہ چکڑالوی، اسلم جیراجپوری وغیرہم اس کی واضح مثالیں ہیں اور ''جماعت المسلمین'' کے نام سے احادیث بیزار طبقہ بھی بنیادی طور پر ''اہل حدیث'' ہی سے متعلق ہے۔ لیکن آج کل عوام الناس میں عام لوگ بھی بخاری و مسلم کی احادیث پر طبع آزمائی کرتے نظر آرہے ہیں اور ان کا مسلکی وفکری رشتہ مسلک اہل حدیث کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان حالات میں حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسینؒ کی دعوت اور موقف، خیر کی طرف بلا رہا ہے کہ اہل سنت کو سُنی مذہب سمجھایا جائے۔ وگرنہ لوگ یونہی بکھرتے اور ٹوٹتے رہیں گے..... فوری طور پر تو ان تینوں مسالک کے علماء کو چاہیے کہ وہ فی الحال اپنے اپنے حلقہ کی تطہیر کریں۔ تاکہ خارجی تفضیلی اور منکرین حدیث تو کم از کم امت میں پیدا نہ ہوں۔

ہم نے جب انکشاف کیا تھا کہ اب یزیدی لوگ بھی انکار حدیث کی طرف

مائل ہورہے ہیں کیونکہ اکھڑ، بدمزاج اور متلون طبع لوگ کسی وقت کسی کی گود میں بھی گر سکتے ہیں، تو ہمارے اس انکشاف پر تقریباً ہر سمت سے تائید آئی ہے، حامیانِ یزید چونکہ احساس تفاخر میں مبتلا رہتے ہیں اور خود ساختہ احساس تفاخر انسان کو اپنی مٹی سے بہت دور پھینک دیتا ہے۔ حامیانِ یزید اکثر و بیشتر اس بات پہ زور دیتے ہیں کہ واقعہ کربلا میں حادثہ شہادت کے وقت یزید موجود نہیں تھا، ہم اس کا تفصیلی جواب پہلے دے آئے ہیں اور بار بار تکرار کی ضرورت نہیں ہے لیکن اس بات کا اعادہ ضروری سمجھتے ہیں کہ یزید کے سر پر صرف خونِ حسین رضی اللہ عنہ ہی نہیں، بلکہ واقعہ حرہ میں بے شمار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت اور مدینہ منورہ کی بے حرمتی کا الزام بھی ہے۔ مدینہ طیبہ کی اہانت کے بعد یزید کس قدر خوش ہوا؟ یہ ہم بعد میں ذکر کریں گے، پہلے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرمان عالی شان سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کیجیے۔ ارشادِ نبوت ہے۔

''جب کبھی زمین میں کوئی برائی ہوتی ہے، اور بالفرض کوئی آدمی وہاں موقع پر موجود ہو، مگر اس برائی کو بُرا سمجھے، اور نفرت و بیزاری کا اظہار کرے تو ایسا ہے، جیسے وہاں تھا ہی نہیں (گویا گناہ میں شریک ہی نہیں تھا) لیکن جو شخص اس برے وقوعہ کے وقت موجود نہ بھی ہو، اور اس کا ذکر سننے کے بعد اس کو اچھا جانے اور خوش ہو تو گویا وہ وہاں برائی میں شامل تھا۔'' (ابو داؤد شریف، ص ۵۱۵)

اب اس اصول کو پیشِ نظر رکھیں اور یزید کا کردار ملاحظہ کریں، علامہ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ جب یزید کو مسلم بن عقبہ اور اس کی فوج کے ہاتھوں مدینہ منورہ کی اہانت اور اہل مدینہ پر ہونے والے مظالم کا پتہ چلا تو ''فرح بذلک فرحاً شدیداً یعنی وہ بے انتہا خوش ہوا۔ (البدایہ والنہایہ، جلد نمبر ۸، ص ۲۲۴)

فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں چونکہ یزید ان واقعات میں خود شامل نہ تھا، لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قتلِ عام سُن کر خوش ہوا تو گویا وہ اس جرم میں برابر کا شریک ہوگیا۔ یہاں یہ پیشِ نظر رہے کہ مذکورہ حدیث عمومی ہے، بادشاہِ وقت کا تو حکم چلتا ہے، اس کا موقع پر موجود ہونا شرط ہے نہ ضروری، سانحہ کربلا ہو یا واقعہ حرہ ہو،

ان کا مرکزی مجرم یزید ہے۔ اب یزید کی حمایت گویا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مخالفت ہے۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مخالفت کرنے والا کون ہوتا ہے؟ علامہ عبدالوہاب شعرانی حنفی (متوفی ۹۷۳ھ) سے سنیے:

فمن طعن فی الصحابۃ فقد طعن فی نفس دینہ

ترجمہ: جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر طعن کرتا ہے وہ گویا اپنے دین پر طعن کرتا ہے۔

(الیواقیت والجواہر، جلد ۲، ص ۳۲۳)

## خواجہ حسن نظامی کی کتاب ''یزید نامہ''

خواجہ حسن نظامی نثر نگاری میں جتنے خوش نام ہیں، نظریاتی اعتبار سے اُتنے ہی بدنام..... مذہب، تحقیق، تاریخ اور وسعت قلبی کا سہارا لے کر جوش ملیح آبادی، نیاز فتح پوری اور خواجہ حسن نظامی نے مسلم نوجوانوں کو جتنا برباد کیا اس کی مثال کم از کم براعظم ایشیا میں نہیں ملتی۔ اسلام کے مقابل جتنے فرقے وجود میں آئے یہ کسی نہ کسی رنگ میں ان فرقوں کی حمایت کرتے رہے اور ان کا بدقسمت قلم کبھی اسلام کی ترجمانی یا دفاع نہ کر سکا۔ قلم تو دل و دماغ کا نمائندہ ہوتا ہے۔ جو کچھ انسان کے نہاں خانہ خمیر میں ہوتا ہے، یہ وہی کچھ اُگل کر رکھ دیتا ہے۔ ایک زمانہ میں یہ خواجہ صاحب عبداللہ چکڑالوی کے نظریۂ انکار حدیث سے بھی متاثر ہو بیٹھے تھے۔ علماء کرام نے اس وقت ان کا خوب تعاقب کیا تھا، خصوصاً ماہ نامہ ''شمس الاسلام'' بھیرہ میں تواتر کے ساتھ مولانا ظہور احمد بگویؒ کے مقالات شائع ہوتے رہے۔ چنانچہ ۱۹۳۲ء سے لے کر ۱۹۴۳ء تک کے مختلف پرچوں میں مولانا بگویؒ کے چند ایک مضامین کے نام یہ ہیں:

(۱) خواجہ حسن نظامی کی حقیقت، (۲) حسن نظامی اور ان کے حواریوں کا مذہب، (۳) حسن نظامی اپنے اصلی روپ میں (۴) سرکاری ولی (خواجہ حسن نظامی) چکڑالویت کے رُوپ میں..... نیز مولانا محمد اکرم دھنولویؒ کا ایک مقالہ ''خواجہ حسن نظامی کا مذہب'' وغیرہم۔

ایک وقت ایسا بھی آیا کہ خواجہ صاحب نے قادیانیوں کی حمایت شروع کر

دی، تب مولانا ظہور احمد بگویؒ کا ایک مضمون ''خواجہ حسن نظامی کی سر ظفر اللہ قادیانی کی تعریف'' کے نام سے شائع ہوا تھا۔ پھر خواجہ صاحب شیعیت کی گود میں جا گرے اس وقت امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ ، رئیس المناظرین ابوالفضل مولانا محمد کرم الدین دبیرؒ اور دیگر علماء کرام نے ہندوستان کے مختلف رسائل و جرائد میں ان کے خلاف مضامین لکھے، مولانا ظہور احمد بگویؒ نے بھی دو مزید مضامین بنام ''حسن نظامی کی تفضیلی شیعیت'' اور ''خواجہ حسن نظامی کی مطبوعات کے بائیکاٹ کا اعلان'' سپرد قلم کیے تھے۔ اس صورت حال سے آگاہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس قسم کے متلون مزاج انسان کی تحقیقی یا علمی حیثیت اس معیار کی نہیں ہوتی کہ اسے بطور حوالہ کہیں پیش کیا جا سکے۔ خواجہ حسن نظامی کی ایک کتاب ''یزید نامہ'' کا آج کل بڑا چرچا ہے۔ انہوں نے پہلے ۱۳۳۵ھ میں خشک و تر مضامین سے لبریز ایک کتاب ''محرم نامہ'' لکھی تھی، اس کے بعد ''یزید نامہ'' تحریر کی۔ یہ کتاب اہل تشیع ہی شائع کرواتے رہے اور اب بھی شیعہ مکتبوں پر پائی جاتی ہے۔ ہمارے پیش نظر ''یزید نامہ'' کتاب ''مکتبہ کاظمیہ'' شاہدرہ ٹاؤن لاہور کی شائع شدہ ہے اور یہ مکتبہ ماضی میں فرقہ وارانہ اور اشتعال انگیز کتب چھاپنے میں معروف رہا ہے۔ مذکورہ کتاب سو فیصد شیعہ نظریات کی ترجمان ہے۔ اہل سنت اگر فسق یزید کے قائل ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جہاں کہیں یزید کے خلاف کوئی عنوان نظر آئے، وہاں کھڑے ہو کر تالی بجادی جائے اور مندرجات پر غور کیے بغیر بے لگام مصنف کو اپنے کھاتے میں ڈال دیا جائے۔

افراط و تفریط ایک مرض مزمن ہے، یعنی ٹھہرا ہوا اور لاعلاج مرض! سُنی مذہب اعتدال کا نام ہے، ہمارے اسلاف نے دائرہ اعتدال میں رہ کر حق و صداقت کو متعارف کروایا ہے..... آج تک کسی سنی عالم دین نے فسق یزید کا نظریہ پیش کر کے صحابیٔ رسول حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک ذرہ برابر بھی بے ادبی نہیں کی، ماضی قریب میں مولانا سید لعل شاہ بخاری نے جب ضخیم کتاب ''استخلاف یزید'' لکھی تو اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات والا بابرکات کے متعلق بعض غیر ذمہ دارانہ عبارات

بھی تھیں، قائد اہل سنت حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسینؒ نے اپنی منفرد تصنیف ''خارجی فتنہ'' میں اس پر گرفت کی تو شاہ صاحب کے ایک شاگرد نے ''کھلی چٹھی'' کے نام سے ایک تحریر بنا کر اپنے استاذ اور ممدوح کا تحفظ کرنا چاہا تو حضرت اقدسؒ نے اس کے جواب میں ایک کتاب ''دفاع معاویہ رضی اللہ عنہ'' لکھی اور یہ ثابت کیا کہ اہل سنت والجماعت اگرچہ یزید کو فاسق ہی جانتے ہیں، مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام کو اپنی پلکوں پر سجاتے ہیں اور ان کے دفاع کو اپنا شرعی و ایمانی فریضہ سمجھتے ہیں..... جب کہ خواجہ حسن نظامی کی مذکورہ کتاب ''یزید نامہ'' میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے حد گستاخی کی گئی ہے تو یہ کتاب ہمارے موقف کی مؤید بھلا کب اور کیسے ہوسکتی ہے؟ ہم اس کتاب کے بعض اقتباسات نذر قارئین کرتے ہیں، تاکہ ہمارے قارئین کی آنکھیں کھل جائیں کہ خواجہ حسن نظامی کا یہ یزید نامہ دراصل تبرا نامہ ہے جو انہوں نے صحابیٔ رسول کے ساتھ بغض وعداوت میں رافضیت کو خوش کرنے کے لیے لکھا ہے۔ یزید کے خلاف اہل سنت نے علمی طور پر جو کچھ لکھ دیا ہے وہ اہل بصیرت سے مخفی نہیں ہے۔ اہل تشیع ہمارے ہزاروں تحقیقی صفحات میں سے تو ایک صفحہ بھی قبول نہیں کرتے۔ جب کہ خواجہ صاحب کی اس کتاب کو اپنے خرچے پر شائع کرتے ہیں تو ضرور دال میں کچھ کالا کالا ہے۔ اور وہ یہی ہے کہ اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق دریدہ دہنی کی گئی ہے۔ اس کے اقتباسات پڑھ کر حقیقت کی تہہ تک پہنچنا کوئی مشکل نہیں رہتا۔

## خواجہ حسن نظامی کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں بے ادبی

گزشتہ سطور میں ہم نے خواجہ حسن نظامی کتاب ''یزید نامہ'' پر تبصرے کا کچھ حصہ پیش کیا تھا اور سُنیت سے چکڑالویت، چکڑالویت سے قادیانیت اور پھر قادیانیت سے شیعیت کے فکری سفر کی ایک جھلک دکھائی تھی۔ ایسے متلون طبع لوگ جب تحقیق کے میدان میں اپنا مریل اور لاغر گھوڑا ڈالتے ہیں تو ایک نیا فتنہ وجود میں آجاتا ہے۔ خواجہ صاحب کی نثر نگاری اور اردو ادب کی ایک دنیا قائل ہے مگر یہ

چیزیں مذہبی و تحقیقی مزاج سے بالکل مطابقت نہیں رکھتیں۔ انسان کا عقیدہ، فکری طہارت اور منصفانہ مزاج ہی اس کی بقاء وعزت کا ضامن ہوتا ہے۔

''یزید نامہ'' کتاب شیعہ مکتبوں سے شائع ہوتی آ رہی ہے اور اب اس کا تازہ ایڈیشن بھی شیعوں نے شائع کیا ہے۔ اگر اہل سنت والجماعت فسق یزید کے قائل ہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جہاں کہیں کوئی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یا خاندان بنو اُمیہ کے دوسرے پارسا اصحابؓ و اولیاء (حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ یا حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ) کی پگڑیاں اُچھال کر یزید کی مذمت کرے تو ہم اسے گلے سے لگالیں قطعاً نہیں۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یا کسی بھی صحابی کے پسینے پر بیٹھنے والی مکھی پر بھی آج کے ادیبوں، اور نثر نگاروں کو قربان کیا جاسکتا ہے۔ ہم تو یزید کو بھی اس لیے قبول نہیں کرتے کہ وہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم (حضرت حسین رضی اللہ عنہ) کے مقابل آ کھڑا ہوا تھا، کسی بھی انسان کی حرماں نصیبی کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ کسی صحابی پر ٹیڑھی نگاہ ڈالے، چہ جائیکہ اُن کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ کر خالق ومخلوق کی نظروں سے ہمیشہ کے لیے گر جائے۔

خواجہ حسن نظامی نے اپنی اس کتاب میں سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں انتہا درجہ کی بے ادبی کی ہے۔ بغیر کسی جرح وتبصرہ کے ہم اس کے چند اقتباسات پیش قارئین کرتے ہیں۔

خواجہ حسن نظامی ''امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سیاسی جرائم'' کی سرخی دے کر لکھتے ہیں:

''اگر معاویہ نہ ہوتے تو آج تمام دنیا کا جمہوری قانون، اسلامی جمہوریت کے ماتحت ہوتا۔ معاویہ نے مسلمانوں کے سیاسی فروغ کو، جو اصول مساوات کی بجلیوں کے ساتھ تمام افق کائنات پر چمکنا چاہتا تھا۔ نفسانیت کے بادلوں میں دبا دیا اور چھپا دیا۔ آج معاویہ زندہ ہوتے تو ہندوستان کے بنگالی ان پر گولی چلاتے، یورپ کے سوشلسٹ (اشتراکی) ان کو ملیامیٹ کر دینے کی کوشش کرتے اور اگر وہ زندہ نہیں ہیں تو نہ سہی، ان کے اعمال و افعال تاریخوں میں زندہ ہیں، جن کو جمہوریت کے تمام فدائی اور حریت کے کل شیدائی قیامت تک نفرت وحقارت سے یاد کریں گے اور مسلمانوں کا حزب الاحرار اپنی نئی

نسلوں کو اس عدوئے مساوات کی دشمنی ورثہ میں دیا کرے گا۔ امیر معاویہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے اربعہ کے تمام اصولِ جمہوری کو توڑ ڈالا، اور کوئی تسمہ آزاد رائے کی گردن میں باقی نہ رکھا۔ اپنے بیٹے یزید کی بادشاہت بطور ورثہ کے انہوں نے قائم کی۔ مگر جناب معاویہ کے سیاسی جرائم کی فہرست بہت طویل ہے۔'' (یزید نامہ ص ۹۸، ۹۹)

''امیر معاویہ کی تمدنی خطائیں'' کی سرخی دے کر لکھتے ہیں:

''امیر معاویہ نے تمدن کی بربادی کے دونوں حصوں سے جی لگایا، انہوں نے عرب کی سادہ اور کم ضروریات کی زندگی کو مکلف اور بے انتہا ضروریات کی زندگی بنا دیا اور اشیائے دنیا سے محبت کر کے خلقت کو رغبت دلائی کہ وہ بھی ان متغیر اور یکساں نہ رہنے والی چیزوں سے محبت کریں۔'' (ایضاً ص ۱۰۲)

عطاء حسنی کی ''علی الایام'' ایک غیر معروف، نری مجہول اور نامعقول سی کتاب کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''عید کی اذان بھی معاویہ کی ایجاد ہے اور تکبیر کی کمی بھی پہلے انہوں نے جاری کی تھی''

(ایضاً، ص ۷۳)

خواجہ حسن نظامیؒ کی شقاوتِ قلبی کی انتہا یہ ہے کہ انہوں نے سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا قاتل بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو قرار دیا ہے، یعنی ان کو زہر دلوا کر مار دیا گیا تھا۔

قارئین کرام! آپ مندرجہ اقتباسات پڑھ کر اندازہ کر سکتے ہیں کہ خواجہ صاحب بغض معاویہ رضی اللہ عنہ کے کتنے بڑے مریض تھے۔ بایں ہمہ ان کے ڈھیٹ پن کا اندازہ لگائیں کہ اپنے متعلق لکھتے ہیں:

''میں سُنی ہوں..... میں شیعہ مذہب کے اصول کو تسلیم نہیں کرتا'' (ص ۴۰)

فرمایئے! شیعیت کسے کہتے ہیں؟ جو زبان ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اہل تشیع استعمال کرتے ہیں، وہی کچھ خواجہ حسن نظامی کا قلم اُگل گیا۔ اس کے باوجود خود کو سُنی سمجھنا بہت بڑی خود فریبی ہے۔ سُنیت نام ہے، اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم

کی تعظیم کا، محبت کا اور والہانہ عشق و عقیدت کا، اور ''شیعیت'' نام ہے اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی و بے توقیری اور بغض و عناد کا..... جو شیعہ کہلوا کر صحابہ کا ادب کرتا ہے اس کی شیعیت مشکوک ہے اور جو خود کو سُنی کہلوا کر صحابہ رضی اللہ عنہم کی بے ادبی کرتا ہے اس کی سُنیت محل نظر ہے۔ یہی تاریخ کا فیصلہ ہے۔ کسی سُنی کی زبان و قلم کی بے احتیاطی سے کوئی ایک آدھ جملہ ایسا سرزد ہو جائے جس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی عظمت پر حرف آ رہا ہو تو اس کی تاویل بھی کی جا سکتی ہے اور قائل کی مُراد پر بھی غور و فکر کی گنجائش نکالی جا سکتی ہے۔ مگر صراحتاً اور بار بار، صفحہ بہ صفحہ کسی صحابی پر طنز کرنے والا اہل سنت کی صفوں میں جگہ نہیں پا سکتا۔ یہی آفاقی اور دائمی اصول چلا آ رہا ہے یزید کے فسق و فجور پر پوری امت کا اتفاق ہے۔ مگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے ادبی کر کے نہیں، یزید کی حمایت میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی توہین ہو یا یزید کی شدید مخالفت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی گستاخی! گمراہی ہے، یقیناً گمراہی ہے، آیئے سُنی موقف کے سایہ میں آ جایئے! اعتدال زندہ قوموں کا شعار ہے اور بے اعتدالی کھانے میں ہو تو معدے کی تباہی ہے، فکر و نظر میں ہو تو دماغ کی تباہی ہے۔

اس لیے ہم یہ کہتے آ رہے ہیں کہ شیعہ ہوں، یا خارجی، ناصبی ہوں یا یزیدی، یہ طبعاً غصیلے مزاج کے ہوتے ہیں۔ جہاں اعتدال ہو وہاں تحمل ہوتا ہے اور جہاں بے اعتدالی ہو، وہاں غصہ، نفرت، اور گالیاں ہوتی ہیں۔ غیر صحابی پر ہمارے اسلاف صحابی کو کس حد تک ترجیح دیتے تھے؟ ایک حوالہ ملاحظہ فرمالیجیے۔

امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا تھا کہ فلاں آدمی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھتا ہے کیا یہ صحیح ہے؟ آپ نے فرمایا:

لاتجالسہ و لاتؤاکلہ و لاتشاربہ و اذا مرض فلاتعدہ۔

''اس کے ساتھ مت بیٹھو، مت کھاؤ، مت پیو اور اگر وہ بیمار ہو جائے تو عیادت بھی مت کرو'' (طبقات الحنابلۃ، جلد نمبر ۱، صفحہ نمبر ۳۰۱)

ایک شیعہ مصنف نے کافی عرصہ پہلے اپنے ایک مطبوعہ پمفلٹ میں شیعہ مصنفین سے یہ شکوہ کیا تھا کہ:

''میں جناب غلام حسین صاحب (نجفی) ودیگر شیعہ صاحبان کی خدمت میں عرض کروں گا کہ چند خارجی عقائد کے لوگوں کی تحریر وتقریر کی بناء پر تمام اہل سنت کو مطعون کرنا کونسا انصاف ہے؟''

مزید لکھتے ہیں:

''میں تو کہتا ہوں وہ سنی نہیں جس کے دل میں محبت اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم نہ ہو''

اور یہ بھی تحریر کیا کہ رحمہ اللہ

''خارجی عقائد والے حضرات اپنے کو اہل سنت ہی کہتے ہیں، حالانکہ دونوں کے عقائد میں بہت فرق ہے، ان شاء اللہ حق آج نہیں، تو کل آشکارا ہو کر رہے گا۔'' (بحوالہ، تاریخ کا ایک المیہ، صف ۲۲، ۲۴ سید شجاع الدین دہلوی، مطبوعہ، علی پبلی کیشنز، پوسٹ بکس ۵۳۹۵ کراچی)

یہ ایک شیعہ قلمکار کی آواز ہے۔ اس کتابچہ کے باقی مندرجات وہی ہیں، جو کسی شیعہ کے ہو سکتے ہیں۔ یعنی اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر تبرا اور بالخصوص سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی گستاخی، مگر اتنا تو ماننے پر وہ بھی مجبور ہیں کہ خوارج کے نظریات اہل سنت والجماعت پر تھوپ کر انہیں مطعون کرنا انصاف کا خون کرنا ہے۔ حمایت یزید بھی انہی لوگوں نے کی جو اہل سنت کی شاہراہِ اعتدال سے اتر گئے۔ بعض لوگ تو کھلم کھلا یزید کی حمایت کرتے ہیں اور سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی بے ادبی تک کرنے سے نہیں چوکتے۔ لیکن کچھ محتاط طبیعتیں ایسی بھی ہیں کہ جو بڑے لطیف باریک اور غیر محسوس انداز میں کسی صحابی پر وار کر جاتی ہیں۔ وہ نہ تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں کوئی غیر مؤدبانہ جملہ کہتے ہیں اور نہ ہی سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی توہین کرتے ہیں۔ یزید کو علانیہ فاسق وفاجر تسلیم کرتے ہیں، مگر اس کے باوجود بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر، یا پھر کمالِ مہارت سے وہ ایسا خفیہ وار کرتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اسی قسم کے ماہرین اگرچہ انگلی کے پوروں پر ہی گنے جا سکتے ہیں، لیکن جو ہیں اُن سے کم از کم اہل علم کو تو مطلع رہنا چاہیے۔ تقی رضا رضوی علیگ کی ایک عبارت آپ ملاحظہ فرمائیں۔

''یزید بلاشبہ ایک مسلمان تھا، فاسق اور ظالم تھا لیکن اس نے امیر

معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیر اثر پرورش پائی تھی، باوجود اپنی تمام برائیوں کے وہ خلیفہ بن گیا۔ اور اس کی بیعت پر اجماعِ امت تھا۔ اس سے پیشگی خیر کی توقع نہ کرنا اور اعلانِ جنگ کر دینا! پھر وہی اقتدار کی بات ہے کہ ہم خلافت کے زیادہ اہل اور حق دار ہیں۔ قرآن حکیم میں آیا ہے کہ اطاعت کرو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اولی الامر کی۔ ہاں اگر اولی الامر ایسے احکامات دیں، جو دینِ الٰہی کے خلاف ہوں تو پھیر دو ان کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ بے شک امام حسین رضی اللہ عنہ یزید سے لاکھوں گنا بہتر اور برتر تھے۔ لیکن یہ تو اکثر ہوتا ہے کہ نیک ترین اور صالح ترین افراد اقتدار سے محروم رہتے ہیں اور ان سے کم تر اس کو پا لیتے ہیں۔ یہ کوئی نیا حادثہ نہ تھا۔''

(رحلت النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کربلا تک، ص ۴۹، ۵۰، ادارۂ فکر جدید شمالی ناظم آباد کراچی)

شاید ایک بار پڑھنے سے آپ تہہ تک نہ پہنچ پائیں۔ ایک سے زائد بار پڑھیں گے تو آپ کچھ نہ کچھ ضرور محسوس کریں گے۔ اس عبارت کی ابتداء فسقِ یزید سے کی گئی اور انتہا منقبتِ حسین رضی اللہ عنہ پر۔ لیکن درمیان میں یہ لکھنا کہ ''یزید سے پیشگی خیر کی توقع نہ کرنا اور اعلانِ جنگ کر دینا، پھر وہی اقتدار کی بات ہے کہ ہم خلافت کے زیادہ اہل اور حق دار ہیں'' حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی نیت پر حملہ نہ سہی، شک ضرور کیا جا رہا ہے۔

حامیانِ یزید سے عقل و دانش کی توقع رکھنا تو گدھے کے سر سے سینگ تلاش کرنے کے مترادف ہے۔ یزیدیوں کی کھوپڑی میں فہم نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اس لیے اس عبارت میں یا اس کتاب کی دیگر عبارات میں مؤلف نے بڑی مہارت سے ایسے کرتب دکھائے ہیں کہ نہ ان کے سُنی ہونے کا صحیح اندازہ ہوتا ہے نہ شیعہ ہونے کا۔ ایسی عبارات ایک عام آدمی کے ذہن کو جلدی متاثر کر لیتی ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ایمان کی جان اور مذہب اسلام کی روح ہیں۔ ان کی نیتوں پر حملہ کرنے سے اثاثۂ اسلام لُٹتا ہے۔ خدا جانے اہل سنت کے اس درد دل کو کب سمجھا جائے گا؟ ملک شیخین صابر مرحوم کی یہ بات ایک لطیفہ نما ہے کہ:

''ہمارے خیال میں یزید کے خلاف غلط اور بے بنیاد پروپیگنڈہ اس لیے پھیلنے

میں کامیاب ہوگیا کہ اس کی حکومت کے زمانے میں ریحانۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ، جگر گوشۂ بتول سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا المناک واقعہ پیش آیا۔ اس لیے ایسے آدمی کے متعلق جو بھی برائی کسی نے سنادی وہ قابل یقین ہوگئی۔'' (عظمتِ محرم، صفحہ ۱۲۰)

چودہ صدیوں کے مفسرین ومحدثین اور متکلمین ومؤرخین سب کے سب کیا کانوں کے اتنے کچے تھے کہ سُنی سنائی باتیں ان کے دماغ میں جاکر ''یقین'' کا روپ دھار لیتی تھیں؟ اور پھر یزید کے خلاف پروپیگنڈا شروع ہوجاتا تھا۔ اور یہ کہنا کہ ''واقعہ شہادت یزید کے زمانہ میں پیش آیا'' ایک ادھوری حقیقت ہے۔ پوری حقیقت یہ ہے کہ یزید کے حکم سے پیش آیا۔ تعجب کی بات ہے کہ خلافت راشدہ کے دوسرے تاجدار سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تو یہ کہیں کہ اگر میرے دورِ خلافت میں دریائے فرات کے کنارے بکری کا بچہ بھی پیاسا مرگیا تو قیامت کے دن مجھ سے باز پرس ہوگی۔ اور یہاں بکری کا بچہ تو کیا، ایک جید صحابی، نبی کا نواسہ، اپنی مقدس آل سمیت لق ودق صحرا میں تڑپا دیا جاتا ہے۔ تو یزید کے عقیدت مند پوری تسلی سے کہتے ہیں کہ بس اس کے زمانہ میں واقعہ پیش آگیا تھا سو وہ بدنام ہوگیا۔ ملک شیخین صابر کے ممدوح مولانا عظیم الدین صدیقی کا نظریہ یہ تھا کہ:

''حضرت علی رضی اللہ عنہ عہدِ رسالت ہی سے اپنے آپ کو خلافت ونیابتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اوروں سے زیادہ حق دار سمجھتے تھے۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں انہیں کسی انتظامی ذمہ داری کا اہل نہ سمجھتے ہوئے کوئی منصب عطا نہ کیا، صرف دوبار ذیلی وبجی قسم کی ڈیوٹی ذمہ لگائی۔ اسی بناء پر عہدِ رسالت کے بعد حضرات صحابہ کرامؓ نے بھی انہیں کسی کلیدی اور قومی وملی اہمیت کے منصب کا اہل نہ سمجھا۔ یہاں تک کہ امام اوّل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات، امامِ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور امام سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب بہ اندازِ دیگر آپ برسرِ اقتدار لائے گئے تو دنیا نے دیکھ لیا کہ ذاتی وشخصی اور انفرادی قسم کے فضائل کے باوجود آپ اسلام اور مسلمان قوم کے کامیاب نگہبان ثابت نہ ہوسکے۔ مظلوم خلیفہ کی تڑپتی لاش پر قائم کردہ حکمرانی قبول

کرنے سے لے کر جمل وصفین اور نہروان میں ایک لاکھ کے لگ بھگ مسلمانوں کے خون وخون تک تمام واقعات اس حقیقت کا منہ بولتا تاریخی ثبوت ہیں۔"

(آثار سحر، مکتوب بنام شوکت علی خان، صفحہ ۷۰، مجلس حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کراچی)

قارئین کرام! اس اقتباس کے ایک ایک لفظ سے کیا بغض صحابی کی بو نہیں آرہی؟ اس عبارت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کتنے حملے کیے گئے؟ خود گنتی کرلیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دل میں عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی خلافت کی طمع، حضور علیہ السلام اور حضرات ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا انہیں نااہل سمجھ کر کوئی ذمہ داری نہ سونپنا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تڑپتی لاش پر خلافت کا حصول، یہ سارے الزامات کس پر لگائے جارہے ہیں؟ ایک جلیل القدر صحابیٔ رسول پر! یہ وہی عظیم الدین صدیقی ہیں، جنہوں نے "حیات سیدنا یزید" کے نام سے کتاب لکھی۔ بالآخر حمایت یزید انہیں بغض علی رضی اللہ عنہ پر لے ہی آئی۔ کیا اب بھی ہمارے بھولے بھالے سُنی نوجوان حق آشنائی سے بھاگیں گے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ، یہ تینوں عظمت کے پیکر ہیں، صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اِدھر اُدھر کے تفکی اور ناپائیدار تاج اٹھا کر یزید کے سر پر رکھنے والے اور پھر اس کی عقیدت میں اندھے ہوکر صحابہ کی نیتوں پر حملے کرنے والے اہل سنت کے آنگن کے خاکروب بننے کے قابل بھی نہیں ہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اقتدار کا لالچی کہنے والوں کا ہاتھ خلافت راشدہ کے چوتھے تاجدار کے گریبان تک بھی پہنچ گیا ہے۔ ہائے افسوس۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی پگڑیاں اُچھل رہی ہیں۔ "قُلُوبُهُمْ لِلتَّقْوَى" کے قرآنی تمغوں پر جہالت کی گرد ڈالی جارہی ہے۔ "كُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى" کی خدائی اسناد کو یزیدیت، رافضیت اور خارجیت کی دیمک چاٹنے کی ناکام کوشش کر رہی ہے۔ اور پھر دعویٰ یہ کہ ہم ہی اہل سنت ہیں باقی سب تاریخ کے متاثرین؟۔

مسجد میں امام آج ہوا آکے کہاں سے؟
کل تک تو یہی میر خرابات نشین تھا

## حضرت علی ہجویریؒ کا یزید کے لیے بدعائیہ جملہ

صوفیائے کرام عموماً نرم خُو ہوتے ہیں۔ اس طبقے کو دعائیں آتی ہیں، بددعائیں نہیں۔ معرفت الٰہیہ اور ہدایتِ خلق پر ان کے ملفوظات، معلومات اور فیوضات پر سینکڑوں مطبوعات ہیں۔ ایک حضرت تھانویؒ ہی کو لے لیجیے! آپ کی حکمت اور دانش بھری باتوں میں اتنی گہرائی ہوتی ہے کہ ایک کتاب سے کئی کتابیں بنتی چلی جاتی ہیں۔ آپ کی ہر بات گویا انار کا پھل ہے کہ جس کی تہہ در تہہ سے دانے برآمد ہوتے چلے آتے ہیں..... حضرت شیخ مخدوم علی ہجویریؒ المعروف حضرت گنج بخش کی نیم شب ریاضتوں کے جلوے آج بھی اہل دل محسوس کر رہے ہیں اور ہمیشہ کرتے رہیں گے۔ صوفیاء کرام کو عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا کتنا احساس تھا؟ حضرت علی ہجویریؒ کے نوک قلم پر جب یزید کا نام آتا ہے تو ان کا مومنانہ جلال صوفیانہ جمال پر غالب آجاتا ہے، پڑھیے۔

''چوں ایشاں را بر اشتراں بر مدینہ بدمشق اندر آوردند پیش یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ علیہ مایستحق اخزاہ اللہ''

(کشف المحجوب، فارسی صفحہ نمبر ۵۹، باب فی ذکر اعلم من اہل البیت)

ترجمہ: ''جب اہل بیت کی باعصمت عورتیں دمشق میں دربار یزید میں لائی گئیں، اس پر وہ ہو جس کا وہ استحقاق رکھتا ہے، خدا یزید کو ذلیل کرے۔''

## علیہ مایستحق کی مختصر تشریح

حضرت علی ہجویریؒ کے یزید کے متعلق دو جملے اس عبارت میں موجود ہیں، ایک میں تو انہوں نے صراحتاً اس کی ذلت و رسوائی کی بددعا کی، اور دوسرا جملہ، علیہ مایستحق استعمال فرمایا۔ یہ جملہ اکثر محدثین کرامؒ نے بھی یزید کے متعلق لکھا ہے، مثلاً فخر احناف علامہ بدرالدین عینی حنفیؒ نے ''عمدۃ القاری شرح بخاری جلد نمبر ۲۴، صفحہ نمبر ۱۸۰ پر یہی الفاظ درج کیے ہیں۔ اس جملے سے اسلاف امت کے خیالات پرکھے جاسکتے ہیں۔ اہل اسلام کا ہمیشہ سے یہ معمول چلا آرہا ہے کہ حضرات انبیاء

علیہم السلام کے اسماء کے ساتھ ''علیہم السلام'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کے ساتھ ''صلی اللہ علیہ وسلم'' صحابہ کرام کے ناموں کے ساتھ ''رضوان اللہ علیہم اجمعین'' اور اولیاء اللہ کے ناموں کے ساتھ علامت ترحم یعنی ''رح'' درج کرتے ہیں لیکن یزید کے نام کے ساتھ ''عَلَیہ مایَستحق'' لکھنا پتہ دے رہا ہے کہ یہ حضرات یزید کو رحمت خداوندی کا مستحق نہیں سمجھتے تھے۔ یہ محتاط اور خاموش زبان ہے اور خاموشی رضا ہی تصور کی جاتی ہے اور اولیاء اللہ نے یہ طریقہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا، چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

''اذا سلم علیکم الیھود فقولوا وعلیکم'' (صحیح بخاری جلد ۲، ص ۹۲۵)

''جب یہودی تمہیں سلام کہیں تو تم جواب میں فقط ''وعلیکم'' کہہ دیا کرو، کیونکہ ان پر سلامتی تو کی نہیں جاسکتی، یوں کہہ دیا کرو کہ ''تم پر وہ ہو جس کے تم مستحق ہو۔''

اس کے مقابلہ میں مومن کے لیے ''رحمۃ اللہ علیہ'' لکھا اور بولا جاتا ہے۔ تاریخ اسلام میں آج تک کسی نے یزید کے نام کے ساتھ ''رحمۃ اللہ علیہ'' نہیں لکھا۔ اس سلسلہ میں یزید کی کل کائنات محمود احمد عباسی، نذیر احمد شاکر، عظیم الدین صدیقی، حکیم فیض عالم صدیقی، سلطان نظامی، یا پھر ملتان و ہزارہ کے اکا دُکا ''شرفاء'' ہیں جو یزید نام پر علامت ترحم ڈالتے ہیں اور یہ بھی یزید سے ہمدردی کے طور پر نہیں۔ بلکہ ہٹ دھرمی اور جہالت کی بنیاد پر ہے۔

امام ربانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ المعروف مجدد الف ثانی یزید کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں؟..... مکتوبات شریف کی عبارت پڑھیے:

''یزید بے دولت از زمرۂ فسق است، توقف و در لعنت او بنا بر اصل مقدار اہل سنت است کہ شخص معین را تجویز لعنت نکردہ اند، مگر آنکہ بے یقین معلوم کند کہ خاتمہ او بر کفر بودہ'' (مکتوبات شریف جلد ۲، ص ۳۳)

یزید زمرۂ فساق میں ہے۔ اس پر لعنت کرنے میں جو علماء توقف کرتے ہیں، وہ دراصل اہل سنت کے ایک معروف اصول کی بناء پر ہے اور وہ اصول یہ ہے کہ جب تک کسی کے خاتمہ باالکفر کا یقین نہ ہو جائے، شخصِ معین پر لعنت نہیں کرنی چاہیے۔

حضرت خواجہ غلام فرید حنفی صوفیاء میں ایک معروف نام ہے ہندوستان کے جملہ صوفیاء کرام امام ابوحنیفہؒ کے مقلد گزرے ہیں، حضرت علی ہجویریؒ نے امام صاحبؒ کو "سنیوں کا مقتداء و امام لکھا ہے۔" ملاحظہ ہو۔ کشف المحجوب صفحہ نمبر ۷۳، فارسی) حضرت گنج شکرؒ فرماتے ہیں:

جند اسیر اے جو روجفا دی
دلڑی قیدی کرب و بلا دی
ڈسم رقیب یزید پلید اے

(دیوان خواجہ فرید، ص ۳۱)

سلطان العارفین حضرت سلطان باہو حضرت حسینؓ کے رقیبوں کو خوف خدا سے عاری قرار دیتے ہیں:

جے کر مندے بیعت رسولی
تاں پانی بند کیوں کر دے ہو
جے کر کردے خوف خدا دا
تاں تنبو خیمے کیوں سڑدے ہو

(ابیات باہوؒ، ص ۱۹)

حضرت بوعلی قلندرؒ نے اپنے فارسی اشعار میں یزید کو "ناخلف" لکھا اور مزید یہ کہ اس نے دنیا کی خاطر اپنا دین داؤ پر لگایا، فرماتے ہیں۔

بہر دنیا آں یزید ناخلف
دین خود کردہ برائے او تلف

(مثنوی بوعلی قلندر، ص ۶)

قارئین کرام! مستجاب الدعوات لوگوں کے قلم اور زبان سے یزید کو جو بددعائیں دی جارہی ہیں، یہ آواز خلق نقارۂ خدا کی جیتی جاگتی مثال ہے کیونکہ واقعہ و حادثۂ کربلا کے بعد خاندان نبوت کے بچوں اور عورتوں کی آہ و زاری اور بددعائیں

تو یزید اور اس کے لشکر پر پڑی ہی تھیں۔ جنات جیسی مخلوق نے بھی بددعائیں کیں، جنات کے بددعائیہ اشعار اہل علم کی کتابوں میں درج ہیں۔ علامہ ابن حجر مکیؒ نے بھی اپنی کتاب میں یہ اشعار درج کیے ہیں، ملاحظہ کریں:

ایها القاتلون ظلماً حسینا
ابشروا بالعذاب والتنکیل
کل اهل السماء یدعوا علیکم
من نبی وملک و قبیل

(صواعق محرقہ صفحہ نمبر ۱۹۳)

ترجمہ: اے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلو! تمہیں عذاب اور ذلت کی بشارت ہے، جملہ آسمان والے تمہیں بددعائیں دیتے ہیں، خواہ ان میں نبی ہوں، فرشتے ہوں یا دوسرے طبقات

نوٹ: علامہ ابن حجر مکیؒ جن کے اشعار درج کیے گئے ہیں، یہ وہی ہیں، جن کی مناقب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر شاندار کتاب ''تطہیر الجنان'' کے نام سے مشہور ہے یہ ہمایوں بادشاہ کی فرمائش پر لکھی گئی تھی اور امام اہل سنت علامہ عبدالشکور لکھنویؒ نے اس کا اردو ترجمہ کیا، جو سالہا سال سے متواتر شائع ہو رہا ہے اور اب ''حلقۂ احباب نفیس لاہور'' نے بھی یہ کتاب خوبصورت انداز میں شائع کر دی ہے۔ جس کا مقدمہ راقم الحروف کو لکھنے کا شرف حاصل ہوا الحمدللہ علی ذالک!

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی محبت کا سہارا لے کر یزید کی حمایت کرنے والے غور و فکر کریں کہ اگر حب معاویہ رضی اللہ عنہ، حب یزید سے مشروط ہوتی تو یہ حضرات کوئی ایک آدھ جملہ تو اس کی تعریف میں لکھ جاتے مگر ایسا کوئی ثبوت کسی کتاب میں موجود نہیں ہے۔

## ماہ نامہ الاحرار ملتان کا یزید نمبر

جنوبی پنجاب سے اس بار پھر ماہ محرم الحرام میں فسق یزید کی بو آئی ہے۔ یہ ماہ نامہ ''الاحرار'' کی خصوصی اشاعت ہے۔ ٹائٹل پہ امام عالی مقام سیدنا حسین ابن

علی رضی اللہ عنہ کا نام نامی جلی حروف میں لکھا گیا ہے۔ مگر اندر یزید کو مومن کامل ثابت کرنے کے لیے ایڑیوں تک زور لگایا گیا ہے۔ ہم پہلے بھی بارہا مرتبہ کہہ چکے ہیں کہ حامیان یزید اپنے ممدوح کی حمایت بھی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے نام کا لیبل لگا کر کرتے ہیں اور یہ صحابی رسول کی زندہ کرامت ہے۔ اس خصوصی اشاعت سے صفحہ بہ صفحہ ہمیں سگریٹ کے دھوئیں کی بو مسلسل آتی رہی ہے۔ ممکن ہے اس کے کار پردازان سگریٹ نوش ہوں۔ تفنن طبع کے طور پر عرض ہے کہ راقم الحروف مارچ ۲۰۰۵ء میں شیعہ آنجہانی غلام حسین نجفی سے کتابیں خریدنے ان کے ہاں جا پہنچا تھا، اتفاق سے وہ حقہ پی رہے تھے اور اپنے طلبہ کو درس دے رہے تھے۔ مجھ سے پوچھا کہ آپ کو میری کتابیں کیسی لگیں؟ ''عرض کی بس حقے کی بدبو بہت آتی ہے۔'' حقہ نوشوں اور سگریٹ بازوں نے امت میں گہرے دراڑ ڈال کر کوئی اچھا سلوک نہیں کیا۔

تعجب خیز بات یہ ہے کہ مدیر محترم نے حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحبؒ کو اپنا ''مرشد گرامی'' قرار دیا ہے۔ سننے میں آیا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے مجاز بھی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حضرت شاہ صاحبؒ اور ''مرید محض'' کے نظریہ میں زمین وآسمان کا یہ فرق کیوں ہے؟ تو یہ کوئی انہونی بات نہیں، یزید کے مسئلہ پر حامیان یزید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک کو معاف نہیں کرتے، مرشد گرامی کو کراس کر گئے تو کیا حیرت؟

اس خصوصی اشاعت کے اداریہ کا ایک اقتباس پڑھ کر ہم کافی دیر ہنستے رہے۔

''ہم نے اپنی طرف سے ایک لفظ تک نہیں لکھا، کوشش یہی کی ہے کہ وہ علماء حضرات جن کے فرمودات وتحریرات کو اہل علم کے ہاں قبولیت کا درجہ حاصل ہے اور ان کی علمی حیثیت بھی مسلمہ ہے، صرف انہی کی منتخب تحریریں شامل اشاعت کی جائیں ہمیں نہیں معلوم ہماری یہ کاوش آپ کو کیسے لگے گی؟ کیونکہ شہادت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سانحہ جتنا دلخراش ہے، وہیں مبالغہ آمیز، غلط العام کی زد میں بھی ہے۔ جبکہ امت متوسط کے ذمہ ہے اور لازم ہے کہ وہ کسی بھی معاملہ میں حد اعتدال سے تجاوز نہ کرے، مبالغہ کسی بھی انسان کے لیے ہو بہر حال نقصان دہ ہے اور موجب اختلاف وفساد ہے۔'' (الاحرار، صفحہ ۶، دسمبر ۲۰۱۲ء)

## تبصرہ

درجۂ قبولیت کو پہنچے ہوئے جن بزرگوں کے مرچ مصالحہ سے یہ یزیدی سالن تیار کیا گیا ہے ان میں محمد فاروقی النعمانی، حکیم محمود احمد ظفر، مولانا پیر عبدالستار شاہ وغیرہ وغیرہ ہیں اور یہ تینوں کٹر یزیدی ہیں۔ باقی ماندہ مضامین نگاروں کے مقالہ جات کل کے کل محمود احمد عباسی، عظیم الدین صدیقی اور ابو یزید محمد دین بٹ کی زنبیل جہل سے اندوختہ ہیں۔ جن پر تبصرہ کرنا خوامخواہ انہیں مشہور کرنے کے مترادف ہے۔

ہاں! البتہ تین نام واقعی معتبر ہیں، جن کے مضامین اس خصوصی اشاعت میں شامل ہیں۔

① : امام اہل سنت علامہ عبدالشکور لکھنویؒ

② : مولانا سید حسن بن مولانا نسیہ حسنؒ ③ مولانا محمد علی نقشبندیؒ

اور ان تینوں حضرات نے فسق یزید کے مسئلہ پر کبھی سمجھوتہ نہیں کیا، ان حضرات کے مضامین میں جو یزید کے فسق وفجور کی بحث ہے، وہ شامل اشاعت نہیں کی گئی کیونکہ پھر منصوبہ فلاپ ہو جاتا امام اہل سنت علامہ عبدالشکور لکھنویؒ کا یزید کے متعلق نظریہ کیا تھا؟ ملاحظہ فرمایئے۔

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا واقعۂ کربلا سبق لینے کے لیے کافی ہے کہ ایک فاسق کے ہاتھ پر بیعت نہ کی اور اپنی آنکھوں کے سامنے تمام خاندان کو کٹوا دیا اور خود بھی جان دے دی، بھلا جس کے بیٹے کی استقامت وحمیت کا یہ حال ہو، اس کے باپ کی نسبت یہ گمان کیسے ہوسکتا ہے کہ اس نے بخوف جان یا طمع دنیا ظالموں اور غاصبوں کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔'' (ابوالأئمہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مقدس تعلیمات صفحہ ۲۴)

(۲) مولانا محمد حسنؒ کی کتاب ''تاریخ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ، اہل حق کی نظر میں'' بھی دراصل محمود احمد عباسی کی کتاب کے ردعمل کے طور پر لکھی گئی تھی اور اس پر مقدمہ حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ نے لکھا، حضرت قاری صاحبؒ نے محمود عباسی کے ایرادات کے جوابات دیئے اور مولانا محمد حسنؒ نے صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی احوال قلم بند کیے،

ہر دو حضرات کا فسق یزید کے متعلق وہی نظریہ ہے جو اہل سنت والجماعت کا ہے اور ان کی کتب کا مطالعہ کرنے سے ابتدائی صفحات ہی قاری پر حقیقت آشکارا کر دیتے ہیں۔

(۳) مولانا محمد علی نقشبندی بریلوی مسلک کے عالم تھے، اور ردّ رفض پر بہت بڑا علمی سرمایہ چھوڑ گئے ہیں۔ فقہ جعفریہ (چار جلدوں میں) عقائد جعفریہ (چار جلدوں میں) تحفہ جعفریہ (چار جلدوں میں) میزان الکتب اور ''دشمنانِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا علمی محاسبہ'' (دو جلدیں) ان کی شہکار تصانیف ہیں۔ آپ بھی فسق یزید کے قائل تھے، اور ان کی کتابوں سے درجنوں عبارتیں اس دعوے پر پیش کی جاسکتی ہیں۔ ہم تو کب سے کہتے آرہے ہیں کہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ سے لے کر قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسینؒ تک کسی صدی کا، کسی ملک کا، کسی شہر کا، کسی مسلک اور کسی برادری کا ایک محقق عالم پیش کیجئے جس نے ردّ رفض کے محاذ پر کام کرتے ہوئے کبھی یزید کی تعریف کی ہو۔ پھبتیوں کے جھاڑ باندھنے آسان ہیں، مگر اہل سنت کی فصیل میں نقب زنی کرنا ناممکن ہے۔ یہ کام تو خود یزید نہیں کرسکا، اس کے پرستار کیسے کر پائیں گے؟

قبولیت کے درجوں پر فائز یہ تین علماء کرام تو ہماری پشت پہ کھڑے ہیں۔ اب ''الاحرار'' کے دامن میں کیا بچا؟ وہی محمود عباسی، فاروقی النعمانی اور اغیرہ وغیرہ۔

خصوصی اشاعت کے صفحہ ۱۰ پر محمود احمد عباسی صاحب کی کتاب ''تحقیق مزید'' کی مدد سے معروف رباعی ''شاہ است حسین'' کی تردید کی گئی ہے۔ اس کی نسبت میں تو اختلاف ہوسکتا ہے، نفسِ اشعار پر نہیں۔ شعراء کے ستر فیصد کلام کو جب تک تاویل کا سہارا نہ دیا جائے، اس سے کوئی بھی مطلب نکالا جاسکتا ہے۔ مولانا سید عطاء المنعم شاہؒ کی نظم ''شاہ است غنی بادشاہ است غنی'' اپنی جگہ درست ہے اور وہ اپنی جگہ! اب سے دو سو سال بعد اگر کوئی کہہ دے کہ یہ اشعار شاہ صاحبؒ کی طرف منسوب ہیں۔ اور یہ پنوں عاقل کے کسی شاعر نے کہے ہیں تو کیا ان اشعار کی ہی مخالفت کردی جائے گی؟ نسبت شئی اور حقیقت شئی جدا جدا چیزیں ہیں۔ نسبتوں کے اختلاف سے حقیقتیں دم نہیں توڑ جاتیں۔

کوئی مولانا طارق محمود مدنی نام کے صاحب بھی اس دنیائے آب وگل میں جی رہے ہیں۔ خصوصی اشاعت میں ان کا مضمون بھی بیگن کا بھرتہ ہے۔ ان کے مضمون کی ابتدائی سرخی یہ ہے۔

''راقم کا موقف اور سانحہ کربلا کی حقیقت''

یہ ہے ساری تحقیق کا نچوڑ، راقم اور سانحہ کربلا؟ اسے کہتے ہیں ''کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا، بھان متی نے کنبہ جوڑا۔''

صفحہ ۴۹ پر لکھتے ہیں۔

''لیکن یہ حقیقت بھی ملحوظ رہے کہ یزید بن معاویہؓ بے شک صحابی رسول نہیں لیکن دنیا کا کوئی مولوی، مفتی، عالم اور تاریخ دان یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ صحابی رسول کا بیٹا نہیں، ساری دنیا کے دانشور، علماء تاریخ دان تسلیم کریں گے کہ یزید کاتبِ وحی امیر المؤمنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہے اور بہرحال تابعی ہے۔ یزید صحابی رسول نہ ہونے کے باعث امام حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں تو کوئی حیثیت نہیں رکھتا لیکن آج کل کے چودھویں صدی کے مسلمان حکمرانوں سے زیادہ برا نہیں۔ آج کل کے خائن اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے والے مولویوں سے بُرا نہیں''

تبصرہ

سر کو جس طرف مرضی گھما لیں، ناف درمیان میں ہی آئے گی، یزیدی لوگ ادھر سے اُدھر قلابازیاں لینے کے بعد آخر یزید کی منقبت پر آکر دم لیتے ہیں۔ امیر المؤمنین، کاتب وحی یا صحابی رسول حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں ان اعزازات کا یزید کو کیا فائدہ؟ رہی یہ بات کہ وہ تابعی ہے تو یہ بھی لاعلمی کی بناء پر کہا جاتا ہے۔ جس طرح صحابیت کا شرف پانے کے لیے ایمان کی حالت میں چہرۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا شرط ہے، ایسے ہی تابعی بننے کے لیے تقویٰ وطہارت کی حالت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی صحبت شرط ہے سو ابوجہل صحابی نہیں ہے اور یزید تابعی نہیں ہے۔ اسلام کے چودہ سو سالہ لٹریچر میں تابعین کے احوال وآثار پر باقاعدہ کام ہوا ہے۔ ایک محدث، ایک مفسر

ایک فقیہ، اور ایک صوفی پیش کیجئے جس نے یزید کو تابعی کہا ہو؟ اگر ثابت نہ کر سکیں تو پھر اپنی خود ساختہ تعبیرات کی بوری اٹھایئے اور بوری سمیت سمندر میں کود جایئے۔ باقی یہ جذباتی فلسفہ کہ یزید آج کے مسلمان حکمرانوں سے بہتر تھا، سے بھی اتفاق ناممکن ہے۔ جن حکمرانوں کی گردن پر صحابہ رضی اللہ عنہم کے خون کا بوجھ نہیں ہے وہ اُس سے اچھے ہیں۔ مکرر عرض ہے کہ یزید تو کبھی اپنے والد گرامی کی صحبت میں بھی نہیں بیٹھا، حتی کہ جب سیدنا معاویہؓ کا انتقال ہوا تو یہ شکار کھیلنے گیا ہوا تھا، اور جلیل القدر صحابی کا جنازہ نصیب نہ ہوا۔ بہر کیف فسق، فسق ہے وہ کسی بھی زمانے میں ہو، ہاں ماحول اور شخصیات کے بدلنے سے فسق کی شدت بھی بدل جاتی ہے۔ ایک آدمی مسجد میں بیٹھ کر شراب پیتا ہے، یہ مسجد سے باہر بیٹھے ہوئے مے نوش سے بڑا مجرم ہے۔

ایک بادشاہ عام مسلمانوں کی سلطنت پر حملہ آور ہو کر کشت وخون کرتا ہے اور دوسرا مدینہ طیبہ پر سنگ زنی کرتا ہے، ثانی الذکر بڑا مجرم ہے، ایک بادشاہ کسی عام مسلمان کے خون سے ہاتھ رنگتا ہے، اور دوسرا صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا خون بہاتا ہے ثانی الذکر بڑا فاسق ہے۔ شرع سے اور عقل سے، عوام سے یا خواص سے، جس سے چاہیں فیصلہ لے لیں۔ کسی بھی انسان میں اگر ذرہ بھر بھی انصاف کا مادہ ہو تو وہ کبھی اہل سنت والجماعت کو حامیٔ یزید کا طعنہ نہیں دے سکتا مگر اب نادان لوگوں نے اعتراضات کے مواقع فراہم کر دیئے ہیں جس زمانے میں محمود احمد عباسی جیسے لوگ افراط وتفریط پھیلا رہے تھے۔ بعض شیعہ لوگوں نے بھی ان کی آواز کو پوری سُنی قوم کی آواز قرار نہ دیا..... ایک حوالہ پڑھیں، سید نجم الحسن رضوی نے لکھا ہے:

''محمود احمد عباسی کی کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' کی رد میں شیعہ صاحبان نے تو دو یا تین کتابیں تحریر کی ہیں لیکن اس کتاب نے سارے ہندوستان و پاکستان کے اہل سنت میں غم وغصہ کی لہر دوڑا دی اور ہر مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے اہل سنت نے اس کے لکھنے والے کو فتنہ پرداز اور دشمن اسلام ثابت کیا۔ علمائے اہل سنت نے جس شدت اور کثرت کے ساتھ اس

کتاب کی مخالفت کی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل سنت اہل بیت کے گرویدہ ہیں اور ان کی محبت کو ایک دینی فریضہ سمجھتے ہیں۔" (شیعہ، سُنی صفحہ نمبر ۱۸۱، مطبوعہ کراچی، ۱۹۸۸ء)

اہل تشیع نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اتنا پروپیگنڈا کیا کہ آج اچھے بھلے سنی العقیدہ مسلمان بھی آپ رضی اللہ عنہ کا نام زیرِ لب لیتے ہیں۔ مگر صحابی کوئی بھی ہو وہ کسی کی مدح کا محتاج نہیں، ساری دنیا صحابہ کے در کے فیض کی بھکاری ہے۔ لوگوں کی اس طوطا چشمی سے اب نوبت یہاں تک آ گئی ہے کہ اگر اخبارات یا رسائل و جرائد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام نظر آ جائے تو خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔

پاکستان کے ایک معروف صحافی جو آزادانہ فکری روش میں اپنی مثال آپ ہیں، یعنی حسن نثار، انہوں نے اپنے ایک کالم میں ایسا ہی ایک شذرہ لکھ کر ہماری آنکھیں چکا دیں، وہ لکھتے ہیں:

"حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یاد آتے ہیں کہ مدبر اور سٹیٹسمین تھے، خالی خولی ڈنگ ٹپاؤ قسم کے سیاست دان نہیں تھے، کسی نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان کی سیاسی کامیابیوں کا راز پوچھا تو حیرت انگیز جواب دیا، فرمایا: زندگی میں تعلق کی قدر و قیمت سے بہت آگاہ رہا ہوں میرا تعلق اگر کبھی کسی وحشی بدو سے استوار ہو گیا تو اسے ہر قیمت پر قائم رکھا اور کبھی ٹوٹنے نہیں دیا، خواہ وہ بدو تیز ترین اونٹنی پر سوار ہو کر اسے صحرا کی طرف بھگا دے اور ہم دونوں کے درمیان کچے سُوت کا باریک دھاگہ ہی کیوں نہ ہو، میں نے کبھی وہ دھاگہ ٹوٹنے نہیں دیا" یہ ہے ہیومن میٹریل کی ہینڈلنگ! (روزنامہ دنیا، ۹ نومبر ۲۰۱۲ء)

نوٹ: حسن نثار درمیان میں کچھ عرصہ روزنامہ "دنیا" کے لیے لکھتے رہتے، اب پھر "جنگ" میں لوٹ گئے ہیں (عثمان حسن)

صحافیوں کا ذکر آیا تو لکھتے چلیں کہ ایک اور کالم نگار پروفیسر سید اسرار بخاری صاحب نے یہ مصرع علامہ اقبال کی طرف منسوب کیا ہے:

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

(روزنامہ جنگ، ۱۷ جنوری ۲۰۱۳ء)

یہ مصرعہ اقبال مرحوم کا نہیں ہے بلکہ مولانا محمد علی جوہر کا ہے۔ یہ وضاحت ہم نے اس لیے کی ہے کہ کہیں یزیدی لوگ علامہ اقبال کا کفن نہ کھینچنے لگ جائیں، کیونکہ اس سے پہلے یہ حضرات مولانا محمد علی جوہر کے خلاف بہت کچھ کہہ آئے ہیں۔ حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحبؒ نے اس مصرع پر اپنے تخیل کا جو گوٹہ لگایا، وہ بھی حامیانِ یزید کے لیے کانٹا بنا ہوا ہے۔ شاہ صاحبؒ کا شعر یہ ہے:

جوہر کا شعر صفحہ ہستی پہ ثبت ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

اہل تشیع کے بعد دوسرا طبقہ اہل یزید کا ہے۔ انہوں نے یزید کی حمایت میں ناپختہ باتوں کے ذریعہ پروپیگنڈا کر کے اہلِ سنت والجماعت کے اتفاقی نظریے کو چیلنج کیا ہے۔ یہ افراط وتفریط آج کی پیداوار نہیں ہے۔ ہر زمانے میں کسی نہ کسی شکل میں رہی ہے۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ رد رفض پر معیاری، علمی اور ٹھوس کام کرنیوالے علماء کرام نے ہی حامیانِ یزید کا قلع قمع کیا۔ یزید کی حمایت وہی لوگ کرتے ہیں جو شیعہ، سنی اختلافات کی جڑوں تک نہیں پہنچ سکے، ایک سطحی لا اُبالی، جذباتی، اشتعالی، اور سریع الغضب قسم کے لوگ اس مہم کا حصہ بنے ہیں۔

## یزیدی فتنے کا بانی

فرقہ یزیدیہ کا پہلا باضابطہ بانی شیخ عدی بن مسافر تھا۔ جس نے عراق کے بعض علاقوں میں حامیانِ یزید تیار کیے۔ یہ شخص یزید کا ہمعصر تھا۔ تیمور پاشا نے اپنی تصنیف ''یزیدیہ'' میں لکھا ہے کہ ہمارے کتب خانے میں ایک بوسیدہ کتاب کے کچھ اوراق ملے ہیں جن میں اس فرقے کے مذہبی عقائد کا تذکرہ ملتا ہے۔ شیخ عدی بن مسافر نے اپنے معتقدین کو یہ نظریہ رٹایا کہ یزید نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ کیا ہے۔ یہ لوگ یزید کے نام کے ساتھ'' علیہ السلام '' لکھا کرتے تھے، جس طرح آج کے یزیدی علامت ترحم ''رحمۃ اللہ علیہ'' یزید کے نام پر ڈالتے ہیں۔ کچھ دنوں کے بعد یہ شخص یعنی عدی بن مسافر نے یزید کو نبی کہنا شروع کر دیا۔ اور پھر یزید کی یہ اُلفت

اسے گمراہی کے آخری کنارے پر لے گئی جب وہ اسلام کے بنیادی ارکان کا انکار کر کے اوہام پرستی کا شکار ہوگیا۔ اس نے سات معبود بنائے، جن میں سے ایک یزید تھا۔ بے جا شدت، ضد اور ہٹ دھرمی انسان کو کہاں لا کھڑا کرتی ہے؟ یہ اس شخص کے فکری سفر سے عیاں ہے شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنی متعدد تصانیف، خصوصاً ''رسالۂ عدویہ'' میں فرقۂ یزید اور اس کے بانی کے دیگر عقائد پر بحث کی ہے جن حضرات نے علامہ ابن تیمیہؒ کی کتب بالاستیعاب پڑھی ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ اُن کے دور میں ایسے موضوعات اکثر لوگوں میں زیر بحث رہے، کچھ لوگ یزید کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے اور کچھ اس کے عیوب ونقائص کا تذکرہ کر کے کفر تک پہنچا دیتے۔

ان حالات میں علامہ ابن تیمیہؒ نے مسلکِ اعتدال پیش کیا۔ حالانکہ ان کی طبیعت میں شدت تھی، اور اس طبعی شدت کی بناء پر وہ کئی ایک مقامات پر تفرد کی راہ پر چل پڑے، مگر صحابیٔ رسول سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا دفاع انہوں نے بڑے معتدلانہ انداز میں کیا اور یزید کے متعلق بھی اپنے معاصرین کو راہ اعتدال پر لے آئے۔ عراق کے شمالی علاقوں خصوصاً موصل اور شیخان وغیرہ میں سنا ہے کہ اب بھی اس فرقے کے گنے چنے لوگ آباد ہیں ایک عراقی عالم سید ابو النصر قدسی نے اپنی کتاب ''یزید بن معاویہ'' میں اس فرقہ کے کافی حالات جمع کیے ہیں، اور پھر اس کتاب کا ترجمہ بھی اردو جاننے والے ایک عراقی سید احمد علوی العراقی نے کر دیا تھا۔ جو موصل کے علاقہ میں ۱۹۲۳ء میں بسلسلۂ ملازمت مقیم تھے۔ لیکن اس کتاب میں مصنف اور مترجم راہِ اعتدال پر نہ رہ سکے۔ بد اعتدالیوں پر گہری نظر رکھ کر پڑھا جائے تو معلومات بہرکیف، اس مختصر کتاب میں موجود ہیں۔ فضل نور اکیڈمی، چک سادہ ضلع گجرات نے ۱۹۷۰ء میں اسے شائع کیا تھا۔ خدا جانے اب بھی یہ دستیاب ہے یا نہیں۔

تقسیم ہند سے قبل فرقۂ یزید کا کوئی مستقل وجود نہیں تھا، چیدہ چیدہ لوگ مختلف علاقوں میں اپنے نظریہ کو بغل میں دبا کر بیٹھے رہتے اور علی الاعلان انہیں اپنے ممدوح کی مدح سرائی کی ہمت نہ ہوتی۔ تقسیم ہند کے بعد جہاں دیگر بدقسمتیاں

ہمارے خطے کا مقدر بنیں وہاں محمود احمد عباسی قبیل کے لوگ بھی یہیں آدھمکے۔ لکھنؤ، امروہہ، وغیرہ کے سنی شیعہ اہل زبان کا مسکن کراچی بنا اور پھر ان کے باہمی ٹکراؤ سے چنگاریاں اٹھنے لگیں، ایک بار پھر تاریخ نے اپنے آپ کو دہرایا، جس طرح افراط و تفریط کے مریض عراق میں کسی زمانہ میں اٹھے تھے، اب وہی صورتِ حال یہاں دکھائی دینے لگی۔ لیکن پاکستانی فرقۂ یزید کو یہاں پنیری اچھی خاصی دستیاب ہوگئی، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں باقاعدہ تنظیمی شکلوں میں رد رفض پر کام ہو رہا تھا، اور منکرینِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے سنی مسلمانوں کی نفرت ایک فطری امر تھا۔ چنانچہ اسی راہ سے حامیانِ یزید نے داخل ہو کر ہماری فصل اجاڑ دی، ذہنوں کو منتشر کیا، اور یہ فلسفہ پیش کیا کہ سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر جتنا تبرا ہوتا ہے وہ یزید کی شخصیت کی بناء پر ہوتا ہے۔ جو سنی علماء کرام یزید کو فاسق سمجھتے ہیں وہ دراصل اسی شیعی غوغہ آرائی کا شکار ہوئے ہیں، لہٰذا ہم اس سازش کو یزید کی حمایت اور منقبت کے ذریعہ توڑیں گے۔

اب صورت حال یہ ہے کہ رد رفض پر کام کرنیوالے اہل علم کے خلاف حامیانِ یزید لب کشائی کر کے رفض کو تقویت دے رہے ہیں۔ ان کا کام اب یہ رہ گیا ہے کہ ہمسائے کی دیوار بہر صورت گرانی ہے، خواہ اس کے نیچے اپنی بھینس دب کر مر جائے اور ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے کہ یزید تابعی تھا۔ حالانکہ علماء اہل سنت نے کبھی بھی یزید کو تابعین کی صف میں کھڑا نہیں کیا۔ چنانچہ ایک زمانہ میں جب شیخ عبدالمغیث حنبلی نے یزید کو تابعی کہا تو علامہ ابن جوزیؒ (متوفی ۵۹۷ھ) نے اپنی کتاب "الرد علی المتعصب العنید" میں اس کا یہ جواب دیا تھا کہ "وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ" کے الفاظ قرآنی بتا رہے ہیں کہ وہ تابعی نہیں تھا کیونکہ اس کا مطلب ہے "اور وہ لوگ جو اچھے طور طریقوں سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد آئے" یہاں شرف تابعیت کے لیے اتباع بالاحسان کو لازم قرار دیا گیا ہے، گویا محض صحابہ کو دیکھنے والا تابعی نہیں بلکہ شرعی اصولوں کے مطابق زندگی گزارنے والا اور زہد و تقویٰ کا پیکر جو کسی صحابی کی مجلس سے حظ اٹھائے وہ تابعی ہوتا ہے۔

## مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی کی ایک کتاب ''سیرتِ حسین رضی اللہ عنہ''

ماہ نامہ ''ضیائے حدیث'' کے بانی اور سابق چیف ایڈیٹر معروف اہل حدیث عالم مولانا حکیم محمد ادریس فاروقی مرحوم نے ایک کتاب ''سیرتِ حسین رضی اللہ عنہ'' کے نام سے لکھی تھی، جس کا تیسرا اڈیشن ہمارے پیش نظر ہے۔ انتہائی خوبصورت انداز میں یہ کتاب شائع کی گئی ہے۔ حکیم صاحب موصوف نے اگرچہ پوری کوشش کی ہے کہ ان کے قلم سے یزید کی تعریف نہ نکلے، مگر کئی ایک مقام پر ان کا قلم ڈکار لیتا چلا جاتا ہے اور اندر کی چھپی ہوئی یزیدیت فاش ہوتی چلی جاتی ہے، یوں حکیم صاحب کی حُبِ یزید مخفی رکھنے والی سازش چھپ نہ سکی۔ قلم اگرچہ بے زبان ہوتا ہے، مگر یہ اندر کا ترجمان ہوتا ہے۔ اور جو کوئی اسے اپنی انگلیوں میں تھامتا ہے، یہ تھامنے والے کا پورا ایکسرے کر کے سامنے رکھ دیتا ہے۔

مگر صحابیِ رسول حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی عظمت، خلوص اور شرفِ صحابیت کے سامنے قلم کی ساری طاقتیں اور وسعتیں ایسے سمٹ جاتی ہیں جیسے لمبے لمبے برساتی کیڑے سمٹ جاتے ہیں۔ اور آخر میں چوہے کی مینگنی کی طرح ہو جاتے ہیں۔ اس کتاب میں حکیم صاحب نے ایک نیا اسلوب پیش کیا ہے۔ نئی اداؤں کے ساتھ جلوہ گر ہونیوالی حکیم صاحب کی اس کتاب کے اقتباسات پیشِ خدمت کیے جا رہے ہیں۔

ہمارے قارئین کو یاد ہوگا کہ ہم پہلے کسی موقع پر یہ بات لکھ آئے ہیں کہ عموماً کتاب بینی کی ابتدا پہلے صفحات سے ہوتی ہے مگر سیرت حسین رضی اللہ عنہ، واقعہ کربلا یا سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے کوئی کتاب پڑھی جائے تو وہ خلافِ عادت آخری صفحات سے پہلے دیکھ لینی چاہیے کیونکہ حامیانِ یزید اس قسم کے عنوانات کا لیبل لگا کر کتاب کے اندر یزید کی وکالت کرتے ہیں اور آخری صفحات میں یہ اپنے معدے کی گرمی اور دماغ کا اُبال نکالتے ہیں۔ مگر حکیم صاحب نے اپنی اس کتاب میں صفحہ بہ صفحہ جو اٹکھیلیاں کی ہیں وہ پڑھنے والوں کو عجیب شش و پنج میں ڈال دیتی ہیں۔ حکیم صاحب یزید کی حمایت اور دفاع کرتے کرتے اچانک یوٹرن لیتے ہیں اور

ایسی پھرتی دکھاتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ اسے مصنف کی چالاکی کہیں یا ذہانت سے تعبیر کریں؟ کیونکہ اپنے مدعا کو اچھے طریقوں سے پیش کرنا تو ذہانت کہلاتا ہے مگر دوسروں کو تذبذب میں ڈال دینا چالاکی ہوتی ہے۔ بسا اوقات دو مستقل حقیقتوں میں بظاہر یا فوری تمیز کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ مثلاً ذہانت اور چالاکی ،عاجزی اور خوشامد، حکمت عملی اور موقع پرستی، سنجیدگی اور تکبر، توکل اور کاہلی، بخیلی اور کفایت شعاری، سخاوت اور فضول خرچی، لحاظ اور تکلف، صبر اور بزدلی وغیرہ وغیرہ ان میں ہر ایک کی مستقل حیثیت ہے اور اپنا الگ وجود و پہچان ہے، مگر بنظرِ غائر ان میں فیصلہ کرنا قدرے دشوار ہوتا ہے۔ بہرحال باقی جملہ یزیدی لوگوں کو تو ہم برملا چالاک کہہ دیتے ہیں مگر حکیم صاحب کے متعلق کوئی بھی فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہیں ان کی اس کتاب کے چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔ یزید کے متعلق لکھتے ہیں:

''کم از کم یہ غور تو کریں کہ اگر یزید کو ''پلید'' باور کرایا جائے تو اس کی تائید کرنے والوں کو پھر کیا کہیں گے؟ اس کی بیعت کرنے والوں کو کیا نام دیں گے؟ کبھی سوچا اور غور کیا آپ نے؟ یہ بظاہر معمولی سی بات کہاں سے کہاں تک لے جائے گی؟ بُرا ہو جمود و تعصب کا۔''

(سیرت حسین رضی اللہ عنہ، صفحہ نمبر ۲۴۲)

اب حکیم صاحب کا یوٹرن ملاحظہ ہو:

''خوب سمجھ لیں ہم یزید کا دفاع نہیں کرتے بلکہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتے ہیں۔ یزید کا دفاع ہم پر نہ فرض ہے نہ واجب، نہ موکد ہے نہ مستحب صرف حقائق سے آگاہی ہماری اصلی غایت ہے۔'' (ایضاً)

دیکھیے! حکیم صاحب کبڈی کبڈی کہتے ہوئے چپت مار کر کیسے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوئے ہیں؟ یہ ایک ہی صفحے کا ایک ہی پیرایہ ہے اور اس ایک پیرایہ میں بیک وقت دو نظریئے پیش کرنا واقعی حکیمانہ فعل ہے۔ مزید پڑھیے۔ حکیم صاحب لکھتے ہیں:

''یزید کے بارے میں ہم پیچھے لکھ چکے ہیں کہ شروع سے اس کے خلاف زبردست اور منظم پروپیگنڈہ کیا گیا اور یہ باور کرایا گیا کہ یزید نااہل اور نالائق تھا، معاملات حکومت کی

شد بد نہ رکھتا تھا۔ زانی تھا، شرابی تھا، جوا کھیلتا تھا، کتوں سے پیار کرتا تھا، بڑا جلد باز اور ظالم تھا، گانے بجانے کا رسیا تھا، اس نے بندر پال رکھے تھے، تارک صوم وصلوٰۃ تھا۔''

(سیرت حسین رضی اللہ عنہ، صفحہ نمبر ۲۲۶)

یہاں حکیم صاحب یزید کے خلاف ہونے والے منظم پروپیگنڈے کا ذکر کررہے ہیں یعنی اس کے خلاف جو کچھ کہا جاتا ہے وہ محض پروپیگنڈا ہے۔ مگر ساتھ ہی اپنی ایڑیوں کے بل گھوم کر یوں رقمطراز ہوتے ہیں:

''یہاں کوئی شخص یہ نہ سمجھ لے کہ ہم یزید کے وکیل یا مؤید ہیں اور اسے صحابہ واہل بیت سے افضل مانتے ہیں۔ افضل تو بہت دور کی بات ہے ہم یزید کو ان کے کسی فرد کے ہم پلہ بھی نہیں جانتے۔ ہم برملا کہتے ہیں، ہزار یزید ایک طرف، اکیلے حسین رضی اللہ عنہ ایک طرف۔''

سبحان اللہ! حکیم صاحب اگر یزید کے زمانہ میں ہوتے تو شاید سانحہ کربلا پیش نہ آنے دیتے۔ کیونکہ تحریر میں تو حسین ؓ و یزید کو ایک سطر میں لا کھڑا کرنا ان کے لیے کوئی مشکل نہیں، آپ حمایت یزید میں ڈیڑھ صفحہ لکھنے کے بعد اگلی چار سطور میں کہتے ہیں ''ہمیں یزید کا مؤید نہ سمجھ لیا جائے۔ ہم یزید کی وکالت نہیں کررہے۔'' خدا جانے تائید، حمایت، وکالت یا صفائی کس بلا کا نام ہے؟

حکیم صاحب کی اس کتاب کا اگلا اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیٹا یزید، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا احترام بجالاتا تھا، ان کی عظمت کا معترف تھا، اور ان کی اہمیت کو جانتا تھا اور اسے یہ بھی خبر تھی کہ حسین رضی اللہ عنہ میری بیعت سے گریز اختیار کرتے ہیں اور آپ ؓ ذہناً میرے مخالف ہیں چنانچہ آپ ؓ کی اہمیت کے پیش نظر جہاں وہ ایک گونہ آپ ؓ کے بارے میں مشوش اور غیر مطمئن تھا وہاں وہ اس قضیے کو خوش اسلوبی سے حل کرنے کا بھی خواہاں تھا اور آپ پر کوئی سختی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یزید اب علی الاطلاق خلیفۃ المسلمین تھا، تقریباً ۵۶ لاکھ مربع میل پر اس کی حکومت کا پرچم لہرا رہا تھا، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذہانت، سیاست اور محنت کی بدولت اسلامی قلمرو کو اس قدر وسعت ملی کہ جس کی مثال نہیں ملتی اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس میں امن وامان برقرار رہا اور شورشیں دب

گئیں اور یہ امن وامان کی صورت تا حال برقرار تھی، سب لوگ ایک پرچم تلے جمع تھے۔ البتہ یزید کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے خدشہ تھا اور وہ ظاہر ہے کیوں تھا؟ وہ نہیں چاہتا تھا کہ میری مملکت میں کوئی شورش یا ہنگامہ کھڑا ہو اور یہ خواہش ہر حساس اور ذمہ دار حکمران کی ہوتی ہے اور اس میں کوئی برائی بھی نہیں ہے۔ تختِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد اسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی جانب سے برابر تشویش اور پریشانی لاحق تھی۔'' (سیرت حسین رضی اللہ عنہ، ص ۲۵۵)

اب یہاں حکیم صاحب نے یزید کے دفاع میں اپنے تئیں کوئی کسر نہیں چھوڑی دورِ یزید کے امن وامان، اور سلطنت کی سطوت وشان کی مدح میں ان کا قلم بہتا چلا گیا، یہ بھی لکھا کہ یزید علی الاطلاق خلیفۃ المسلمین تھا۔ اب ان کا یوٹرن ملاحظہ کریں:

''ہم یزید کو عالی مقام حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے قطعاً بہتر یا برتر یا اشرف نہیں سمجھتے اس بارے میں کسی کو شبہ نہیں ہونا چاہیے'' (ایضاً، صفحہ ۲۵۸)

حکیم صاحب بلاوجہ تضادات کے بیج بوتے چلے جارہے ہیں اور شکوک و شبہات کے کانٹے جابجا بکھیرنے کے بعد وہ دہائی دیتے ہیں کہ: ''ہمارے بارے میں کسی کو شبہ نہیں ہونا چاہیے۔''

اصل میں حکیم صاحب ایک نئی طرز سے دفاعِ یزید کا کارنامہ سرانجام دینا چاہتے تھے۔ ان کا پروگرام یہ تھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے، یقیناً یہ جذبہ قابلِ قدر ہے، مگر ساتھ ہی وہ یزید کی بغلوں سے بھی نہیں نکلنا چاہتے تھے۔

ہم یہاں اہل تشیع کو زیرِ بحث نہیں لاتے کیونکہ اُن سے اختلاف ایمانیات اور عقائد کا ہے، مسئلہ یزید پر نہیں۔ اگر کوئی ہندو اعتراض کرے کہ تم موزوں پر مسح کیوں کرتے ہو؟ تو ہندو کو دلائل سے قائل کرنا پرلے درجے کی نادانی ہوگی کیونکہ ان سے اختلاف موزوں پر مسح کرنے یا نہ کرنے پہ تھوڑا ہی ہے؟ جس طرح گائے کے پجاریوں سے اعمالِ اسلام پر بحث بے معنی ہے، ایسے ہی گھوڑے کے پجاریوں سے یزید کے فسق پر گفتگو لایعنی ہے۔ اہل سنت کے اسلاف واخلاف کا ٹھوس اور بے غبار نظریہ ہے کہ یزید کافر نہیں تھا، مگر فاسق ضرور تھا اور قتلِ حسین رضی اللہ عنہ سے اس کو بری الذمہ

سمجھنا افغانستان وعراق کے ہزاروں شہداء کی شہادت سے امریکہ کو بری قرار دینے کے مترادف ہے.....سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب کا تازہ اعلان پڑھ لیجیے:

''گو قتل حسین رضی اللہ عنہ کی ذمہ داری سے کہ یہ واقعہ فاجعہ اس کی حکومت میں واقع ہوا، اسے فارغ نہیں کیا جاسکتا'' (تجلیات آفتاب جلد اوّل ص ۱۲۴)

یزیدی لوگ امام حسین رضی اللہ عنہ کی عظمت ورفعت کو مجروح کر کے یزید کا دفاع کرتے ہیں، حکیم صاحب نے احتیاط یہ کی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو ان کے مقام پر رکھ کر یزید کو راضی رکھنے کی کوشش کی اور اس اسلوب میں آپ واقعی مجدد ہیں۔

## حکیم صاحب کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مشورہ

آپ حیران ہوں گے کہ حکیم صاحب نے چودھویں صدی میں جنم لے کر اور ''کاش'' کے جملے کو مستور رکھ کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایک رائے بھی دی ہے، پڑھیے اور سر دُھنیے: ''بنابریں ہم یہ رائے رکھتے ہیں کہ اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ملکی امارت کے لیے بجائے یزید کے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرما لیتے، اس وقت تو علم نہیں لیکن شاید آئندہ کے لیے بہتر ہوتا اور ہوسکتا ہے پھر امت محمدیہ میں شیعہ، سُنی کے نام سے یہ دراڑ پیدا نہ ہوتی اور دیگر فرقہ بندیاں وجود میں نہ آتیں۔'' (تجلیات آفتاب، جلد اوّل، صفحہ نمبر ۲۵۸)

یزید کو بھی ترجمان ملے تو کیسے کیسے۔ حکیم صاحب نے رائے تو پیش کر دی مگر یہ نہ سوچا کہ اس کے منفی اثرات بھی مرتب ہوسکتے ہیں کیونکہ اُن کے اس اقتباس کا نتیجہ یہ ہے کہ امت میں افتراق وانتشار کی بنیاد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہے، اگر وہ یزید کی بجائے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو حکومت دے دیتے تو یہ دراڑیں نہ پڑتیں۔ اگرچہ اُن کی نیت یہ نہیں تھی، مگر الفاظ بالکل آشکارا ہیں۔ لکھنے والے دنیا سے چلے گئے اور نتائج اخذ کرنے والے آتے رہیں گے۔ حکیم صاحب دور کی کوڑیاں لانے اور گھگھو گھوڑے بنانے کی بجائے ایک سادہ سی بات کہہ دیتے کہ معرکۂ کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور یزید ظلم کا مرتکب ہوا تھا تو انہیں یوں یزید کی زیر قیادت خیمۂ حسین میں گھسنے کی ناکام اور غیر فطری کوشش نہ کرنا پڑتی۔

## حکیم صاحب کا یزید کو مشورہ

حکیم صاحب کی اپروچ کے کیا کہنے، وہ یزید کو یوں مشورہ دیتے ہیں:

''یزید کو اخلاقی جرأت کا یادگار مظاہرہ کرتے ہوئے اسلامی قلمرو ہم سب کے محبوب اور واجب الاحترام عالی مقام حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت عالیہ میں پیش کر دینا چاہیے تھا مگر اس نے یہ پیش نہ کر کے کشادہ دلی و عالی ظرفی کا ثبوت بہم نہ پہنچایا''

(صفحہ نمبر ۲۵۹)

جب یزید نے یہ یادگار مظاہرہ نہ کیا اور اخلاقی جرأت نہ دکھائی بلکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور ان کی آل کو بے دردی سے شہید کر دیا، صرف یہی نہیں بلکہ واقعۂ حرہ میں حرم رسول صلی اللہ علیہ وسلم پہ پتھراؤ کروایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بددعائیں لیں اور اپنی شقاوت و بدبختی میں اضافہ کرتا چلا گیا۔ تو اب بھی حکیم صاحب کو کوئی رائے دینا چاہیے تھی مگر وہ تضادات کی پٹڑی پہ چلتے چلے گئے۔ مظلوم کی حمایت یہ نہیں ہوتی کہ ظالم کی صفائی پیش کی جائے اور مظلوم کے آنسو صاف کیے جائیں..... مظلوم سے محبت و ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ ظالم کو برملا ظالم کہا جائے اور پھر ظالم بھی وہ جو صحابی کے خون سے ہاتھ رنگ لے۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والا اگر ازلی بدبخت ہے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قاتلین اگر سفاک اور درندے ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قاتل اگر مردود و مطرود ہے تو پھر دنیا کے اے دانشورو! ذرا حسین رضی اللہ عنہ کے خون کی پکار بھی سنو! معیار صحابیت کے اعتبار سے سب یکساں ہیں، اگرچہ کمالات اپنے اپنے ہیں۔ دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قاتل امت کی نظروں سے گر گئے ہیں اور ایک صحابی، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قاتل کو اس امت کے لکھاریوں کے قلم کے نیچے پناہ دی جارہی ہے۔ جس حکمران کے سپاہی اپنے نیزے کسی صحابی کے مقدس پیٹ میں گھونپ دیتے ہیں، قیامت کے دن اس کی سلطنت کا ذرہ ذرہ اس کے ظلم اور صحابی کی مظلومیت کی گواہی دے گا، جی ہاں، ۶۴ لاکھ مربع میل یزید کے گلے کا طوق بن چکا ہے اور کائنات ارضی کا ایک ایک ذرہ لب فرات کے پیاسے صحابی پر نچھاور ہونے کو بے تاب ہے۔

قصرِ مرمر سے شہنشاہ نے ازراہِ غرور
تیری کٹیا کو جو دیکھا تو بہت شرمایا

## ضد اور تکبر سے صلاحیت سلب ہو جاتی ہے

ضد اور تکبر انسان سے تفہیم کی صلاحیت سلب کر لیتے ہیں۔ جو لوگ ان دو مرضوں سے محفوظ ہوتے ہیں، وہ گمراہ بھی ہوں تو بہت جلد راہِ راست پر آ جاتے ہیں۔ حضرت امام جعفر صادقؒ سے ایک مذہب بیزار شخص نے کہا تھا کہ یہ آپ کی نمازیں، تلاوتیں اور روزے بے معنی کام ہیں جن میں آپ اپنی توانائی صرف کرتے ہیں۔ حضرت جعفر صادقؒ نے مریض کی نبض پہ ہاتھ رکھا، تشخیص کی اور پھر ایسا علاج کیا کہ اگلے لمحوں میں وہ اُن کے گھٹنوں کو چھو کر اپنی غلطی کی معافی مانگ رہا تھا۔ امام جعفر صادقؒ نے جواب دیا کہ اگر یہ واقعی لایعنی کام ہیں تو مجھے قیامت کے دن کی کوئی فکر نہیں اور محشر میں باز پرس سے میرا کوئی نقصان نہ ہوگا، ایک بے معنی کام تھا، کر لیا سو کر لیا، نہ کیا سو نہ کیا۔ لیکن آپ سے نماز، روزے کی باز پرس کر لی گئی تو آپ کے پاس تو یہ سب کچھ نہیں ہوگا۔ تب آپ کا کیا بنے گا؟ اقبالؒ نے کہا تھا:

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

چونکہ وہاں ضد اور تکبر نہ تھا، فوراً غلطی کا احساس ہوا اور ایک عظیم مُصلح کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ تھما دیا۔ جتنے لوگ مختلف فرقوں اور فتنوں کا شکار ہوتے ہیں ان میں ایک خاصی تعداد ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو ہٹ دھرم ہوتے ہیں اور انہی کے دم قدم سے فتنوں کی گاڑی چلتی ہے۔ یزیدی گروہ میں اکثریت ایسے ہی لوگوں کی ہے اس لیے ان میں افہام اور تفہیم کی کمی ہوتی ہے اور ضد ان کا کل اثاثہ ہوتا ہے۔ حامیانِ یزید کے دامن میں جب اپنے دعوے اور موقف پر کوئی دلیل نہیں رہتی تو پھر بجائے اعترافِ حقیقت کے وہ حقیقت کو ہی ذبح کر دیتے ہیں۔ اہل تشیع عبداللہ بن سباء کو مورث اعلیٰ ماننے کے لیے تیار نہ تھے۔ جانبین سے دلائل دیئے گئے۔ اہل سنت نے

جب نا قابل انکار شواہد پیش کر دیے تو اب شیعیت نے یہ موقف اختیار کر لیا کہ عبداللہ بن سباء کا وجود ہی نہ تھا۔ اس نام کا کوئی انسان دنیائے آب و گل میں آج تک آیا ہی نہیں ہے اور یزیدی حضرات میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو کہتے ہیں کہ سانحہ کربلا پیش ہی نہیں آیا، بلکہ امام حسین رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ میں فوت ہوئے تھے۔ علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب اسے ''تاریخ سے بے خبری اور علم سے بے نیازی'' قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ رقم طراز ہیں:

''اپنی تاریخ سے بے خبری اور علم سے بے نیازی انہیں کہاں تک لے گئی، اہل علم اس کا تصور نہیں کر سکتے کہ کوئی جماعت اپنے بانی کے تاریخی وجود کا انکار کر دے۔ شیعی فکر کا بانی ایک یہودی عبداللہ بن سباء حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یمن سے نمودار ہوا اس نے آسمانی امامت کا بیج بویا..... عبداللہ بن سباء کے تاریخی وجود سے انکار تاریخ سے ایک کھلا مذاق ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے مرزا حیرت دہلوی نے ایک دفعہ کہا تھا کہ واقعہ کربلا تاریخ میں کبھی نہیں ہوا۔ یہ لوگوں کی اپنی اختراع ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ تو اپنی طبعی وفات سے مدینہ میں فوت ہوئے۔ لڑنے والے کے تو ہاتھ روکے جا سکتے ہیں مگر بولنے والے کی زبان نہیں روکی جا سکتی۔ (خواہ) وہ کتنا ہی غلط نہ بول رہا ہو'' (صحابات، جلد دوم صفحہ نمبر ۱۷۵)

یہ تو شخصیات یا سانحات کی بات ہے، کتابوں میں تو بے شمار ایسی کتب ہیں کہ جب ان کی کسی ذو معنی یا متنازعہ عبارت پر اعتراض ہوتا ہے تو بجائے اُس عبارت کی تاویل و توضیح یا معترض کی ازالۂ غلط فہمی کے، سرے سے اس کتاب کو ہی مصنف کی نگارشات سے خارج کر دیا جاتا ہے۔

## بعض بریلوی علماء کی بے رہ روی

مسلکِ دیوبند سے وابستہ لوگوں میں ناصبیت اور یزیدیت نے جنم لیا تو مسلکِ بریلوی میں رافضیت اور تفضیلیت در آئی ہے۔ ڈاکٹر طاہر القادری صاحب اور ان کے اَحباء تفضیل علیؓ پر کتابیں بھی لکھ رہے ہیں اور تقریریں بھی کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ کئی ایک بریلوی علماء سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص کرتے ہیں۔

ہمارے ایک بریلوی مسلک کے دوست نے تو ڈاکٹر طاہرالقادری صاحب کو "شیخ الاظلام" لکھ دیا ہے اور چند ایک ایسے نام بھی گنوائے ہیں جو گستاخیٔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ تفصیل کے لیے حال ہی میں شائع ہونے والی ایک کتاب "دفاعِ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ" ہے اس میں تقریباً چھ اہل علم کی کتب جمع کر دی گئی ہیں۔ جس میں علامہ عبدالعزیز فرہاروی کی معروف کتاب "الناصبہ عن طعن امیر المؤمنین معاویہ" کا اردو ترجمہ بھی شامل ہے اور اس کا ابتدائیہ ہمارے کرم فرما رضاء الحسن قادری صاحب نے تحریر کیا ہے۔ جس میں کئی ایک چہروں سے نقاب کشائی کی گئی ہے۔ یہ کتاب بھی حامیانِ یزید کے لیے ایک تازیانہ ہے۔ جس میں اہل علم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی منقبت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ فسقِ یزید پر بھی خامہ فرسائی کی ہے۔

افراط وتفریط کے جراثیم اب مختلف طبقوں میں نئے نئے راستوں سے داخل ہو چکے ہیں۔ افراط وتفریط کا مشاہدہ کیا اب بھی لوگوں کے لیے مشکل ہے کہ یزید کو تابعی کہنے والے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں اور کافر کہنے والے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے لاتعلق ہو چکے ہیں۔ اعتدال اور میانہ روی کے کرشمے دیکھیے کہ جنہوں نے یزید کو فاسق کہا اور اس کے اعمال وکردار کو کبھی اچھے پیرائے میں لے کر نہ آئے وہ آج بھی حضور علیہ السلام کے ایک ایک صحابی پر جان چھڑکتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس لیے پچھلوں کی بات تسلیم کرنے میں ہی خیر ہے اور "اجتہاد" جسے کہتے ہیں وہ سلفِ صالحین کے وضع کردہ اصولوں کے تحت ہی ہوتا ہے، بصورتِ دیگر "الحاد" تو ہوسکتا ہے، اجتہاد نہیں۔ تو کیوں نہ یزید کے متعلق بھی ہم وہی رائے قائم کریں جو صدیوں سے چلی آ رہی ہے عافیت کی راہوں کو چھوڑ دینا اور خواہ مخواہ خلجان میں پڑ جانا اور دوسروں کو ذہنی وفکری الجھاؤ کا شکار کر دینا کوئی دانش مندی نہیں ہے۔

دنیا میں دو قسم کے آدمی بدبخت ہوتے ہیں: (۱) کسی نبی کو شہید کرنے والا، (۲) کسی نبی کے ہاتھوں قتل ہو جانے والا۔

اور دو قسم کے لوگ خوش نصیب ہوتے ہیں۔

①: ایمان کی حالت میں نبی کی زیارت کرنے والا۔

②: یا جس مومن پر کسی نبی کی نگاہیں پڑ گئیں مثلاً حضرت عبداللہ بن مکتوم رضی اللہ عنہ اور چند ایک دیگر نابینا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔

یزید نہ صحابی ہے اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی صحبت بحالت تقویٰ اختیار کرنے والا ہے، بلکہ صحابی کا قاتل ہے۔ سو صحابی کا دامن چھوڑ کر کسی فاسق کی مدح میں لگ جانا ایک ادنیٰ درجے کے مسلمان کے لیے بھی قیامت سے کم نہیں ہے۔ بعض لوگ غلط فہمیوں کا شکار رہتے ہیں۔ مگر غلط فہمی انہی کی دور کی جاسکتی ہے جن میں فہم نام کی کوئی چیز پائی جاتی ہو۔ دنیا کا کونسا مذہبی، سیاسی، معاشی یا اقتصادی مسئلہ ہے جس میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کا تدارک نہیں ہوسکتا؟ مگر جن کے دماغوں میں چمگادڑیں اڑ رہی ہوں وہ سرے سے ہی کم فہم ہوتے ہیں۔ پھر ان کا لب ولہجہ وہ تعفن پھیلاتا ہے کہ توبہ ہی بھلی..... مندرجہ ذیل ایک اقتباس پڑھیے۔

''چکوال کے قاضی مظہر حسین صاحب نے اکابر کے نام پر، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اور بالخصوص سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنی تنقید کا نشانہ بنایا''

(نقیب ختم نبوت، سید ابوذر بخاری نمبر صفحہ ۱۸۶، بابت اکتوبر، نومبر ۱۹۹۷ء)

اب ایک دریدہ دہن شیعہ مصنف کا اقتباس پڑھیے۔ غلام حسین نجفی آنجہانی لکھتے ہیں:

''قاضی جی! آپ کی صحابہ پرستی کی کوئی حد بھی ہے یا نہیں؟

(ماتم اور صحابہؓ صفحہ نمبر ۱۵۵، مطبوعہ اکتوبر ۱۹۷۶ء)

یہ دونوں عبارتیں بلاتبصرہ درج کر دی گئی ہیں۔ صحابہ کے دشمن حضرت اقدس قاضی صاحبؒ کو ''صحابہ پرستی'' کا طعنہ دے رہے ہیں اور یزیدی النسب لوگ ''صحابہ پر تنقید کرنے والا'' قرار دے رہے ہیں۔

آنکھوں والا ترے جوبن کا تماشہ دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے؟

قارئین کرام! ظاہر ہے کہ یہاں غلط فہمیاں نہیں ہیں، فہم ہی مفقود ہے اور غیر فہیم لوگوں سے مخاطب ہونا اپنا سر دیوار پر دے مارنے کے مترادف ہے۔

ان بونوں سے کوئی پوچھے کہ ہمیشہ دعوے کے بعد دلیل دی جاتی ہے۔ بلا دلیل دعویٰ جھوٹ ہی کی ایک قسم ہے۔ دعویٰ یہ ہے کہ حضرت اقدس قاضی صاحبؒ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ کہاں بنایا؟ کوئی تحریر؟ کوئی تقریر؟ معترضین پانچ بار بھی جنم لے کر آتے رہیں تو کہیں ایک سطر نہیں دکھا سکتے۔ سچ ہے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے، لگتا ہے یہاں تو جھوٹ بولنے والوں کا بھی کچھ نہیں رہا.....اور اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بیٹے یزید کے فسق اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عداوت رکھنے والوں کی نقاب کشائی سے کوئی تکلیف ہے تو پھر اکیلے نہیں، شیعوں کے ساتھ مل کر ماتم کیجیے کیونکہ مولانا قاضی مظہر حسینؒ نے آپ کی گت بنا کر اسلام کے آفاقی اصولوں کا دفاع کیا ہے۔

## مولانا ابوالحسن ندویؒ اور حضرات حسنینؓ

مولانا ابوالحسن ندویؒ المعروف علی میاں کے علم و فضل کا ایک جہان معترف ہے۔ آپؒ نے اپنی زندگی کی بے شمار تقریروں میں حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی حکمتوں اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے یزید سے ٹکرا جانے کی مصلحتوں سے پردہ اُٹھایا اور خبردار کیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہمارا تعلق کس نوعیت کا ہے اور صحابہ کے خون سے ہولی کھیلنے والے کس حیثیت کے مالک ہیں؟ ان کے خطبات کے مندرجہ ذیل اقتباسات میں تطہیر عقائد کا کتنا سامان موجود ہے؟ پڑھیے:

''میں اپنے تاریخ کے مطالعہ کی روشنی میں صاف کہتا ہوں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا اقدام بالکل صحیح تھا جو انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں کیا تھا اور پھر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر فرمایا تھا 'ان ابنی هذا سید وسیصلح الله به بین فئتین من المسلمین'' میرا یہ بیٹا سردار ہے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح

کرادے گا۔ یہ بات حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لیے ایک خبر نہیں تھی بلکہ یہ آپ کے لیے ایک وصیت تھی منشاء رسول تھا، اللہ کے رسول کا منشاء بھی اور پیارے نانا جان کا منشاء بھی۔ چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اس کو خالص حکم نبوی سمجھا اور اس کے مطابق جو اقدام کیا وہ بالکل صحیح تھا کہ معاملہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، وہ صحابی تھے، کاتب وحی تھے، قریبی رشتہ دار تھے اور کوئی بات موجب خروج اور تلوار اٹھانے کی نہ تھی ان کی مخالفانہ فوجی اقدام کا نتیجہ خونریزی کے سوا کچھ نہ ہوتا۔ ان کو جب بعض جوشیلے لوگوں نے طعنہ دیا کہ یہ ننگ و عار کی بات ہے تو فرمایا "العار خیر من النار" اسی طریقہ سے جب معاملہ یزید کا آیا تو میرے نزدیک حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا اقدام سو فیصد صحیح تھا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یہی کرنا چاہیے تھا، ورنہ قیامت کے دن تک کے لیے قرن اول کا کوئی نمونہ ہمارے سامنے نہ ہوتا کہ جب کوئی غلط اقتدار قائم ہوجائے اور جب معاشرہ کی سیرت و کردار کے تبدیل ہوجانے کا خطرہ پیدا ہوجائے۔ جب حکومت بجائے امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور بجائے تقویٰ وطہارت پیدا کرنے اور بجائے خدا ترسی اور عبادت کا ذوق بنانے کے، سیر وشکار اور تعیش ولذت اندوزی کا ذوق پیدا اور دولت واقتدار کا غلط استعمال ہونے لگے تو ہمارے سامنے کوئی نمونہ اس کا بھی ہونا چاہیے تھا کہ کوئی اللہ کا بندہ اُٹھے اور اس کو چیلنج کرے اور اس کے مقابلہ میں آجائے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو آپ اسلام کی بعد کی تاریخ میں دیکھتے کہ وہ ساری کی ساری اس مصرعہ کی تعمیل ہوتی۔

چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی

یزید کے فعل کی شناعت اور یزید کے فسق پر امام احمد بن حنبلؒ کے متعلق صاف آتا ہے کہ ان کے صاحبزادہ نے کہا ابا جان کچھ لوگ کہتے ہیں آپ یزید کو پسند کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا بیٹا جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہو کیا وہ یزید کو پسند کرسکتا ہے؟ صاحبزادہ نے عرض کیا کہ پھر آپ لعنت کیوں نہیں بھیجتے؟ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ تم نے اپنے باپ کو کب کسی پر لعنت کرتے ہوئے سنا ہے؟ یہی امام ابن تیمیہؒ کا مسلک ہے، جن کا مکالمہ تاتاری قائد بولائی سے

ہوا تو یزید کے بارے میں سخت الفاظ استعمال کیے۔ اس سے اپنی برأت کا اظہار کیا اور اس کے فعل کی شناعت بیان کی۔ یہی مسلک تھا حضرت مجدد الف ثانیؒ ، شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ اور ہمارے تمام پیشواؤں کا۔ یہی مسلک تھا امام اہل سنت مولانا عبدالشکورؒ کا میں ان کو جانتا ہوں کہ ان کو اہل بیت سے کتنا تعلق تھا؟ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما سے کتنا تعلق تھا۔ (خطبات علی میاںؒ جلد پنجم، صفحہ ۳۱۴-۳۱۸)

## خلاصہ

مولانا علی میاںؒ نے نہایت عام فہم انداز میں حقیقت سے پردہ اُٹھا دیا ہے کہ حضور علیہ السلام کے صحابہؓ کا ہر اُٹھنے والا قدم محض دین کی بقاء کے لیے ہوتا تھا۔ اگر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کر کے حکومت اُن کے سپرد کر دی تھی تو اس میں انہیں دین کے لیے خیر نظر آئی تھی اور امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی حکومت سے بغاوت کی تو اُن حالات میں اس بدقماش کے لیے یہی فیصلہ ٹھیک تھا۔ صحابی کا صحابی سے اختلاف ہو جائے تو دونوں قابل قدر رہتے ہیں اگرچہ کمالات اپنے اپنے ہوتے ہیں جس طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین ہونے والے اختلاف میں حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اجتہاد خطاء پر تھا اور مجتہد کو خطاء پر بھی ایک نیکی ملتی ہے۔ یہ پوری امت کا نظریہ ہے۔ الحاد کے مریض اجتہاد کی عظمتوں کو کیا جانیں؟ یہی وہ نظریہ ہے جو قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رضی اللہ عنہ نے پیش فرمایا جسے ''تنقید'' کا نام دے کر اللہ کے نیک بندوں پر تہمتوں کا دروازہ کھولا جاتا ہے۔ اور اگر صحابی کا غیر صحابی سے اختلاف ہو تو حق ہمیشہ صحابی کے ساتھ ہوتا ہے اور مدِ مقابل بدفطرت ہوتا ہے۔ اب تک تو تابعی اُسی کو کہا جاتا رہا جو نیکی کے ساتھ کسی صحابی سے فیض حاصل کرے مگر اب یار لوگوں نے نیا میدان مار لیا ہے اور باور کرواتے پھر رہے ہیں کہ نہیں، صحابہ کو قتل کرنے والا بھی تابعی ہوتا ہے..... ان بے ضمیروں سے کیا بعید کہ کل کلاں عبدالرحمن بن ملجم اور ابولولوء کو بھی تابعی کہہ دیں اور پھر باچھیں چیر کر کہیں ''قاضی مظہر تو صحابہ پر تنقید کرتے تھے۔''

## یزیدی اقلیت

اقلیت ہمیشہ منظم ہوتی ہے۔ یزیدی فکر کے لوگ اگرچہ اقلیت میں ہیں مگر یہ واحد اقلیت ہے جن کا آپس میں بھی کوئی رشتہ ناطہ نہیں۔ لفظ ''اقلیت'' سے ممکن ہے بعض حامیانِ یزید بھڑک اُٹھیں۔ کیونکہ اس فکر کے لوگ عموماً شعلہ طور ہوتے ہیں۔ ان کے منہ سے لعاب کم اور شعلے زیادہ نکلتے ہیں سو خاطر جمع رکھیے کہ یہ کوئی مذہبی شناخت کے طور پر نہیں ہے، ایک عددی تناسب کے اعتبار سے ہے۔ اہل السنت والجماعت کے مقابلہ میں یہ لوگ ''اقلیت'' ہی کہلائیں گے اور ان کے آپس میں بھی بیانات نہیں ملتے یہ ایک مجموعہ تضادات اقلیت ہے ان کا دعویٰ ہے کہ یزید کو فاسق قرار دینے والوں نے رفض وبدعت کو نہ پڑھا ہے نہ سمجھا ہے۔ حالانکہ جنہوں نے یزید کو مومن کامل سمجھ رکھا ہے انہوں نے شیعیت کو نہیں سمجھا اور اس دعوے پر ہم درجنوں ان اہل علم کے حوالہ جات پیش قارئین کر چکے ہیں جن کی ساری زندگی اس محاذ پر صرف ہوئی۔

۱۹۱۸ء میں چکوال کے اندر ایک تاریخی مناظرہ ہوا تھا۔ اہل سنت کی جانب سے قائد اہل سنت حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسینؒ کے والد گرامی ابوالفضل مولانا قاضی کرم الدین دبیرؒ نے خصوصی طور پر امام اہل سنت علامہ عبدالشکور لکھنویؒ کو دعوت دی تھی۔ اہل تشیع کے مناظر مرزا احمد علی امرتسری اور دیگر علمائے شیعہ نے دورانِ مناظرہ یہ اعتراض کیا کہ سنی کتابوں میں یزید کو خلیفہ لکھا گیا ہے۔ اس کا جواب علامہ لکھنویؒ نے یہ دیا تھا۔

''خلیفہ ہونا کوئی فضیلت وخوبی نہیں۔ ہاں خلیفہ کے ساتھ عادل یا راشد یا برحق کا لفظ بھی ہو تو تعریف ہو سکتی ہے۔ یزید کو علماء اہل سنت نے ظالم وجابر لکھا ہے''

(میزان المقال فی مناظرۂ چکوال، مرتبہ مرزا احمد علی امرتسری)

نوٹ: اس مناظرہ کی روداد اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کے علماء نے قلمبند کی تھی مگر ہم نے شیعہ رُوداد کا حوالہ دیا ہے۔ تاکہ شیعوں پر بھی حجت رہے، اس کتاب کا مکمل عکس ہمارے پاس موجود ہے اور اصل کتاب شیعی ادارہ جامعۃ المنتظر لاہور کے

لائبریری میں ۱۵۵۵۲ نمبر کے تحت موجود ہے۔ اس اُمت کو اللہ تعالیٰ نے اجتماعی ضلالت سے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا ہے۔ چودہ صدیوں میں یزید کو فاسق و فاجر کہنے والوں اور اس کی حمایت کرنے والوں کا موازنہ کر لیجیے۔ حمایتی دو چار صدیوں کے وقفے سے دو چار ہی ملیں گے اور وہ بھی فکری تزلزل کا شکار اور دلیل و برہان سے عاری..... جب کہ فاسق کہنے والے تواتر اور تسلسل کے ساتھ چلے آ رہے ہیں۔

حضرت سید علی ہجویریؒ کا یزید کے متعلق موقف ہم پہلے مع تبصرہ پیش کر آئے ہیں۔ آپؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب خاندان اہل بیت کا مظلوم اور لٹا پٹا قافلہ دربار یزید میں پیش کیا گیا تو ایک درباری نے حضرت زین العابدینؒ سے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ اصبحنا من قومنا بمنزلۃ قوم موسیٰ من آلِ فرعون یعنی ہم اس قوم میں ایسے ہی رہ رہے ہیں جیسے قوم موسیٰ علیہ السلام فرعونیوں میں رہ رہی تھی۔ (کشف المحجوب، ص ۶۴)

یزیدیوں کو فرعونیوں سے تشبیہ دینے والے کوئی اور نہیں، سیدنا زین العابدینؒ ہیں جو کے از متاثرین سانحہ کربلا ہیں..... علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ یزید کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ شراب نوشی کے متعلق ایک شعر کہا کرتا تھا۔

فان حرمت یوما علی دین احمد
فخذھا علی دین المسیح ابن مریم

(تفسیر مظہری جلد نمبر ۵، ص ۲۷۱)

شریعت محمدیہ میں اگر شراب کی حرمت ہے تو اسے دین مسیح علیہ السلام کے مطابق پی لیا کر۔ یعنی خواہشاتِ نفسانی کی تکمیل کے لیے اگر دین اسلام میں گنجائش نظر نہ آتی ہو تو پچھلے ادیان کا سہارا لے لینا چاہیے۔ یہ تھا حامیانِ یزید کے ممدوح کا حال، جسے یہ لوگ ''تابعی'' کہہ کر پھولے نہیں سماتے۔ واقعہ حرہ جو یزید کے دورِ حکومت کا دوسرا سیاہ کارنامہ ہے جس میں یزیدی فوجوں نے مدینہ منورہ پر چڑھائی کر دی تھی اور یزیدی کمانڈر مسلم بن عقبہ نے یہاں پر پتھراؤ کروا کر حرم نبوی کو پامال کیا تھا۔ اس سانحۂ فاجعۂ کے بعد مشہور صحابی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے دیکھا کہ ان کی ڈاڑھی کے بال مبارک جگہ جگہ سے

اکھڑے ہوئے ہیں۔ لوگوں نے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ یزیدیوں اور شامیوں کے ظلم کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ پہلے ایک گروہ میرے گھر میں گھس آیا اور سارا کا سارا مال و متاع، یہاں تک پانی پینے والا پیالہ بھی لے گئے اور دوسرا گروہ داخل ہوا تو انہوں نے گھر خالی دیکھ کر مجھے پیٹنا شروع کر دیا اور میری ڈاڑھی کے بال کھینچ لئے۔" (جذب القلوب، ص ۳۳)

اندازہ کیجیے! اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین جتنی یزید کے دور میں ہوئی اس کی مثال کم ہی ملتی ہے۔ صحابہ کی عزتیں مجروح ہوئیں اور گردنیں کٹیں۔ یاد رہے کہ یہ واقعہ علامہ ابن حجر مکیؒ نے اپنی کتاب "تطہیر الجنان" میں بھی لکھا ہے، جس کا اردو ترجمہ امام اہل سنت علامہ عبدالشکور لکھنویؒ نے "تنویر الایمان" کے نام سے کیا تھا۔ اس واقعہ حرہ میں معروف صحابی حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے تھے اور علامہ قسطلانیؒ شارح بخاری فرماتے ہیں:

"وقتل بها جماعة من حملة القرآن وقتل جماعة صبرا منهم معقل بن سنان ومحمد بن ابی الجهم بن حذیفة وجالت الخیل فی مسجد رسول الله صلی الله علیه وسلم۔"

(ارشاد الساری شرح صحیح بخاری، جلد نمبر ۱۰، ص ۲۰۰)

ترجمہ: قرآن کریم کے حافظوں کی ایک جماعت کو شہید کیا گیا اور ایک جماعت کو باندھ کر سوئے مقتل لے جایا گیا جن میں حضرت معقل بن سنان رضی اللہ عنہ اور ابن حذیفہ رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ یزیدی لشکر نے مسجد نبوی میں گھوڑے تک دوڑا دیئے تھے۔

## الٰہی انتقام

سانحہ کربلا اور واقعۂ حرہ میں بشمول یزید اللہ تعالیٰ نے چُن چُن کر سب کو عبرت کا نشان بنایا۔ یزیدی کمانڈر مسلم بن عقبہ تو مدینہ سے مکہ واپس جاتے ہوئے اچانک ایک موذی مرض کا شکار ہو کر مر گیا۔ علامہ نور پشتیؒ کے حوالہ سے وکیل احناف ملا علی قاریؒ نے لکھا ہے کہ:

فلا جرم انه انماع کما ینماع الملح فی الماء ولم یلبث ان ادرکه الموت وهو بین الحرمین

(مرقات شرح مشکوۃ جلد نمبر ۱۰، ص ۱۲۷)

''پس لاشک کہ وہ ایسے ہی گھل گیا، جیسے نمک پانی میں گھلتا ہے اور موت کی گرفت سے بچ نہ پایا اور دو حرموں کے درمیان (مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ) میں چل بسا''

اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے یزید کے انجام کے متعلق لکھا ہے کہ:

''ظاہر شد از حال یزید شقی کہ بعد از واقعہ حرہ مدت اندک فرصت بہلاک شد و بعقاب الٰہی والم دق وسل بگداخت و فانی شد'' (اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۳۹۵)

ترجمہ: یزید کم بخت کے حال سے ظاہر ہے کہ وہ واقعہ حرہ کے بعد تھوڑا ہی عرصہ زندہ رہا اور سل و دق کے امراض میں گھرتا ہوا فنا ہو گیا۔

قارئین کرام! ظالم اور مظلوم، قاتل اور مقتول، صالح اور فاسق سب دنیا چھوڑ گئے مگر یزید مرنے کے بعد مزید مر گیا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ حیاتِ جاوداں پا گئے۔ کوئی صحابی طبعی موت سے بھی دنیا چھوڑ جائے تو زمین کا ذرہ ذرہ اس کی عظمت کا ترجمان بن جاتا ہے اور جب کوئی صحابی ظلماً شہید کر دیا جائے تو ریت کے ذروں کو بھی زبان لگ جاتی ہے جو اس کی توصیف و مدح میں تا صبح قیامت وقف رہتے ہیں۔ لوگ سوال کرتے ہیں کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کا تن کہاں دفن ہے؟ سر مبارک کہاں ہے؟ مدفن کے متعلق صحیح کیا تحقیق ہے، اہل عقل تو تحقیق میں پڑ جاتے ہیں اور اہل عشق علامہ سیماب اکبر آبادیؒ کا یہ شعر دُہرا جاتے ہیں۔

میں مر کر بزم وفا میں آج بھی زندہ ہوں
تلاش کر میری محفل میرا مزار نہ پوچھ

## حامیانِ یزید کا شکوہ

حامیان یزید شکوہ کناں ہیں کہ آپ دشمنانِ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو تقویت دے رہے ہیں اور اہل تشیع میں سے وہ قاری، جو فسقِ یزید پر ہماری نگارشات پڑھتے ہیں، کہتے ہیں کہ آپ کیسے مخالفِ یزید ہیں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پہ جان چھڑکتے ہیں؟ گویا شیعوں کے نزدیک یزید کا مخالف وہ ہوتا ہے جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر تبرا کرے اور حامیانِ یزید کے نزدیک محبِ معاویہ رضی اللہ عنہ وہ ہے جو

جہاں کے سارے کام کاج چھوڑ کر یزید کی مدح سرائی میں وقف ہو جائے۔ یہ خود ساختہ معیار ہے جب کہ ہم ''خدا ساختہ'' معیار پر یقین رکھتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بھرپور حمایت کرتے ہیں اور یزید کی مخالفت، حمایت بھی انہی کی معتبر ہوتی ہے جو اختلاف کی جرأت رکھتے ہیں..... بعض بھولے بھالے حامیانِ یزید ایسے بھی ہیں جن کی کوئی پختہ فکری اساس نہیں ہے۔ بس وہ ایک پروپیگنڈا مہم کا شکار ہیں۔ اور خود پروپیگنڈا کرنے والے ضد کے مریض ہیں۔ چنانچہ گزشتہ دنوں ایک حامیٔ یزید نے تنگ آ کر کہا کہ ''یہ بدبخت یزید ہمارے گلے پڑ گیا ہے، ہمارا اصل مقصد تو دفاعِ صحابہ تھا''۔ یہ ایک خوش آئند بات ہے کیونکہ

آثارِ سحر کے پیدا ہیں اب رات کا جادو ٹوٹ چکا

ہمارا اصل مقصد ہی یہی ہے کہ غلط فہمیوں کا ازالہ ہو۔ اس لیے جب بھی کوئی ہمارے اس مضمون پر اعتراض وارد کرتا ہے، یا کوئی نیا سوال اُٹھاتا ہے تو ہم نقد و نقد تبصرہ پیش کر دیتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ سنی نوجوان مسلسل تذبذب کے گرداب میں خود کو نہ رکھیں..... بھول بھلیوں میں زندگی گذار جانا حماقت ہے۔ ہم کافی حد تک مطمئن ہیں کہ اب ظلمتِ شب آہستہ آہستہ سکڑ رہی ہے اور بہت جلد

ظلمت کے بھیانک ہاتھوں سے تنویر کا دامن چھوٹ چکا

کا قابلِ رشک منظر اُبھرنے والا ہے، رہ گئی شیعیت، تو ہم بارہا اظہار کر چکے ہیں کہ ان کے ساتھ ہمارا اختلاف اصولی ہے، سکولی یا فروعی نہیں..... اہل سنت والجماعت کا بنیادی محور یہ ہے کہ افراط اور تفریط سے امت کو پاک کر دیا جائے..... یہ زہرِ ہلاہل ہے اس لیے محمود احمد عباسی نے باوجودیکہ انتہائی متانت، سنجیدگی اور کمال نثر نگاری کا مظاہرہ کیا، مگر ان کی یزید دوستی کا سب سے پہلے اور سب سے زیادہ علماء اہل سنت نے ہی پردہ چاک کیا..... اس کا اعتراف خود اہل تشیع بھی کرتے ہیں اور ہم پہلے اس پر اُن کے حوالہ جات پیش کر آئے ہیں۔ محمود احمد عباسی

کی کتاب ''خلافت معاویہؓ و یزید'' کا بعض شیعہ علماء نے بھی جواب لکھا، مگر ان میں وہی کچھ تھا، جس کی اہل تشیع سے توقع ہوسکتی ہے یعنی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تبرا و زبان درازی! چنانچہ عباسی صاحب کی کتاب کی اشاعت کے بعد جلد ہی سید محمد باقر نقوی نے ایک جوابی کتاب ''اموی دور خلافت'' لکھی اور ساتھ ہی اخبار سرفراز میں مضامین شائع ہونا شروع ہوئے تو برصغیر کے علمی و تحقیقی مجلہ ''معارف'' میں ان شیعی و یزیدی کتب پر بایں الفاظ تبصرہ کیا گیا تھا۔

''انہوں (نقوی صاحب) نے اس کتاب میں کمالِ فن کا پورا مظاہرہ کیا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید کس شمار میں ہیں، ان کے انتقام نے خلفائے ثلثہ، ناموسِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے اجلہ صحابہ کو بھی نہیں چھوڑا ہے۔۔۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر تو وہ ملاحیاں اڑائی ہیں کہ شرم وحیاء کی نگاہیں نیچی ہوجاتی ہیں اور یہ ان (اہل تشیع) کا نقص نہیں بلکہ ہنر اور کمال ہے۔ زبان کے یہ جوہر اور حسنِ بیان کے یہ نمونے اب لکھنؤ کے مخصوص طبقوں کے علاوہ اور کہیں سننے میں نہیں آسکتے۔ وہیں سے اس کی صحیح داد بھی مل سکتی ہے''

اور عباسی صاحب کی کتاب کے متعلق یوں لکھتے ہیں کہ:

''ہم کو توقع تھی کہ جس طرح سنیوں کے اکثر اکابر اور ان کے علمی و دینی اداروں نے محمود احمد عباسی کی کتاب کی مخالفت کی ہے اسی طرح شیعہ جماعت بھی ''اموی دور خلافت'' کی مخالفت کرے گی لیکن ایک آدھ شیعہ اصحاب کے علاوہ شیعہ کی جانب سے اس کی مخالفت میں کوئی آواز بلند نہیں ہوئی..... حالانکہ ''خلافت معاویہ و یزید'' ایک شخص کا ذاتی فعل تھا۔ اہل سنت کی کسی جماعت کو اس سے کوئی تعلق نہ تھا اور ''اموی دور خلافت'' ایک شیعہ ادارے ''شیعہ کانفرنس'' سے نکلی ہے اور دل آزار مضامین اس کے ترجمان ''سرفراز'' میں شائع ہوئے ہیں اس لیے ان کی مخالفت کرنا شیعوں کے لیے اور بھی ضروری تھا۔ یہ کتاب اہل سنت کے لیے سخت دل آزار ہے ہم کو توقع ہے کہ جس طرح حکومت نے

''خلافت معاویہ و یزید'' کو ضبط کیا ہے اسی طرح ''اموی دورِ خلافت'' کو بھی ضبط کرے گی ورنہ اس کے جواب الجواب کا سلسلہ شروع ہو گیا تو اس سے یہ فتنہ اور بڑھے گا''

(''معارف'' اعظم گڑھ، جنوری ۱۹۶۰ء، بمطابق رجب المرجب ۱۳۷۹ھ)

ایک موقر جریدے کا یہ تبصرہ اہل سنت والجماعت کے مسلک اعتدال کا پورا ترجمان ہے ایک طرف اگر دشمنانِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی دل آزار کتابوں پر احتجاج ہے تو دوسری جانب عباسی صاحب کی کتاب سے برأت کا اظہار بھی ہے..... حامیانِ یزید کا یہ اعتراض بالکل عامیانہ اور جاہلانہ ہے کہ فسق یزید کے نظریئے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت مجروح ہوتی ہے۔ کوئی سنی مسلمان گستاخی صحابہ کا مرتکب نہیں ہوسکتا اور جو ہو جائے پھر وہ سنی نہیں رہتا۔ کامرہ کلاں ضلع اٹک سے ۱۲۸ صفحات پر مشتمل بدنامِ زمانہ کتاب ''سیاستِ معاویہ'' شائع ہوئی تھی۔ جس میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات والا بابرکات پر کیچڑ اچھال کر مصنف نے اپنا مشکوک نسب عیاں کیا۔ اسی مصنف کو پھر شیعہ طبقوں میں پذیرائی دی گئی اور آج وہ بدقسمت شیعیت سے لوریاں لے رہا ہے۔

## حامیانِ یزید کی ایک ناکام چال

تاریخ کی اکثر کتب میں مورخ کسی بھی شخصیت کے متعلق منفی و مثبت دونوں آراء درج کر دیتے ہیں اور اس کے بعد وہ اپنا نقطۂ نظر بیان کرتے ہیں۔ تاریخ طبری وغیرہ میں یہی اسلوب ہے اور علامہ ابن کثیرؒ کی البدایہ والنہایہ کا ماخذ بھی تاریخ طبری ہے۔ چنانچہ حامیانِ یزید مورخین کا پیش کردہ تصویر کا ایک رُخ پیش کر کے غلط فہمی پیدا کرتے رہتے ہیں یا پھر یزید کی حمایت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے غیر معتبر اقوال سناتے رہتے ہیں واقعہ کربلا کے بعد کسی صحابی تو درکنار، نچلے درجے کے عام گناہ گار مسلمان نے بھی یزید کی حمایت نہیں کی۔ یزید جب مسند خلافت پر آیا تو اس کی بعض بداعمالیوں کے چرچے ضرور تھے مگر صحابہؓ جیسی موقف ہستیاں حُسنِ ظن سے کام لیتیں اور بداعمالیوں کے مقابلہ میں اکا دُکا اچھے کاموں کو بیان کیا جاتا تھا۔ مگر سانحۂ کربلا اور واقعۂ حرّہ کے بعد تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کے لیے اجتماعی

بددعائیں کیں اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ جیسے زاہد و عابد صحابی، جن کی کثرت عبادت کے صحابہؓ میں چرچے تھے اور مولانا محمد یوسف کاندھلوی نے لکھا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کا مسجد میں اس حد تک قیام رہتا تھا کہ لوگ آپ کو مسجد کا کبوتر کہتے تھے۔ (حیاۃ الصحابہؓ ج ۱، ص ۳۵۵)

آپ رضی اللہ عنہ خلیفہ اول سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نواسے تھے، جب شہادت حسین رضی اللہ عنہ کی خبر سنی تو دعا کی فرحم اللہ حسینا واخذی قاتلہ ولعن من امر بذالک ورضی بہ پس اللہ تعالیٰ حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائیں، اور ان کے قاتلوں کو خدا ذلیل کرے، اور جس (یزید) نے قتل کا حکم دیا اور قتل پر راضی ہوا اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ (تذکرۃ الخواص ص ۲۸)

اور جب محاصرۂ مکہ مکرمہ کے دوران یزید کی موت کی اطلاع آئی تو حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یا اھل الشام قل اھلک طاغیتکم اے شام والو تمہیں بہکانے والا تمہارا لیڈر آج ہلاک ہوگیا ہے۔ روئے زمین پر اس سے بڑا خوش نصیب کوئی نہیں جسے کے سینے پر ''صحابیت'' کا تمغہ سجا اور روئے زمین پر اس سے بڑا بدنصیب کوئی نہیں، جس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بددعائیں لیں، سو عظمتیں حسین رضی اللہ عنہ کا مقدر اور رسوائیاں یزید کا نصیب ٹھہریں۔

## اہل مدینہ کی برائی چاہنے والوں کا انجام

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

''جو شخص مدینہ میں رہنے والوں کی کوئی برائی چاہے اللہ تعالیٰ اُسے اس طرح غارت کریں گے جیسے نمک پگھلتا ہے۔''

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اراد اھل ھذہ البلدۃ بسوء یعنی المدینۃ اذا بہ اللہ کما یذاب الملح

امام نوویؒ فرماتے ہیں:

اذا بہ اللہ ذوب الرصاص فی النار ویکون ذالک من ارادھا فی الدنیا فلا یمھلہ اللہ ولا یمکن لہ سلطان بل یذھبہ عن قرب کما انقضی شان منھا زبھا ایام بنی امیۃ مثل مسیلم بن

عقبه فانه هلک فی منصرفة عنها ثم هلک یزید بن معاویة مرسلة علی اثر ذالک وغیرها ممن صنع صنیعهما (صحیح مسلم ج۱، ص ۴۴۵)

ترجمہ: اہل مدینہ کی برائی چاہنے والوں کو اللہ تعالیٰ سیسے کی طرح آگ میں پگھلا دے گا۔ یہ اس کی سزا ہے جو دنیا میں اس طرح کا کام کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ظلم کو وہاں مہلت نہیں دیتے اور وہاں اسے کبھی مضبوط تسلط نصیب نہیں ہوتا۔ یہی حال ہوا جنہوں نے بنی امیہ کے دور میں اہل مدینہ سے جنگ کی، مسلم بن عقبہ کی مثال لے لیجیے، جو مدینہ شریف سے لوٹتے ہی ہلاک ہوگیا، پھر اس کے بھیجنے والے یزید بن معاویہ کو دیکھیے اور ان جیسے دوسروں کو بھی، جو اہل مدینہ کی برائی کا ارادہ کر کے نکلے۔ (شرح صحیح مسلم جلد اوّل ۴۴۱)

اب یہ اپنے اپنے مقدر کی بات ہے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ سے رفعتیں نصیب ہوگئیں اور یزید کو رسوائیاں! آج چودہ صدیوں بعد بھی جو سرزمین گناہگاروں کا مقدر اُجال دیتی ہے۔ یزید کی کم بختی کہ اس نے اُسی سرزمین کو اصحاب رسول پر تنگ کر دیا تھا۔ یزید کی گردن پر صرف شہداء کربلا کا خون ہی نہیں ہے۔ مدینہ منورہ کی بے حرمتی کا وبال بھی ہے۔ اس لیے اہل السنۃ والجماعت نے یزید کو کبھی اپنے ممدوحوں میں جگہ نہیں دی اہل حدیث مسلک کے معروف عالم مولانا وحید الزمان صاحب کے بقول:

''مدینہ منورہ پر چڑھائی کی، حرم محترم میں گھوڑے باندھے، مسجد نبوی اور قبر شریف کی توہین کی ان گناہوں کے بعد بھی کوئی یزید کو مغفور کہہ سکتا ہے؟

علامہ قسطلانی نے کہا ہے کہ یزید امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر خوش ہوا اور اہانت اہل بیت پر خوشی کا اظہار کیا اور یہ امر متواتر ہے اس لیے ہم اس کے بارے میں توقف نہیں کرتے بلکہ اس کے ایمان میں بھی ہمیں کلام ہے۔ (تیسیر الباری شرح بخاری جلد ۱۱، ص ۹۴)

اور بریلوی مکتب فکر کے عالم مولانا شفقات احمد صاحب ''مکتوبات شیخ الاسلام'' کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

''کاروان دیوبند کے سرخیل بانی مدرسہ دیوبند مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور مولانا حسین احمد صاحب دیوبندی لکھتے ہیں۔

''چنانچہ بر تاریخ داناں و حدیث خواناں پوشیدہ نیست غائیت ما فی الباب خرابی بانے پنہانی کہ داشت ہمچوں منافقاں کہ در بیعت رضوان شریک بودند بوجہ نفاق رضوان اللہ نصیب اوشاں نشد یزید ہم از فضائل ایں بشارت محروم ماند''

(تحقیق مزید فی مسئلہ یزید صفحہ ۱۳۵، قادری رضوی کتب خانہ، لاہور)

ترجمہ: چنانچہ تاریخ جاننے والے اور حدیث پڑھنے والے حضرات اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ جس طرح اپنے دل میں خرابی رکھنے والے بیعت رضوان میں شریک منافقوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل نہیں ہو سکی تھی اسی طرح یزید (اپنی بدکرداریوں کی وجہ سے) اس بشارت سے محروم ہے۔''

دیکھیے کتنا محتاط اور پُر اعتدال نظریہ ہے۔ آج افراط و تفریط کا ایک طوفان آیا ہوا ہے۔ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شرعی عظمتوں کا انکار اور ان کی جناب میں بے ادبی کے اعتبار سے اب ایک مستقل ''تبرائی مسلک'' وجود میں آچکا ہے۔ کبھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی محبت کی آڑ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی توہین اور کبھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت کا لیبل لگا کر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص۔ اور کبھی حُب یزید سے مغلوب ہو کر شہداء کربلا خصوصاً سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بے ادبی ایک معمول بن گیا ہے۔

حال ہی میں روزنامہ ''امت'' کراچی بابت ۷، ۸ جولائی ۲۰۱۳ء میں ڈاکٹر سید رضوان ندوی صاحب کا دو قسطوں میں ایک مضمون بعنوان ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور قدیم مؤرخین و محدثین'' شائع ہوا ہے جس میں صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں غیر مودبانہ لب ولہجہ اپنایا گیا ہے۔ یہ بے ضمیر لوگ خدا جانے کیا چاہتے ہیں؟ جوں جوں ان کا سفر زیست آگے بڑھ رہا ہے اور یہ قبر کی پرتال کے قریب تر ہوتے جا رہے ہیں، خوف آخرت سے کلیۃً بے پرواہ ہو کر یہ امت کے اندر تذبذب اور انتشار پھیلا رہے ہیں، یہ لوگ باہمی نفرتوں کی آگ بھڑکا کر اہل سنت کا بچا کھچا اثاثہ تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

بحمد اللہ ہم نے فسق یزید کے ساتھ ساتھ سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا

پورا پورا دفاع کیا ہے۔ کچھ لوگ ''ترجمانِ اجداد'' بن کر سادات کے نام پر صحابہ کی بے ادبی کرتے ہیں۔ انتہائی بدقسمتی یہ ہے کہ پاکستان میں ''سید'' کہلانے والوں میں کچھ لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام کی مالا جپ کر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی بے ادبی کر رہے ہیں اور کچھ ''ترجمان اجداد'' ہونے کے زعم میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی انتہا درجے کی توہین کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم امت کے اشرف ترین لوگ ہیں، اور اہل اسلام کے سب سے بڑے محسن ہیں۔ جس کے دل میں ان کی عظمت اور وقار نہیں ہے اور محض ضد کی بنیاد پر وہ صحابہ کے دامن ابیض پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کرتا ہے، وہ خود بدنصیبی کے دلدل میں دھنس جانے کے قابل ہے۔

## کتاب ''سیاستِ معاویہ'' جھوٹ کا پلندہ ہے

گزشتہ سطور میں ہم نے ایک بدنام زمانہ کتاب ''سیاست معاویہ'' کا سرسری تذکرہ کیا ہے، اس کتاب کا موضوع وہی ہے جو شیعہ آنجہانی غلام حسین نجفی کی تمام کتابوں کا ہے، یعنی صحابہ کرام پر تبرا۔ اس کتاب میں بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان اقدس میں غلیظ قلم استعمال ہوا ہے۔ اس کے مصنف مہر حسین شاہ بخاری ہیں، جو کامرہ کلاں ضلع اٹک کے باسی ہیں اور انہوں نے اپنے ہم نظریہ عبدالقیوم علوی کے تعاون سے ۱۹۸۸ء میں یہ کتاب شائع کی تھی۔ اس کی کتابت، تصحیح، ترمیم، اضافہ، تعاون اور تصحیح جیسے جملہ امور عبدالقیوم علوی نے نمٹائے ہیں۔ جو بغض معاویہ کے شدید اور لاعلاج مریض ہیں۔ مہر حسین شاہ بخاری نے اس کتاب میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے شجرہ نسب پر ''شجرۂ خبیثہ'' کی سرخی جمائی ہے۔

(سیاست معاویہ، صفحہ نمبر ۸)

ایک جگہ ''معاویہ اور سمگلنگ'' نیز ایک جگہ لکھتے ہیں:

''ملوکیت و آمریت ایسی ہی بے لگام ہوتی ہے، لہٰذا ہمیں سابق صدر پاکستان یحییٰ خان وغیرہ، دیگر عرب و غیر عرب مسلمان سربراہان مملکت کو ملامت کرنے سے پہلے بانی ملوکیت معاویہ کی جڑ کاٹنی ہوگی۔ جو ہمارے معاشرے کے بہت سے عوام و خواص کے

دلوں میں جاگزیں ہے، بعدہٗ باقی شجرۂ خبیثہ پر ضرب کاری لگانی ہوگی۔ ہم احتجاج کرتے ہیں کہ بیرون ملک سے آنے والے سربراہان مملکت کے استقبال کے لیے قوم کی بیٹیوں کو بنا سجا کر کیوں کھڑا کیا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ بند ہونا چاہیے، لیکن دوسری جانب ہم معاویہ کے کردار کو سراہتے ہیں جس نے ننگا ناچ کرایا اور بے حیائی کا زبردست مظاہرہ خود کیا۔"

(سیاست معاویہؓ، صفحہ نمبر ۱۲۶)

قارئین کرام! مذکورہ اقتباس پڑھ کر اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ مؤلف سیاست معاویہ نے کسی شیعہ کھوکھ سے جنم لیا ہے۔ کوئی سنی العقیدہ مسلمان غلامانِ رسول ﷺ کے متعلق اتنی پستی میں گر کر اپنا منہ کالا نہیں کرتا۔ تُف ہے اس ذہنیت پر۔ مہر حسین شاہ کے متعلق غلام حسین نجفی آنجہانی نے لکھا تھا۔

"مولانا مہر حسین شاہ بخاری جو اہل سنت ہیں اور ہمارے معاصر ہیں"

(بنو امیہ اور معاویہ، بینڈ باجے سے خلافت تک، ص ۲۲۴، مطبوعہ جامعۃ المنتظر ماڈل ٹاؤن لاہور)

مصنف نے "سیاست معاویہ" کا اختتام اس سطر پر کیا ہے۔

"رسول مقبول ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق معاویہ کی وفات دیلہ (پھوڑنے) سے ہوئی ہے، لہٰذا معاویہ کا مقام خود بخود متعین ہوگیا اس پر مزید تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے"

لہٰذا ہم بھی یہ کہنے کا حق رکھتے ہیں کہ:

"جس شخص کو اہل سنت ہونے کا سرٹیفکیٹ غلام حسین نجفی آنجہانی سے مل رہا ہے، اس کا مسلک و مشرب خود بخود متعین ہوگیا اس پر مزید تبصرہ کی ضرورت نہیں ہے"

## فخر اہل سنت مولانا محمد نافع، عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم کے مخلص پہریدار

مصنف "سیاست معاویہ" نے اپنی کتاب میں تاریخی، مجہول، غیر معتبر اور غیر ثقہ حوالوں کی بنیاد پر سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات اقدس پر جو حملے کیے تھے وہ درحقیقت غلام حسین نجفی کی کتابوں کا چربہ و سرقہ ہیں۔ جن کی علمی و تحقیقی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ تاہم ازالۂ شبہات کے طور پر محقق العصر فخر اہل سنت حضرت مولانا محمد نافع مدظلہ نے "سیاست معاویہ" میں دیے گئے اعتراضات کے تشفی بخش جوابات دے

دیئے ہیں، جنہیں پڑھ کر ہر سلیم انسان کا ضمیر چمک اٹھتا ہے۔ اس کتاب کا نام ''سیرت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ'' ہے یہ دو جلدوں میں ہے، اور اب یہ دونوں جلدیں یکجا شائع ہو چکی ہیں ''سیاست معاویہ'' نامی کتاب کی اشاعت کے بعد ہی حضرت مولانا محمد نافع مدظلہ کی یہ دفاعی اور علمی کتاب منظر عام پر آگئی تھی۔

الحمد للہ! علماء کرام دفاع اسلام اور دفاع صحابہ کے حوالے سے اپنا فرض منصبی پورے جذبے سے ادا کر رہے ہیں۔ جس وقت کراچی سے نذیر احمد شاکر نے ''شمائل علی'' لکھ کر اہانت علی رضی اللہ عنہ کا دروازہ کھولا تھا اس وقت بھی مولانا محمد نافع مدظلہ نے ضخیم کتاب ''سیرۃ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ'' لکھ کر اہل سنت کا سر فخر سے بلند کیا تھا اور دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں بھی آپ نے خداداد صلاحیت، اور علم و فضل کو بروئے کار لاکر معاندین کے پرخچے اڑا دیے ہیں۔ یہی لوگ دراصل ''ترجمان اجداد'' ہیں۔ جو لوگ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کر رہے ہیں وہ مطلع رہیں کہ قیامت کے دن آپ باپ، دادا کے جوتوں سے اپنی چندیا نہیں بچا سکیں گے۔

## مسئلہ یزید اور مولانا محمد نافع مدظلہ

حضرت مدظلہ نے ''استخلاف یزید'' کے نام سے ایک مستقل باب میں اس موضوع پر نہایت معتدل اور لبریز از علم بحث فرمائی ہے، جس کا خلاصہ متقدمین کی تحقیق کی روشنی میں یہ نکالا گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حین حیات میں یزید کے طور و اطوار پوری طرح کھل کر سامنے نہیں آئے تھے۔ انہوں نے شامی لوگوں کے ممکنہ خطرے کے پیش نظر کہ یہ اموی شخص کے علاوہ کسی اور کو قبول نہیں کریں گے۔ اور نتیجتاً سلطنت تقسیم ہو جائے گی، یزید کو ولی عہد بنا دیا۔ اور ان کی وفات کے بعد جو یزید کے کارنامے مثلاً واقعہ کربلا، واقعہ حرہ اور مکہ شریف پر چڑھائی وغیرہ ظاہر ہوئے تو ان کا ذمہ خود یزید ہے نہ کہ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ! مولانا محمد نافع مدظلہ کی یہ کتاب علماء کرام اور دیگر تعلیم یافتہ دوست ضرور اپنے مطالعہ میں رکھیں۔ حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین نے آج سے ۳۷ سال پہلے فرمایا تھا۔

حضرت مولانا محمد نافع صاحب کی شخصیت اہل سنت کے لیے باعثِ افتخار ہے (۱)

قارئین کرام! ہم استدعا کرتے آرہے ہیں کہ ''فسق یزید'' ہمارا مستقل وظیفہ نہیں ہے چونکہ اسے فاسق نہ ماننے سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی عظمت اور شرف صحابیت پر زد پڑتی ہے، کہ یہ سانحہ فاجعہ اسی کے دور میں ہوا، اور اسی کے حکم پر ہوا لہٰذا اس کا دفاع کرنے سے منصب صحابیت مجروح ہوتا ہے۔ ہمارے موقف کی تنقیح ایک بار پھر از بر کر لیجیے کہ:

①: محض اہل تشیع سے ضد کی بنیاد پر یزید کی وکالت کرنا نادانی ہے کیونکہ اُن سے ہمارا اختلاف اصولی ہے۔

②: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر تنقید کرنا جہالت ہے۔

③: حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل بیت کی محبت کا دعویٰ کر کے نام نہاد ''ترجمان اجداد'' بن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین پر لے درجے کی غباوت ہے جیسا کہ مہر حسین شاہ جیسے خاندانی جاہل کر رہے ہیں۔

ان نادانیوں، جہالتوں اور غباوتوں سے چھٹکارا صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ نظریہ اہل سنت کے اس شجر کے نیچے آجایئے جس کا سایہ بھی ٹھنڈا ہے اور پھل بھی میٹھے ہیں۔ باقی سب بتانِ آذری!

## ''ناقدین امیر معاویہؓ'' نامی کتاب پر ایک نظر

''ناقدین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ'' کے نام سے حال ہی میں ایک کتاب منظرِ عام پر آئی ہے۔ اس کے مصنف مولانا پروفیسر طاہر علی الہاشمی ہیں۔ ۲۸۰ صفحات پر مشتمل یہ کتاب قاضی چن پیر الہاشمی اکیڈمی، حویلیاں ضلع ایبٹ آباد نے

(۱) (بشارت الدارین بالصبر علی شہادت الحسینؓ، ص ۶۶۸، طبع دوم، ادارہ مظہر التحقیق، لاہور)

نوٹ: حضرت قاضی صاحبؒ کی یہ مایہ ناز کتاب مصنف کتاب ہذا کے مقدمہ کے ساتھ بہت خوبصورت انداز میں چھپ گئی ہے اور ادارہ مظہر التحقیق لاہور سے دستیاب ہو سکتی ہے۔ (عثمان حسن)

شائع کی ہے۔ یہ کتاب پڑھ کر یقین میں مزید پختگی آئی ہے کہ حامیانِ یزید کا حدقۂ چشم نہایت ٹیڑھا اور بے نور ہو گیا ہے۔ اب علانیہ یزید کی حمایت اور وکالت سے یہ احباب عاجز و بے کس ہو چکے ہیں بلکہ یزیدی اثاثوں کا مکمل طور پر ستیاناس ہو چکا ہے اور راندہ درگاہِ معاویہ رضی اللہ عنہ اب انہی کے نام پر اپنی لٹی پٹی پونجی بچانے کے آخری داؤ پیچ استعمال کر رہے ہیں۔ اس کتاب کے منقوش اور خط و خال باطن کی مکمل عکاسی کر رہے ہیں۔ اس میں علماء اہل سنت کی ایک طویل فہرست ہے جنہیں حضرت میر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد کہا گیا ہے۔ علامہ ابوبکر جصاص رازیؒ ، علامہ تفتازانیؒ ، صاحب ہدایہ علامہ مرغینانیؒ ، میر سید شریف جرجانیؒ ، وکیل احناف ملا علی قاریؒ ، شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ ، صاحب نورالانوار ملا جیونؒ ، علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ ، حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ امام اہل سنت علامہ عبدالشکور لکھنویؒ اور قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ سمیت بڑے بڑے سُنی محققین کو ناقدین معاویہ رضی اللہ عنہ کی قطار میں دکھایا گیا ہے۔ اس کتاب کے آخری اوراق میں جا کر سید مہر حسین شاہ بخاری کا ذکر بھی ہے۔ حالانکہ یہ شخص ناقد معاویہ نہیں بلکہ دشمن معاویہ ہے اور ان کی کتاب ''سیاست معاویہ'' لفظ بہ لفظ زہر اگلتی ہے۔ مصنف نے ملت اسلامیہ کے جن اکابر کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ناقد کہا ہے انہوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق مندرجہ ذیل نظریہ پیش کیا ہے۔

① : حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں خطاء اجتہادی پر تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ صواب پر۔

② : حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے چونکہ فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا ہے اس لیے وہ نہ مہاجرین میں ہیں، نہ انصار میں۔

③ : حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت، خلافت راشدہ موعودہ نہیں ہے۔

ان عبارات کی بنیاد پر مصنف خود ہی عدالت لگا کر بیٹھ گئے۔ خود ہی جرح کرتے گئے اور خود ہی منصف بن کر ہر ایک کو ناقد معاویہؓ کہتے چلے گئے۔ حالانکہ ان

اصطلاحات سے سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے شرف صحابیت پر کوئی زد نہیں پڑتی اور نہ آج علماء امت نے اسلاف کی ان عبارات پر مشق سخن کی ہے۔ پروفیسر صاحب بھی چونکہ دلدادگان یزید میں شمار ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ ان اکابر کو دشمن یزید کہنے کی بجائے ناقد معاویہ رضی اللہ عنہ کہہ کر اپنے جراثیم چھپانا چاہتے ہیں۔ اپنے جراثیموں کو مارنے کا اہتمام کرنا چاہئے، بچانے کا نہیں۔ دراصل محبت یزید کی جو بجلیاں ان دوستوں کے رگ وپے میں کوندیں تھیں، ان سے اب ان کا باطن بھسم ہو کر رہ گیا ہے۔ راقم الحروف پوری تحدی کے ساتھ کہتا ہے کہ اہل تشیع کے رد میں ساری زندگی کام کرنے والے ہمارے بزرگوں کو ''ناقد معاویہ'' کہنا اہل تشیع کے خلاف ان کی جدوجہد سبوتاژ کرنے کا یزیدی منصوبہ ہے۔ آخر یہ برق آسا بے قراریاں حب یزید کا شاخسانہ ہی تو ہیں۔

اس کتاب میں مصنف نے سید مہر حسین بخاری، عبدالقیوم علوی، ڈاکٹر طاہر القادری صاحب، سید مودودی صاحب اور اسی قبیل کے چند ایک دوسرے لوگوں کی بے اعتدالیوں اور دھاندلیوں کے علاوہ جو پوری امت کے اکابر کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا گستاخ قرار دیا ہے، یہ ایک سنگین اور بدترین واردات ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ جیسی عبقری صفت شخصیت اور ان کی شہرۂ آفاق کتاب ''تحفہ اثنا عشریہ'' کے متعلق اس کتاب کے مصنف موصوف رقم طراز ہیں:

''تحفہ اثنا عشریہ..... میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف کافی مواد موجود ہے'' (صفحہ نمبر ۱۱۳)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

''صد افسوس کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے شرعی حکم، امساک، توقف اور سکوت پر کما حقہ گامزن نہ رہ سکے'' (صفحہ نمبر ۱۲۰)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے متعلق لکھا ہے کہ:

''موصوف نے جو انداز اور لب ولہجہ اختیار فرمایا ہے وہ ہرگز ہرگز فاتح عرب وعجم خال المسلمین، مدبر اسلام، بانی اسلامی بحریہ، کاتب وحی اور امیر المومنین سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے شایان شان نہیں ہے۔'' (صفحہ نمبر ۱۲۴)

## حضرت قاضی صاحبؒ کے ساتھ بُغض

علمی اختلافات کو پہلوانوں کا اکھاڑا نہیں بنانا چاہیے۔ توازن و اعتدال اور شائستگی و شستگی سے ہی کارگہ ہستی کا حُسن نکھرتا ہے۔ حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ نے باطل فتنوں کے خلاف جو دو دھاری تلوار چلائی تھی اس کی ضربیں یہ آج تک محسوس کر رہے ہیں۔ مصنف نے بھی اس کتاب میں حضرتؒ کی بعض عبارات کو توڑ موڑ کر خود ساختہ نتائج اخذ کیے اور پھر انتہائی گھٹیا الزام لگا کر اخلاق و تہذیب کے پھولوں کو مسلنے کی ناروا کوشش کی ہے۔ اس بُغضی قے کی بدبو تو سطر بہ سطر آ رہی ہے۔ اس وقت آپ ایک اقتباس ملاحظہ کریں۔

''حضرت قاضی صاحب خود تو اپنی زندگی میں توہین صحابہ کے جرم سے توبہ نہیں کر سکے جب کہ ان کے جانشین حضرات ان کے موقف و مشن پر سختی سے قائم ہی نہیں بلکہ جو اس موقف کے ساتھ اختلاف کرے اسے خارجی، یزیدی کہہ کر اہل سنت والجماعت سے خارج کر دیتے ہیں۔'' (ص ۲۲۲)

حضرت اقدسؒ نے زندگی کا ایک ایک پل عظمت صحابہؓ کے گرد پہرہ دینے میں صرف کیا ہے۔ انہیں توہین صحابہ کا مرتکب قرار دینے والا احمقوں کے جنگل میں بستا ہے۔ آپ نے جہاں رفض و بدعت کا قلع قمع کیا وہاں خارجیت اور یزیدیت کو بھی پنپنے نہیں دیا۔ اگر کہنے والے کے اپنے اندر یزیدیت کے کیڑے پرورش نہیں پا رہے تو انہیں اس نام سے اتنا بُغض کیوں ہے؟

''خارجی فتنہ'' کتاب میں حضرتؒ نے جملہ اسلاف کا جو نظریہ پیش کیا تھا، آج اُن تمام کو ''ناقدین معاویہ رضی اللہ عنہ'' کہہ کر پھبتی اڑانے کی اسی یزیدی مہم نے ثابت کر دیا کہ قاضی صاحبؒ کے دلائل کا توتوڑ ہو ہی نہیں سکتا، ہو سکے تو ان سب پر سب و شتم کر کے اپنے بیمار دل کی بھڑاس نکال لی جائے۔ حق پرستی اور حق پسندی کے مضحکے اُڑتے آئے ہیں۔ مگر دیکھنے والوں نے دیکھا اور سننے والوں نے سنا کہ اہل حق کی عظمت کا ستارہ چمکتا ہی رہا، جب کہ تخویف و ترہیب سے کام لے کر حق کو کچلنے

والوں کے نام و نشان تک مٹ گئے۔ بہرکیف ملتِ سنیہ ہشیار ہوجائے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام کا لیبل لگا کر ایک بار پھر ذریت یزید آخری سسکیوں کے ساتھ ظاہر ہورہی ہے۔ بہانہ سازیوں اور رُوبا بازیوں سے بازار گرم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے جو ان شاء اللہ کامیاب نہ ہونے پائے گی کیونکہ حامیانِ یزید کا خود کو محب معاویہ رضی اللہ عنہ کہنا بالکل ایسا ہے جیسے دشمنانِ صحابہ کا دعویٰ محبت اہل بیت ہے۔ ان دونوں کی پرکاہ کے برابر بھی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

## ''ناقدینِ امیر معاویہؓ'' نامی کتاب، یزیدیت کی آخری ہچکیاں

غلط دشمن کی نشاندہی اصل دشمن کو پناہ دینے کے مترادف ہے۔ امت کے ذہنی ترنگ رکھنے والے اسلاف کو جب ناقد معاویہ بنا کر پیش کیا جائے گا تو یہ رافضیوں کو بچانے کا غیر شعوری یزیدی فارمولہ تصور ہوگا۔ گذشتہ سطور میں ہم نے حویلیاں، ایبٹ آباد سے شائع ہونے والی کتاب ''ناقدین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ'' کا تعارف پیش کیا ہے جس کے مصنف مولانا قاضی طاہر علی الہاشمی ہیں، جنہوں نے دروغ کو بھرپور فروغ دینے کی کوشش کی..... مگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی کرامت پر قربان جائیں کہ ان کے نام کا لیبل لگا کر شرافت کی آڑ میں شرارت کا ہر منصوبہ بروقت گرفت میں آکر اپنے انجام کو پہنچ جاتا ہے..... میں حیران ہوں کہ لوگ اپنی قبروں سے کس قدر بے پرواہ اور غافل ہوچکے ہیں اور وہ بھی علماء کہلوانے والے! تلبیسات کو تحقیقات کا نام دینے سے آخر کب تک گذارا کیا جاسکتا ہے؟ پروفیسر صاحب نے حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کی عبارات میں سے ادھورے جملے نقل کیے اور من چاہا مطلب نکال کر اپنی روح کا روافض کی روح سے ملاپ کر بیٹھے۔ مثلاً وہ حضرت سے ''خارجی فتنہ'' کی مندرجہ ذیل عبارت منسوب کرتے ہیں۔

''حامیانِ یزید حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید کی آیت اولئک ھم الراشدون کے تحت خلیفہ راشد قرار دیتے ہیں.....لیکن ان کا یہ استدلال غلط ہے''

(ناقدین حضرت امیر معاویہؓ، صفحہ نمبر ۲۱۶)

**تبصرہ:**

پروفیسر صاحب نے بارہ سطروں کے ایک پیرائے کو ڈیڑھ سطر میں بیان کر کے نتیجہ پیش کیا ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر یزیدی ازم کا بت کھڑا کرنا ناممکن تھا۔ حضرتؒ کی مایہ ناز کتاب ''خارجی فتنہ'' کی مکمل عبارت ملاحظہ فرمایئے۔ آپؒ خلیفہ راشد کے لغوی اور اصطلاحی معنی پر بحث فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''حامیانِ یزید جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو قرآن مجید کی آیت اولئک ھم الراشدون کے تحت خلیفہ راشد قرار دیتے ہیں یعنی جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابیٔ راشد ہیں تو بحیثیت خلیفہ کیوں نہ راشد ہوں گے؟ لیکن ان کا یہ استدلال غلط ہے۔ بے شک شخصی طور پر دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی راشد ہیں اور حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ بھی راشد ہیں بلکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ مع اپنے بھائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے جنت کے جوانوں کے سردار ہیں لیکن بوجہ مہاجرین اوّلین میں نہ ہونے کے قرآن کے موعودہ خلفائے راشدین میں شمار نہیں ہوسکتے اور **علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المھدیین** میں بھی وہی قرآن کے معیاری چار خلفائے راشدین مراد ہیں کیونکہ ان چار کی خلافت باقتضاء نصِ قرآنی اللہ تعالیٰ کی ہر طرح سے پسندیدہ خلافت ہے۔ لہٰذا شرعی اصطلاح میں سوائے ان خلفاء اربعہ (چار یارؓ) کے اور کوئی خلیفہ راشد نہیں ہوگا اور لغوی معنی میں دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم جو منصب خلافت پر متمکن ہوئے ہیں، یعنی حضرت حسن رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی خلیفہ راشد ہوں گے۔

(خارجی فتنہ جلد دوم، صفحہ نمبر ۴۷۷، طبع دوم، مطبوعہ ادارہ مظہر التحقیق، لاہور)

نوٹ: دو جلدوں پر مشتمل یہ کتاب بھی مصنف کے حواشی و مقدمہ سے مزین ہو کر بہت خوبصورت انداز میں شائع ہوئی ہے (عثمان حسن)

## تنقیح عبارت

اگرچہ یہ مکمل اقتباس اپنے اندر بے غبار مفہوم رکھتا ہے جو لفظ بہ لفظ حقیقت

کی ترجمانی کر رہا ہے۔ مگر پھر بھی مزید آسانی کے لیے ہم اس کی تنقیح اور خلاصہ نکالتے ہیں۔ حضرتؒ کی بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ

①: آیتِ قرآنی **اولئک هم الراشدون** سے استدلال کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفۂ راشد کہنا منشاء الٰہی کے خلاف ہے۔

②: شخصی طور پر بحیثیت صحابی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور امام حسن رضی اللہ عنہ بھی دیگر اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ''راشد'' ہیں۔

③: حضرات حسن و حسین رضی اللہ عنہما بھی موعودہ خلفاء راشدین میں سے نہیں ہیں۔

④: شرعی اصطلاح میں خلفاء اربعہ کے علاوہ کوئی خلیفۂ راشد نہیں ہے..... ہاں البتہ:

⑤: لغوی معنی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو بھی خلیفہ راشد کہا جا سکتا ہے۔

قارئین کرام! سچ بتایئے گا، یزیدیت کا متعفن لاشہ دمشق کی پرانی قبر سے ظاہر ہو گیا یا نہیں؟ روافض اور پروفیسر مولانا طاہر ہاشمی صاحب تلبیس کی ایک ہی صف میں کھڑے نظر آ رہے ہیں یا نہیں؟ اور حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ نے حامیانِ یزید کی کمر سے کُرتہ اُٹھا کر جو کوڑے برسائے تھے، اُن سے یزیدیوں کی دلدوز چیخیں سنائی دے رہی ہیں یا نہیں؟ حامیانِ یزیدی کبھی دردِ کمر کا شکار ہوتے ہیں اور کبھی ''چُک'' نکلنے سے آہ و بُکا کرتے نظر آتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ فکری اعتبار سے کھوکھلے ہو چکے ہیں۔ میاں محمد بخشؒ کا ایک پنجابی شعر پڑھیے۔

کوئی آکھے پیڑ لکے دی، کوئی آکھے چُک
سچی گل محمد بخشا، اندروں گئی اے مُک

حضرتؒ قاضی صاحبؒ کے مسلکِ اعتدال کو ''غلیظ اور بدبودار'' مسلک قرار دینے والوں کی اپنی بدبو اس حد تک سڑاند پیدا کر چکی ہے کہ ایک دوسرے کا منہ دیکھنے کے لیے بھی تیار نہیں ہیں..... جن کے اپنے دماغ اس حد تک ویران

ہو چکے ہوں کہ ان میں دن دیہاڑے نیولے اور گیدڑ دوڑتے نظر آتے ہیں، وہ گلاب وچنبیلی سے لدے پھدے قاضی مظہر حسینؒ کی خوشبو دار فکر کو ''صحابہؓ دشمنی'' پر مبنی قرار دے کر شیعوں کے پٹی بھائی بننے کے خواہش مند ہیں۔ مولانا پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی نے اپنی کتاب کے آخری اوراق پر جا کر مولوی مہر حسین شاہ بخاری، ڈاکٹر طاہر القادری اور مودودی صاحب کی بُغض معاویہ پر مبنی عبارتیں دی ہیں مگر ان کے ساتھ ان کا تحریری لب ولہجہ وہ نہیں جو علامہ تفتازانیؒ ، علامہ جصاصؒ ، حضرت نانوتویؒ ، حضرت اقدس قاضی صاحبؒ یا مولانا محمد امین صفدر اوکاڑویؒ کے متعلق استعمال کیا گیا ہے۔ حالانکہ اسلاف امت اہل السنت والجماعۃ کے حقیقی نظریہ کی ترجمانی کر رہے ہیں کسی صحابی کا خلافت موعودہ میں شامل نہ ہونا، یا مہاجرین وانصار میں شامل نہ ہونا یا پھر باہمی نزاعات میں ''خطاء اجتہادی'' پر ہونا اس کی رفعت شان کو کم نہیں کرتا نہ اس میں کوئی تنقیص وتحقیر ہے۔

اہل السنت کی علمی وتحقیقی اور مخلص شخصیات کو مہر حسین شاہ جیسے جاہل اور اناڑی لوگوں کی قطار میں دکھانا بدبختی کے سوا کچھ نہیں ''ناقدین معاویہ رضی اللہ عنہ'' کتاب کے مصنف صاحب بتا سکتے ہیں کہ اس خدمت میں کون سا جذبہ کارفرما ہے؟ یہ دفاع معاویہ رضی اللہ عنہ ہے یا فتنہ انگیزی کی نئی ورائٹی؟ جھوٹ کے پنجۂ تغلب میں اب اتنی جان نہیں رہی کہ وہ سچ کو تڑپتا، پھڑکتا اور سسکتا چھوڑ کر اپنا سکہ جما لے۔ اس کتاب میں علماء اہل السنت کی عبارات کو کاٹ چھانٹ کر اور سیاق وسباق سے ہٹ کر پیش کیا گیا ہے اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شوریدہ بخت انسان سورۃ الماعون کی آیت نمبر ۴ سے استدلال کر کے تبلیغ کرتا پھرے کہ ''نماز پڑھنے والوں کے لیے ہلاکت ہے'' اور اگلے پچھلے مضمون کو ہڑپ کر کے قہر الٰہی کو دعوت دے۔ بہر حال اکابرین امت کی تحریروں کو ادھورا بنا کر پیش کرنا اور ان میں سے شرکی نالیاں کھینچنا کوئی نئی بات نہیں، یہ پہلے بھی ہوتا ہے، مگر کرنے والے منہ کی ہی کھاتے آئے ہیں۔

آنکھیں بند کر کے مٹھیاں بھینچنے سے سورج کی کرنوں کا کچھ نہیں بگڑتا،

اور کپڑے کو ناک میں ٹھونسنے سے خوشبوؤں کا کوئی نقصان نہیں ہوتا..... جی ہاں! مظہری برکات آج بھی اپنے جوبن پر ہیں کیونکہ

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

جو لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نام پر یزید کا دفاع اور پھر اس ضمن میں اہل بیت کی توہین کرتے ہیں، ہم نے ان کو ''یزیدی فتنہ'' کا نام دیا اور جو کم نصیب سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین کر کے اہل بیتؓ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں وہ بھی دراصل ''یزیدی فتنہ'' ہے۔ ایک یزید کی حد درجہ محبت میں اور دوسرا طبقہ حد درجہ نفرت میں راہِ اعتدال سے دور ہوتا چلا گیا۔ سو ان دونوں کا شمار ''یزیدفوبیا'' کے مریضوں میں ہے۔ کسی بھی لاشعوری اور اَن جانے خوف کو فوبیا کہا جاتا ہے۔ انہی مریضوں میں ایک مہر حسین شاہ بخاری بھی ہیں ہم نے گزشتہ سطور میں ان کی ایک بدبودار کتاب ''سیاست معاویہ'' پر تبصرہ کیا تھا۔ جس سے موصوف اتنے برہم ہو گئے تھے کہ گویا کپڑوں سے باہر آ گئے۔ چنانچہ ہمیں اُن کا خط موصول ہوا۔ جس کو ''گالی نامہ'' کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔

مہر حسین شاہ بخاری کے اس طویل خط میں سے ہم کچھ مندرجات پیش کر دیتے، مگر اس سے کتاب کی سنجیدگی متاثر ہوتی ہے، البتہ ہم نے ان کی وہ گالیاں ماہ نامہ ''حق چار یارؓ'' میں درج کر دی ہیں، وہاں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔ یہ گالیاں کوئی تعجب آمیز نہیں ہیں کیوں کہ مہر حسین شاہ صاحب نے اپنی بدبودار کتاب ''سیاست معاویہ رضی اللہ عنہ'' میں اس سے بڑھ کر صحابیِ رسول سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو گالیاں دی ہیں اور ہم نے بقدرِ ضرورت اس پر تبصرہ کر دیا ہے۔ ہمارا خیال تھا کہ مشہور شیعہ آنجہانی مصنف غلام حسین نجفی کے ۲۰۰۴ء کے اپنے نام خطوط ہم یہاں درج کر دیتے تاکہ نجفی و مہر شاہ کی اخلاقی مماثلت کا آپ نظارہ کرتے۔ مگر اس سے موضوع سخن تبدیل ہو جانے کا خدشہ ہے لہٰذا اسے کسی اور موقع پر اُٹھا رکھتے ہیں۔

## ہم نے ''الاجابۃ الکافیۃ'' کا جواب کیوں نہیں لکھا؟

مہر حسین شاہ صاحب چاہتے ہیں کہ ''سیاست معاویہ رضی اللہ عنہ'' نامی میری کتاب لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل رہے تاکہ میری صحابی دشمنی مخفی رہے اس لیے مصنف اپنی ہی کتاب کو پچھلے بیس، بائیس سالوں سے یوں چھپاتے آرہے ہیں جیسے بلی اپنا مواد بطن چھپاتی ہے اور حالیہ مکتوب میں لکھتے ہیں کہ میری کتاب ''الاجابۃ الکافیۃ'' کا جواب کیوں نہیں لکھتے؟ سو اس لیے کہ ہمارے مرشد حضرت اقدس قاضی صاحبؒ کے ہاں ''سیاست معاویہ رضی اللہ عنہ'' نامی کتاب کی طرح اس کی بھی کوئی علمی اہمیت نہ تھی۔ چنانچہ آپؒ لکھتے ہیں:

''الاجابۃ الکافیۃ فی ردِ دفاع معاویہ'' جس طرح کتاب کے نام میں کثافت ہے اسی طرح اس کے مضامین بھی کثیف ہیں لیکن میں اس کا جواب نہیں دوں گا۔''

نیز حضرتؒ نے ایک پیشین گوئی بھی کی ہے کہ:

''مولوی مہر حسین شاہ صاحب کے سُنی ہونے کی حقیقت کھل گئی ہے اب تو وہ گویا ''کریلا اور نیم چڑھا'' کا مصداق بن گئے ہیں، اُن کا یہ مرض اب لاعلاج ہے''

(خارجی فتنہ، ج دوم ص ۳-۴۸۲، طبع دوم مطبوعہ ادارہ مظہر التحقیق کھاڑک، ملتان روڈ، لاہور)

مہر حسین شاہ اپنے حلقہ میں خود کو حضرت سید نفیس شاہؒ کا متعلقہ ثابت کرتے ہیں، جب کہ یہ پوری سنیت کے ''مطلقہ'' بن چکے ہیں۔ اس لیے مہر حسین صاحب کا یہ دعویٰ کرنا کہ میرا حضرت سید نفیس الحسینیؒ سے خاص تعلق تھا بڑا وہم بلکہ جھوٹ ہے۔ عام لوگوں کی طرح وہ بھی آکر حضرت شاہ صاحبؒ سے مل جاتے ہوں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ آپ کی صحابہ رضی اللہ عنہم دشمنی کے مؤید تھے۔ ہم نے حضرت شاہ صاحبؒ کے پرانے خدام سے تحقیق کی ہے، سب نے کہا ہے کہ اس شخص سے حضرت شاہ جی کا کوئی فکری و اعتقادی یا اصلاحی تعلق نہ تھا اور حال ہی میں شاہ صاحبؒ کے خلیفہ مجاز اور خادم خاص محترم رضوان نفیس صاحب نے علامہ ابن حجر مکیؒ کی کتاب

''مناقب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ'' شاہ نفیس اکادمی کی جانب سے طبع کروائی ہے۔ اس لیے ہمارے سُنی اکابر کے ہاں گستاخی صحابہ کا کوئی ادنیٰ تصور بھی نہ تھا، اور نہ آج ہے۔ ہماری طرف سے تین طبقوں کا تعاقب جاری رہتا ہے۔

①: دشمنانِ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی رافضی

②: وہ لوگ جو حمایت یزید میں اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیر کرتے ہیں۔

③: وہ لوگ جو اپنے زعم میں ''اجداد'' کے ترجمان کہلوا کر حب علیؓ کی آڑ میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین کرتے ہیں۔

ہم شاہراہ اہل سنت پر گامزن رہنے کی دعوت دیتے رہیں گے۔ حمایت یزید بھی دراصل توہین صحابی کا ایک چور دروازہ ہے، جس سے داخل ہو کر سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ سمیت امت کے دیگر اکابرین کو بھی مطعون کرنے کی ناروا کوشش کی جاتی ہے..... مہر حسین شاہ صاحب جیسے لاتعداد لوگوں کے خطوط ہمارے متاع خانہ میں محفوظ ہیں اور ہر خط میں رنگ برنگی گالیاں ہیں بلکہ بعض گالیاں تو بالکل نئی ورائٹی کے طور پر مارکیٹ میں آئی ہیں چنانچہ ہمارے بعض مخلصین ان خطوط کو دیکھ کر گھبرا جاتے ہیں، مگر ہم کہتے ہیں کہ لوگوں نے اگر گالیاں دینے کا کام نہیں چھوڑا تو ہم دفاع صحابہؓ کا فریضہ کیوں چھوڑ دیں؟ گدھ اگر مرداروں کو نہیں چھوڑتی تو کیا تتلیاں پھولوں سے ناطہ توڑ لیں؟ سو آپ اپنا کام کرتے جائیں، ہم اپنا کرتے جائیں اور فیصلہ روز محشر پہ چھوڑ دیتے ہیں۔

فانتظروا انی معکم من المنتظرین۔

## یزیدیوں کا سپاہ صحابہ پر توہینِ صحابہؓ کا الزام

پروفیسر طاہر علی الہاشمی صاحب کی کتاب ''ناقدین امیر معاویہؓ'' پر ہم پہلے تبصرہ کر آئے ہیں اس میں پروفیسر صاحب موصوف نے امت مسلمہ کے جید مشائخ و سلف کو بھی ناقدِ معاویہ رضی اللہ عنہ قرار دے کر شیعیت کو جگ ہنسائی کا موقع فراہم کیا ہے مگر کتاب کا مطالعہ کر کے ہم حیران ہوئے کہ اس میں سپاہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے قائدین کو

ناقدینِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی صف میں نہیں دکھایا گیا۔ جب کہ آج سے اٹھارہ سال پہلے انہی پروفیسر صاحب نے اپنی کتاب ''تذکرہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ'' میں مجاہد اہل سنت مولانا محمد اعظم طارقؒ کو توہین صحابہ رضی اللہ عنہم کا مرتکب قرار دیا تھا..... تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب نواز شریف اور قومی اسمبلی کو صدر اسحاق خان نے برطرف کیا تھا تو کسی صحافی نے مولانا محمد اعظم طارقؒ سے دریافت کیا کہ بالفرض عدالت اسمبلی بحال کر دیتی ہے تو آپ کس طرف ہوں گے؟ تو مولانا اعظم طارقؒ نے کہا کہ ''امن ہو یا جنگ'' ہم ہیں صدر کے سنگ'' اور یہ کہ اب دمادم مست قلندر ہوگا۔

اس پر پروفیسر ہاشمی صاحب نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ یہ خالص شیعی انداز فکر اور سبائی نعرہ ہے کیونکہ اس کا دوسرا حصہ ''علی دا پہلا نمبر'' ہے۔ شیعیت کے اثرات کہاں کہاں پہنچے ہیں؟ لاشعوری طور پر بعض علماء بھی وہی اصطلاحات استعمال کر دیتے ہیں، تعجب تو مولانا اعظم طارق صاحب پر ہوتا ہے، جنہوں نے اپنی زندگی دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے وقف کر رکھی ہے اور دشمن ہر وقت ان کی جان کے پیچھے پڑا ہوا ہے، مگر لاشعوری طور پر توہین صحابہ رضی اللہ عنہم کا ارتکاب ان سے بھی ہو جاتا ہے۔

(تذکرہ سیدنا معاویہؓ، ص ۶۴، طبع اول ۱۹۹۵ء، مطبوعہ قاضی حسن پیر الہاشمی اکیڈمی، مرکزی جامع مسجد حویلیاں، ایبٹ آباد)

## تبصرہ

حالانکہ مولانا اعظم طارقؒ نے دوسرا مصرعہ نہیں کہا تھا، اعتراض تو تب بنتا جب وہ ''علی دا پہلا نمبر'' کہہ کر شیعی بولی بولتے، بطور مزاح صحافیوں کے سامنے صرف ''دمادم مست قلندر'' کہنے پر ایک مجاہد سُنی عالم دین کو توہین صحابہ رضی اللہ عنہم کا مرتکب قرار دینا کتنی بڑی یزیدی جسارت ہے۔ مگر یہ جسارت کوئی نئی نہیں اور اب تو سب نے دیکھ لیا ہے کہ امت مسلمہ کے جملہ اکابر کو انہی لوگوں نے ''ناقد معاویہ رضی اللہ عنہ'' قرار دے دیا ہے۔

اسی کتاب میں پروفیسر صاحب نے مولانا محمد ضیاء القاسمیؒ کے متعلق لکھا ہے کہ ''موصوف نے غلام حسین نجفی کا بھی ریکارڈ توڑ دیا ہے۔ (ایضاً، صفحہ نمبر ۹۳)

اور حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کو "بدترین تبرے" کا مرتکب قرار دیا ہے۔
(صلحہ نمبر ۴۲۷)

حضرتؓ پر تو حامیانِ یزید کی نوازش آج بھی ہے اور موقع بموقع یہ کیچڑ اُچھال کر حضرتؓ کی بلندیٔ درجات کا اور اپنی محرومیٔ قسمت کا سبب بنتے رہتے ہیں، مگر موجودہ کتاب میں قائدین سپاہ صحابہ سے درگذر کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ جذباتی دوستوں کو اپنا ہم فکر بنایا جائے۔ اس لیے ہم نے بطور ریکارڈ یہ بات بھی پیش کر دی ہے کہ کوئی صاحب "ناقدینِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ" کتاب پڑھ کر مغالطے کا شکار نہ ہوجائے، ہمارے علم میں یہ بات آئی ہے کہ مذکورہ کتاب نوجوان حلقے میں زیادہ گردش کر رہی ہے جس سے علم وتحقیق کی کرنیں کم اور غصے کی چنگاریاں زیادہ نکلتی ہیں۔

"سیاستِ معاویہ رضی اللہ عنہ" اور "ناقدین معاویہ رضی اللہ عنہ" دونوں کتابیں علم سے کوسوں دور اور جہل وغباوت سے قریب تر ہیں۔ فہم اسلاف اور تسلسلِ امت سے نکل کر کبھی کسی صحابی کی گرد پا بھی نصیب نہیں ہوتی جب کہ پروفیسر ہاشمی صاحب نے ماضی و حال کے زعمائے اہل سنت کے خلاف پروپیگنڈا کر کے اپنے تئیں دفاعِ معاویہ رضی اللہ عنہ کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ جو ایک ناتمام اور ناکام کوشش ہے اور "سیاستِ معاویہ رضی اللہ عنہ" کے مصنف کا دعویٰ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ وہ حضرت سید نفیس الحسینی شاہ صاحبؒ کے ارادت مند ہونے کے مدعی ہیں۔ صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن کو کسی بزرگ کی خانقاہ تو کیا، بیت اللہ شریف کا غلاف بھی پناہ نہیں دے سکتا..... دونوں کتب کے مصنفین تاحال زندہ ہیں اس لیے ہم ملتمس ہیں کہ وہ اپنے خود ساختہ خلافِ حقیقت اور متصادم دین نظریات کو اپنے ہاتھوں سے دفن کر دیں اس سے پہلے کہ خود دفن ہوجائیں۔

ڈر اس کی خبر گیری سے کہ ہے سخت انتقام اس کا

## حامیانِ یزید کے چند اعتراضات

شیعیت اور خارجیت تقابل کے طور پر وجود میں آئے ہیں اور آنے والے

وقتوں میں دونوں نے ایک دوسرے کے خلاف عقل ونقل سے متصادم دلائل تراشے۔ محلِ اختلاف کو سمجھنا بہت ضروری ہوتا ہے اور اسے جانے بغیر افراط وتفریط کا شکار ہونا یقینی ہوجاتا ہے۔ چنانچہ وہ لوگ جو نقطۂ اختلاف جانے بغیر خارجیت کے مخالف ہوتے ہیں وہ خارجیوں کے خلاف شیعوں کے تیار کردہ دلائل کا سہارا لیتے ہیں اور جو اہل تشیع کے مخالف ہوتے ہیں وہ خارجیوں کے چبائے ہوئے لقمے استعمال کرتے ہیں۔ حامیانِ یزید بنیادی طور پر عقل وشعور سے عاری طبقہ ہے اور انہوں نے اہل سنت والجماعت کے کتاب وسنت، آثار صحابہ، آراءِ سلف اور تعامل امت کے مطابق روشن اور مضبوط دلائل کو چھوڑ کر شیعوں کے خلاف خارجیوں کے تیار کردہ اعتراضات کو اُچھالا ہے اور یہ سوچا تک نہیں کہ اس سے خود اہل سنت کا مسلک کمزور ہوتا ہے۔

خارجیت اور یزیدیت بُغضِ اہل بیتؓ کی ایک خطرناک تحریک ہے بعینہٖ جیسے شیعیت بُغض صحابہ کی زہریلی وبا ہے۔ یزیدی حلقوں میں چند اعتراضات جو کہ بنیادی طور پر خوارج کے تیار کردہ ہیں اُچھالے جاتے ہیں اور یہ درحقیقت اہل سنت کی فکر ونظر کے خلاف ہیں۔ ان کے مختصر جوابات یہاں پیش کیے جارہے ہیں۔

پہلا یزیدی اعتراض: سیدہ فاطمہؓ کو ''سیدۃ نساءِ اہل الجنۃ'' کہنا تشیع ہے۔

جواب: اہل سنت اور اہل تشیع کے مابین ایک بنیادی اختلاف بنات رسول ﷺ کا مسئلہ بھی ہے۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں اور شیعہ فقط ایک کے قائل ہیں اور ساتھ ہی یہ الزام دیا کہ اہل سنت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کے قائل نہیں ہیں اور ان کی عظمت کے منکر ہیں۔ علماء اہل سنت نے اس اعتراض کا توڑ یوں کیا کہ جمعہ وعیدین کے خطبوں میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا بطورِ خاص ذکر کیا تاکہ عوامی اجتماعات میں شیعیت کے چیتھڑے اڑتے نظر آئیں۔ یہ طرزِ عمل صدیوں سے چلا آرہا ہے اور سُنی زعماء کا یہ عمل متواتر ہے علاوہ ازیں ''سیدۃ نساء اہل الجنۃ'' کے الفاظ صحیح روایات سے ثابت ہیں۔''

(بخاری جلد اوّل صفحہ ۵۳۲ اور مسلم جلد دوم صفحہ نمبر ۲۹۰)

لہٰذا یزیدیوں کا یہ اعتراض بے وزن اور پُر از حماقت و جہالت ہے۔ کتب احادیث اور سرمایۂ دین کو شیعہ ''ناصبیت'' قرار دیتے ہیں اور اسی سرمایہ کو یزیدی ''شیعیت'' قرار دے دیتے ہیں تو پھر دین اسلام کے سرمایۂ علمی کو نا قابلِ اعتبار ٹھہرانے میں گویا دونوں برابر کا کردار ادا کر رہے ہیں۔

دوسرا اعتراض: حضرت علیؓ، فاطمہؓ اور حضرات حسنینؓ اہل بیت میں شامل نہیں۔

جواب: یہ نظریہ بھی محض تقابلی ٹکراؤ سے وجود میں آیا، کیونکہ شیعہ لوگ ازواجِ مطہرات کو اہل بیتِ نبی میں شامل نہیں کرتے تو بجائے اس کے کہ اُن کے اس جاہلانہ نظریہ کا دلائل سے توڑ کیا جاتا، حامیانِ یزید نے حضرت فاطمہؓ اور ان کی اولاد کو اہل بیت سے خارج قرار دے کر بدلہ لے لیا۔ ظاہر بات ہے کہ دونوں کا نظریہ غلط ہے۔ اہل السنت کا نظریہ یہ ہے کہ ازواج رسول بھی اہل بیت نبی ہیں اور حضرت فاطمہؓ و حسنینؓ بھی۔ اور شیعہ و یزیدی محض ضد بازی میں ایک دوسرے پر پتھر پھینک رہے ہیں، علمی و نظریاتی دنیا میں دونوں کے اعتراضات کی قطعاً کوئی حیثیت نہیں ہے۔

تیسرا اعتراض: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنی دیگر بہنوں پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔

جواب: اصل میں شیعوں نے جب پروپیگنڈا کیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دوسری ازواج پر فضیلت نہیں ہے، تب سے حامیانِ یزید نے یہ راگ الاپنا شروع کیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی دیگر بہنوں پر کوئی فضیلت نہیں۔ جب کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی باقی بہنوں پر فضیلت ملتِ اسلامیہ کا اتفاقی نظریہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، جس نے فاطمہ کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی''

راہِ اعتدال یہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت و عظمت کو بھی تسلیم کیا جائے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کو بھی قبول کیا جائے۔ ایک کی جزوی فضیلت کا انکار کر کے دوسرے کی برتری پیش کرنا شیعیت ہے، یا یزیدیت!

چوتھا اعتراض: صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہی کیوں کیا جاتا ہے؟

**جواب:** حامیانِ یزید کے دماغوں میں چونکہ تعصب کی میل کچیل جمی ہے اس لیے سمجھنے کی صلاحیت ان سے سلب ہو چکی ہے اہل سنت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیوں سے عقیدت رکھتے ہیں۔ چاروں کے حالاتِ زندگی اور ایمانی واقعات پر درجنوں کتب موجود ہیں۔ البتہ بعض خطباتِ جمعہ میں جو صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے تو اس کی وجہ فقط یہ ہے کہ باقی تین کے متعلق تو دوٹوک نظریہ ہے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق شیعی پروپیگنڈا ہے کہ سُنی انہیں نہیں مانتے لہٰذا اس کا توڑ یوں کیا گیا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ذکر اہتمام سے کیا جائے۔ اب جب کہ حامیانِ یزید بلاوجہ اس قسم کے اعتراضات سے بدمزگی پیدا کر رہے ہیں، لازمی ہے کہ بناتِ اربعہ کا ذکر خطبات میں کیا جائے تاکہ حامیانِ یزید کا ناطقہ بھی بند ہو۔ چنانچہ اب خلفاء راشدین، عشرِ مبشرہ، اور بناتِ اربعہ کے فضائل ومناقب پر مشتمل خطبہ بھی اکثر مساجد میں پڑھا جاتا ہے۔

**پانچواں اعتراض:** حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنے اپنے عہد میں خلافت کے حریص تھے۔

**جواب:** جب شیعوں نے کہا کہ حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما خلافت کے حصول کے لیے منصوبہ سازی کرتے رہے تو اسی طرح یزیدیوں نے جواباً یہ اعتراض پیش کر دیا۔ حالانکہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نیتوں پر حملہ کرنا اور ان کو حکومتوں کا حریص قرار دینا اپنا ایمان برباد کرنے کے مترادف ہے۔ شیعوں کی ایمانی ٹہنی تو پہلے سے ہی جلی ہوئی تھی، حامیانِ یزید نے بھی انہی کی اتباع کر ڈالی۔ الحمدللہ، اہل سنت والجماعت تمام اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ایمان کا مصدر ومحور سمجھتے ہیں اور اُن ایمانی وقرآنی پیکروں کو حریص دنیا کہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

**چھٹا اعتراض:** حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ شریک تھے۔

**جواب:** جب شیعوں نے کہا کہ حضراتِ ثلاثہ رضی اللہ عنہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ظلم کیا، انہیں پٹوایا گیا اور جبراً ان سے خلافت چھین لی گئی تو جواب میں حامیانِ یزید نے یہ گُر نکالا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کروایا۔ یہ دونوں نظریے باطل

ہیں۔ نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی اور نہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھا۔ یزیدی طبقہ کتنا بے وقوف اور احمق ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت میں ابن سباء اور اس کی ذریت کو نامزد کرنے کی بجائے ایک جلیل القدر صحابی پر الزام دے دیتے ہیں۔ ان دونوں بدقسمت طبقوں کی محنت فقط اسی پر ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مخلص نہیں تھے۔ شیعیت کی تبلیغ بھی یہی ہوتی ہے اور یزیدیت کی بھی۔

ساتواں اعتراض: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک انچ بھی زمین فتح نہیں ہوئی، یہ اُن کی ناکامی کی دلیل ہے۔

جواب: اندرونی شورش کی وجہ سے فتوحات کا سلسلہ بند ہوگیا تھا۔ اگر کوئی یہ اعتراض کر بیٹھے کہ چونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بغاوت کر دی تھی اس لیے فتوحات میں رکاوٹ پیدا ہوگئی تو اس کا جواب کیا ہوگا؟ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ آپس کے اختلاف کو رفع کرنے میں منہمک رہے جو کہ بہت ضروری تھا نیز کامیابی و ناکامی کا مدار فتوحات پر نہیں ہوتا، یہ محض نادانی ہے۔

آٹھواں اعتراض: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے بعد خلیفہ بنانے کی وصیت کیوں کی؟

جواب: یہ شیعوں کے اس اعتراض کا جواب تراشا گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو ولی عہد کیوں بنایا؟ حالانکہ دونوں کی نیت سو فیصد درست تھی بعد میں لوگوں نے ان کی نیتوں پر اپنے خانہ ساز نظریات کا ملمع چڑھا دیا۔ بات صرف اپنے بعد خلیفہ بنانے کی نہیں، بلکہ ظلم و جور کی ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے والد گرامی کی وفات کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے صلح کی اور یزید نے اپنے والد گرامی کی وفات کے بعد آلِ رسول کا خون کیا، مدینہ طیبہ کی بے حرمتی کی اور فسق و فجور کو رواج دیا۔ اب بجائے اس کے کہ ایک غیر صحابی اور ظالم کو مسترد کیا جاتا، حامیانِ یزید نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا قضیہ چھیڑ کر پلڑا برابر کرنے کی کوشش کی۔ اگر

شیعوں کا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے ادبی کرنا شرارت ہے تو یزیدیوں کا حضرت علی وحسن رضی اللہ عنہما کے فیصلے پر اعتراض کرنا عبادت کیسے ہوسکتا ہے؟

نواں اعتراض: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو سزا کیوں نہ دی؟

جواب: یہ اس بات کے جواب میں کہا گیا کہ یزید نے ابن زیاد اور دیگر قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ کو سزا کیوں نہ دی؟ حالانکہ یہ تقابل فضول ہے کیونکہ قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ یزید کی دسترس میں تھے اور اس نے بجائے سزا دینے کے اُن میں عہدے بانٹے، جب کہ قاتلانِ عثمان رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کنٹرول اور گرفت سے باہر تھے۔ اور ان کو فوری سزا نہ دینے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ مجبور تھے۔ یزید کے دفاع میں خلافت راشدہ کے چوتھے تاجدار سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرنا صرف ہٹ دھرمی ہے۔

دسواں اعتراض: حضرت حسین رضی اللہ عنہ صحابی نہیں تھے۔

جواب: یہ یزیدی ترکش کا آخری تیر ہے۔ جب منصب صحابیت کے حوالہ سے بات ہوتی ہے کہ ایک غیر صحابی کا صحابی سے ٹکرانا اور ان کی عزت وجان کو پامال کرنا بہت بڑی جرأت اور دیدہ دلیری ہے تو حامیانِ یزید نے معاملے کو برابر کرنے کے لیے کہا کہ حضرت حسین بھی تو صحابی نہیں تھے، ابھی وہ کم سن ہی تو تھے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رحلت فرما گئے، لہٰذا یزید وحسین دونوں صحابی زادہ ہیں اور تابعین میں سے ہیں۔

حالانکہ محدثین کرام اور ماہرین اسماء الرجال کی متفقہ تحقیق ہے کہ حضرات حسن وحسین رضی اللہ عنہما جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں اور ان سے براہِ راست روایات ثابت ہیں، دراصل یزید کے خلاف حضرت حسین رضی اللہ عنہ جیسی عظیم المرتبت صحابی کی ذات گرامی کے خروج کا جب ذکر آتا ہے اور یزیدی سفاکیت سامنے آتی ہے تو ہر مسلمان کے دل میں محبتِ صحابہؓ ہونے کی بناء پر طبعاً اور فطرتاً یزید کے خلاف نفرت کے جذبات ابھرتے ہیں، اس تاثر کو رفع کرنے کے لیے یہ حیلہ ایجاد کیا گیا ہے کہ حضرات حسین رضی اللہ عنہ کی صحابیت مشکوک اور مختلف فیہ ہے، حالانکہ یہ سفید نہیں بلکہ کالا جھوٹ ہے۔

قارئین کرام! یہ تمام تر اعتراضات محمود احمد عباسی، عزیر احمد صدیقی، نذیر احمد شاکر، عظیم الدین صدیقی، محمد سلطان نظامی، حکیم فیض عالم صدیقی، سید حسن سہروردی حکیم باغ علی اور ابوعتیق محمد امین خادم (کامونکی) وغیرہم کی کتب میں موجود ہیں اور یزیدی حلقوں میں جو سینہ بہ سینہ یہ باتیں گردش کر رہی ہوتی ہیں، وہ انہی حضرت کی زنبیل جہل کا اندوختہ ہیں۔ اس لیے ان اعتراضات کے مختصر جوابات پیش کر دیئے گئے ہیں۔

قارئین کرام! ہمارا موقف یہ ہے کہ اہل السنت کے تمام علماء دین یزید کی تفسیق پر متفق ہیں اور آج تک کسی ذمہ دار مفسر، محدث، فقیہہ یا صوفی نے یزید کی حمایت نہیں کی کیونکہ حمایت یزید کا لازمی نتیجہ مخالفت حسینؓ ہے۔ اور حضرت حسینؓ جلیل القدر صحابی ہیں ایک غیر صحابی کے دفاع میں صحابی رسول کی ایمانی تابشوں سے ہاتھ دھو بیٹھنا بہت بڑی حماقت ہے۔ ہم نے اس مقالہ میں حامیان یزید کے جدید چہروں کو بے نقاب کیا ہے اور بعض پرانے شکاریوں کے بچھائے گئے جال سے بھی سنی نوجوانوں کو خبردار کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس دوران کچھ تجربات ہوئے ہیں، اول تو یہ کہ اندرون و بیرون ملک جہاں جہاں یہ آواز پہنچی، قارئین نے بے حد پسند کی اور ہر بار ایک ہی مطالبہ سامنے آتا کہ یہ مضامین کتابی شکل میں آنے چاہئیں ہم یہ کہہ کر جان بخشی کرواتے کہ جب یہ سلسلہ مکمل ہوگا تو کتاب ترتیب دے دی جائے گی۔ (سو اب ان کی خواہش کی تکمیل کی جا رہی ہے) (عثمان حسن)

اس دوران ہمیں کوئی دو درجن کے لگ بھگ خطوط بھی موصول ہوئے جن میں بعض سنجیدہ سوالات درج ہوتے اور بعض میں فقط مغلظات! ہم سنجیدہ باتوں کا جواب تو ساتھ ساتھ ہی درج کرتے جاتے اور مغلظات کو نظر انداز کرتے رہے۔ رابطہ کرنے والوں میں مندرجہ ذیل قسم کے لوگ شامل تھے۔

①: بلاتفریق مسلک دیوبندی، بریلوی اور اہل حدیث حضرات، جنہوں نے اس مقالے کو تحسین کی نگاہوں سے دیکھا۔

②: حامیانِ یزید، جن کا تعلق عموماً کسی نہ کسی مذہبی جماعت سے ہوتا اور وہ جلی کٹی سناتے رہے۔

③: شیعہ نوجوان، جو یزید کی سرکوبی دیکھ کر خوش ہوتے مگر حضرت معاویہؓ کی منقبت ہمارے قلم سے پڑھتے تو ان کے ارمانوں پر اوس پڑ جاتی اور جب انہیں بتایا جاتا کہ آپ کے ساتھ ہمارا اختلاف مسئلہ یزید پر نہیں ہے، اصولی اختلاف ہے تو پھر وہ رابطہ کرنے سے گریز کرتے۔

④: سنی نما مخالفینِ حضرت معاویہؓ، ان کی خواہش تھی کہ فسق یزید کو تو بیان کیا جائے مگر حضرت معاویہؓ کی منقبت بیان نہ کی جائے۔ شیعیت زدہ یہ مختصر طبقہ اس دوران متواتر ماتم کرتا رہا اور گالیوں پر مشتمل خطوط ارسال کرتا رہا۔ مگر ان کی آرزو تشنہ رہی اور الحمدللہ کسی ایک لمحے کے لیے بھی ہمارا قلم حضرت معاویہؓ کی ذات والا بابرکات کی مدحت سے غافل نہ رہا۔

خلاصہ کلام یہ کہ مقالہ سے شیعیت اور یزیدیت کو ضرب کاری لگی ہے اور ان کی آہیں وقتاً فوقتاً سنائی دیتی رہیں۔ جبکہ ہماری نیت چھیڑ چھاڑ کی نہیں تھی اور نہ کسی کی دل آزاری کی گئی۔ ہمارا جذبہ صرف یہ تھا کہ مسلک اہل سنت ایک بار پھر تازہ اور نکھر کر سامنے آجائے۔ اور اس سلسلہ میں جنم لینے والے شکوک کا ازالہ ہو جائے۔ محض سخن سازی یا دشنام طرازی سے ہم حتی المقدور اجتناب کرتے رہے تاہم بتقاضائے بشریت قارئین میں سے کسی کی دل آزاری ہوئی ہو تو ہم معافی کے خواستگار ہیں۔ اللہ تعالیٰ شہید کربلا حضرت حسینؓ کے دفاع میں لکھی جانے والی ان بے ترتیب سطروں کو باعث ہدایت اور راقم کے لیے باعث نجات بنائے۔ آمین ثم آمین!

عبدالجبار سلفی
ادارہ مظہر التحقیق
ملتان روڈ، لاہور

جدید ایڈیشن

# تذکرہ

# مُجاہدینِ ختمِ نبوّت

## اور

# قادیانیوں کے عبرت انگیز واقعات

جمع وترتیب

شاہینِ ختم نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا مدظلہ

عالمی مجلسِ تحفظِ ختمِ نبوت

حضوری باغ روڈ، ملتان۔ 061-4783486